خوشحال خان خٹک

سوانح حیات

مولف: دوست محمد خان کامل مہمند

فہرست مضامین

عنوانات حصہ اول

حصہ دوم

پیش لفظ

یوں تو پٹھانوں کے متعلق باہر کی دنیا میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں لیکن گزشتہ سو سال میں ہمارے سابق سفید فام آقاؤں نے جس منظم طریقہ سے اس جاہل اور نیم وحشی قوم کے خلاف مسلسل پراپیگنڈہ کیا ہے وہ ملوکیت پسند قوموں کے استعماری حربوں کی ایک زندہ مثال ہے۔ اس افسوسناک صورت حال کے پیش نظر اگر ایسی ''خونخوار ناشائستہ اور غیر مہذب قوم'' کے مشاہیر قعر گمنامی میں پڑے رہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لہٰذا ہر وہ مخلصانہ کوشش جو ان عمداً پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کی جائے نہ صرف ادبی اور تاریخی بلکہ ایک قومی خدمت ہے۔ جن مشاہیر کرام نے اپنے اہم کردار کے ذریعے اپنے زمانے کی ذہنیتوں پر گہرا اثر ڈالا ہے ان کے حیرت انگیز کارناموں کو منظر عام پر لانا ایک مقدس فریضہ ہے۔ اس لحاظ سے میرے معزز اور محترم دوست جناب کامل صاحب قابل مبارک باد ہیں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور خرابی صحت کے باوجود اس نیک اور مبارک کام کے لیے اقدام کیا۔

فاضل مصنف کی زیر نظر تصنیف خود ان کا بہترین تعارف ہے لیکن جس پس منظر میں، میں نے انہیں کدوکاوش کرتے دیکھا ہے اگر اسے قارئین کرام کے سامنے پیش نہ کیا جائے تو کتاب کی اہمیت کا خاطر خواہ اندازہ نہ ہو سکے گا اور نہ ہی اس داد کا جس کے وہ مستحق ہیں۔ جب اس برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کا ایک علیٰحدہ اسلامی سلطنت کے لیے متفقہ مطالبہ شعلۂ جوالہ کی طرح ملک کے طول وعرض میں پھیل گیا اس وقت کئی نوجوانوں کے سینوں میں وہ دبی سی آگ بھڑک اٹھی جو سالہا سال سے ناکام امیدوں اور تمناؤں کی شکل میں سلگ رہی تھی۔ وہ اس بلند نصب العین کے حصول کے لیے سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں اس مجنونانہ تیزی سے کودے جس سے کوئی بھٹکا ہوا سراسیمہ مسافر لق ودق صحرا کی بھیانک اندھیری راتوں میں منزل مقصود کی طرف جانے والے قافلے کی گھنٹی کی آواز سن کر اس کی جانب بے اختیار لپکتا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے کارواں کو جو عدیم المثال قربانی دینا پڑی چونکہ اب وہ ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب بن چکی ہے لہٰذا اس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ ان قابل فخر نوجوانوں میں سے جنہوں نے قوم، ملک اور ملت کی خاطر اپنا سب کچھ گنوایا، سب کچھ لٹایا اس کتاب کا بلند ہمت، سرفروش مصنف بھی تھا جسے اس ملی جدوجہد کی پاداش میں قید خانہ کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا۔ ایک معزز خاندان کے معزز والدین کا اکلوتا بیٹا۔ ان کی امیدوں کا

آخری سہارا اور معاش کا واحد ذریعہ اس حیات افروز آفتاب کی بھینٹ چڑھ گیا جس کے لئے گھناؤنی رات کی تاریکیاں محوانتظار تھیں

جب اس پرانی دنیا کا سورج ایک نئی مملکت پر طلوع ہوا تو ہمارا جواں سال ادیب اپنا عزیز ترین سرمایہ اپنی صحت ایک ایسی قوم کی نذر کر چکا تھا جو احسان فراموش بھی ہے اور ناسپاس بھی۔ عین اس وقت جب اس کے بعض خودغرض لیڈر اپنے شہیدوں کے لہو کی یاد میں فتح و کامرانی کا جشن مناتے ہوئے شراب ارغوانی کے جام پر جام چڑھا رہے تھے اس کتاب کا مصنف اپنے صوبے کے دور افتادہ گوشے کے ایک سینے ٹوریم میں اپنے مدقوق جگر کا خون پی رہا تھا۔ مجھے وہ اشعار اب تک یاد ہیں جو انہوں نے اپنے بچوں کی جدائی میں لکھے تھے اور ان سے بحالت تندرستی ملنے کے لئے خداوند تعالٰی سے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی۔

مجھے گرمی کی وہ شام بھی یاد ہے جب میں ان کی بیمار پرسی کے لئے ان کے مکان پر گیا۔ کیونکہ میں نے سنا تھا کہ وہ سینے ٹوریم سے واپس آ گئے ہیں۔ آہ جونہی میں نے کمرے کی دہلیز سے آگے قدم رکھا مجھے اس خوبرو، حسین و جمیل، تندرست و توانا کامل کی بجائے جن کی شوخیوں اور قہقہوں سے کالج کی ادبی مجلسیں گونج اٹھتی تھیں ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ نظر آیا۔ ان کے پلنگ کے اردگرد جہاں مجھے دوائیوں، بوتلوں اور پیالوں کی توقع تھی وہاں کتابوں کے انبار نظر آئے۔ مزاج پرسی کے بعد مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ خوشحال خان کی زندگی اور شاعری پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ میں انہیں اس خطرناک حالت میں مطالعے یا دماغی کام کرنے سے روکتا ان کے دبلے پتلے، سوکھے اور کانپتے ہوئے ہاتھ ساتھ کی الماری کی طرف بڑھے اور بمشکل ایک موٹی سی کتاب نکال لائے۔ دق کا یہ باہمت مریض اپنا مسودہ اٹھا کر مجھ سے خوشحال خان کے بعض سوانح حیات کے متعلق بحث کرنے لگا۔ میں نے کسی نہ کسی طریقے سے اس بحث کو مختصر کرنے کی کوشش کی۔ اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ ہر قسم کے مطالعہ سے پرہیز کریں۔ رخصت ہوتے وقت مجھے اس نیم مردہ مریض کی حالت پر انتہائی رحم آیا۔ کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ چند دنوں کا مہمان ہے۔

اس واقعہ کے قریباً ایک سال بعد کامل پھر ایک رعنا جوان بن چکا تھا۔ ان کے گالوں کی سرخی، آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مستقل مسکراہٹ ان کی اندرونی صحت کی شہادت دے رہی تھی۔ جب کبھی بھی میں ان سے ملتا چند موٹی موٹی کتابوں کو ان کے زیر مطالعہ پاتا۔ بعد میں

ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے ہیرو کو اس شکل میں پیش نہیں کیا جس میں وہ خود اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور نہ اس شکل میں جس میں وہ اور لوگوں کو دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ اسے اسی شکل میں پیش کر رہے ہیں جو فطرت نے اسے ودیعت کی ہے۔ جو اس کی اصلی شکل ہے اور جو بغیر کسی رنگ آمیزی کے عوام کے سامنے آنی چاہیے خواہ اس تصویر کے بعض رخ مصنف کو پسند ہوں یا نہ ہوں۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ صرف اس بات سے مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ وہ نقل کو حتی الوسع اصل کے مطابق بنا سکیں۔ اس کامیاب کوشش کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک غیر جانبدار مبصر کا کردار ادا کیا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر مصنف نے لاشعوری طور پر اپنے ہیرو کی کمزوریوں پر پوری توجہ مرکوز نہیں کی بلکہ اس کی خوبیوں کو اپنے انداز بیان سے اور زیادہ مرغوب بنا دیا ہے۔ اسے لغزش سمجھیں یا تحت الشعور کی عکاسی۔ بہر حال یہ ایک عام انسانی کمزوری ہے جس سے کوئی مصنف کا ملاً بچ نہیں سکا ہے۔

اگر چہ میرے عزیز دوست مسودہ کی ترتیب کے وقت مجھ سے گاہے گاہے مشورہ لیتے رہے اور اس کے مطابق کئی جگہ تغیر و تبدل کرتے رہے خصوصاً اشعار کی تشریح و توضیح کے ضمن میں۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ہم میں کسی واقعہ کی صحت، کسی لفظ کے معنی یا کسی شعر کے مطلب کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا گو وہ اختلاف بھی متفق علیہ ہی رہا۔ مجھے بعض مضامین کی ترتیب سے بھی اختلاف ہے اور بعض جگہ طرز تحریر سے بھی۔ گو میں انہیں ترتیب مضامین کے سلسلے میں اپنا ہم خیال بنا سکتا تھا۔ لیکن ان کے طرز تحریر کو بدلنا خود ان کے لیے مشکل تھا۔ چونکہ ہر ایک مصنف کے لکھنے کا ایک خاص ڈھنگ ہوا کرتا ہے اس لیے میرے لیے نامناسب تھا کہ انہیں ایسے طرز میں لکھنے پر مجبور کروں جو ان کا اپنا نہ ہو۔

اس تصنیف کا مقصد نہ تو سیاسی ہے اور نہ ہی خوشحال خان کی سیاسیات کو کسی خاص نقطۂ نظر سے پیش کرنا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے یہ اسی جذبے کا نتیجہ ہے جو مشاہیر رجال کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے ہر صداقت پسند شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے خوشحال خان کو ارباب اغراض نے جس رنگ میں پیش کیا ہے وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ اس عظیم المرتبت انسان کی تذلیل کرتا ہے اور اس قوم کی تحقیر بھی جس میں وہ پیدا ہوا۔ یہاں نسلی تفوق یا برتری کا اظہار مقصود نہیں صرف تاریخی واقعات کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کرنے کی ایک معمولی سی کوشش ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ جتنی شہادتیں بھی فاضل مصنف نے اپنے دلائل کی تائید میں پیش کی ہیں وہ سب خوشحال خان کے زمانے کی ہیں اس کے ہمعصروں نے جو اس کو قریب سے دیکھ چکے تھے۔ جو کچھ بھی اس کے متعلق لکھا ہے وہ دیگر تذکروں سے ضرور زیادہ معتبر اور صحیح ہوگا۔ اس کے علاوہ مصنف نے بعض مغلق اور مبہم الفاظ و اشعار کی عام فہم تشریح کے لیے جو کدوکاوش کی ہے وہ یقیناً قابل ستائش ہے۔ مختلف لڑائیوں کے مقامات معلوم کرنے کے لیے بڑی کوشش اور تگ و دو کے بعد جو نایاب نقشے حاصل کیے گئے ہیں ان سے نہ صرف کئی ایک تاریخی واقعات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ ان علاقوں کی پہچان میں بھی جن میں اس وقت پٹھانوں کے مختلف قبیلے آباد تھے۔ یہ کتاب کم و بیش آٹھ سال کی عرق ریزی، گہرے مطالعے اور تحقیق و تفتیش کا نتیجہ ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اہل علم حضرات اس عزیز تحفے کو جو خون پسینہ ایک کرنے سے وجود میں آیا ہے، قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ پٹھانوں کو بیرونی دنیا سے اور بیرونی دنیا کو پٹھانوں سے روشناس اور متعارف کرانے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تاہم زیر نظر کتاب اپنی ضخامت کے باوجود محض ایک سرسری جائزہ ہے۔ خوشحال خان کے متعلق ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ یہ حرف آخر نہیں بلکہ آغاز ہے۔ امید ہے کہ اس اہم موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات مزید تحقیق و تفتیش کر کے پشتو ادب کی کماحقہ خدمت کریں گے۔

کتاب کی انفرادیت سے زیادہ عجیب چیز خود صاحب کتاب کی انفرادیت ہے۔ اگر وہ چاہتے تو اس قابل قدر تصنیف کو کسی امیر یا وزیر کے نام معنون کرتے یا کسی "بڑے" آدمی سے اس کا پیش لفظ لکھوا کر کتاب کی "قدر و قیمت" میں اضافہ کرتے جس سے اور کچھ نہیں تو کتاب کے خریداروں کی تعداد بڑھ جاتی۔ لیکن یہ خوددار ادیب کاروباری قسم کا مصنف نہیں۔ اس نے کسی خاص حسن ظن کی بنا پر اس تصنیف کے پیش لفظ کے لیے مجھ جیسے بے مایہ اور بے بضاعت انسان کا انتخاب کر کے گو اپنے آپ پر ظلم تو کر لیا لیکن ایک ایسی عبرت آموز مثال پیش کر دی جو اس کتاب کی زود فروشی اور مقبولیت کی خود ضامن ہوگی۔ خدا کرے میرا یہ خیال درست ثابت ہو۔

فضل حق شیدا

نشتر آباد پشاور

۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء مطابق ۵ رجب ۱۳۷۰ ہجری

حامداً و مصلیاً

سخن ہائے گفتنی

آج سے کئی سال پہلے جب میں ابھی بچہ ہی تھا خوشحال خان خٹک کا تعارف مجھ سے ہو گیا تھا اور شاید ہی کوئی افغان زادہ ہو جو اوائل عمر ہی سے خوشحال خان خٹک اور عبدالرحمن مہمند کو نہ پہچان لیتا ہو۔ مگر باوجودیکہ افغان ان دونوں کو اونچے پایہ کے انسان سمجھتے ہیں، وہ جیسا کہ چاہیے نہیں جانتے کہ انہیں کیا اہمیت و خصوصیت حاصل ہے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے آج سے چند سال پہلے تعلیم یافتہ افغان بھی اپنے ناخواندہ بھائیوں سے کچھ زیادہ باخبر نہ تھے۔ کیونکہ ان کی نوشت و خواند اور تعلیم و تربیت میں پشتو کو قطعاً کسی توجہ کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے بیس اکیس سال کی عمر میں بی۔اے تک تعلیم حاصل کر چکنے کے باوجود میری حالت بھی اپنے دیگر خواندہ یا ناخواندہ ہم نژادوں سے بہتر نہ تھی۔ اور اگرچہ کبھی کبھار اس دوران میں اپنے افغان مشاہیر اور عظیم شخصیتوں کے حالات و خیالات کے متعلق کچھ نہ کچھ سن یا پڑھ لیتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ کماحقہ میں نہ تو پشتو زبان و ادب اور نہ ہی افغانوں کی تاریخ کے متعلق معلومات رکھتا تھا بلکہ دیگر زبانوں اور اقوام کی ادبیات و تاریخ کے متعلق میری معلومات کچھ زیادہ ہی تھیں۔ اس اثنا میں غالباً بی۔اے پاس کر چکا تھا یا اس سے کچھ پہلے۔ مجھے علامہ اقبال مرحوم کی کتاب بال جبریل پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب کے ذریعہ مجھ پر افغان شخصیت کے وہ بہت سے پہلو آشکارا ہوئے جو اب تک مجھ سے مخفی و پوشیدہ رہے تھے۔ اگر اس کتاب میں غافل افغان کو اپنی خودی پہچاننے کی دعوت دی گئی ہے تو افغان خودی و شخصیت کے زندۂ جاوید نمونہ خوشحال خان خٹک جسے افغان تاریخ و ادب میں خان علیین مکان اور خان کلان کے القاب سے یاد کیا گیا ہے کی اس آخری وصیت کو بھی جگہ دی گئی ہے جو اپنے اندر غیرت و حمیت اور عزم و استقلال کا لازوال درس لیے ہوئے ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے خوشحال خان پر جو حاشیہ بال جبریل میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے معلومات خوشحال خان کے متعلق اس کی بعض نظموں کے ترجمہ پر مبنی تھے جو 1864ء میں انگلستان میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ میجر راورٹی نے کیا تھا۔

اس کے جلد بعد ہی مجھے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ جانا پڑا۔ یہ سال 1936ء تھا۔ علی گڑھ میں قریباً ایک سال بعد مجھے خوشحال خان کی بعض منتخب نظموں کے مجموعہ جس کے ساتھ انگریزی ترجمہ اور مختصر مقدمہ بھی تھا، کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ترجمہ کی۔ای۔ٹا...

انگریز کا کیا ہوا تھا۔ خوشحال خان خٹک اور اس کے خیالات و افکار میں ان صاحب علم و فضل غیر
افغانوں خصوصاً علامہ اقبال مرحوم کی بحیثیت ایک شاعر و مفکر اسلام میرے دل میں شروع ہی سے
بے حد قدر و منزلت رہی ہے، کی دلچسپی نے مجھے خوشحال خان خٹک کی طرف زیادہ غور اور حیرت و
احترام کے ملے جلے جذبات کے ساتھ متوجہ کیا۔ اور اس کا کلام اکثر و بیشتر میرے زیر مطالعہ رہنے
لگا۔ جوں جوں اس کا مطالعہ کرتا میں متحیر ہوتا، میری دلچسپی اس میں بڑھتی اور صاحب کلام کی
عظمت میرے دل پر نقش ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں اس کے حالات و خیالات کے
متعلق تحقیق و تجسس کا بے حد شوق پیدا ہوا۔ ایک تو یوں بھی اتنے عظیم شاعر و مفکر کے ساتھ وابستگی
پیدا ہو جانے کے بعد اس کے حالات کے معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہو جانا چاہیے تھی۔ اور
دوسرے خوشحال خان فن و فکر کا مالک ہونے کے ساتھ جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر ہو رہا تھا ایک
صاحب کردار انسان تھا اور اپنے قول و عمل دونوں سے اپنے عہد کی ایک بہت بڑی قومی تحریک کا
روح رواں بنا تھا۔ خصوصاً شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جسے برعظیم ہندو پاکستان کے مسلمان بالعموم
بہت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے رہے ہیں کے ساتھ خوشحال خان کی افسوسناک مناقشت
اور جنگ نے اسے میرے لیے اور بھی زیادہ توجہ کا مرکز بنا دیا تھا۔ جتنی مجھے اس مناقشت اور جنگ
کے احساس سے کوفت ہوتی اتنی ہی میری دلچسپی اس میں بڑھتی اور اس کے اسباب و علل اور تفاصیل
معلوم کرنے کے لیے خوشحال خان کے حالات زندگی کو جاننے کا شوق روز بروز بڑھتا۔ چنانچہ
میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خوشحال خان کی زندگی کے واقعات، فن، علمی و ادبی آثار اور اس
قومی تحریک جس کی اس نے قیادت کی تھی کے متعلق صحیح اور مفصل معلومات فراہم کر کے انہیں دنیا
کے سامنے پیش کیا جائے۔ مگر کچھ تو تعلیمی مصروفیات کے سبب اور کچھ خوشحال خان کے (نیز اپنے)
وطن سے دور ہونے کی وجہ سے مجھے اس کام کو ملتوی کرنا پڑا۔ میرے مضامین فلسفہ و قانون تھے۔
اور اگرچہ اول الذکر کا تو ادب و فن اور تاریخ بلکہ ہر شعبہ علم سے گہرا تعلق ہے مگر موخر الذکر کا میرے
پیش نظر کام سے تعلق نہ تھا۔ تاہم میں خوشحال خان کا کلام پڑھنے اور اس پر غور کرنے کے لیے کچھ نہ
کچھ وقت اکثر نکال لیا کرتا تھا۔

میں اوائل 1939ء میں ہندوستان سے واپس آیا۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر قریباً دو
سال تک اس کام کو شروع نہ کر سکا۔ جس کے متعلق میرا یہ ارادہ تھا کہ وطن پہنچتے ہی پوری توجہ و
یکسوئی اور سعی و کوشش سے شروع کروں گا۔ آخر جب اس کام کو میں

دیگر مواد کی جستجو میں مصروف ہوا تو حالات کو بہت ناسازگار پایا۔ غیر مطبوعہ تاریخی وادبی مواد کا سراغ نہ ملتا تھا۔ جو پیش نظر کتاب کے لیے بہت ضروری تھا لیکن میں ناامید نہ ہوا۔ اور خوشحال خان کے ضخیم دیوان کے معانی و مطالب پر غور کرنے اس کی مشکلات حل کرنے اور خوشحال خان اور اس کی تحریک کے متعلق جو کچھ پشتو، فارسی، انگریزی اور اردو کی مطبوعہ کتابوں میں درج تھا، اس کے مطالعہ اور ترتیب میں مصروف رہا۔

اس طرح اس شغل میں بعض دیگر مصروفیات کے ساتھ قریباً ساڑھے چھ سال گزر گئے اور سال 1947ء کے ربع آخر کا آغاز ہوا۔ میرے دوست اور اقارب مجھے دیکھ کر تشویش کا اظہار کرتے۔ میں بھی جسمانی حالت میں تغیر محسوس کر رہا تھا مگر اسے معمولی خرابی صحت سمجھے ہوئے تھا۔ تھوڑے دنوں میں کمزوری اور نقاہت نمایاں طور سے بڑھ گئی۔ ساتھ ہی سخت کھانسی بھی ہونے لگی۔ کچھ عرصہ تو معالج کا خیال تھا کہ فقر الدم (اینیمیا) کی شکایت ہے مگر بالآخر 29 فروری 1948ء کو یہ انکشاف ہوا کہ میں تپ دق کا مریض تھا۔ بلغم مثبت تھا اور دونوں پھیپھڑے بری طرح مجروح تھے۔ چنانچہ ہر ایک قسم کی جسمانی و دماغی کاوش سے میرے لیے پرہیز لازمی ہوا اور حتی الامکان بہت معمولی حرکت سے بھی اجتناب کی مجھے ہدایت کی گئی۔ 29 فروری سے 31 مارچ تک پشاور ہی میں علاج کروایا اور یکم اپریل کو صحت گاہ ڈاڈر ضلع ہزارہ روانہ ہو کر اسی روز وہاں پہنچا۔

میں یہ تو نہ کہوں گا کہ ان سالوں (1941-48) میں خوشحال خان پر میں کچھ کام نہ کرسکا۔ کیونکہ میں نے اس کے بعض سوانح حیات کو مختلف مطبوعہ کتابوں اور دیگر وسائل و ذرائع سے معلوم کر کے مرتب کرلیا تھا اور اس کے دیوان سے اپنے حسب منشاو مدعا کلام انتخاب کر کے اس کی ترتیب اور اس پر تنقید و تبصرہ کا خاکہ میں نے اپنے ذہن میں تیار کرلیا تھا۔ تاہم جو کچھ اب آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اسے دیکھ کر میں یہی کہوں گا کہ اوائل 1948ء تک جب بوجہ خرابی صحت دیگر تمام مشاغل سمیت مجھے اپنا یہ محبوب مشغلہ بھی ترک کرنا پڑا۔ میں اپنی منزل مقصود سے بہت دور تھا۔ جو کچھ میں اس وقت کے فراہم شدہ مواد کی بنا پر لکھ سکتا تھا اس کا تاریخی حصہ موجودہ کتاب کے اس حصے کے تہائی کے برابر بھی نہ ہوتا۔ کئی اہم اور ضروری واقعات دریافت ہوئے تھے اور جو معلوم ہوئے تھے وہ بھی اکثر بہت مجمل اور تشریح طلب تھے۔ علاوہ بعد میں معلوم ہوا میں بعض واقعات اور ان...

طرح ادبی حصہ میں بھی بہت سی کمی تھی اور اس وقت تک صرف دیوان خوشحال خان پر ہی مبنی تھا۔

یکم اپریل 1948ء سے 30 نومبر 1948ء تک میں صحت گاہ ڈاڈر میں رہا۔ اس دوران میں نہ تو جسمانی لحاظ سے اس قابل تھا کہ خوشحال خان کے متعلق کچھ کام کر سکتا اور نہ ہی میرے پاس متعلقہ مسودات اور دیگر ضروری مواد موجود تھا۔ صحت گاہ ڈاڈر سے مراجعت کے وقت میرے محسن و شفیق معالج الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان نے مجھے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری زیادہ تشویشناک حالت رفع ہو چکی تھی۔ اور میرے لئے پشاور میں علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ وہاں بھی ڈاکٹر علی گوہر خان جیسے ماہر معالج کی موجودگی کی وجہ سے میں انشاء اللہ تعالیٰ محفوظ ہاتھوں میں ہوں گا۔ تاہم ابھی تک دونوں پھیپھڑوں میں زخم موجود تھے اور میری جسمانی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ بمشکل چند قدم چل سکتا تھا۔

پشاور پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد مجھے خوشحال خان کے متعلق اپنے لکھے ہوئے مسودات کا خیال آیا اور میں شدت سے محسوس کرنے لگا کہ اس کام کو پھر جاری کیا جائے۔ میری صحت میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے آہستہ آہستہ متواتر ترقی ہو رہی تھی۔ اگرچہ میں اور میرے متعلقین بھی بخوبی سمجھتے تھے کہ ایسی حالت میں میرے لئے اس قسم کا کام کرنا میری صحت کے لئے ٹھیک نہ ہوگا مگر میرے اصرار پر میری خواہش کے مطابق میرے مسودات اور متعلقہ کتابیں میرے کمرہ میں میرے چارپائی کے قریب الماری میں لاکر رکھ دی گئیں اور میں نے چند دنوں میں اس کام کو پھر سے شروع کر کے آہستہ آہستہ جاری رکھا۔ میری صحت بھی اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے برابر ترقی کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے رسول مقبول حضرت محمد ﷺ کے طفیل شفائے کامل عطا فرمائی۔ اور اوائل فروری 1950ء میں، میں حسب معمول کام کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس دوران میں خوشحال خان کے عہد کے بارہ میں بعض اہم مطبوعات کے علاوہ مجھے خوشحال خان کے متعلق بعض قلمی مواد بھی مل چکا تھا۔ اور ان دستاویزات کی روشنی میں، میں نے اپنے مسودہ میں کافی اضافہ اور ردوبدل بھی کر لیا تھا۔ حسب معمول کام کاج کرنے کی پوری اجازت مل جانے کے بعد اپنی نوشت و خواند کو جاری رکھتے ہوئے میں نے اس احساس کے ساتھ کہ یہ کام ضرورت سے زیادہ معرض التوا میں پڑ گیا ہے قلمی نسخوں خصوصاً خوشحال خان کے پوتے افضل خان پسر اشرف خان کی تالیف تاریخ مرصع بزبان پشتو کی جستجو بڑی تندہی اور بے صبری سے شروع کی اور الحمد للہ والمنۃ کہ دوستوں کے تعاون سے تھوڑے ہی عرصہ میں مجھے بہت سا قیمتی اور اہم قلمی مواد ہاتھ آ گیا اور بعض

کا سراغ ملا جسے جا کر مالک کے ہاں مطالعہ کرتا رہا اور ان تمام دستاویزات (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) سے استفادہ کر کے میں نے کاتب کے لئے اس کتاب جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے کے مسودہ کو اواخر اگست 1950ء میں تیار کر کے اس کے حوالہ کر دیا۔

کتاب اور اس کے مضمون کا اندازہ تو آپ خود اس کے مطالعہ سے کریں گے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ آپ اسے پڑھ لینے کے بعد اس کے بارہ میں اسی نتیجہ پر پہنچیں گے یا وہی رائے قائم کریں گے جو میری ان معروضات کے مطابق یا ان پر مبنی ہو۔ تاہم مصنفوں اور مؤلفوں کے حسب معمول اس کے متعلق چند باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا تا کہ ان کے ذریعہ کتاب اور طریقہ کار کے متعلق اپنے خیال کے مطابق ایک خاکہ سا آپ کے سامنے پیش کرسکوں۔ کتاب کو میں نے دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصہ میں خوشحال خان کے حالات زندگی ہیں اور دوسرے حصہ میں اس کی شاعری پر تنقید و تبصرہ اور چند متفرقات ہیں۔ حصہ اول جو خوشحال خان کے سوانح حیات اور متعلقہ تاریخی واقعات پر مشتمل ہے میں صرف وہی منظومات درج کی گئی ہیں جن میں تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہوں یا تاریخی پس منظر رکھتے ہوں اگر چہ ان میں بیشتر نظمیں ادبی اعتبار سے بھی بہت بلند پایہ ہیں مگر ان کے انتخاب میں نقطۂ نظر بجائے ادبی زیادہ تر تاریخی رہا ہے۔ خوشحال خان کے سوانح حیات کے بیان کو میں نے تنگ دائرہ کے اندر محدود و مقید نہیں کر دیا بلکہ اس کی زندگی کے واقعات کو صحیح اور بہتر طریقہ سے سمجھنے کے لئے اس کے ماحول، گرد و پیش اور اہم متعلقہ واقعات کا بھی جائزہ لے کر انہیں بیان کیا گیا ہے۔ میں یہ بات عرض کرتے ہوئے بے حد خوشی اور اطمینان محسوس کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جو تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ تمام کے تمام مستند ہیں اور جس قدر اسناد ہیں وہ خوشحال خان کے عہد کی ہیں یا چند اس سے پہلے کی جو خوشحال خان سے پہلے کے بعض واقعات و امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کتابوں میں اگر چہ بعض ایسی بھی ہیں جن کی تالیف خوشحال خان کی وفات کے بعد ہوئی مگر وہ ایسے لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جو خوشحال خان کے ہم عصر تھے اور ان کی تحریریں نہایت باوثوق اور معتبر مواد پر مبنی ہیں۔ کئی ایسی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو خوشحال خان کے زمانہ سے بعد کے لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں مگر انہیں اساس نہیں گردانا گیا۔ انہیں زیادہ تر موازنہ و مقابلہ کے لئے پیش نظر رکھا گیا۔ اگر ایک آدھ واقعہ ان میں کسی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہو تو مستثنیات میں سے ہوگا۔ اسناد کے حوالے حواشی میں دیئے گئے ہیں اور بحث طلب امور کی وضاحت بھی حواشی میں کر دی گئی ہے جن کے لئے

متن میں گنجائش نہ تھی۔

کتاب کے حصہ دوئم میں مختصر سی تمہید کے بعد خوشحال خان کی شاعری کو بلحاظ مواد و مضامین مختلف عنوانات کے تحت ترجمہ و تبصرہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ابواب و عنوانات کی ترتیب میں جیسا کہ عرض کیا گیا ہے نفس مضمون کا خیال رکھا گیا ہے لیکن ہر مضمون پر خوشحال خان کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کو مختلف اصناف سخن میں خان کا کلام ملتا ہے۔ خوشحال خان کی کئی کمیاب قلمی کتابوں سے بھی جنہیں اب تک ناپید خیال کیا جاتا تھا خوشحال خان کے کلام کا انتخاب کر کے شامل کتاب کیا گیا ہے۔ شاعری پر تبصرہ کے بعد تین متفرق باب ہیں جن میں پہلے دو بالترتیب خوشحال خان کی نثر اور پشتو ادب پر اس کے اثر کے متعلق ہیں اور آخری نگاہ بازگشت ہے۔ خوشحال خان کی نثر کا انتخاب بھی کمیاب قلمی نسخوں سے کیا جو کہ، جہاں تک مجھے علم ہے پہلی بار شائقین علم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ جو انتخابات اصل سے کر کے بمع ترجمہ میں نے اس کتاب میں پیش کیے ہیں وہ خوشحال خان کی کتاب ''دستار نامہ'' اور اس کی ''بیاض'' سے ماخوذ ہیں۔ اگرچہ اول الذکر کتاب شاید اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی شائع ہو جائے مگر بیاض کے انتخابات میں سے بعض کا صرف ترجمہ میجر راورٹی نے اپنی ایک کتاب میں شامل کیا ہے۔ جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے خوشحال خان کے دیوان کے مطبوعہ ایڈیشنوں میں بھی بعض اشعار مختلف طور سے دیئے گئے ہیں۔ اسی قسم کے اشعار کی مختلف قراتوں کو میں نے اس طرح واضح کیا ہے کہ ہر ایک مصرع کے مختلف فیہ الفاظ کو درمیان میں لکیر کھینچ کر اوپر نیچے لکھ دیا ہے۔ بعض اوقات پورا مصرعہ اوپر نیچے لکھ دیا ہے۔ اور یا حواشی میں اختلاف کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض اوقات تغیر الفاظ سے معانی و مطالب میں فرق آیا ہے اور بعض اوقات نہیں۔ جہاں فرق پڑتا ہے وہاں اسی طریقہ سے اسے ظاہر کیا گیا ہے جہاں لکیر کھینچ کر اوپر نیچے دونوں طرح قرأت کو لکھا گیا ہے وہاں اوپر والی قرأت ہمیشہ دیوان خوشحال خان مطبوعہ ہوتی ضلع پشاور (حال مردان) اور نیچے والی کلیات خوشحال خان مطبوعہ قندھار کی ہوگی۔ ترجمہ حتی الامکان لفظی (گو بامحاورہ) کیا گیا ہے جس سے میرا مقصد یہ تھا کہ شاعر کا خیال و فکر اور مطلب و مدعا ان تصرفات سے محفوظ رہے جو بالعموم مترجم کی خواہشات و رجحانات کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں۔ میں اس قسم کی خواہشات و رجحانات سے متاثر ہونے کو غیر مستحسن سمجھتا ہوں البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شاعر و فنکار ایک بات یا چیز بالارادہ شعوری طور سے بیان اور ظاہر نہیں کرتا مگر وہ اس کے کلام اور اثر (تخلیق) کا جز یا نتیجہ اور ان سے بالکل

عیاں ہوتی ہے۔ اگر مترجم وشارح اور مبصر ونقاد اس قسم کی باتوں اور چیزوں کو ظاہر کرے تو میں اسے تصرف خیال نہیں کرتا۔

کتاب کے شروع میں جو مقدمہ دیا گیا ہے (اور حصہ اول کے پہلے باب پر مشتمل ہے) اس کی ایک دفعہ (سیکشن) میں زبان اور رسم الخط کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اگر اسے غور سے پڑھ لیا جائے تو امید ہے کہ غیر افغان قارئین کو بھی جو پشتو رسم الخط سے ناواقف اور اسے پڑھنے سے قاصر ہیں اصل کلام کے پڑھنے میں بہت حد تک مدد ملے گی اور مشق ہو جانے کے بعد اسے پڑھ سکیں گے۔

میں نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ ہر ایک واقعہ کو پوری تحقیق وتفتیش کے بعد لکھوں اور ان غلطیوں سے بچا رہوں جو بے احتیاطی یا نژادی تعصب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کلام کے ترجمہ وتشریح اور اس پر تبصرہ میں بھی کافی احتیاط اور کوشش وکاوش سے کام لیا گیا ہے۔ مگر بہ تقاضائے بشریت اگر مجھ سے کوئی غلطی یا غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے اور آپ سے بھی ان کے لیے طالب عفو واصلاح ہوں۔

کتاب کے شروع میں اور جا بجا چھوٹے بڑے متعدد نقشے بھی ہیں ان نقشوں میں بعض حالات اور چیزیں ایسی ظاہر کی گئی ہیں جو زمانہ کتاب میں موجود نہ تھیں مثلاً پختہ سڑکیں ریلوے لائنیں اور بعض نہریں اور بعض نئی بستیاں وغیرہ اس سے مقصد یہ تھا کہ نقشوں سے جہاں اس وقت ملک کی قدرتی حالت کا اندازہ آپ لگائیں وہاں واقعات پیش نظر کے مناظر میں اور ان کے ماحول میں بعد میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ بھی آپ کو معلوم ہو جائیں۔ اور مقامات کی سابقہ پوزیشن کے علاوہ ان کی موجودہ پوزیشن کو بھی جان سکیں۔ خوشحال کے مزار کا فوٹو بھی کتاب میں شامل ہے۔ خوشحال کا اپنا فوٹو میرے علم میں نہیں ورنہ وہ بھی کتاب میں پیش کر دیا جاتا۔ افغانستان کی کتابوں میں اس کا جو فوٹو چھپتا رہا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی یہاں بھی چھپنے لگا ہے وہ فرضی ہے۔

کتاب کے آخر میں تین ضمیمے بھی شامل ہیں۔

اس کتاب میں خوشحال خان خٹک کے سوانح حیات کو پہلی بار ولادت سے وفات تک بہت تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح اس کے علمی وادبی آثار کا بھی اس میں مفصل اور مشرح بیان ہے۔ میری انتہائی کوشش رہی ہے کہ کتاب ہر لحاظ سے مفصل ومکمل ہو لیکن اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوا ہوں تو اس کتاب کو ہرگز خوشحال خان خٹک کے متعلق حرف آخر نہ

سمجھنا چاہیے۔ مفصل و مکمل دیگر اصطلاحات کی طرح اضافی ہیں۔ اس بارہ میں میرے محترم دوست جناب شیدا کا خیال جو انہوں نے پیش لفظ میں ظاہر فرمایا ہے نہایت مناسب و بجا اور قابل قدر ہے۔ اس کتاب کو خوشحال خان کے متعلق آغاز کار سمجھتے ہوئے ہمیں ابھی خوشحال خان کے متعلق کام کو جاری رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور ہماری مدد فرمائے اور جو کچھ فی الحال آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اسے مقبول فرمائے۔

قبل اس کے کہ ان احباب کا شکریہ ادا کر کے جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں میری امداد فرمائی ہے ان معروضات کو ختم کروں معذرت کے ساتھ دو ایک باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی اس کتاب کے اردو میں تالیف کرنے کے متعلق ہے۔ اُردو علم و ادب اور اس زبان میں مختلف مضامین پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ میں عرصہ دراز سے کرتا چلا آیا ہوں علاوہ بریں تین سال تک ہندوستان میں بھی حصول علم کے لئے قیام رہا اور اردو زبان میں کچھ لکھنے کی مشق بھی ہے۔ اس لئے اگر میں کہوں کہ میں اردو زبان نہیں جانتا تو یہ تو تکلف ہو گا البتہ یہ ضرور ہے کہ مجھے اردو زبان کا ادیب یا اسے پوری طرح جاننے کا دعویٰ نہیں۔ مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ پشتو ہی ایک ایسی زبان ہے جسے میں کماحقہ جانتا ہوں اور اسی ایک زبان میں بغیر کسی قسم کی تکلیف کے میں تحریر و تقریر کر سکتا ہوں۔ اس لیے قارئین یہ خیال نہ فرمائیں گے کہ اس کتاب کو راقم الحروف نے اپنی علمی استعداد کے متعلق کسی غلط فہمی کی وجہ سے اردو میں لکھا۔ اگر میں اس کتاب کو پشتو میں لکھتا تو پاکستان میں صوبہ سرحد اور بلوچستان اور ان کے علاوہ افغانستان کے لوگ اسے پڑھ سکتے۔ لیکن اردو میں لکھے جانے کی وجہ سے یہ کتاب سارے پاکستان و ہندوستان میں پڑھی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ بلکہ افغانستان اور کئی دوسرے ممالک میں بھی اردو جاننے والے موجود ہیں۔ اور اس طرح سرزمین سرحد کے اس عظیم صاحب کردار فنکار کا تعارف بہت وسیع پیمانہ پر ہو سکے گا۔

دوسری ضروری وضاحت اس کتاب میں لفظ افغان کے استعمال کے متعلق ہے۔ جب جناب شیدا کا لکھا ہوا پیش لفظ میں نے پڑھا تو میں نے ان سے اعتراض کے انداز میں سوال کیا کہ آپ نے پشتون ہوتے ہوئے پٹھان کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ کیونکہ یہ نام تو غیر پشتونوں نے ہمیں دے رکھا ہے اور وہی اسے استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو نام یعنی پشتون اور افغان ہم اپنے لیے استعمال کرتے ہیں ان میں اول الذکر (اور یہی ہم میں زیادہ تر مستعمل

ہے) اردو میں مستعمل نہیں اور دوسرے نام سے غلط فہمی ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ افغان پشتون کے علاوہ افغانستان کے باشندے کو بھی کہتے ہیں۔ ان کا خیال کافی قوی اور مدلل ہے اور میں نے بھی لفظ پشتون کا استعمال اسی خیال سے نہیں کیا جو انہوں نے ظاہر کیا مگر میں نے اپنے لیے ایک ایسے نام کو خود استعمال کرنا بھی مناسب نہ سمجھا جس کی نہ اب تک حقیقت و اصلیت معلوم ہو سکی ہے اور نہ ہی جسے ہم نے اپنے آپ کو دیا ہے۔ عام تقریر و تحریر میں پشتون اور افغان متبادل نام ہیں اور افغان نام اس وقت سے چلا آ رہا ہے جس وقت موجودہ افغانستان کا وجود بھی نہ تھا۔ افغانستان نام بھی کوئی ڈیڑھ سو برس پرانا ہوگا۔ اور افغان نام صدیوں کا ہے۔ جن کتابوں پر آپ کے پیش نظر کتاب مبنی ہے۔ ان میں ایک ہی لوگوں کے لیے افغان اور پشتون نام استعمال ہوئے ہیں۔ فارسی کتابوں میں افغان نام اور پشتو کتابوں میں دونوں نام استعمال ہوئے ہیں۔ یہ کتابیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس وقت کی لکھی ہوئی ہیں جس وقت نہ تو موجودہ افغانستان اور نہ ہی اس کا یہ نام تھا۔ اگر کسی فارسی یا پشتو کتاب میں لفظ پٹھان استعمال ہوا ہو تو وہ مستثنیات میں سے ہوگا۔ نعمت اللہ ہروی کی مخزن افغانی کے ترجمہ کا حوالہ دیتے ہوئے میں نے ایک جگہ (حاشیہ میں) پٹھان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ میں نے مخزن افغانی کے انگریزی ترجمہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور نہیں کہہ سکتا کہ اس جگہ اصل کتاب میں بھی لفظ پٹھان استعمال ہوا ہے یا نہیں۔ اسی طرح خوشحال خان نے بھی تمام دیوان میں ایک جگہ پتھانړ (پٹھان) کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی اس جگہ ضرورت پر میں نے نوٹ لکھا ہے۔ ان معروضات کے ہوتے ہوئے اس کتاب میں لفظ افغان (بجائے پشتون یا پٹھان) کے استعمال کے سبب اصلی کا اندازہ قارئین بخوبی فرما سکتے ہیں۔ اگر آج کل افغان کا استعمال محض پشتون کے علاوہ افغانی رعایا کے معنوں میں بھی ہوتا ہے تو نفس مضمون اور سیاق سباق کے پیش نظر معانی و مطلب کو پا لینا مشکل نہیں۔ اور اس کتاب میں تو اس قسم کے اشتباہ کا قطعاً کوئی احتمال نہیں۔

میں نے بجائے کتاب کے آخر میں کتابوں (جنہیں بطور سند و ماخذ استعمال کیا گیا ہے) کی فہرست دینے کے شروع ہی میں فہرست مضامین سے پہلے اور ان معروضات کے بعد شامل کر دی ہے تاکہ آغاز ہی میں قارئین کو ان کتابوں کا علم ہو جائے جن پر پیش نظر کتاب مبنی ہے۔ علاوہ بریں بعض کتابوں کے ناموں کے لیے اختصارات استعمال کیے گئے ہیں ان کی تشریح بھی فہرست اسناد (کتابیات) کے بعد کر دی گئی ہے۔

آخر میں، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان تمام احباب کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں میری امداد کی ہے۔ میں اپنے معزز دوستوں عبدالشکور خان مہتمم عجائب خانہ پشاور اور ایس ایم جعفر صاحب ڈائریکٹر سنٹرل ریکارڈ آفس پشاور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں از اول تا آخر بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا اور فراہمی کتب اور اپنے مفید مشوروں سے میری رہنمائی فرماتے رہے۔ ان قلمی نسخوں کے بغیر جو عبدالشکور خان کے ذریعے حاصل ہوئے اس کتاب کی قدر و قیمت یقیناً بہت کم ہوتی۔ میں ان ہر دو صاحبان کے عملوں کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ نہایت خندہ پیشانی سے مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے نہایت مستعدی سے میری امداد و اعانت کی۔ اسی طرح میں محمد نواز خٹک، سید انوار الحق خان، عبدالحق خان خٹک، عبدالسلام خان خٹک ساکنان شیدو ضلع پشاور کا بھی از بس ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے لیے بہت قیمتی قلمی مواد عنایت کیا۔ میں محمد اکرم خان ترین انسپکٹر پولیس کا شکرگزار ہوں جن سے کتاب میں شامل متعدد نقشوں کی تیاری میں بہت زیادہ امداد ملی۔ میں اپنے محترم دوست جناب فضل حق خان شیدا ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی جو نہ صرف پشتو کے ایک بلند پایہ شاعر و ادیب ہیں بلکہ اُردو، فارسی اور انگریزی زبانوں اور ان کے ادب میں بھی پوری مہارت اور وسیع معلومات رکھتے ہیں کا ممنون احسان ہوں کہ انہوں نے از راہ کرم اس کتاب کا پیش لفظ لکھنا قبول فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی اکثر مجھے اپنے قابل قدر مشوروں سے بھی مستفید کرتے رہے۔ انہوں نے محبت و شفقت کی وجہ سے میرے متعلق چند ایسی باتیں لکھی ہیں جنہیں میں نے پسند نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی زبان یا قلم سے میری تعریف خصوصاً میری تالیف میں ایسی ہے جیسے میں خود اپنے منہ میاں مٹھو بن رہا ہوں۔ لیکن خود ان سے پیش لفظ لکھنے کی درخواست کر کے بغیر ان کی اجازت کے اس میں تغیر و تبدل کرنا اخلاقاً مناسب نہ تھا۔ میں عبدالخالق خان خلیق مالک ادارۂ اشاعت سرحد پشاور کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا اور اس کے کاتب قاضی محمد صادق صاحب رکن عملۂ کتابت روزنامہ ''شہباز'' و بختیار احمد پشاور کو بھی اپنے شکریہ کا مستحق سمجھتا ہوں۔ علاوہ ان اصحاب کے میں برادرم فضل الرحمن خان ای۔ اے۔ سی، مرزا امداد حسین بیگ پرسنل اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمۂ تعلیم صوبہ سرحد، پروفیسر نفیس الدین احمد خان معلم پشتو و فارسی اسلامیہ کالج پشاور، محمد اشرف خان ایڈمنسٹریٹر پشاور میونسپلٹی، محمد یعقوب خان چمکنی ایڈوکیٹ، سردار خان بابا خان قزلباش ایڈوکیٹ اور جلال الدین خان وکیل پشاور کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس

کتاب کی تیاری میں میرا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی۔ میرے والد بزرگوار اگر ان سب سے زیادہ نہیں تو کسی سے کم بھی شکریہ کے مستحق نہیں جو نہ صرف نہایت اشتیاق سے اس کتاب کے مکمل ہو کر چھپ جانے کا انتظار کرتے رہے بلکہ میرے زمانۂ صحت اور بیماری سے شفایابی کے بعد اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری کوششوں کو زیادہ اور تیز تر دیکھنے کے متمنی رہے۔ اور سب سے زیادہ اور ہزار ہزار شکر ہے محسن حقیقی اللہ جل وشانہ کا جس نے خود بھی اپنے اس بندۂ حقیر کی امداد فرمائی اور اپنے اس محسن بندوں کو بھی احسان کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ میری ناچیز مساعی کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مقبول فرمائے آمین۔

دوست محمد خان کاملؔ

سکندر پورہ پشاور

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۰ ہجری مطابق ۲۴ جون ۱۹۵۱ء

عرض ناشر

محترم جناب دوست محمد خان کامل عصر حاضر کے ایک قابل قدر، فاضل اور علوم وفنون پر کامل دسترس رکھنے والے انسان تھے۔ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔ ملنساری اور احباب نوازی ان کی شخصیت کا لازمی جزو تھے۔ مطالعہ اور وسیع مطالعہ سے ان کے فکر ونظر میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ خوش طبیعت، خوش گفتار، خوش اسلوب، خوش بیان، خوش کلام اور خوش فعال انسان تھے۔ گویا خوش کی صفت سے کچھ اس طرح بہرہ ور تھے کہ جس کسی سے ایکبار ملتے ان کی شخصیت اور ان کے علم وگفتار کا دلدادہ ہو جاتا۔ میرے مشفق، محترم اور مکرم تھے۔ انسانی عزت نفس اور چھوٹوں سے شفقت ومحبت سے پیش آنا ان کی کشادہ ظرفی اور کشادہ دلی کا بین ثبوت ہے۔ تحقیق کے کام میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ پشتو ادب کے حوالے سے ان کی کئی کتب موجود ہیں۔ خوشحال خان خٹک کی زندگی شخصیت اور فن پر ان کی یہ بہت عمدہ کتاب مولانا عبدالخالق خلیق کے ادارے ادارہ اشاعت سرحد نے پہلی مرتبہ 1951ء میں شائع کی تھی۔ اور کامل صاحب نے بے شمار ماخذوں تک رسائی حاصل کر کے استفادہ کیا تھا۔ خوشحال خان جسے عوام خان بابا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انہیں علم کی معرفت مذہبی اقدار، تہذیبی روایات، بلند نظری، خود اعتمادی، شاعرانہ دسترس اور زبان وبیان پر کامل عبور کی وجہ سے اعلیٰ ترین منصب ومرتبہ پر فائز رکھتے ہیں۔ انتہائی عزت و احترام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ بہادر سپاہی، تجربہ کار جرنیل، فلسفی، حکیم، ماہر فلکیات، تاریخ دان، معلم افغان اور اعلیٰ درجے کا شہسوار بھی تھا۔ اور بے پناہ صلاحیتوں سے بھرپور شاعر اور نثر نگار

بھی۔ خان بابا کی انہی خصوصیات اور شاعرانہ کمالات و افکار پر تحقیقی کتاب میرے محترم مرحوم بزرگ محمد خان کامل کی تالیف تھی۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ اسے بار دگر شائع کیا جائے۔ لیکن میں اپنی مصروفیات اور دوسرے ذاتی اور دنیاوی کاموں میں اتنا الجھا رہا کہ ان کی اس خواہش کی تکمیل میں بڑا وقت صرف ہو گیا۔ اب مرحوم کی روح کی تسکین اور اپنی کوتاہیوں کے اعتراف کے طور پر میں اس کا یہ تازہ ایڈیشن شائع کر رہا ہوں اس کے علاوہ اس علاقے کے اہل علم و نکتہ سنج و نکتہ طراز حضرات کی دیرینہ فرمائش بھی پوری کر رہا ہوں۔ اور مرحوم کامل صاحب کی روح سے معذرت خواہ بھی ہوں کہ یہ ساری تاخیر میری اور صرف میری نااہلی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ خوشحال بابا نے ہی کہا تھا کہ:

طبیعت مے عطائی نہ د تحصیل دے
کہ خبریم د املا پہ استعمال

مصطفٰے کمال
شاہین بکس، پشاور

کتابیات

علاوہ قرآن کریم، تجرید البخاری اور مجموعۂ ارشادات امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ موسوم بہ نثر اللآلی (مع پشتو ترجمہ از پروفیسر مولانا عبدالرحیم مرحوم شائع کردہ ادارۂ اشاعت سرحد پشاور) جن کی طرف بعض تلمیحات اور مقامات و مباحث کی تشریح و توضیح کے لیے رجوع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے امداد لی گئی ہے:

(۱) پشتو

(۱) کلیات خوشحال خان خٹک موسوم بہ "د خوشحال خان خٹک مرغلرے" بمع مقدمہ عبدالحی خان حبیبی مطبوعہ قندہار ۱۳۱۷ شمسی (1938ء) مقدمہ ماسوائے ابتدائی نو صفحات کے (جو انتساب و کوائف تیاری کتاب وغیرہ سے متعلق ہیں) قریباً ۷۳ صفحات پر مشتمل ہے جن میں قریباً دس صفحات (ابتدائی و آخری) تاریخی نوعیت کے ہیں اور باقی خوشحال خان کے کلام (جو دیوان کے مختلف مطبوعہ و قلمی نسخوں سے جمع کیا گیا ہے) پر تبصرہ ہے۔ قطع نظر غیر ضروری تفصیلات و مباحث سے تبصرہ بہت سیر حاصل عالمانہ اور مفید ہے جس میں خوشحال خان کے فن اور ادب پر مختلف نقطۂ ہائے نظر سے بحث کی گئی ہے اور اس کی عظمت و اہمیت کو ظاہر کرنے کی ایک بڑی حد تک کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ تاہم خوشحال خان کے کلام (جو دیوان میں شامل ہے) کے بعض پہلو اجاگر نہیں کیے گئے سوائے معدودے چند باتوں کے مقدمہ میں تاریخی معلومات بہت کم ہیں۔ اور بعض اوقات صحت سے بعید بھی ہیں۔

(۲) دیوان خوشحال خان خٹک بمع مقدمہ از استاذی المکرم حضرت مولینا عبدالمجید خان سعدی افغانی رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسر السنۂ شرقیہ ایڈورڈز کالج پشاور۔ مطبوعہ ہوتی ضلع پشاور (حال مردان) 1929ء مقدمہ میں خوشحال خان کے بعض حالات اور کلام کا مختصر جائزہ ہے اور باوجود اختصار و ایجاز بعض مفید معلومات کا حامل ہے۔ دیوان مطبوعہ ہوتی کلیات مطبوعہ قندہار سے قریباً نو سال پہلے شائع ہوا۔ اور اسی مطبوعہ نسخہ پر مبنی ہے جو بار اول 1870ء میں ڈاکٹر ایچ ڈبلیو بیلیو نے زیر اہتمام نظام بخش داروغۂ جیل خانہ پشاور چھپوا کر شائع کیا تھا۔ جناب حبیبی نے بھی اسی مطبوعہ نسخہ کو اساس گردانا ہے۔ کلیات میں دیوان سے ۸۴ غزلیں ۲۰۷ رباعیات اور ۵ قصائد مجموعی طور سے ۱۴۰۰ سو اشعار زیادہ ہیں۔

(۳) فضل نامہ مصنفہ خوشحال خان خٹک۔ مذہبی مسائل پر مشتمل مثنوی ہے یہ کتاب قلمی ہے

اور اب تک نہیں چھپی۔ بشکریہ عبدالشکور خان مہتمم عجائب خانہ پشاور

(۴) دستار نامہ (قلمی) مصنفہ خوشحال خان خٹک مجموعہ نثری مضامین بشکریہ عبدالشکور خان مہتمم عجائب خانہ پشاور

(۵) فراق نامہ (قلمی مجموعہ حسیات خوشحال خان خٹک بشکریہ عبدالشکور خان مہتمم عجائب خانہ پشاور

(۶) تاریخ مرصع (قلمی) مولفہ افضل خان پسر اشرف خان پسر خوشحال خان خٹک عہد قدیم سے مؤلف کے عہد تک افغانوں کی تاریخ اور انساب ہیں۔ جو ایک بہت اہم اور مفید علمی اور ادبی کارنامہ ہے۔ مزید تفصیلات باب ۱۰ حصہ اول کتاب ہٰذا میں ملاحظہ ہو۔ یہ کتاب بھی قلمی ہے اور ماسوا ۵۳۱ (بڑے سائز کے) صفحات کے جو میجر راورٹی نے گلشن روہ میں شامل کیے ہیں غیر مطبوعہ ہے۔ ان مطبوعہ صفحات میں سے چند ہی خوشحال خان کے حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ گلشن روہ میں مشمولہ صفحات میں سے بھی بعض یعنی از صفحہ ۱ تا ۱۲ و ۳۶ تا ۴۹ پادری ہیوز نے کلید افغانی میں شامل کیے ہیں ان کے علاوہ جیسا کہ سخن ہائے گفتنی میں عرض کیا جا چکا ہے بعض حصص کے اقتباسات کا صرف ترجمہ یا مطالب بزبان انگریزی میجر راورٹی نے اپنی ایک کتاب ''نوٹس آن افغانستان'' میں شامل کیے ہیں۔ میں نے کتاب ہٰذا کی تیاری میں دو قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔ ایک نسخہ جو نامکمل ہے جناب عبدالحق خان خٹک اور عبدالسلام خان خٹک ساکنان شیدو ضلع پشاور نے از راہ کرم بغرض مطالعہ عاریتاً عنایت کیا اور کافی عرصہ میرے پاس رہا اور دوسرا نسخہ جو مکمل ہے لفٹیننٹ کرنل نواب سر محمد اکبر خان رئیس ہوتی ضلع مردان کی لائبریری میں ہے۔ اور وہیں زیر مطالعہ رہا۔ جس کے لیے میں نواب صاحب موصوف کا ممنون ہوں۔ علاوہ ازیں تاریخ مرصع کے بعض انتخابات بھی جو ڈاکٹر سید انوار الحق خان نے ایک تیسرے قلمی نسخہ سے کیے ہیں پیش نظر رہے۔

میں نے تاریخ مرصع کا حوالہ دیتے ہوئے ماسوائے ایک دو جگہ کے قلمی نسخوں کے صفحات کے حوالے نہیں دیے بلکہ قوسین میں ق لکھ دیا ہے البتہ میجر راورٹی کے انتخاب مندرجہ گلشن روہ اور پادری ہیوز کے انتخاب مندرجہ کلید افغانی کے صفحات کے حوالے لکیر کھینچ کر اوپر نیچے دیے گئے ہیں۔ اوپر گلشن روہ اور نیچے کلید افغانی کے حوالے ہیں۔ جہاں صرف ایک ہی حوالہ ہے تو وہ صرف گلشن روہ کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقام کلید افغانی میں نہیں۔

(۷) مثنوی سوات نامہ (قلمی) مصنفہ خوشحال خان خٹک تاریخی اور ادبی قسم کی نظم ہے جو تاریخ مرصع قلمی میں شامل ہے۔

(۸) دیوان عارف افغانی حضرت ملا عبدالرحمن مہمند رحمۃ اللہ علیہ (مختلف ایڈیشن مطبوعہ لاہور و پشاور شائع شدہ از پشاور) بمع مقدمہ حضرت مولینا عبدالمجید خان سعدی رحمۃ اللہ علیہ و مولانا عبدالقادر خان و حاشیہ فضل ودود خان کاتب مدظلہا۔

(۹) دیوان ملا عبدالحمید مہمند مطبوعہ لاہور شائع شدہ از قندہار بمع حاشیہ ملا عبدالغفار قندہاری

(۱۰) دیوان علی خان مطبوعہ لاہور شائع شدہ از نوشہرہ ضلع پشاور ۱۳۳۸ ہجری (1939ء)

(۱۱) دیوان ملا پیر محمد کاکڑ بمع مقدمہ عبدالرؤف خان بینوا مطبوعہ کابل ۱۳۲۵ شمسی (1946ء)

(۱۲) دیوان ملا عبدالعظیم رانیزئی سابقہ ایڈیشن مطبوعہ لاہور ۱۳۵۲ ہجری (1933ء) و جدید ایڈیشن پشاور بمع مقدمہ نصراللہ خان نصر و حاشیہ فضل ودود خان کاتب۔ (۸ تا ۱۲ خوشحال خان کے ادبی جانشین اور پشتو کے مشہور اور بلند پایہ شعراء ہیں۔)

(۱۳) گلشن روہ مرتبہ میجر ایچ۔ جی راورٹی مطبوعہ لندن بار ثانی 1867ء پشتو کے پرانے شعراء و ادباء (بشمول خوشحال خان اور اس کے دو بیٹوں اشرف خان ہجری و عبدالقادر خان پوتے افضل خان اور پرپوتے کاظم خان شیدا پسر افضل خان) کے کلام نظم و نثر کے انتخابات ہیں۔ بمع مختصر دیباچہ بزبان انگریزی و پشتو۔

(۱۴) کلید افغانی مرتبہ پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز مطبوعہ لاہور 1872ء اس میں بھی گلشن روہ کی طرح پشتو نظم اور نثر کے انتخابات ہیں۔ جن کے ساتھ ترتیب دہندہ کا مختصر مقدمہ بزبان انگریزی شامل ہے۔ اس کتاب کے ساتھ ہی اس کا ترجمہ از ٹی۔ سی۔ پلاؤڈن مطبوعہ لاہور 1875ء بھی پیش نظر رہا۔ جس میں فاضل مترجم نے ترجمہ کے علاوہ کثیر التعداد حواشی بھی دیئے ہیں جن میں سے بعض بہت مفید اور کارآمد ہیں۔

(۱۵) پٹہ خزانہ (پوشیدہ خزانہ) مؤلفہ محمد ہوتک بمع فارسی ترجمہ و حواشی و تعلیقات از جناب عبدالحئی خان حبیبی مطبوعہ کابل ۱۳۲۳ شمسی (1944ء) اس کتاب میں عہد قدیم (قریباً ۱۲۰۰ سال قبل) سے مؤلف کے عہد تک کے بعض پشتو شعراء جن میں خوشحال خان خٹک، اس کا بیٹا عبدالقادر خان اور ایک بیٹی حافظہ حلیمہ بھی شامل ہے کے بہت ہی مختصر حالات بمع نمونہ ہائے کلام درج

ہیں۔ کتاب مؤلف نے ۱۹ جمادی الآخر ۱۱۴۱ ہجری (جنوری 1729ء) کو شروع کر کے ۲۷ شوال ۱۱۴۲ ہجری (مئی 1730ء) کو ختم کی۔ اس کتاب جو بحیثیت مجموعی ایک اہم تالیف ہے میں بعض سماعی باتیں درج دکھائی دیتی ہیں اور اس طرح جا بجا تاریخی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک خوشحال خان کی ذات کا براہ راست تعلق ہے یہ کتاب ہماری معلومات میں اس کے متعلق کوئی اضافہ نہیں کرتی البتہ عبدالقادر خان اور حافظ حلیمہ کے متعلق ہمیں چند نئی اور اہم باتیں اس کتاب سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس حد تک ضرور اس کتاب سے خوشحال خان کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

(۱۶) پښتانہ شعراء (افغان شعراء) حصہ اول مؤلفہ عبدالحئی خان حبیبی مطبوعہ کابل ۱۳۲۰ شمسی (1941ء)

اس کتاب میں پشتو شعراء بشمول خوشحال خان کے حالات افکار اور پشتو کے رومان کے متعلقہ گانوں اور اشعار کے درج ہیں۔ فاضل مؤلف نے جو کچھ مقدمہ کلیات خوشحال خان میں اس کے متعلق لکھا ہے تقریباً وہی کچھ اس کتاب میں اختصار کے ساتھ درج کیا ہے۔

(۱۷) د پښتو ادب تاریخ (تاریخ ادب پشتو) مؤلفہ صدیق اللہ خان رشتین مطبوعہ کابل ۱۳۲۵ شمسی (1942ء)

پشتو ادب کی بہت مختصر تاریخ ہے جس میں خوشحال خان کے حالات و افکار کا بھی تھوڑا سا ذکر آ گیا ہے۔ جس کے پڑھنے سے اس کے متعلق ان چند باتوں کے علاوہ جو عام طور سے مشہور ہیں خوشحال خان کے حالات زندگی کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوگا۔

(۱۸) پښتو سندرے (پشتو گانے یا نظمیں) مؤلفہ گل باچا خان الفت منتخب پشتو نظموں، غزلیات اور گیتوں وغیرہ بشمول کلام خوشحال خان کا مجموعہ ہے۔ جس کے ساتھ ان پر مختصر تبصرہ بھی اپنے اپنے موقع پر دیا گیا ہے۔

(ب) فارسی

(۱) آئین اکبری جلد ۲ مصنفہ شیخ ابوالفضل علامی جلد ہذا مطبوعہ لکھنو نولکشور ایڈیشن 1881ء یہ کتاب مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کے وزیر کی تصنیف ہے۔ اور تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ مملکت کے عام حالات و اوقاف اور آئین و نظم و نسق کے متعلق ہے۔

(۲) مخزن افغانی مصنفہ نعمت اللہ ہروی کے انگریزی ترجمہ موسوم بہ ہسٹری آف دی افغانز

از برنارڈ ڈورن کا حصہ دوم مطبوعہ لندن 1836ء

مخزن افغانی افغانوں کی تاریخ از ابتدا تا حالات خاندان سوری و حالات افغان اولیائے کرام وانساب افغانی پر مشتمل ہے۔ جو نعمت اللہ ہروی واقع نویس عہد مغل شہنشاہ نور الدین جہانگیر نے فارسی زبان میں لکھی۔ ترجمہ کے ساتھ کئی تعلیقات بھی ہیں۔

(۳) اقبال نامہ جہانگیری مؤلفہ معتمد خان بخشی جہانگیر بادشاہ مطبوعہ کلکتہ 1865ء عہد جہانگیری کے حالات ہیں۔

(۴) بادشاہ نامہ جلد ا و ۲ مصنفہ ملا عبدالحمید لاہوری مطبوعہ کلکتہ جلد اول 1867ء و جلد دوم 1868ء مغل شہنشاہ شہاب الدین شاہ جہان کے عہد کے ابتدائی بیس سال کی سرکاری تاریخ ہے۔ جو شہنشاہ کے حکم کے مطابق لکھی گئی۔

(۵) عمل صالح مؤلفہ محمد صالح کمبوہ لاہوری۔ جلد ۲ و ۳ مطبوعہ کلکتہ جلد دوم 1927ء جلد سوم 1939ء مکمل کتاب تین جلدوں میں ہے اور عہد شاہ جہانی کی مکمل (غیر سرکاری) تاریخ ہے۔ کچھ حالات عہد عالمگیری کی بھی آ گئے ہیں۔ یہ مؤرخ بھی شاہ جہان اور عالمگیر کا ہمعصر تھا۔

(۶) عالمگیر نامہ۔ مؤلفہ مرزا محمد کاظم مطبوعہ کلکتہ 1868ء مغل شہنشاہ محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے عہد کے ابتدائی دس سال کی سرکاری تاریخ ہے۔ جس میں کچھ حالات گیارہویں سال کے بھی آ گئے ہیں۔ یہ کتاب شہنشاہ کے حکم کے مطابق اس کی زیر نگرانی لکھی گئی۔

(۷) مآثر عالمگیری۔ مؤلفہ محمد ساقی مستعد خان اصل کتاب رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ نے چھپوائی تھی جواب خارج از طبع ہے۔ میرے پیش نظر انگریزی ترجمہ از سر جادو ناتھ سرکار مطبوعہ کلکتہ 1947ء و اردو ترجمہ از مولوی فدا علی صاحب طالب مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۰ ہجری (1932ء) رہے۔ اور صفحات کے حوالے میں نے اکثر اردو ترجمہ کے دیے ہیں جہاں انگریزی ترجمہ کے صفحات کے حوالے دیے گئے ہیں وہاں وضاحت کر دی گئی ہے۔

یہ کتاب بھی عہد عالمگیری کی مختصر مگر مکمل سرکاری تاریخ ہے۔ جو شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین ابو النصر قطب الدین محمد معظم شاہ عالم بہادر کے عہد میں صدر دیوان وزارت اور شہنشاہ عالمگیر کے مرید خاص نواب عنایت اللہ خان کے حکم کے مطابق لکھی گئی اگرچہ کتاب شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد لکھی گئی مگر مصنف نہ صرف شہنشاہ کا ہمعصر و ملازم تھا بلکہ انہی خدمات پر مامور رہا جس کی وجہ سے اسے شہنشاہ کا قرب حاصل تھا اور جو کچھ اس نے لکھا

ہے یا تو چشم دید ہے یا معتبر اور قابل وثوق اسناد و شہادت پر مبنی ہے۔

(۸) منتخب اللباب مؤلفہ محمد ہاشم خافی (خوافی) خان نظام الملکی حصہ اول ۲ مطبوعہ کلکتہ حصہ اول 1869ء حصہ دوم 1874ء

مکمل کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے جو ہندوستان کی تاریخ مشتمل بر حالات بادشاہان مغلیہ و حکمرانان دکن ہیں۔ خافی خان بھی شہنشاہ عالمگیر کے معاصرین میں سے ہیں اور عام طور سے اس کے مخالف ناقدین میں سے خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا والد مراد بخش کا ملازم تھا۔ تاہم افغانوں اور مغلوں کے متعلق جب وہ کچھ لکھتا ہے تو وہ مغلوں کی طرفداری اور افغان دشمنی کے اظہار میں سرکاری مؤرخوں سے پیچھے نہیں رہتا بلکہ ان سے آگے نکلنے ہی کی کوشش کرتا ہے۔

(۹) مآثر الامراء جلد اول ۲ و ۳ از نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان عبدالرزاق خوافی المتولد ۲۹ رمضان ۱۱۱۱ ہجری (مارچ 1700ء) المتوفی ۳ رمضان ۱۱۷۱ ہجری (مئی 1758ء) مطبوعہ کلکتہ جلد ۱ 1888ء جلد ۲ 1890ء جلد ۳ 1891ء

یہ کتاب عہد مغلیہ کے امراء کی مختصر سوانح عمریوں پر مشتمل ہے۔ اور ہم اسے اس عہد کا ''ہواز ہو'' (Who is Who) یعنی ''کون کیا ہے'' کہہ سکتے ہیں۔ ان سوانح عمریوں کے ضمن میں اکثر اہم واقعات بیان ہوئے ہیں۔

مؤلف شہنشاہ عالمگیر کی وفات سے قریباً سات سال پہلے پیدا ہوا اور قریباً ۵۳ سال بعد فوت ہوا۔ کتاب بالعموم معتبر اور باوثوق اسناد و شہادت پر مبنی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی اہم اور کارآمد ہے۔ مؤلف کے آباؤ اجداد دولت مغلیہ کے ملازمین تھے۔

(۱۰) مجمع البحرین مؤلفہ محمد دارا شکوہ پسر کلاں شاہجہان بادشاہ مطبوعہ کلکتہ 1929ء اصل متن بمع ترجمہ و مقدمہ و حواشی از مولوی محفوظ الحق صاحب۔

یہ کتاب دین مقدس اسلام اور ہندو دھرم میں مطابقت ثابت کرنے کی کوشش ہے۔

(۱۱) سیر المتاخرین مؤلفہ غلام حسین خان طباطبائی جلد ۱ و ۲ نولکشور ایڈیشن لکھنؤ کتاب تین جلدوں میں ہے جس میں 1783ء تک ہندوستان کی تاریخ ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۱۲) تاریخ خورشید جہاں مؤلفہ شیر محمد خان گنڈاپور ساکن کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صو

سرحد مؤلف کی زندگی میں لاہور میں 1894ء میں طبع ہوئی۔ افغانوں کی تاریخ اور انساب ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے معمولی حیثیت کی کتاب ہے۔

(۱۳) مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ از شیخ عبدالحلیم" مطبوعہ دہلی ۱۳۱۸ ہجری خوشحال خان کے پیرو مرشد حضرت شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ومناقب اور صوفیانہ و مذہبی مقالات پر مشتمل کتاب ہے جس میں ضمناً بعض حالات خوشحال خان کے خاندان کے بھی آگئے ہیں۔ مؤلف شیخ عبدالحلیم حضرت شیخ رحمکارؒ کے فرزند تھے۔

(ج) انگریزی

(۱) سٹوریا ڈوموگور مؤلفہ نکولا دمینوکی اطالوی جلد ۲ و ۴ مطبوعہ لندن جلد دوم 1907ء و جلد چہارم 1906ء مکمل کتاب چار جلدوں میں ہے۔ جس کا مؤلف نکالا دمینوکی ایک اطالوی سیاح تھا۔ جو شہنشاہ شاہجہان کے عہد کے اواخر میں ہندوستان آیا۔ اس کتاب میں ہندوستان کی عام تاریخ اور حالات اور لوگوں کی طرز معاشرت وغیرہ کا بیان ہے۔ اس میں ہندوستان کی تاریخ شہنشاہ عالمگیر کی وفات اور اس کے بعد بعض واقعات تک آگئی ہے۔ اگر چہ مؤلف شہنشاہ عالمگیر کا ہمعصر تھا مگر اس کے بیانات بسا اوقات غلط اور مبالغہ آمیز ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کے کسی بیان کو بغیر کسی تائیدی شہادت کے قبول کرنا غیر محفوظ ہوگا۔

اصل کتاب فرانسیسی پرتگیزی اور اطالوی زبانوں میں لکھی گئی تھی جس کا انگریزی ترجمہ ولیم اروِن نے کیا ہے اور یہی میرے پیش نظر رہا۔

(۲) این اکاؤنٹ آف دی کنگڈم آف کابل مؤلفہ ماؤنٹ سٹوءرٹ الفنسٹن جلد ۱ و ۲۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ لندن 1842ء

جس میں افغان قوم کے عام حالات اور مملکت درانی کے حالات ہیں۔

(۳) ہسٹری آف انڈیا مؤلفہ ماؤنٹ سٹوءرٹ الفنسٹن مطبوعہ لندن 1857ء جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ہندوستان کی تاریخ ہے۔

(۴) سیلکشنز فرام دی پوئٹری آف دی افغانز مرتبہ میجر ایچ۔ جی راورٹی مطبوعہ لندن 1864ء جیسا کہ نام سے ظاہر ہے پشتو شاعری کے انتخابات ہیں۔ گلشن روہ میں جو نظمیں میجر راورٹی نے دی ہیں ان کا انگریزی ترجمہ ہے۔ فاضل مترجم نے کتاب کے شروع میں ایک عالمانہ مقدمہ بھی دیا ہے۔ نیز ہر ایک شاعر کے کلام کے انتخاب سے پہلے اس کے مختصر حالات جو معلوم

ہو سکے بمع تبصرہ کلام دیئے ہیں۔

(۵) اے گرامر آف دی افغان لینگوج از میجر راورٹی بار سوم مطبوعہ کلکتہ 1867ء

پشتو زبان کے قواعد صرف ونحو ہیں شروع میں فاضل مؤلف نے مبسوط مقدمہ دیا ہے جس میں افغانوں کی تاریخ، زبان اور ادب کا جائزہ لیا ہے اور بعض بہت مفید معلومات کا حامل ہے۔

(۶) نوٹس آن افغانستان از میجر راورٹی مطبوعہ لندن 1888ء

افغانوں اور ان کے ملک کے بعض تاریخی وجغرافیائی حالات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔

(۷) ریسز آف افغانستان مولفہ ایچ ڈبلیو بیلیو مطبوعہ کلکتہ 1880ء

افغان قبائل کے حالات اور ان کے نسلی تحقیق کے متعلق ابحاث ہیں۔

(۸) ہسٹری آف اورنگزیب مؤلفہ جادو ناتھ سرکار جلد ۳ مطبوعہ کلکتہ 1916ء

مکمل کتاب ۵ جلدوں میں عہد عالمگیری کی تاریخ ہے۔

(۹) اے شارٹ ہسٹری آف اورنگزیب از جادو ناتھ سرکار مطبوعہ کلکتہ 1930ء

ہسٹری آف اورنگزیب (۵ جلد) کا خلاصہ ہے۔

(۱۰) دی کرانالوجی آف ماڈرن انڈیا (۱۴۹۴ـ۱۸۹۴) از ڈاکٹر جیمز برجس مطبوعہ ایڈنبرا 1913ء

۱۴۹۴ء سے ۱۸۹۴ء تک اہم واقعات کی تاریخیں ہیں۔

(۱۱) دی مغل ایمپائر مؤلفہ ایس ایم جعفر صاحب 1936ء مطبوعہ لاہور شائع شدہ از پشاور

(۱۲) دی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا (تاریخ ہند) جلد ۴ دی مغل پیریڈ (عہد مغلیہ) جس کا عام خاکہ لفٹیننٹ سرولزلے ہیگ نے تیار کیا اور سر رچرڈ برن نے ایڈٹ کیا۔ مختلف فضلا نے (بشمول سرولزلے ہیگ و سر رچرڈ برن) لکھے۔ اورنگزیب کے عہد حکومت کا حال دو بابوں میں سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا۔ مطبوعہ کیمبرج 1937ء

(۱۳) دی کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا (مختصر تاریخ ہند) از جے۔ ایلن سر ٹی ولزلے ہیگ۔ ایچ ڈاڈویل۔ ایڈیٹر ایچ۔ ایچ ڈاڈویل مطبوعہ کیمبرج 1934ء

(۱۴) افغان پوئٹری آف دی سیونٹینتھ سینچری (سترہویں صدی کی افغان شاعری) خوشحال خان کی نظموں کا انتخاب بمع ترجمہ و مختصر مقدمہ۔ کتاب کے ساتھ پشتو زبان کے قواعد صرف ونحو بھی

شامل ہیں۔ ترجمہ کئی جگہ غلط اور بے معنی ہے۔ مقدمہ میں بھی جو تاریخی وادبی دونوں نوعیتوں کا ہے سوائے چند ایک باتوں کے جو زیادہ تر خوشحال خان کی شاعری سے تعلق رکھتی ہے کوئی خاص اور مفید مطلب مواد نہیں۔ سی۔ای۔ بڈلف

(۱۵) شیر شاہ سوری از نواب سرذوالفقار علی خان آف مالیر کوٹلہ مطبوعہ لاہور 1925ء

ہندوستان کے افغان بادشاہ شیر شاہ سوری کی زندگی اور عہد حکومت کے مختصر حالات ہیں۔

(۱۶) ہسٹری آف فلاسفی (تاریخ فلسفہ) از فرینک تھلی مطبوعہ نیویارک 1914ء

مغربی فلسفہ کی مختصر تاریخ ہے۔

(۱۷) کوہاٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیر 1883-84ء

(۱۸) پشاور ڈسٹرکٹ گزیٹیر 1931ء

(و) اُردو

(۱) تاریخ ہندوستان از شمس العلماء مولانا ذکاءاللہ خان دہلوی جلد ۸ (عہد عالمگیری)

(۲) اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مطبوعہ دہلی

(۳) قاموس المشاہیر از نظامی بدایونی جلد ۲ بدایون 1926ء

(۴) حیات افغانی مؤلفہ محمد حیات خان کا انگریزی ترجمہ موسوم بہ افغانستان اینڈ اِٹس انھی ٹینٹس (افغانستان اور اس کے باشندے) از ہنری پریسٹلے۔

اصل کتاب جیسا کہ مؤلف کے دیباچہ سے ظاہر ہے اس نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۱ ہجری مطابق ۳ جنوری 1865ء مطابق ۳ ماگھ 1921ء بکرمی کو پایۂ تکمیل کو پہنچائی۔ ترجمہ مطبوعہ لاہور 1874ء (تاریخ خورشید جہان اور یہ کتاب ایک چیز ہے۔)

(۵) تاریخ پشاور از اے۔جی ہیسٹنگز مہتمم بندوبست پشاور 1869ء تا 1874ء اور رائے بہادر منشی گوپال داس اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع پشاور کے ابتدائی بندوبست کا ریکارڈ ہے۔ تاریخی اعتبار سے معمولی حیثیت کی کتاب ہے۔

(۶) رسالہ اقبال علی گڑھ جلد نمبر ۱۱ اپریل 1940ء

(۷) یادگار سلف یعنی افغان بارہ بستی (یو۔پی) مؤلفہ محمد عبیداللہ خان صاحب۔

تشریح اختصارات

	اختصار	تشریح
(۱)	کلیات	کلیات خوشحال خان خٹک مطبوعہ قندہار
(۲)	دیوان	دیوان خوشحال خان خٹک مطبوعہ ہوتی
(۳)	ت۔م	تاریخ مرصع
(۴)	ت۔م (ق)	تاریخ مرصع (قلمی)
(۵)	ع۔ن	عالمگیر نامہ
(۶)	م۔ع	مآثر عالمگیری
(۷)	م۔ل	منتخب اللباب
(۸)	کابل (بطور نام کتاب)	این اکاؤنٹ آف دی کنگڈم آف کابل
(۹)	ایس۔پی۔اے	سیلکشنز فرام دی پوئٹری آف دی افغانز
(۱۰)	گرامر	اے گرامر آف دی افغان لینگوِج
(۱۱)	این۔اے	نوٹس آن افغانستان
(۱۲)	ص	صفحہ
(۱۳)	ص ص	صفحات

حصہ اول

سوانح حیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

(۱)

مقدمہ

(خٹک)

افغانوں میں مقام: خٹک افغان کا ایک مشہور قبیلہ ہے جسے اس کے مورثِ اعلیٰ لقمان المعروف خٹک کی نسبت سے خٹک اور لقمان مذکور کے دادا یا پردادا کرلان یا کرآن کی نسبت سے کرلانی یا کرآنی بھی کہتے ہیں۔ کرلان خٹکوں کے علاوہ چند دیگر افغان قبائل کا بھی مورثِ اعلیٰ ہے۔ افغان قوم تین بڑی قسموں سڑبنی، غورغشتی اور بٹنی میں منقسم ہے۔ یہ قسمتیں افغانوں کے مبینہ مورثِ اعلیٰ قیس عبدالرشید بطان کے تین بیٹوں سڑبن، غورغشت اور بٹن کی اولاد ہونے کی وجہ سے مذکورہ ناموں سے یاد کی جاتی ہیں۔ افغانوں کے تمام کثیر التعداد قبائل بالاصل یا بالوصل انہی قسمتوں میں سے ہیں۔ کرلان کو بعض اہل روایات وانساب نے قیس کے پہلے بیٹے سڑبن کی اولاد میں ظاہر کیا ہے اور بعض نے کرلان کو غورغشت کی اولاد میں شمار کیا ہے۔ خوشحال خان نے اپنی ایک رباعی میں کرلانیوں کو سڑبن سے وابستہ کہا ہے۔ (۱) اگرچہ ایک غزل کے مقطع میں اور ایک قصیدہ کے ایک شعر میں سڑبنی اور کرلانی کے نام علیٰحدہ علیٰحدہ لیے ہیں۔ (۲) مگر متذکرہ رباعی کی موجودگی میں جس میں واضح طور سے کرلانیوں کو سڑبن کے ساتھ وابستہ کہا گیا ہے محض اس بناء پر کہ کرلانیوں اور سڑبنیوں کے نام علیٰحدہ علیٰحدہ لیے گئے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خوشحال خان کرلانیوں کو قسمت سڑبن سے نہیں بلکہ کسی اور قسمت سے خیال کرتا تھا۔ رباعی مذکور میں افغانوں کی ہر سہ قسمتوں سڑبنی، غورغشتی اور بٹنی کا ذکر کر کے خوشحال خان نے کہا ہے کہ کرلانیوں کا تعلق سڑبن سے ہے۔ غالباً باوجود اس امر کے کہ کرلانی اس کے نزدیک قسمت سڑبن میں سے تھے وہ کرلانیوں کو بوجہ کثرت تعداد اور بوجہٗ اہمیت ایک مستقل قسمت خیال کرتا ہے۔ اور اسی طرح ابوالفضل اور خوشحال خان نے بھی خٹکی (خٹک) اور کرآنی (کرلانی) کے نام علیٰحدہ علیٰحدہ لیے ہیں۔ (۳) حالانکہ کرلانیوں میں خٹک شامل ہیں۔ افضل خان صاحب تاریخ مرصع نے بھی خوشحال خان کی بیاض کی بنا پر خٹکوں کو کرلانیوں اور کرلانیوں کو اولادِ سڑبن میں شمار کیا ہے۔ (۴)

ابوالفضل نے خٹکی و کرانی کو غور غشتی کی اولاد میں سے ظاہر کیا ہے۔ (۵) مخزن افغانی کے مصن
نعمت اللہ نے افغانوں کے شجرہ ہائے نسب میں قیس عبدالرشید بطان کے تین لڑکوں میں سے کس
اولاد و احفاد میں کران یا کرلان کا نام نہیں لکھا اور کرانیوں اور کرلانیوں کا ذکر علیحدہ کیا ہے۔ مگر
سے قسمتوں یعنی سڑبنی، بٹنی اور غور غشتی کے شجرے بیان کرنے سے پہلے جو تمہید دی ہے اس میں
گیا ہے کہ جنہیں پٹھان کہا جاتا ہے ان کا ذکر تین دفعات میں کیا جائے گا۔ اول سڑبنی، دوم بٹنی اور
سوم غور غشتی اور کرانی اور کرلانیوں کا ذکر بھی غور غشتیوں کے ذکر جو تینوں قسمت ہائے مذکورہ میں
سب سے آخر ہے، کے بعد کیا گیا ہے۔ اس سے ایک گونہ ظاہر ہوتا ہے کہ کرلانیوں کو غور غشتیوں
کے ساتھ شمار کیا جا رہا ہے۔ (۶)

وجہ تسمیہ: افغانی روایت کے مطابق خٹکوں کا مورثِ اعلیٰ لقمان اس لیے خٹک کے نام سے مشہور ہوا کہ ایک دن وہ اور اس کے دو بھائی عثمان اور اتمان اور ان کا چچا جدران (۷) (یا زدران) شکار کے لیے جنگل کی طرف گئے۔ اتفاق سے انہیں چار عورتیں ناکتخدا ملیں۔ یہ تجویز کی گئی کہ بذریعہ قرعہ اندازی ہر ایک ان میں سے ایک عورت لے لے مگر لقمان نے جو ان چاروں میں بلحاظ عمر سب سے بڑا تھا کہا (۸) کہ میں اپنی مرضی سے انتخاب کروں گا۔ تم تین باقی عورتوں پر قرعہ ڈال لینا چنانچہ لقمان نے ان میں سے ایک عورت کو جو سب سے زیادہ عمدہ اور جذب نظر لباس پہنے ہوئے تھی چن لیا مگر سوئے اتفاق سے وہ بڑی بدصورت نکلی جس پر باقی تینوں نے جنہیں بذریعہ قرعہ اندازی مقابلتاً حسین عورتیں ملیں ہنستے ہوئے کہا کہ "لقمان پہ ختہ لاڑ" یعنی لقمان کیچڑ میں جا پھنسا جس کا مطلب پشتو محاورہ میں یہ ہے کہ دھوکہ کھایا یا ناکام ہوا۔ اس واقعہ کے بعد لقمان خٹک کہلانے لگا اور اس کی اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ (۹) اسی طرح آفریدیوں (جو لقمان کے بھائی عثمان کی اولاد بیان کیے جاتے ہیں) اور خود کو کرلانی نام اور بعض دیگر افغان قبائل کے لیے بھی دلچسپ وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں۔ ان وجوہ تسمیہ کی تاریخی حیثیت کچھ بھی ہو مگر خالی از دلچسپی نہیں اور ان سے متعلق کہانیاں انہیں گھڑنے والوں کے تخیل کی اختراعی قوتوں پر دلالت کرتی ہیں۔

ڈاکٹر بیلیو کا خیال ہے کہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے جو چار قدیم اقوام گندارییائی، اپیریتائے، ستیگیڈے اور ڈیڈی بیان کی ہیں ان میں اول الذکر یوسف زئیوں دوم آفریدیوں سوم خٹکوں اور چہارم داوی (جو کاکڑوں میں آباد قریباً نابود ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے) کے اسلاف ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ شیگیڈے نے بعد میں سنک، سیتک اور خٹک وغیرہ کی صورت اختیار کر لی۔ (١٠)

بڑی قسمتیں: اس عورت کا نام جسے لقمان نے اپنے لیے منتخب کیا تھا سباتکہ بیان ہوا ہے۔ جو اگرچہ سیاہ فام، کریہہ المنظر اور قوی ہیکل تھی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے زیور عقل سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ سباتکہ کے بطن سے لقمان کے دو بیٹے تورمان اور بولاق پیدا ہوئے۔ تورمان باپ کا جانشین ہوا۔ اسے حق تعالیٰ نے دو فرزند ترَی اور ترتے عطا فرمائے۔ ان دونوں میں ترَی زیادہ قابل تھا اور اس نے باپ کا نام روشن کیا۔ چنانچہ تورمان کی اولاد اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ بولاق کے اخلاف اس کے نام سے بولاق کہلائے (١١) چنانچہ نسبی اعتبار سے قبیلہ خٹک کی دو بڑی قسمتیں ترَی اور بولاق کہلاتی ہیں۔

ابتدائی تاریخ: ابتداء خٹک جنوبی وزیرستان میں کوہ شوال جو کوہ سلیمان کے شمال مغربی سلسلہ کا نام ہے کے آس پاس آباد تھے۔ شوال کی وادی بنوں کے مغرب میں واقع ہے جو طول میں سولہ اور عرض میں آٹھ میل ہوگی (١٢) وہاں سے قریباً چھ سو سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ یہ موجودہ صوبہ سرحد کے ضلع بنوں کے علاقہ میں آئے اور وہاں ہونَی اور منگلی قبائل کے ساتھ جو ان ہی کی طرح کرلانی تھے بود و باش اختیار کی۔ کچھ مدت بعد ایک دوسری کرلانی قبیلہ شیتک نے جو اب بنوچی کہلاتا ہے شوال ہی کی طرف سے علاقہ بنوں کی جانب کوچ کیا اور مذکور بالا ہونی اور منگلی قبائل کو وہاں سے نکال کر خود آباد ہوا۔ (١٣) خٹک بھی انہی کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔ نہر صدرون (سدراونز) اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ خٹکوں کے تصرف میں تھا مگر کچھ عرصہ بعد شیتکوں کے ساتھ عداوت کے سبب یہ وہاں سے نقل مکانی کر کے جانب شمال مشرق علاقہ کوہاٹ کی طرف بڑھے اور موجودہ ضلع کوہاٹ کے جنوب مغربی، جنوبی اور جنوب مشرقی حصوں میں آباد ہوئے۔ علاقہ کوہاٹ کے یہ حصے چوترہ، ٹیری، لاچی، کربوغہ اور شکردرہ وغیرہ کی وادیوں اور علاقہ جات پر مشتمل ہیں۔ اول الذکر موجودہ ضلع کوہاٹ کے صدر مقام شہر کوہاٹ کے جنوب میں کوہ بہادر خیل (جو سلسلہ کوہ نمک واقعہ ضلع کوہاٹ کی جنوب مغربی شاخ ہے) اور کوہ لواغر کے درمیان ایک زرخیز وادی ہے۔ کرک اس وادی کا مشہور قصبہ اور نمک منڈی ہے۔ ٹیری کوہاٹ شہر سے جانب جنوب قدرے غرباً ٣٦ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور قصبہ ہے اور ضلع کوہاٹ کی ٹیری تحصیل اسی سے اپنا نام حاصل کرتی ہے۔ لاچی کوہاٹ شہر سے ١٧ میل دور جانب جنوب برلب سڑک واقع ہے۔ کربوغہ علاقہ ٹیری کے شمال مغرب میں اور قصبہ ٹیری کے مغرب میں قدرے شمالاً ایک وادی ہے جس میں اسی نام کا

ایک قصبہ بھی ہے۔ یہ سب علاقے ضلع کوہاٹ کی تحصیل ٹیری میں شامل ہیں۔ اور ضلع کے جنوب اور جنوب مغربی حصہ پر مشتمل ہیں۔ علاقہ شکر درہ میں اسی نام کا ایک قصبہ بھی ہے۔ علاقہ بذا ضلع کوہاٹ کے جنوب مشرقی حصہ پر مشتمل اور ضلع کی تحصیل کوہاٹ میں شامل ہے۔ اس وقت جب کہ خٹکوں نے متذکرہ بالا علاقہ پر قبضہ کر کے اس میں سکونت اختیار کی موجودہ ضلع کوہاٹ کے کافی رقبہ پر جس میں اس کا شمال مشرقی حصہ بھی شامل تھا افغانوں کے قبیلہ اورکزئی کا قبضہ تھا۔ اس قبیلہ کا شمار بھی کرلانیوں ہی میں ہوتا ہے۔ اورکزیوں کے مقبوضہ علاقہ کی حد موجودہ ضلع کوہاٹ میں ریسی تک تھی۔ حملہ امیر تیمور (1398ء) کے بعد غالباً پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں افغانوں کے ایک اور قبیلہ بنگش نے جسے بعض عربی الاصل خیال کرتے ہیں (بہر کیف اب کرلانی افغانوں میں شامل ہے) وادی کرم کی طرف سے جو کوہاٹ کے شمال مغرب میں واقع ہے کوہاٹ کی طرف حرکت کرتے ہوئے ضلع کی غربی حدود کو عبور کیا اور اس قبیلہ کے لوگوں نے علاقہ کوہاٹ میں آنا جانا شروع کیا۔ کچھ مدت تو خیریت سے گزری مگر آخر بنگشوں اور اورکزیوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی جس میں خٹکوں نے بنگشوں کا ساتھ دیا۔ اس عداوت کے دوران میں دو فیصلہ کن لڑائیاں محمد زئی اور تپی کے قریب ہوئیں۔ جو بالترتیب کوہاٹ سے قریباً تین اور چار میل کے فاصلہ پر جانب غرب اور جانب جنوب واقع ہیں۔ اورکزیوں کو شکست ہوئی اور بنگش اور ان کے ساتھی خٹک کامیاب ہوئے۔ اورکزئی کوہاٹ سے جانب شمال پہاڑوں میں پسپا ہوئے جہاں وہ اب تک آباد ہیں۔ (۱۵) ان لڑائیوں کے نتیجہ کے طور پر اورکزئیوں کے ہاتھ سے جو علاقہ جاتا رہا اس میں سے علاقہ ریسی پٹیالہ پر خٹک قابض ہوئے جو ضلع کوہاٹ کے شمال مشرقی حصہ میں ہے۔ اس سارے علاقہ پر خٹکوں کا قبضہ پندرھویں صدی کے اواخر یا سولھویں صدی کے اوائل میں ہوا۔ خٹکوں نے جانب شمال مشرق اپنی تحریک توسیع کو جاری رکھا اور یوں تمام وادی زیرہ اور وادی خوڑہ نیلاب پر بھی قابض ہو گئے۔ (۱۶) مؤخر الذکر وادی کا کچھ حصہ کوہاٹ اور کچھ پشاور میں ہے۔ یہ وادی پشاور کے سلسلہ کوہ چراٹ اور کوہ نیلاب کے درمیان واقع ہے، مؤخر الذکر پہاڑ جو کہ آفریدیوں کے علاقہ سے شروع ہو کر جانب مشرق دریائے نیلاب (سندھ) کے اس پار تک چلا گیا ہے۔ وادی خوڑہ نیلاب کی لمبائی بیس میل اور چوڑائی پانچ چھ میل کے درمیان ہے۔ حصہ مشرقی خطہ نیلاب اور حصہ غربی خوڑہ پر مشتمل ہے۔ نیلاب کلیتہً ضلع کوہاٹ میں شامل ہے اور خوڑہ کا شمالی حصہ ضلع پشاور اور جنوبی حصہ ضلع کوہاٹ میں شامل ہے۔ اب تک خٹکوں کی شمال مشرق

مردان کی دونوں تحصیلوں مردان اور صوابی میں بھی خٹکوں کے چند گاؤں ہیں مگر صوبہ سرحد میں خٹکوں کا معتدبہ حصہ اضلاع کوہاٹ و پشاور میں آباد ہے۔ وہ خٹک جو کوہاٹ کے جنوب مشرقی خطہ کی طرف بڑھے تھے انہوں نے خطہ شکر درہ کے جنوب میں پنجاب میں موجودہ ضلع میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل کی طرف پیش قدمی کی اگرچہ تحصیل عیسیٰ خیل دریائے سندھ کے مغرب میں واقع ہونے کی وجہ سے قدرتی لحاظ سے صوبہ سرحد کا حصہ ہے اور 1901ء میں پنجاب و سرحد کی تقسیم سے پہلے سرحد کے ضلع بنوں کی تحصیل تھی مگر تقسیم مذکورہ کے بعد اسے پنجاب میں شامل کر لیا گیا۔ خٹک وہاں بعض دیگر افغان قبائل کے ساتھ آباد ہیں۔ ان خٹکوں کو بنگی خیل کہا جاتا ہے۔ ان جنوب مشرقی خٹکوں نے دریائے سندھ عبور کر کے اس کے مشرقی کنارے پر اعوانوں کو شکست دے کر پنجاب کے علاقہ مکھڈ پر بھی قبضہ کر کے وہاں سکونت اختیار کی۔ یہ سب جنوب مشرقی خٹک ساغری کہلاتے ہیں اور بولاق خٹکوں میں سے ہیں۔

حدود علاقہ: الفنسٹن نے اپنی کتاب کابل میں علاقہ خٹک کی مندرجہ ذیل حدود دی ہیں:

"خٹک ملک کے کافی وسیع حصہ میں آباد ہیں ان کا علاقہ دریائے کابل سے سلسلہ کوہ نمک تک پھیلا ہوا ہے جس کا درمیانی فاصلہ تقریباً ستر میل ہے۔ مشرق میں ان کی سرحد عام طور سے دریائے سندھ ہے اگرچہ جانب ہندوستان بھی ان کی ایک شاخ [illegible] علاقہ مکھڈ پر قابض ہے۔ ان کے مغرب میں قبائل پشاور نیز ۳۳ درجہ عرض بلد پر خیبری قبائل اور [illegible] آباد ہیں ان کے جنوب میں بنوں اور دامان کے لوحانی ہیں۔ (۱۷) اگر پنجاب میں دریائے سندھ کے دونوں طرف (جانب مشرق و مغرب) خٹکوں کا علاقہ چھوڑ بھی دیا جائے تو دریائے کابل سے جنوب کی طرف خٹکوں کا علاقہ طول میں ستر میل سے بہت زیادہ ہے اس طرف یعنی جنوباً اگرچہ یہ علاقہ سلسلہ کوہ نمک کی حدود سے جانب جنوب اور جنوب مغرب کی طرف بھی آگے بڑھا ہوا ہے لیکن اگر سلسلہ کوہ نمک کو بھی حد جنوبی قرار دیا جائے تو پھر بھی الفنسٹن کا بیان کردہ درمیانی فاصلہ بہت کم ہے۔ سلسلہ کوہ نمک شمال میں کوہ جنا سے شروع ہو کر جنوب مشرق شکر درہ کے شمال میں کوہ مالگین پر اور جانب جنوب مغرب کوہ بہادر خیل پر ختم ہوتا ہے۔ کوہ بہادر خیل کے جنوب اور جنوب مشرق میں چوترہ کی وادی ہے۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ جنوب مغرب میں یہ پہاڑ اسی نام کی ایک جگہ بہادر خیل تک چلا گیا ہے۔ اب اگر ہم جنا یا مالگین کو سلسلہ کوہ نمک میں سے علاقہ خٹک کی آخری حد ٹھہرائیں تو الفنسٹن کا اندازہ صحیح نکلے گا۔ ورنہ اگر کرک واقع وادی چوترہ اور بہادر خیل جہاں تک

کی جانب جو پیش قدمی ہم نے بیان کی ہے وادیٔ خوڑہ نیلاب اس کی آخری حد ہے۔ لہٰذا اب زیڑہ اور پٹیالہ کی پوزیشن سمجھ لینی آسان ہے۔ وادیٔ زیڑہ وادیٔ خوڑہ سے کوہاٹ کی طرف جنوباً واقع ہے۔ زیڑہ کو خوڑہ سے قریباً چار میل لمبا پہاڑوں کا سلسلہ جس کی بلند ترین چوٹیاں "تور وسر" (4840 فٹ) اور نیلاب غاشے (2974 فٹ) ہیں جدا کرتا ہے۔ یہ پہاڑ خوڑہ نیلاب وادی کے حصہ غربی یعنی خوڑہ کی جنوبی حد ہے۔ اور جس طرح خوڑہ کی شمالی حد سلسلہ کوہ چراٹ ہے۔ یہ پہاڑ زیڑہ کی شمالی حد ہے۔ اب زیڑہ کے جنوب میں کوہاٹ کی طرف پٹیالہ ایک کھلا خطہ ہے۔ جس کو زیڑہ سے یہاں کی آفریدیوں کے پہاڑ جدا کرتے ہیں۔ یہ خطہ دریائے سندھ پر واقع خوشحال گڑھ کے پل کے شمال میں ہے اور شہر کوہاٹ اس کے جنوب غرب میں واقع ہے۔ خوڑہ اور زیڑہ دونوں وادیوں میں زیتون، پھلائی اور گرگرہ (سیاہ رنگ کا بہت چھوٹا گول پھل) کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں جو آج سے بہت زمانہ پیشتر بہت گنجان جنگلوں کی صورت میں تھے مگر اب بہت کچھ کاٹے جا چکے ہیں۔ وادی زیڑہ پٹیالہ دونوں کلیۃً ضلع کوہاٹ میں واقع ہے۔ یوں خٹک موجودہ ضلع کوہاٹ کے بہت زیادہ رقبہ پر قابض اور اس میں آباد ہو گئے۔ ضلع کوہاٹ کا کل رقبہ 2973 مربع میل ہے جس میں خٹک علاقہ کا رقبہ 2088 مربع میل ہے۔ باقی ماندہ 885 مربع میل میں معتدبہ آبادی بنگشوں کی ہے۔ ضلع کوہاٹ میں خٹکوں کا علاقہ تمام تحصیل ٹیری جس کا رقبہ 1616 مربع میل ہے اور تحصیل کوہاٹ کے کچھ رقبہ پر مشتمل ہے۔ اس باب کے جزو ہذا میں علاقہ خٹک کے اطراف ضلع کوہاٹ میں واضح کر دیے گئے ہیں۔ بقیہ علاقہ جس میں اکثر و بیشتر بنگش اور بعض دیگر اقوام کے تھوڑے سے لوگ آباد ہیں ضلع کے مغربی حصہ جس میں تحصیل کوہاٹ کا کچھ حصہ اور تمام تحصیل ہنگو شامل ہے۔ اور ضلع کے شمالی حصہ پر جو شہر کوہاٹ کے جنوب میں چند میل کے اندر ہے مشتمل ہے۔ جو خٹک خوڑہ کی طرف آئے انہوں نے جانب شمال اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے دریائے کابل کے جنوبی کنارے تک کے علاقہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ نیز خوڑہ کے مغرب میں بھی پیش قدمی کر کے موجودہ چراٹ، چپری اور ڈاگ اسماعیل خیل کے رقبوں پر متصرف ہو گئے۔ دریائے کابل کے جنوبی کنارے سے لے کر خوڑہ کے حصہ شمالی اور اس سے کسی قدر جانب مغرب چراٹ، چپری اور ڈاگ اسماعیل خیل تک کا علاقہ جو خٹکوں کے تصرف میں آیا ضلع پشاور کے جنوب مشرقی حصہ پر مشتمل ہے اور اس ضلع کی تحصیل نوشہرہ کا ایک حصہ ہے۔ صوبہ سرحد میں ان علاقوں کے علاوہ دریائے کابل کے شمال کی جانب ضلع پشاور کے شمال مشرق میں موجودہ ضلع

مختلف سمتوں میں یہ پہاڑ چلا گیا ہے کو بھی حد ٹھہرائیں تو دریائے کابل سے جانب جنوب خٹکوں کے علاقہ کی درمیانی مسافت قریباً سو میل ہوگی۔ اس علاقہ کا عریض ترین حصہ تیس تا چالیس میل کے درمیان ہوگا۔ لیکن جہاں تک طول کا تعلق ہے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خٹکوں کا علاقہ جنوباً اور جنوب غرباً کوہ نمک سے آگے بڑھا ہوا ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ الفنسٹن نے غالباً کوہ مالگین کو علاقہ خٹک کی جنوبی حد ٹھہرایا ہے۔ الفنسٹن اوائل 1809ء میں شاہ شجاع کو ملنے کے لیے پشاور جاتے ہوئے ضلع کوہاٹ سے گزرا وہ کالا باغ سے جو پنجاب میں دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے علاقہ بنگی خیل میں جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، داخل ہوا اور وہاں سے شکر درہ اور مالگین سے ہوتا ہوا موضع شادی خیل (جو قصبہ شکر درہ کے شمال اور کوہاٹ کے جنوب میں قدرے شرقاً واقع ہے) اور وہاں سے کوہاٹ گیا۔

علاقہ وار تقسیم: عرض کیا جا چکا ہے کہ نسبی اعتبار سے خٹکوں کی دو بڑی قسمتیں تری اور بولاق ہیں جن میں سے ہر ایک قسمت آگے چل کر کئی ایک شاخوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزوں کی عملداری کے بعد خٹکوں کی تین قسمتیں اکوڑہ، ٹیری، اور ساغری قرار دی گئیں۔ جو خٹک ضلع کوہاٹ کے شمال مشرق میں آباد ہو کر دریائے کابل تک چلے گئے انہیں اکوڑہ خٹک کہا گیا جنوب مغربی خٹک ٹیری اور جنوب مشرقی ساغری خٹک کہلائے۔ نسبی اعتبار سے اس تقسیم میں امتناع باہمی نہیں۔ ساغری بولاق ہیں لیکن بولاق شمال مشرقی خٹکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ملک اکوڑے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ تری خٹک تھا۔ شمال مشرقی علاقہ کے خٹک سب کے سب تری نہیں علاقہ ٹیری میں بھی تری خٹک بلکہ خود ملک اکوڑے کی اولاد پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ محض علاقہ وار تقسیم ہے شمال مشرقی خٹکوں کا صدر مقام قصبہ اکوڑہ ہے جو ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں شہر پشاور اور نوشہرہ سے جانب مشرق بالترتیب ۳۵ اور ۷۔۸ میل کے فاصلے پر شاہی سڑک کے بالکل قریب جانب شمال دریائے کابل کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ خٹکوں کی جانب شمال مشرق پیش قدمی کا ذکر کرتے ہوئے ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ خٹکوں کا شمال مشرقی علاقہ (یعنی علاقہ اکوڑہ خٹک) کچھ پشاور کے ضلع اور کچھ کوہاٹ میں ہے اور یہ دونوں حصے آپس میں ملحق ہیں۔ علاقہ ٹیری کے ذکر میں جس قصبہ ٹیری کا ذکر ہم کر چکے ہیں یہی ٹیری خٹکوں کا صدر مقام ہے۔ ساغری جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے صوبہ سرحد میں شکر درہ میں آباد ہیں۔

شکر درہ اس علاقہ کا مشہور قصبہ ہے۔ پنجاب کے ساغری خٹکوں کا رئیس قصبہ مکھڈ میں رہتا ہے جو اسی نام کے علاقہ میں واقع ہے۔

مذہب: خٹک سنی مسلمان ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں دیگر افغانوں کی طرح حنفی عقیدہ رکھتے ہیں۔ ''پشتو'' تمام افغان قبائل کا سوشل نظام ہے جو کوئی اس نظام سے خارج ہو جائے وہ قوم اور برادری سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ اور افغان قومیت کھو بیٹھتا ہے۔ خٹک بھی اسی نظام کے پابند ہیں۔ اس سوشل نظام کی رکنیت کی اولین اور اہم ترین شرط مسلمان ہونا ہے جس کے بغیر افغان سوسائٹی میں ہونا ممکن نہیں۔ اس برادری میں کوئی محض خون اور نسل کے رشتوں کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ نسلی اعتبار سے افغان شعوب وقبائل سے ہونا بھی اس نظام کی رکنیت کے لیے ضروری ہے۔ مگر صرف یہی کافی نہیں۔ اسلام پشتو سے بالکل غیر منفک اور ناقابل جدائی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر افغانوں کی تمام تاریخ اور روایات شاہد ہیں۔ اور جس سے ہر افغان اچھی طرح واقف ہے۔ اس سے انکار افغانی تواریخ، روایات اور رسوم و رواج سے انکار اور ایک کھلی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ اسلام سے انکار اور آقائے مدنی سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حلقہ بگوشی سے انحراف صرف مذہبی نقطہ نظر سے کفر وارتداد ہی نہیں بلکہ پشتو سے بغاوت کے بھی مترادف ہے۔ ایک غیر مسلم ہندوستانی، پاکستانی، افغانستانی، ایرانی، ترک اور عرب ہو سکتا ہے مگر پشتون قوم اپنی موجودہ ہیئت کے ساتھ وجود میں آئی ہے۔ یہ قانون بھی اسی وقت سے موجود اور قائم ہے جب تک یہ قانون رہے گا افغان رہیں گے۔ جب تک افغان رہیں گے یہ قانون رہے گا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری اور آپس میں وابستہ ہیں۔ اس قانون کے خلاف سوچنا غیر افغانی اور خلاف پشتو فکر و تخیل ہوگا اور اس کے تحت کسی طرز عمل کا اختیار کرنا غیر افغانی بدعت کا ارتکاب ہوگا۔ جو پشتو سوشل نظام میں زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکے گی۔ افغانی فطرت زود و یا بدیر اس سے متنفر ہو کر اس کا قلع قمع کر دے گی۔

خٹکوں کو پیروں اور اولیائے کرام اور ان کے مزارات اور آستانوں سے بہت زیادہ عقیدت وارادت ہوتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں آخری زمانہ کے بعض دیگر مسلمانوں کی طرح ان کی اس عقیدت مندی میں بھی بعض بدعات شامل ہو گئی ہیں۔

زبان: خٹکوں کی زبان بھی دیگر افغان قبائل کی طرح پشتو ہے۔ ان کے لہجہ میں بہ نسبت دیگر افغان قبائل مثلاً یوسف زئے، مندڑ، غوریا خیل (خلیل، مہمند، داؤدزئے (۱۸) اور مہمند زئے (۱۹)

وغیرہم کے تلفظ کے 'ش' اور 'ژ' کا استعمال بجائے 'خ'، 'گ' اور 'ج' کے زیادہ ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ خٹکوں کی زبان یا لہجہ میں اس قسم کے الفاظ مقابلتاً زیادہ ہیں۔ جن میں متذکرہ حروف مستعمل اور وہ الفاظ دوسرے لہجہ میں مستعمل نہیں۔ بلکہ ایک ہی لفظ ہوگا جس میں یوسف زئے، مندڑ، غوریا خیل اور مہمنزے وغیرہم ایک حرف کو 'خ' اور خٹک، شیتک اور وزیر وغیرہم اس کو 'ش' کہیں گے۔ اسی طرح ایک لفظ میں ایک حرف کو اول الذکر گروہ 'ږ' (گ) اور موخر الذکر گروہ 'ژ' پکارے گا البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے الفاظ تو کئی ہیں جن میں یوسفزئے، مندڑ، غوریا خیل، مہمنزے اور ان کے ہمنوا اور خٹک، شیتک، وزیر اور ان کے ساتھی کسی حرف کو بالاتفاق 'خ'، 'ش'، یا 'گ' کہتے ہیں۔ لیکن یوسفزئے وغیرہم اور خٹک اور ان کے ہم نوا کسی لفظ میں 'ژ' بالاتفاق نہیں بولتے ایسے الفاظ تو بہت ہیں جن میں 'ژ' واقع ہوتی ہے۔ لیکن اس کا تلفظ خٹک وغیرہ ہی 'ژ' کرتے ہیں۔ یوسفزئے اور ان کے ساتھی وہ الفاظ تو استعمال کرتے ہیں اور 'ژ' کو صحیح طور سے ادا کرنے سے قاصر بھی نہیں۔ مگر وہ ان الفاظ میں 'ژ' کو یا تو 'ږ' (گ) اور یا 'ج' بولتے ہیں مثال کے طور پر لفظ 'ږیرہ' میں یوسفزئے پہلے حرف کو 'ږ' (گ) اور خٹک 'ژ' کہے گا۔ اس وجہ سے 'گ' کو 'ږ' لکھا گیا۔ ګـــل (گل یعنی پھول) میں 'ګ' متفق علیہ ہے۔ جس لفظ میں 'ګ' متفق علیہ ہوگا اس کو اس لفظ میں اسی طرح یعنی 'ګ' لکھا جائے گا۔ لفظ پښتون (افغان) میں دوسرے حرف کو یوسفزئے وغیرہ 'خ' اور خٹک وغیرہ 'ش' کہتے ہیں۔ اسی سبب سے اس مختلف فیہ حرف (خ یا ش) کو 'ښ' لکھا جاتا ہے۔ جہاں یہ اختلاف نہ ہو وہاں 'خ' اور 'ش' کو عربی یا فارسی قاعدہ کے مطابق لکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر لفظ ښخ (مدفون۔ گڑھا ہوا) میں صرف پہلے حرف کو باختلاف 'خ' اور 'ش' پڑھا جائے گا۔ اس لیے اس کو 'ښ' لکھا گیا لیکن چونکہ دوسرے حرف کو بالاتفاق 'خ' پڑھا جائے گا اس لیے اسے یونہی لکھا گیا۔ شپږ (چھ) میں چونکہ آخری حرف کو باختلاف 'ږ' (گ) اور 'ژ' پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے پشتو کے مخصوص انداز میں 'ږ' لکھا گیا۔ پہلا (اور دوسرے حرف یعنی 'پ' کے متعلق تو کبھی اختلاف ہوتا ہی نہیں) حرف چونکہ اس لفظ میں متفق علیہ ہے اس لیے اسے عام عربی یا فارسی طریقہ سے لکھا گیا۔ اگر ایک لفظ میں یوسفزئے وغیرہ 'ش' کو بالکل حذف بھی کردیتے ہیں اور خٹک اور ان کے ساتھی اسے ادا کرتے ہیں تو اس 'ش' کو بھی اسی طرح مخصوص انداز میں لکھا جائے گا۔ نخښه (نشان۔ علامت) کو یوسفزئے وغیرہ 'نخہ' اور خٹک وغیرہ 'نخشہ' کہتے ہیں۔ لفظ 'کښے'، 'کښ' (اردو میں فارسی 'در') کا تلفظ

یوسفزے وغیرہ کے 'پ' اور خٹک اوران کے ہم نوا 'کش' کرتے ہیں۔ اس طرح 'کښېنول' (رکھنا) کو یوسفزے اور خٹک بالترتیب 'کینول' اور 'کشېنول' کہیں گے۔ زیر بحث الفاظ کے پہلے لفظ (نخښه) اور دوسرے لفظ (کیښ) میں بھی 'ښ' یوسفزے لہجہ میں محذوف ہے۔ آخری یعنی تیسرے لفظ (کښېنول) میں پہلا 'ښ' یوسفزے لہجہ میں محذوف ہے۔ دوسرے 'ښ' کو باختلاف 'خ' اور 'ش' بولا جاتا ہے۔ زیادہ وضاحت کے لیے میں نے اصل پشتو الفاظ میں ان حروف پر جنہیں یوسفزے وغیرہ حذف کردیتے ہیں۔ 'چ' خی بھی لگادی ہے۔ پشتو کا یہ مخصوص حرف بعض اوقات زیادہ وسیع اختلاف کا بھی نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ 'ښنبل' (پینا) میں دوسرے حرف یعنی 'ښ' کو یوسفزے اوران کے ہم نوا مندڑ، غوریاخیل اور مہمنزے خلاف معمول بجائے 'خ' کے 'ک' کہتے ہیں۔ اور خٹک وغیرہم اسے حسب معمول 'ش' کہتے ہیں۔ آفریدی، بنگش اور اورک زئے حسب معمول اسے 'خ' ہی کہتے ہیں۔ اس لفظ کا پہلا حرف بھی پشتو رسم الخط کے مخصوص حروف میں سے ہے۔ جس کی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔

لفظ 'ژړا' (رونا) میں پہلے حرف کو یوسفزے، غوریاخیل، مہمنزے اور آفریدی وغیرہم 'ج' اور خٹک، شینک اور وزیر وغیرہم 'ژ' بولتے ہیں۔ 'ژمی' (جاڑا۔ سرما)، 'غمژن' (غمگین)، 'وژل' (جان سے مارنا)، 'ژبه' (زبان، بولی)، 'ژامه' (جبڑا) وغیرہ الفاظ کا بھی یہی حال ہے اس لیے قارئین کرام اندازہ کرلیں کہ جہاں یوسفزے خٹکوں کی 'ښ' کی مخالفت 'ک' (گ) سے کریں وہاں تو مختلف فیہ لفظ کو 'ښ' لکھا جائے گا مگر جہاں 'ژ' کی مخالفت یوسفزے 'ج' سے کرے وہاں مختلف فیہ حرف کو خٹکوں کے لہجہ کے مطابق 'ژ' ہی لکھا جائے گا۔ اسے 'ژ' لکھنا ہی صحیح ہے۔ 'ج' یا دونوں طرح یعنی 'ج' اور 'ژ' لکھنا جائز نہ ہوگا۔

بعض اوقات یوسفزے، مندڑ، غوریاخیل اور مہمنزے ایک طرف اور خٹک، شینک اور وزیر دوسری طرف کے درمیان اتفاق کی صورت میں بھی عربی قاعدہ کے خلاف بعض حروف کو پشتو کے مخصوص انداز میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کا سبب کسی دوسرے قبیلے سے تلفظ کا اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً 'دښمن' (دشمن) اور 'رښتیا' (سچ۔ سچائی) ہیں۔ مندرجہ بالا قبیلے دوسرے حرف کو بالاتفاق 'ش' کہتے ہیں مگر بعض دوسرے قبائل جیسے آفریدی اور کزئے اور بنگش اسے 'خ' کہتے ہیں۔ اس لیے اسے بھی پشتو کے خاص طریقہ سے لکھا جاتا ہے۔ لفظ 'ښځه' (عورت۔ بیوی) میں پہلے حرف کو یوسفزے اوران کے ساتھی مندڑ، غوریاخیل اور مہمنزے وغیرہم اور آفریدی بنگش اور

اورکزئے بھی 'خ' کہیں گے لیکن خٹک، شینک، وزیر اور مروت قبائل 'ش' کہیں گے۔ سو وہ پشتو کی مخصوص 'خ' یا 'ش' (ښ) کی طرح لکھا گیا۔ مگر اب دوسرے حرف کے متعلق ان قبائل میں جن کے نام لیے گئے ہیں مروت، بنگش اور اورکزئے ایک طرف اور باقی قبائل دوسری طرف ہیں۔ نامبردہ قبائل ماسوائے مروتوں، بنگشوں اور اورکزئیوں کے حرف دوم کو 'ز' کہتے ہیں۔ مروت، بنگش اور اورکزئے اور بعض دوسرے قبائل جیسے غلزئے اور گنڈاپور دوسری حرف کو یا تو 'ج' اور یا زبان کے سرے پر 'ز' (ذ کی طرح) ادا کریں گے۔ آپ نے دیکھا کہ زیر بحث لفظ میں حرف اول کی ادائیگی کے متعلق بنگشوں اور اورکزئیوں کا مروتوں، خٹکوں، شینکوں اور وزیروں سے اختلاف اور یوسفزئیوں، منڈڑوں، غوریاخیلوں، مہمندیوں اور آفریدیوں سے اتفاق تھا۔ حرف دوم کے ادا کرنے کے بارہ میں خٹک، شینک، اور وزیر تو یوسفزئیوں کے ہم نوا ہو جاتے ہیں مگر بنگش اور اورکزئے مروتوں سے مل جاتے ہیں۔ یوں ہی 'خار' (صدقے جانا) اور 'خاے' (جائے۔ جگہ) 'خنگل' (جنگل) میں یوسفزئے اور خٹک وغیرہ تو پہلے حرف کو 'ز' کی مانند ادا کرتے ہیں مگر مروت، غلزئے، گنڈاپور اور بعض دیگر قبائل یا تو اسے 'ج' اور یا 'ز' بصورت 'ذ' ادا کریں گے۔ اس اختلاف کی وجہ سے اس حرف کو بھی پشتو کے ایک مخصوص انداز میں 'خ' لکھا گیا۔

ہم اوپر ایک اور مخصوص پشتو حرف 'خ' سے یعنی آپ کو لفظ 'خښل' (پینا) کے ذکر میں تھوڑا سا روشناس کر چکے ہیں۔ لفظ 'خښل' میں دوسرے حرف کے اختلاف کی مختلف صورتیں تو عرض کی جا چکی ہیں اب حرف اول یعنی 'خ' کے مواقع تحریر عرض کیے دیتے ہیں۔ یہ حرف اس وقت لکھنے میں آتا ہے جب افغان قبائل کسی لفظ میں ایک حرف کو باختلاف 'س' 'ش' یا 'ج' کہیں مثلاً 'خښل' میں یوسفزئے اور ان کے ہم نوا (منڈڑ، غوریا خیل اور مہمندزئے) اور خٹک اور آفریدی تو پہلے حرف کو 'س' کہیں گے اور بنگش اور اورکزئے جو اس لفظ میں حرف دوم کے تلفظ میں آفریدیوں سے متفق تھے حرف اول کو 'ش' کہیں گے۔ 'خومرہ' (کس قدر) 'خہ' (کیا؟) اور 'خوک' (کون) میں یوسفزئے، غوریا خیل، مہمندزئے خٹک اور آفریدی وغیرہ پہلے حرف کا تلفظ 'س' کی طرح کرتے ہیں مروت، گنڈاپور، بنگش اور اورکزئے اسے یا تو 'ج' اور یا 'ش' کی طرح ادا کرتے ہیں لہٰذا اس حرف کو پشتو کے مخصوص انداز میں لکھا گیا۔ اب ایک اور لفظ کو لیجیے جس میں خٹک جہاں تک زیر بحث حرف کا تعلق ہے مروتوں، بنگشوں وغیرہ کے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔ لفظ 'خښتن' (مالک۔ شوہر) میں پہلے حرف کو خٹک، بنگش اور مروت سب 'ج' پڑھتے ہیں یوسفزئے،

مندڑ، غوریا خیل اور مہمند ے وغیرہ اسے 'س' کہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا 'خومرہ'، 'خخا اور خـــوک' میں اس حرف کو خٹکوں نے یوسفزئے وغیرہ کے ساتھ 'س' پڑھا تھا اور بنگشوں اور اورکزیوں نے 'ث' اور 'ج' ادا کیا تھا۔ بہر کیف اختلاف کی وجہ سے خواہ اختلاف کرنے والے کوئی ہوں اسے پشتو کے مخصوص انداز میں لکھا جائے گا۔ یہاں (یعنی 'خبنتـــــن' میں) حرف اول کی حرکت میں بھی اختلاف ہے۔ خٹک اور بنگش وغیرہ اسے بڑے زوردار کسرہ سے حرکت دیں گے جو قریب قریب 'ی' کی آواز دے گی برخلاف اس کے یوسفزئے، مندڑ، غوریا خیل اور مہمند ے وغیرہ اسے مفتوح ادا کریں گے۔ دوسرے حرف 'ښ' کے اختلاف کو واضح کر دیا گیا ہے۔ اس (ښ) کے متعلق جب بھی اختلاف ہوگا بنگش، آفریدی اور اورکزئے بھی اسے 'خ' اور مروت 'ش' کہیں گے۔

اس قسم کے اختلافات کی وجہ سے پشتو رسم الخط میں بعض مخصوص حروف وضع کیے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ ښ : خ و ش

۲۔ څ : س ث و ج

۳۔ ځ : ز یا زبر سر زبان مانند دوج

۴۔ ږ : ک(گ) و ژ

قارئین کرام یاد رکھیں گے کہ پشتو کا متفق علیہ کاف فارسی (گ) بھی فارسی اور اُردو سے مختلف یوں لکھا جاتا ہے: ګ

متذکرہ بالا اختلافات میں ان قبائل کے علاوہ جن کے نام لیے گئے ہیں اور بھی کئی قبائل شامل ہیں فارسی کے سب حروف بشمول ان کے جو عربی سے لیے گئے ہیں پشتو میں مستعمل ہیں۔ ان کے علاوہ پنجابی، ہندی اور اُردو کے حروف ٹ، ڈ، ڑ اور نڑ (جیسے براہمنڑ (برہمن) راونڑ (راون) گنڑ (گن) اور اوانڑان (اعوان یا اوان) میں بھی پشتو میں رائج ہے جو بالترتیب یوں لکھے جائیں گے۔ ټ، ډ، ړ اور ڼ (یا نـــــــڑ)۔ پشتو میں مرکب 'ھ' یعنی بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ، اور گھ (جیسے بھول۔ پھول، تھال، ٹھاٹ، جھول، چھت، دھک، ڈھکنا، کھپت، گھر میں) نہیں۔ افغانوں کی ان حروف کی ادائیگی میں غیر معمولی دقت اور تکلیف ہوتی ہے۔ پنجابی کے بعض مخصوص اصوات بھی پشتو میں نہیں۔ 'ڑی' (بڑی) کے پہلے حرف کو جس

طرح پنجابی ادا کرتے ہیں افغان اس طرح ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ یوں ہی 'نکزان' (ڈھکنا یا ڈھانکنا) اور 'پڑاں' (بھرنا) وغیرہ کے پہلے حروف کا تلفظ افغان پنجابیوں کے طرح نہیں کر سکتے۔ یہ حروف بھی کچھ مرکب سے ہیں۔ اور ان کے ساتھ 'غ' کی سی آواز نکلتی سنائی دیتی ہے۔

پشتو میں فتح، کسرہ اور ضمہ کے علاوہ ایک اور حرکت بھی ہے جیسے 'کلے' (گاؤں) اور 'بل' (دوسرا) میں پہلے حرف کی حرکت اس کی آواز فتح اور ضمہ کے درمیان ہے۔ عام طور سے شہری باشندے جو ہندکو (پنجابی کی ایک قسم) بولنے کے عادی ہیں یہ آواز صحیح طور سے نہیں نکال سکتے مثلاً وہ 'کلے' کے 'ک' کو مکسور اور 'بل' کے 'ب' کو مضموم کر دیتے ہیں اس حرکت کے لیے پشتو میں ابھی تک کوئی علامت وضع نہیں ہوئی۔

پشتو میں بخلاف عربی، فارسی، پنجابی اور اُردو کے ایسے الفاظ ہندی، سنسکرت اور انگریزی کی طرح بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جن کا پہلا حرف ساکن ہوتا ہے جیسے 'ورندار' (بھاوج) 'نندور' (نند)، 'نگور' (بہو)، 'ترور' (پھوپھی یا خالہ)، 'پلار' (باپ)، 'زوے' (بیٹا) 'ورارہ' (بھتیجا) میں ان الفاظ میں پہلے حروف بولے تو جاتے ہیں لیکن انہیں حرکت نہیں دی جاتی۔ بعض فارسی و عربی الفاظ کے متحرک حروف بھی پشتو میں ساکن ہو جاتے ہیں۔ جیسے نیت اور قیاس کا 'ن' اور 'ق'۔

پشتو میں 'و' اور 'ی' دونوں طرح یعنی مجہول اور معروف استعمال ہوتی ہے۔ معروف کی صورت میں ان کی آوازیں عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی سے کچھ مختلف ہوتی ہے۔ آپ بڑے زوردار کسرہ کا ذکر قبل ازیں پڑھ چکے ہیں یہ قریب قریب معروف 'ی' کی طرح ہوتا ہے۔ مگر کچھ جکڑا ہوا سا۔ آپ اسے کسرے اور معروف 'ی' کے درمیان سمجھے گا۔ ذیل میں چند مثالوں سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

عربی لفظ 'دین' (مذہب) پشتو میں مستعمل ہے اور اس کی 'ی' معروف بولی جاتی ہے۔ لیکن پشتو میں اس لفظ کی ادائیگی اُردو 'دِن' اور عربی 'دین' کے بین بین ہے۔ اردو لفظ 'ٹھیک' بھی پشتو میں بحذف 'ھ' استعمال ہوتا ہے اس کا تلفظ 'ٹِک' اور 'ٹیک' (بہ یائے معروف) کے درمیان ہے۔ یائے معروف جہاں پشتو کے اپنے الفاظ یا متفرس الفاظ (دوسری زبانوں کے الفاظ جو پشتو بنا لیے گئے ہوں) میں بھی استعمال ہوگی۔ تو اس کا تلفظ یوں ہی ہوگا۔ جیسے 'بریند' (حد) 'جینے' (لڑکی) 'غوڑی' (گھی) 'پری' (رسیاں) 'خیز' (فاری چیز) 'کیسہ یا 'قیصہ' (عربی

قصہ) ان تمام الفاظ میں 'ی' معروف ہوتے ہوئے کچھ جکڑی ہوئی سی ہے۔ اُردو کے الفاظ 'کمی'، 'بگی'، 'اچھی' وغیرہ میں 'ی' پشتو یائے معروف (الفاظ کے آخر میں واقع ہونے والی) سے ملتی ہے۔ مگر پشتو الفاظ کے بیچ میں واقع ہونے والی 'ی' بمقابلہ الفاظ کے آخر میں واقع ہونے والی 'ی' کے کم لمبی اور آزاد ہے۔ جیسا عرض ہو چکا ہے لمبی اور آزاد 'ی' جیسے 'تقریر'، 'حسین'، 'چیز' اور 'تیز' وغیرہ جو عربی اور فارسی الفاظ میں بولی جاتی ہے۔ پشتو میں غیر مستعمل ہے۔ 'تقریر' اور 'چیز' (خیز پشتو میں) مستعمل ہیں۔ لیکن ان کی 'ی' بہت زیادہ جکڑی جاتی ہے۔

یہی حال پشتو کی واؤ معروف کا بھی ہے۔ جس کا اندازہ لگا لینا اب قارئین کرام کے لیے آسان ہوگا۔ 'لور' (بیٹی) کا تلفظ 'لُر' اور 'لُور' اور 'پُورہ' (اردو پورا) کا 'پُرہ' اور 'پُورہ' اور 'وجود' کا 'وُجُد' اور 'وجود' اور 'نور' کا تلفظ 'نُر' اور 'نُور' کے بین بین ہے۔ تاہم افغان آزاد یا لمبی معروف 'و' اور 'ي' عربی اور فارسی کی طرز ادا کے مطابق ادا کر سکتے ہیں اور اگر کوئی افغان ان زبانوں میں کوئی زبان بول رہا ہوں۔ تو اہل زبان کی طرح بغیر دقت معروف 'و' اور 'ي' کا تلفظ کرے گا۔ اس ضمن میں پشتو کی معروف 'ي' اور 'و' کے تلفظ کے متعلق جو عام قاعدہ بیان کیا گیا ہے اس کی چند مستثنیات بیان کی جاتی ہیں۔ افغان اگر لفظ 'بیاز' کو پشتو میں بھی استعمال کرتا ہے تو اس کی 'ی' کو فارسی ہی کی طرح معروف ادا کرتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہ لفظ ابھی پشتو میں زیادہ استعمال نہیں ہوا۔ اور اجنبی سا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اسی انداز سے اس کا تلفظ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا ایک اور فارسی لفظ 'دیدار' ہے جو اگر چہ اکیلا تو پشتو میں مستعمل نہیں لیکن افغان 'دیدار گل' نام رکھ لیا کرتے ہیں اور 'دیدار' کی 'ی' کو فارسی آواز کے قریب ہی ادا کیا جاتا ہے۔ 'دیدن' جو دیدار کی جگہ پشتو میں اکثر استعمال ہوتا ہے کی 'ی' جکڑی ہوئی بولی جاتی ہے۔ حالانکہ فارسی میں دونوں لفظوں میں 'ی' کی ادائیگی میں بالکل کوئی فرق نہیں۔ 'نور' کا تلفظ عرض کیا جا چکا ہے۔ اس کی واؤ آزاد ہوگی۔ اس کا سبب بھی شاید بمقابلہ 'نور'، 'نورانی' کی اجنبیت ہے۔ علاوہ ان مستثنیات کے ایک ہی لفظ میں 'واؤ' اور 'یائے' معروف اگر نظم میں استعمال ہوں تو دونوں طرح ان کی ادائیگی کا امکان ہے۔

جن الفاظ میں 'و' یا 'ی' سے پہلے حرف پر فتح ہو اور 'و' یا 'ی' خود ساکن ہو تو پشتو میں بعض اوقات 'و' اور 'ی' کو بھی بالترتیب فتح اور کسرہ سے حرکت دے دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر عربی الفاظ 'فَوْر'، 'ظُہُور'، 'جَوْر' اور 'غیب'، 'عیش' اور 'سَفَر' پشتو میں بہت کثرت سے

استعمال ہوتے ہیں۔ (مؤخر الذکر لفظ کی زپشتو میں ل سے بدل جاتی ہے۔) ان کی ذ اور ی کو جو درحقیقت ساکن ہیں بعض افغان خفیف سے فتح اور کسرہ سے حرکت دے دیتے ہیں۔ اس لیے اگر نظم میں ان الفاظ یا اس قسم کے بعض دوسرے الفاظ کو یوں بھی (یعنی بحرکت ذ اور ی) استعمال کیا جائے تو نہ صرف ضرورت شعری کے لیے جائز ہوگا بلکہ صحیح اور درست۔

معیشت وتمدن: علاقہ خٹک کی بیشتر اراضی بنجر ہونے کی وجہ سے قابل کاشت نہیں۔ زیر کاشت اراضی بھی زیادہ تر بارانی ہے۔ کہیں کہیں کنوؤں کے ذریعہ بھی آبپاشی ہوتی ہے۔ علاقہ کے بہت سے حصے میں پانی کی قلت ہے۔ زراعت تو ایک طرف پینے کے لیے بھی کئی مقامات میں پانی بڑی مشکل اور دقت کے ساتھ کوسوں دور سے لایا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت نے فراہمیٔ آب اور اسے جمع رکھنے کے وسائل کی بہم رسانی کے لیے کوششیں شروع کی ہیں۔ علاقہ خٹک کی زرعی پیداوار گیہوں، باجرہ، چنا، جری، اور مکئی ہے۔ اب شمال مشرقی علاقوں میں چاہی زمینوں میں تمباکو کی کاشت بھی ہونے لگی ہے۔ پانی کی کمی ہونے کی وجہ سے مکئی بہ نسبت اور اجناس کے کم پیدا ہوتی ہے۔ دلی اور چشتی (تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور) کے کاغذی لیموں مشہور ہیں۔ ٹٹی نصرتی (تحصیل ٹیری ضلع کوہاٹ) میں ترش انگور کافی پیدا ہوتا ہے۔ مشہور صنعتیں لاچی (تحصیل ٹیری ضلع کوہاٹ) کی چپلیاں، ٹٹی نصرتی کا سرکہ ہیں جو وہاں کے انگور سے تیار کیا جاتا ہے۔ سرائے اکوڑہ (تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور) میں پنیر تیار ہوتا ہے۔ اور چمڑے کی رنگائی اور دباغت کا کام ہوتا ہے۔ علاقہ خٹک کی دوسری صنعتیں میزری کی چٹائیاں، چنگیریں، ٹوکریاں اور کھدرے اور غالیچے وغیرہ ہیں۔ سرائے اکوڑہ کے قریب ہی سگریٹ بنانے کا کام بھی شروع ہونے والا ہے۔

علاقہ خٹک کی معدنی پیداوار نمک اور کسی قدر پھٹکری اور کوئلہ ہے۔

قبیلہ خٹک کے لوگ عام طور سے مفلس، تہذیب اور دولت علم سے محروم ہیں۔ معدودے چند تجارت، ٹھیکوں اور ملازمت کی وجہ سے امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ خٹکوں کی گزراوقات عام طور سے گھاس، کوئلہ، لکڑی، بیر، کاغذی لیموں، میزری اور میزری سے بنی ہوئی چیزوں نمک اور خام کھالوں کی فروخت پر ہے۔ علاوہ اس کے ٹھیکداروں کے ہاں مزدوری اور عام مزدوری بھی ان کا ذریعہ معاش ہے۔ مزدوری اور محنت و مشقت کے لیے اپنے وطن سے دور دراز مقامات کو جانے سے بھی نہیں کتراتے۔

خٹک اپنے دوسرے افغان بھائیوں کی طرح بڑے غیور، شجاع، بہادر، تندخو اور مہمان

نواز ہیں۔ دیگر افغان قبائل کی طرح، ان میں خونریزی کی وارداتیں عام طور سے ہوتی رہتی ہیں۔ نیز بغض وکینہ اور انتقام اور اس کے ساتھ ہی 'ننواتے' (وفد صلاحیت ومعذرت) کی قدر کرنے میں دوسرے افغانوں کے مشابہ ہیں۔ جہاں واقعہ اتفاقیہ ہو تو 'ننواتے' یا جرگہ (جلسہ وفد) سے عموماً خاطر خواہ اور مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں لیکن پرانی دشمنی اور بعض شدید قسم کے تنازعات خصوصاً جب ان کا تعلق ننگ وناموس سے ہو تو اس صورت میں 'ننواتے' اور جرگہ کارآمد نہیں ہوتے۔ شدید قسم کے تنازعات کے فیصلہ کا طریقہ بعض اوقات افغانوں میں اس طریقہ سے کیا جاتا ہے کہ آزردہ یا مظلوم فریق کے کسی مرد رکن کے ساتھ زیادتی کرنے والے فریق کے خاندان کی لڑکی کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح لڑکی دینے کو پشتو میں 'سورہ' کہتے ہیں۔ یہ رواج خٹکوں میں بھی ہے۔ بہ نسبت ضلع پشاور کے خٹکوں سے کوہاٹ کے خٹک زیادہ سرتیز ہیں۔ مگر وہ بھی بہ نسبت بہت سے دیگر افغان قبائل کے کم سرکش ہیں۔

تمام علاقوں کے خٹک فوجی ملازمت بھی کرتے ہیں مگر شمال مشرقی علاقہ کے خٹکوں میں فوجی ملازمت نسبتاً کم ہے۔ ضلع کوہاٹ کے خٹک فوجی ملازمت بہت زیادہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ بہ نسبت بہت سے دیگر افغان قبائل کے کم سرکش ہیں اس لیے ڈسپلن قبول کرنے کی بہتر صلاحیت رکھتے ہیں۔ فوجی ملازمت اختیار کرنے کا سبب اب تک نہ صرف فوجی مذاق اور ڈسپلن قبول کرنے کی بہتر صلاحیت چلا آیا ہے۔ بلکہ مفلسی ونا داری بھی اس کی زبردست محرک رہی ہے۔ جسے دورِ غیر ملکی حکومتوں کے مفاد میں تھا۔ ان حکومتوں نے اپنی عام پالیسی کے مطابق عوام کا خون چوسنے کرنا بلکہ اسے برقرار رکھنے اور زیادہ کرنے کے ماحول واسباب کو قائم رکھنا اور بڑھانا غیر ہمدرد بیرونی حکومتوں کے مفاد میں تھا۔ ان حکومتوں نے اپنی عام پالیسی کے مطابق عوام کا خون چوسنے اور انہیں مفلس سے مفلس تر بنانے کے لیے سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کو خٹکوں میں بھی رائج دینے کی کافی کامیاب کوششیں کیں۔ برطانوی دورِ حکومت میں اس کے بدترین نتائج ظاہر ہوئے۔ کیونکہ سرحدی اضلاع میں قبائلی نظام میں بہت زیادہ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور قبائلی سردار اور خوانین عوام کی امداد سے بہت حد تک بے نیاز ہو گئے اور عوام کے لیے ہمدردی ان کے دلوں سے بالکل محو ہو گئی۔ میری تحصیل کا سارا مالیہ نہ صرف نواب صاحب کو دیا گیا بلکہ انہیں غریب خٹکوں پر ہر قسم کے ٹیکس لگائے جانے کے بھی اختیار دیے گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی چھوٹے موٹے جاگیردار ہیں۔ مسلم ریاست پاکستان کے قیام سے افاغنہ سرحد وملحقات کے حکومت کے متعلق نقطۂ نظر اور خیالات وافکار میں عام طور سے جو بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے اس میں خٹک بھی

شامل و شریک ہیں۔ اس تبدیل شدہ ماحول میں ملازمتوں اور حکومت کی خدمات کے متعلق بھی نظریات بدل گئے ہیں۔ چنانچہ جہاد کشمیر میں پاکستان کے سارے افغان قبائل نے ایک دوسرے کے ساتھ رشک کرتے ہوئے حصہ لیا تاہم عوام کی توقعات کو ابھی بر آنا ہے۔ ان کی عام اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ابھی کوئی مؤثر اقدام نہیں کیا گیا اور وہ تمام اسباب جوں کے توں موجود ہیں۔ جنہوں نے عوام میں افلاس اور فلاکت پیدا کی۔

خٹک قبیلہ کے لوگ دیگر افغانوں کی طرح بالعموم تومند اور قوی الجثہ ہوتے ہیں۔ جسیم ہونے کے باوجود چست پھرتیلے اور متحرک ہونے کی وجہ سے فوجی کاموں کے لیے بہت موزوں ہوتے ہیں۔ خٹکوں کا لباس دیگر افغان قبائل کے عام لباس کی طرح شلوار قمیص پگڑی اور چپلی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ضلع کوہاٹ کے خٹک عام طور سے سر پر پٹے بھی رکھتے ہیں۔ دیگر افغان قبائل کی طرح ان میں بھی داڑھی منڈوانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ موسیقی بھی دیگر افغان قبائل سے ملتی جلتی ہے۔ جو مقابلتاً محدود ہے تاہم افغانوں کی موسیقی لحنی اور آلاتی دونوں قسم کی ہے۔ اور اپنے اندر خاص زور اور ہیجان رکھتی ہے اس کے ساتھ پرسوز نغموں سے بھی خالی نہیں۔ خٹکوں کا مخصوص ناچ جو تلوار کے ساتھ اور بغیر تلوار کے بھی ناچا جاتا ہے مشہور اور افغانوں میں بہت مقبول ہے۔ مراسم زندگی در بارۂ غم و شادی ویسے ہی ہیں جیسے دیگر افغان قبائل کے۔ آبادی بحیثیت مجموعی دو لاکھ کے قریب ہوگی۔

حواشی

۱۔ کلیات ص ۸۴۲ رباعی نمبر ۸۶۴ دیوان حصہ ۲۔ ص ۵۵۳ نیز ملاحظہ ہو دستار نامہ ستردواں ہنر تحقیق نسب

۲۔ کلیات ص ۵۳۳ دیوان حصہ ۲ ص ۳۲۷ کلیات ص ۳۴۴ دیوان حصہ ۱ ص ۴۳

۳۔ آئین اکبری جلد ۲ ص ۱۹۱ دیوان ص ۳۸۵ کلیات ص ۹۸۲

۴۔ ت۔ م ص ۳۶/۲۲۲

۵۔ آئین اکبری جلد ۲ ص ۱۹۱ نیز ملاحظہ ہو انتخاب تذکرۃ الملوک مندرجہ مقدمہ گرامر ص ۱۰ جس میں کرلانی کو قبائل غور غشت میں بیان کیا گیا ہے۔

نواز ہیں۔ دیگر افغان قبائل کی طرح، ان میں خونریزی کی وارداتیں عام طور سے ہوتی رہتی ہیں۔ نیز بغض و کینہ اور انتقام اور اس کے ساتھ ہی 'ننواتے' (وفد صلاحیت و معذرت) کی قدر کرنے میں دوسرے افغانوں کے مشابہ ہیں۔ جہاں واقعہ اتفاقیہ ہو تو 'ننواتے' یا جرگہ (جلسہ۔ وفد) سے عموماً خاطر خواہ اور مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں لیکن پرانی دشمنی اور بعض شدید قسم کے تنازعات خصوصاً جب ان کا تعلق ننگ و ناموس سے ہو تو اس صورت میں 'ننواتے' اور جرگہ کارآمد نہیں ہوتے۔ شدید قسم کے تنازعات کے فیصلہ کا طریقہ بعض اوقات افغانوں میں اس طریقہ سے کیا جاتا ہے کہ آزردہ یا مظلوم فریق کے کسی مرد رکن کے ساتھ زیادتی کرنے والے فریق کے خاندان کی لڑکی کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح لڑکی دینے کو پشتو میں 'سورہ' کہتے ہیں۔ یہ رواج خٹکوں میں بھی ہے۔ بہ نسبت ضلع پشاور کے خٹکوں سے کوہاٹ کے خٹک زیادہ سرتیز ہیں۔ مگر وہ بھی بہ نسبت بہت سے دیگر افغان قبائل کے کم سرکش ہیں۔

تمام علاقوں کے خٹک فوجی ملازمت بھی کرتے ہیں مگر شمال مشرقی علاقہ کے خٹکوں میں فوجی ملازمت نسبتاً کم ہے۔ ضلع کوہاٹ کے خٹک فوجی ملازمت بہت زیادہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ بہ نسبت بہت سے دیگر افغان قبائل کے کم سرکش ہیں اس لیے ڈسپلن قبول کرنے کی بہتر صلاحیت رکھتے ہیں۔ فوجی ملازمت اختیار کرنے کا سبب اب تک نہ صرف فوجی مذاق اور ڈسپلن قبول کرنے کی بہتر صلاحیت چلا آیا ہے۔ بلکہ مفلسی و ناداری بھی اس کی زبردست محرک رہی ہے۔ جسے دور نہ کرنا بلکہ اسے برقرار رکھنے اور زیادہ کرنے کے ماحول و اسباب کو قائم رکھنا اور بڑھانا غیر ہمدرد بیرونی حکومتوں کے مفاد میں تھا۔ ان حکومتوں نے اپنی عام پالیسی کے مطابق عوام کا خون چوسنے اور انہیں مفلس سے مفلس تر بنانے کے لیے سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کو خٹکوں میں بھی فروغ دینے کی کافی کامیاب کوششیں کیں۔ برطانوی دور حکومت میں اس کے بدترین نتائج ظاہر ہوئے۔ کیونکہ سرحدی اضلاع میں قبائلی نظام میں بہت زیادہ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور قبائلی سردار اور خوانین عوام کی امداد سے بہت حد تک بے نیاز ہو گئے اور عوام کے لیے ہمدردی ان کے دلوں سے بالکل محو ہو گئی۔ ٹیری تحصیل کا سارا مالیہ نہ صرف نواب صاحب کو دیا گیا بلکہ انہیں غریب خٹکوں پر ہر قسم کے ٹیکس لگائے جانے کے بھی اختیار دیے گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی چھوٹے موٹے جاگیردار ہیں۔ مسلم ریاست پاکستان کے قیام سے افاغنہ سرحد و ملحقات کے حکومت کے متعلق نقطۂ نظر اور خیالات و افکار میں عام طور سے جو بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے اس میں خٹک بھی

۱۳۔ پلاوڈن نے شیتکوں کی یلغار کو ۱۳۰۰ عیسوی میں بیان کیا ہے مگر تھاربورن نے ۱۳۷۵ عیسوی کے قریب اس کا واقع ہونا لکھا ہے۔ میں نے شوال سے خٹکوں کے کوچ کو آج سے قریباً چھ سو سال پہلے یعنی چودھویں صدی کے نصف اول کے آخر میں یا نصف آخر کی ابتداء میں تصور کیا ہے۔ اور اس لیے خیال کرتا ہوں کہ شیتکوں نے بنوں کی طرف صدی مذکور کے ربع آخر میں رجوع کیا ہوگا۔ انگریزی ترجمہ کلید افغانی ص ۱۹۲ اور گزیٹیئر ضلع کوہاٹ ص ۳۵ حاشیہ

۱۴۔ گزیٹیئر ضلع کوہاٹ ص ۳۱ پلاوڈن نے ۱۵۰۰ عیسوی سے قبل لکھا ہے اس کا مطلب پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں دکھائی دیتا ہے۔ ترجمہ کلید افغانی ص ۱۹۳

۱۵۔ گزیٹیئر ضلع کوہاٹ ص ۳۱ ترجمہ کلید افغانی ص ۱۹۳

۱۶۔ خٹکوں کی تحریک توسیع اور مذکورہ بالا علاقوں پر قبضہ کا حال ت۔م ص ص ۴۰۔۴۱/ ۲۲۸۔۲۲۹ پر ملاحظہ ہو۔

۱۷۔ کابل جلد ۲ ص ۴۸

۱۸۔ غوریا خیل قبیلے کی مندرجہ بالا تین شاخوں کے علاوہ دو شاخیں زیڑان اور چکنی اور بھی ہیں جو متفرق و منتشر اور کم مشہور ہیں۔

۱۹۔ انہیں عام طور سے سرکاری کاغذات میں محمد زئے لکھا گیا ہے۔ مگر یہ غلطی ہے۔ محمد زئے ابدالی قبیلہ کے شاخ بارکزئے میں سے ہے۔ اور مہمنزئے یا مہمند زئے جو ضلع پشاور کی تحصیل چارسدہ کے علاقہ ہشتنگر (اشنغر) میں آباد ہیں یوسفزئیوں، مندڑوں اور غوریا خیلوں سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں۔ قارئین کرام یاد رکھیں کہ غوریا خیلوں کے مہمند کا 'م' اول مضموم اور مہمنزئے یا مہمند زئے کا 'م' اول مفتوح ہے۔

(۲)

خاندان اور ابتدائی حالت

ملک اکوڑے اور اس کے جانشین: پہلا خٹک جسے شہرت و ناموری نصیب ہوئی اور جس نے اپنی خداداد قابلیت سے اپنے ہمعصر مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر (963 ہجری/ 1556ء تا 1014 ہجری/ 1605ء) کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا قبیلہ خٹک کا ایک معمولی سردار ملک اکوڑے ولد ملک درویش محمد عرف جنو تھا۔ ملک اکوڑے جسے ملک اکو بھی کہتے ہیں تری خٹک تھا جو اصلاً کربوغہ واقع تحصیل تیری ضلع کوہاٹ کا باشندہ تھا اور وہاں سے خویش و اقارب سے ناراضگی کی وجہ سے خوڑہ کی طرف آ گیا تھا اور درہ سونیالہ میں اپنی جماعت کے ساتھ اکثر "تاخت و باخت" میں مصروف رہتا تھا۔ (۱) اس کا سلسلہ دسویں پشت میں تری، بارھویں پشت میں لقمان عرف خٹک اور چودھویں یا (پندرھویں) پشت میں کرلان سے ملتا ہے۔ ملک اکوڑے کا شجرۂ نسب یہ ہے:

(۱) ملک اکوڑے ولد (۲) ملک درویش محمد عرف جنو ولد (۳) تمن یا اتمان ولد (۴) حسن ولد (۵) شیخ علی ولد (۶) عطا یا ہوتے ولد (۷) بٹے ولد (۸) تو یا انو ولد (۹) برگویٹ ولد (۱۰) تری ولد (۱۱) تورمان ولد (۱۲) لقمان المعروف خٹک ولد (۱۳) تگے ولد (۱۴) کرلان۔ تگے ولد لقمان خٹک کے علاوہ کرلان کا ایک دوسرا بیٹا کسی کودے بھی تھا جو اور کزئیوں اور ولازاکوں وغیرہ کا مورث بیان ہوتا ہے۔ حیات افغانی (۲)۔ تاریخ خورشید جہان (۳) اور مقدمہ کلیات (۴) میں لقمان عرف خٹک اور تگے کے درمیان برہان ہے اس طرح سے برہان۔ تگے اور کرلان بالترتیب لقمان عرف خٹک کے باپ، دادا اور پردادا ہوئے۔ مگر شجرۂ نسب مندرجہ تاریخ مرصع کی رو سے برہان لقمان خٹک کا باپ اور تگے کا بیٹا نہیں۔ بلکہ تگے والد لقمان خٹک کے بھائی کودے کا بیٹا ہے اور اس طرح تگے کا بھتیجا اور لقمان خٹک کا چچازاد ہوا (۵) شجرہ مندرجہ تاریخ مرصع افضل خان کے بیان کے مطابق خوشحال خان کی بیاض پر مبنی ہے۔ مگر دستار نامہ مصنفہ خوشحال خان سے حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان کی تائید ہوتی ہے۔ دستار نامہ میں لقمان خٹک تک شجرۂ نسب بیان کرنے کے بعد خوشحال خان لکھتا ہے: "لقمان د برهان. برهان دري زوي، لقمان چې ختک یادیږي. سلیمان چې آفریدے دے اتمان چې اتمان خیل دے جدران

برھان سره وروڼه دي" یعنی" لقمان ولد برہان۔ برہان کے تین بیٹے ہیں لقمان جو خٹک کہلاتا ہے سلیمان جو آفریدی (کا مورث) ہے اتمان جو اتمان خیل (کا مورث) ہے جدران (یا زدران) اور برہان آپس میں بھائی ہیں۔" چند سطر آگے لکھتا ہے:" برھان جدران دواړه سره په کودي ورخي." یعنی" برہان اور جدران دونوں کودے میں جا ملتے ہیں۔" بالفاظ دیگر اس کی اولاد ہیں۔ لقمان خٹک تک تو تاریخ مرصع اور دستار نامہ کا شجرۂ نسب ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہے۔ مگر اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تاریخ مرصع اور دستار نامہ کے بیان میں باہم اختلافات ہیں۔ تاریخ مرصع کے مطابق بھی برہان کودے کا بیٹا ہے لیکن لقمان برہان کا بیٹا نہیں۔ بلکہ تگے برادر کودے کا بیٹا ہے۔ خوشحال خان کودے کو برہان کا والد اور برہان کو لقمان کا والد بنا کر بجائے تگے کودے کو خٹکوں کا بھی مورث بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ قبل ازیں آپ مقدمہ کتاب ہذا (۶) میں پڑھ چکے ہیں کہ عثمان، اتمان اور جدران تینوں لقمان کے بھائی تھے۔ دستار نامہ میں عثمان کو سلیمان لکھا ہے۔ علاوہ بریں جدران کو لقمان وغیرہ کا چچا یعنی برہان کا بھائی لکھا ہے۔ جدران کے متعلق خود تاریخ مرصع کا بیان بھی کچھ متضاد ہے۔ چنانچہ افضل خان لکھتا ہے:

"د ککي خلور زهمن وو لقمان، اتمان، عثمان، خدران دا خلور واړه اولس په يوه له زهمنو د ککي منسوب دي. اتمان او عثمان له يوې موره دي او لقمان له بلې موره دے اما درې واړه له يوه پلاره دي او خدران تره د دې درې واړو وه." یعنی" تگے کے چار بیٹے تھے لقمان، اتمان، عثمان (اور) جدران یہ چاروں قبیلے تگے کے بیٹوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔ اتمان اور عثمان ایک ماں سے تھے اور لقمان دوسری ماں سے مگر تینوں کا باپ ایک تھا۔ جدران ان کا چچا تھا۔" (۷) میجر راورٹی خوشحال خان کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ جدران ان کے باپ کے بھائی (چچا) کا بیٹا تھا" (۸) حیات افغانی (۹) اور تاریخ خورشید جہان (۱۰) میں جدران کو لقمان وغیرہ کا بھائی لکھا ہے اور ان کا والد برہان ولد تگے لکھا ہے۔ سلیمان جسے کسی غلطی کی وجہ سے عثمان کی جگہ لقمان و اتمان کا بھائی لکھا ہے۔ وزیروں اور محسودوں کا مورث ہے۔ (۱۱) یہ بھی کرلانی قبائل ہیں قبیلہ محسود دراصل قبیلہ وزیری کی ایک شاخ ہے مگر اب صرف درویش خیلوں ہی کو وزیر کہا جاتا ہے۔ ملک اکوڑے اور اس کی نسل حسن ولد شیخ علی کی اولاد ہونے کی وجہ سے حسن خیلوں میں شامل ہے۔ (۱۲)

چونکہ افغان اہل روایات و انساب نے افغان قبائل کے شجرہ ہائے نسب بہت بعد میں

مرتب کیے ہیں اس لیے وہ اور ان سے متعلقہ قصہ، تاریخی نقطۂ نظر سے زیادہ معتبر اور وقیع نہیں ہم انہیں بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان سے ایک حد تک افغان قبیلوں کے باہمی رشتوں کا قرب و بعد معلوم کیا جا سکتا ہے اور ملک اکوڑے کے بعد اس کی اولاد کا نسب نامہ تو تاریخی اعتبار سے بہت قابل وثوق ہے کیونکہ جلد ہی حیطۂ تحریر میں لایا جا کر محفوظ کیا گیا۔

قلعہ اٹک کی تعمیر سے پہلے جب شہنشاہ اکبر میرزا حکیم کے تعاقب میں آیا تھا (۹۸۹ ہجری/ 1581ء) تو اس نے نیلاب میں گردونواح کے افغان سرداروں کو راستہ کی حفاظت کے متعلق ان سے بات چیت کرنے کے لئے بلایا انہوں نے شہنشاہ سے ملک اکوڑے کا ذکر کر کے عرض کیا کہ اس نے علاقہ میں بڑا نام پیدا کیا ہے چنانچہ شہنشاہ نے اس کو بلا کر اس پر بہت زیادہ مہربانی کر کے اس کی قدر افزائی کی۔ اور ملک اکوڑے نے بھی ملازمت شاہی اختیار کر کے اپنے قبیلہ سمیت وفاداری و خدمت گزاری کا عہد کیا۔ (۱۳) شہنشاہ نے خیر آباد (جو اٹک واقع پنجاب سے تھوڑے فاصلہ پر صوبہ سرحد میں دریائے سندھ اور دریائے کابل کے سنگھم کے قریب ایک قصبہ ہے) سے نوشہرہ تک کا علاقہ اکوڑے کو بطور جاگیر عطا کیا۔ نیز اموال و مواشی کی آمدورفت پر محصول وصول کرنے کا اختیار بھی دیا۔ (۱۴) اور شاہی سڑک کی حفاظت بھی اس کے سپرد کر دی۔ قصبہ سرائے اکوڑہ جو علاقہ اکوڑہ خٹک کا صدر مقام ہے اور جس کا ذکر ہم مقدمہ میں کر چکے ہیں۔ ملک اکوڑے ہی نے آباد کیا اور آج تک اسی کے نام سے منسوب ہے۔ اس زمانہ میں اسے ملک پور بھی کہتے تھے۔ (۱۵)

بقول افضل خان صاحب تاریخ مرصع ملک اکوڑے تلوار کا دھنی اور مرد سخی و جری تھا۔ اس کی سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جو صبح اس کے پاس ہوتا وہ شام تک نہ ہوتا۔ اور جو شام کو آتا وہ صبح تک خرچ ہو جاتا وہ جو کچھ کماتا یاروں دوستوں اور فقراء غرباء کی نذر ہوتا۔ (۱۶)

ملک اکوڑے اپنے بیٹے یوسف خان اور چند دیگر جوانوں سمیت نازو خان بولاق خٹک کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ملک اکوڑے کے آٹھ بیٹے (۱) یحیٰی خان (۲) نظام خان (۳) یوسف خان (۴) تاتار خان (۵) خضر خان (۶) عبدالغفور خان جسے غفور بیگ کہتے تھے (۷) طاؤس خان اور (۸) مصری خان تھے۔ ان میں سے خضر خان اور عبدالغفور خان عرف غفور بیگ ایک ماں سے تھے جو اُم ولد تھی۔ تاتار خان کی ماں بھی اُم ولد تھی۔ باقی پانچ بیٹے پانچ منکوحہ بیویوں سے تھے۔ یوسف خان جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے باپ کے ساتھ دشمنوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ نظام خان

نے باپ کے عین حیات میں وفات پائی تھی۔

ملک اکوڑے کی وفات کے بعد قبیلہ نے اس کے بڑے لڑکے یحییٰ خان کو سردار تسلیم کیا۔ جس نے جلدی اپنے باپ اور بھائی کے قتل کا انتقام دشمنوں سے لے لیا۔ انوخیلوں اور باقی تورمان خٹکوں نے بھی عصبی حیت کی وجہ سے اتفاق کیا اور بولاق خٹکوں پر حملہ آور ہو کر بہتوں کو قتل اور قید کیا اور بہت سے جلاوطن ہو کر علاقہ یوسف زئی کی طرف چلے گئے۔ (۱۷) یحییٰ خان کے گیارہ بیٹے تھے: (۱) شہباز خان جس کا سال ولادت ۱۰۰۰ ہجری/ 1590-91ء اور ''شہباز خان اجل'' مادہ سال ولادت ہے۔ (۲) بہادر خان اور (۳) عالم خان۔ یہ تینوں ایک ماں سے تھے جس کا نام قدیفہ تھا (۴) آدم خان اور (۵) فیروز خان یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ماؤں سے تھے۔ فیروز خان کی والدہ یوسف خان کی بیوہ تھی جسے یحییٰ خان نے یوسف خان کے قتل کے بعد حبالہ نکاح میں لے لیا تھا۔ (۶) شریف خان اور (۷) جلال خان سگے بھائی تھے۔ ان کی والدہ نازو خان بولاق قاتل ملک اکوڑے کی بیٹی تھی۔ (۸) محمد خان اور (۹) شادی خان ایک ہی ماں سے تھے جو اُم ولد تھی۔ (۱۰) عبداللہ خان اور (۱۱) حکیم خان یہ بھی سگے بھائی تھے۔ ان کے علاوہ یحییٰ خان کے آٹھ بیٹے اور بھی تھے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ (۱۸)

قبیلہ ہائے خٹک اور مندڑ و یوسف زئی کی آویزش: علاقہ مندڑ سے جو ضلع مردان کی دونوں تحصیلوں مردان اور صوابی میں آباد ہے اور تحصیل صوابی کے شمال مشرق میں قبیلہ گدون (۱۹) کے علاقہ مہابن میں اور تحصیل مذکور کے شمال اور علاقہ مہابن کے شمال مغرب میں متفرق قبائل کے ایک دوسرے علاقہ چملہ اور اس کے قرب و جوار میں بھی (جو ریاست سوات کی حدود میں شامل ہے) جن کی کسی قدر آبادی ہے۔ علاقہ خٹک کی سرحد شمالاً شرقاً ملتی ہے۔ شمالی مندڑ خٹکوں اور مندڑوں کے درمیان عام طور سے دریائے کابل حد فاصل ہے۔ جو مغرب سے مشرق اور جنوب مشرق کی طرف بہتا ہے۔ ضلع مذکور کی تحصیل مردان کے ایک حصہ میں جانب شمال قبیلہ یوسف زئی کی بھی کچھ آبادی ہے۔ اس حصہ کو تپہ بائیزئی کہتے ہیں۔ بائیزئی قبیلہ یوسف زئی کی شاخ اکوزئی کی ایک شاخ ہے۔ تپہ پشتو میں زمین کے ایک بڑے رقبہ یا علاقہ کو کہتے ہیں۔ ضلع مردان کے شمال میں مالاکنڈ، سوات، بنیر اور دیر و تالاش میں بھی قبیلہ یوسف زئی آباد ہے۔ جو شاخ در شاخ متعدد شعوب میں منقسم ہے۔ خونی رشتہ کے لحاظ سے افغان قبائل میں قبیلہ یوسف زئی کو قبیلہ مندڑ کے ساتھ سب سے زیادہ قرابت حاصل ہے۔ افغان اہل روایات و انساب کے بیان کے مطابق قبیلہٴ

منڈڑ کے مورث منڈ کا باپ عمر اور قبیلہ یوسف زئی کا مورث یوسف آپس میں بھائی تھے۔ جن کے باپ کا نام منڈے تھا۔ یہ قبائل بہ اتفاق افغانوں کی قسمت سڑبن میں شمار کیے جاتے ہیں۔ منڈڑوں اور یوسف زئیوں کی قریبی رشتہ داری کی وجہ سے عام طور سے انہیں مشترک اور زیادہ مشہور نام یوسف زئی سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم بھی انہیں عام طور سے مشترکا یوسف زئی ہی کہیں گے۔

قبیلہ خٹک اور قبائل منڈڑ و یوسف زئی میں سخت دشمنی تھی۔ جس کی ایک وجہ تو قبیلہ خٹک کی جانب شمال تحریک توسیع تھی جس کے نتیجہ کے طور پر وہ علاقہ ہائے منڈڑ و یوسف زئی میں بھی داخل ہو کر اس پر قابض و متصرف ہونے لگے۔ چنانچہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ضلع مردان کی تحصیل ہائے مردان و صوابی میں بھی خٹک قبیلہ کے چند دیہات ہیں۔ تپہ بائیزئی میں خٹکوں کی کافی آبادی ہے۔

افضل خان یوسف زئیوں اور خٹکوں کے درمیان عداوت کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ خٹکوں نے یوسف زئیوں کو مصری کوٹ جس سے مراد مصری بانڈہ ہے جلاوطن کیا تھا۔[۲۰] مصری بانڈہ سرائے اکوڑہ کے بالمقابل قدرے غرب دریائے کابل کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔ عداوت کی دوسری وجہ خٹکوں کی حکومت مغلیہ سے وفاداری اور قبیلہ ہائے منڈڑ و یوسف زئی کی پرانی سرکشی و مخالفت تھی۔ جس کی بنیاد شہنشاہ اکبر کے عہد میں پڑی تھی۔ اور جس کی نذر اوائل ۹۹۴ ہجری (فروری 1586ء) میں اس کا چہیتا نورتن بیربل بھی ہو چکا تھا۔ اس دشمنی کی وجہ سے خٹک یحییٰ خان اور شہباز خان کے ماتحت منڈڑوں اور یوسف زئیوں سے اکثر برسرِ پیکار رہتے تھے۔ افضل خان اس عداوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یوسف زئیوں کے اچھے اچھے سردار مارے گئے جن میں ملک ماسو یحییٰ خان کے ہاتھ سے قتل ہوا جس وقت شہباز خان نے رکاب فتح مآب میں پاؤں رکھا تو یوسف زئیوں کی نیند و آرام جاتا رہا کئی بار منڈڑوں کو قتل کیا ہر چند باپ اسے منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتا تھا۔"

"یوسف زئیوں کے ساتھ لڑائیوں میں باپ کی زندگی میں کئی بار زخمی ہوا یحییٰ خان کی شہادت کے بعد اپنی سرداری کے زمانہ میں منڈڑوں اور اکوزئیوں سے خراج اور باج وصول کیا اور تمام منڈڑوں کو بزور شمشیر مسخر کیا۔"[۲۱]

افضل خان کی مندرجہ بالا عبارت اس نقطۂ نظر سے اہم ہے کہ اس سے ہمیں پتہ چلتا

ہے کہ خٹکوں کی عداوت صرف مندڑوں کے ساتھ ہی نہ تھی جو ان کے ہمسایہ تھے بلکہ وہ دونوں قبیلوں یعنی مندڑ اور یوسف زئی کے ساتھ برسرپیکار رہتے تھے۔ افضل خان کی مندرجہ بالا عبارت میں قبائل یوسف زئی اور مندڑ کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہوتا رہا ہے اگرچہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے عام طور سے مندڑوں کو بھی یوسف زئی کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر اکوزئی کے ذکر سے (جو قبیلہ یوسف زئی کی ایک شاخ ہے) بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

میجر راورٹی کا خیال ہے کہ خٹکوں کی یہ روایت کہ شہباز خان نے تمام مندڑوں کو مسخر کیا تھا محض اختراع ہے۔ کیونکہ اکبر کے عہد میں مغلوں اور یوسف زئیوں کے درمیان عداوت اور لڑائیوں نے خٹکوں کے لیے یوسف زئیوں اور مندڑوں کے علاقہ میں تجاوز و پیش قدمی کے لیے راستہ صاف کیا اور خٹک وقتاً فوقتاً مندڑوں کے علاقہ کو آہستہ آہستہ اپنے تصرف میں لاتے رہے۔ پہلے پہل یحییٰ خان نے دریا کے قریب کے علاقہ پر دست درازی کی۔ (۲۲) اگر ہم میجر راورٹی کے بیان کا افضل خان کی محولہ بالا عبارت سے مقابلہ کریں تو ہم کو ان میں باہم کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔ اگرچہ افضل خان نے لکھا ہے کہ شہباز خان نے تمام مندڑوں کو بزور شمشیر مسخر کیا لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ یہ تسخیر کا کام شہباز خان ہی نے شروع کیا تھا اور اسی نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ بلکہ اس کے بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ عداوت یحییٰ خان کے زمانہ میں موجود تھی جس میں یوسف زئیوں کے بڑے بڑے سردار کام آئے تھے۔ نہ ہی افضل خان کی مسخر کرنے سے یہ مراد ہے کہ شہباز خان نے مندڑوں کو ایسا مطیع اور زیر کر لیا تھا کہ ان میں سر اٹھانے کی طاقت ہی نہ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بمقابلہ اپنے پیش رووں کے شہباز خان نے ان پر زیادہ قابو اور غلبہ حاصل کیا تھا۔ اگر اس بارہ میں خٹکوں کی کوئی روایت ہو جس کا ذکر میجر راورٹی نے کیا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ افضل خان کے محولہ بالا بیان پر مبنی ہوگی۔

جیسا کہ افضل خان کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے یحییٰ خان کے مارے جانے کے بعد شہباز خان کی سرداری کی نوبت آئی۔ یحییٰ خان اس کے پوتے خوشحال خان کے بیان کے مطابق نہایت ہی حسین و جمیل انسان تھا۔ جو سراپا یوسف ثانی دکھائی دیتا تھا۔ اور اس کی جسامت اور قد و قامت کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ پیادہ ہوتا اور کوئی دوسرا اسوار تو دونوں برابر دکھائی دیتے تھے۔ شجاعت اس پر ختم تھی۔ (۲۳) یحییٰ خان کے قاتل سینی شاخ کے خٹک تھے جنہوں نے نوشہرہ کے قریب اس پر حملہ کر کے اسے اس کے بیٹے عالم خان سمیت قتل کر دیا۔ انہوں نے بھی حملہ آوروں

کے چند آدمی زخمی کیے مگر کسی کو قتل نہ کر سکے۔ شہباز خان اس حادثہ کی اطلاع پا کر اپنے آدمیوں سمیت موقع پر گیا اور باپ اور بھائی کی نعشوں کو لا کر دفن کیا اور بعد ازاں خٹکوں اور یوسف زئیوں اور مہمزئیوں میں جو دوست تھے انہیں اکٹھا کر کے سینیوں پر حملہ آور ہوا اور ان کے کئی گاؤں نذر آتش کیے۔ ملک شادی (جو یحییٰ خان اور عالم خان کے قاتلوں کا سرغنہ تھا) کا بیٹا مارا گیا اور کئی زن و مرد گرفتار ہوئے۔ آخر شہباز خان نے خیال کیا کہ سینی خٹک اس کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں اس لیے مناسب نہیں کہ دوسرے قبیلوں کے ساتھ مل کر ان کی بے عزتی اور آبروریزی کی جائے۔ چنانچہ لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور ایک دو سال کے بعد جب شہباز خان حضور بادشاہی میں شرف باریابی حاصل کر کے لوٹا تو سینی آ کر اس کے پاؤں پڑے۔ شہباز خان نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ البتہ پشاور آ کر ملک شادی اور فرید وغیرہ کو جو قید خانہ میں تھے قتل کر ڈالا۔ (۲۴)

ولادت خوشحال خان: شہنشاہ نورالدین جہانگیر (۱۰۱۴ ہجری/ 1605ء) تا ۱۰۳۷ ہجری/ 1627ء) کے عہد حکومت میں ماہ ربیع الثانی ۱۰۲۲ ہجری (مطابق مئی جون 1613ء) میں شہباز خان کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس کی قسمت میں نہ صرف افغانوں کی تاریخ کے ایک خاص دور میں ان کا قومی شاعر و مفکر اور ان کا فوجی و سیاسی قائد ہونا لکھا تھا بلکہ جسے اس کے فن اور علمی و ادبی آثار کی جامعیت و عمومیت کی وجہ سے (جوں جوں وہ سمجھا اور پہچانا جائے گا) ہر جگہ ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ جو شہرت و ناموری کے ان بلند مقامات تک پہنچا جہاں معدودے چند افغانوں کو رسائی حاصل ہوئی۔ جس کا یوم ولادت افغانوں کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ اس بچے کا نام خوشحال خان رکھا گیا۔ ''خیر عالیشانی'' (۱۰۲۲ ہجری) اس کا مادۂ تاریخ ولادت ہے۔ (۲۵)

سوئے اتفاق سے خوشحال خان کی ابتدائی زندگی کے کئی حالات پر جنہیں تاریخ کا متجسس طالب العلم معلوم کرنا چاہے گا تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے تاہم وہ کئی مشاہیر عالم کے مقابلہ میں اس اعتبار سے بہت زیادہ خوش قسمت ہے اس کے بچپن، لڑکپن اور جوانی کا مختصر تذکرہ جو تاریخ سے ہمیں میسر ہے بہ ہمہ وجوہ کافی دلچسپ اور ولولہ انگیز ہے۔ اس کی زندگی کو اگر ہم جدوجہد اور ہیجان و طوفان کی زندگی کہیں جس میں اسے متواتر خطرات و حادثات کا سامنا کرنا پڑا تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ ہنگامے اس کے ساتھ مہد سے لحد تک لگے رہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں وہ خود اپنی پرشور زندگی کا ذکر یوں کرتا ہے:

لا بو شور راخيي لا ر نه وي بل راشي
مگر زه پيدا به ورځ د شور و شر يم

ابھی ایک ہنگامہ مجھ سے رخصت نہیں ہونے پاتا۔
کہ دوسرا آموجود ہوتا ہے گویا میں شور وشر کے دن پیدا
ہوا تھا۔ (۲۶)

یہ ایک حقیقت ہے کہ مرد صاحب کمال وخود آگاہ کی شخصیت کے عروج وارتقا کا راز آزمائش وابتلاء ہی میں مضمر ہے۔ اس کی آزمائش اس کے قوائے پنہاں اور خیر پوشیدہ کے لیے تازیانہ کا کام دیتی ہے اور وہ اپنی فطری اور ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے شر اور مصیبت کو خیر و برکت اور راحت و آرام میں بدل دیتا

اوائل عمر کے دو حادثے: جب خوشحال خان کی عمر چھ سات سال کی ہوئی تو ایک دفعہ خدمت گار عورتوں کے ساتھ سرائے اکوڑہ کی گھاٹ کی طرف چلا گیا۔ جہاں خادمائیں اکثر کپڑے دھونے کے لیے جایا کرتی تھیں۔ نوکرانیاں کپڑے دھونے میں مصروف تھیں اور خوشحال خان دریا کے کنارے نہا رہا تھا۔ اچانک جب کہ نوکرانیوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا پانی کا زور اسے بہالے چلا۔ ایک تیر پرتاب (تیر کی اُڑان جتنا فاصلہ) پانی میں ڈوبا ہوا اچلا گیا ہوگا۔ کہ آصف کی ماں دوتکے نام خادمہ جو اس وقت شاہ عالم سے منسوب تھی اور سب سے پرے بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی، کی نظر اس کے بالوں میں بندھے ہوئے ریشم کے تاروں پر پڑی جو سطح آب پر تیرتے چلے جا رہے تھے۔ اس ارادہ سے کہ ریشم دریا سے نکال لوں دوتکے نے اسے پکڑ کر زور سے کھینچا اور ریشم کے ساتھ خوشحال خان بھی پانی سے نکل آیا۔ جوں ہی دوتکے نے ننھے خان کو دیکھا چلانے لگی۔ دوسری نوکرانیاں بھی چیخ پکار سن کر آن پہنچیں اور خانزادہ کو بے ہوش دیکھ کر جس کا پیٹ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اور منہ سے پانی بہہ رہا تھا بال نوچنے اور منہ پیٹنے لگیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھوڑی دیر بعد خوشحال خان کو ہوش آیا اور اسے گھر لایا گیا۔ (۲۷)

جب آٹھ سال کا تھا تو ایک اور حادثہ پیش آیا ایک دن گرمی کے موسم میں لڑکوں کے ساتھ ایک چھپر کے پاس کھیل رہا تھا بڑے زور کی آندھی آئی اور چھپر پر پڑی ہوئی ایک چٹائی کو جس پر کچھ پتھر اور ڈھیلے پڑے ہوئے تھے لے اڑی۔ ان پتھروں میں سے بدقسمتی سے ایک پتھر خوشحال پر آن گرا اور بالوں کے مانگ کے برابر پیشانی کے دو ٹکڑے ہوگئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اکٹھے ہوئے اور خون پونچھنے لگے لیکن خون نہ تھمتا تھا آخر اٹھا کر گھر لے آئے۔ بہت خیرات کی گئی۔ سات دن تک تو بُری حالت رہی اور بیخودی کے عالم میں پڑا رہا مگر آخر اللہ تعالیٰ

کے فضل و کرم سے ہوش میں آیا اور شفایاب ہو گیا۔ (۲۸)

تعلیم: خوشحال خان نے ضرور گھر پر مدرسہ یا مسجد میں استاد یا اساتذہ سے تعلیم حاصل کی مگر یہ معلوم نہیں کہ اس نے کتنا عرصہ اور کتنی عمر تک باقاعدہ سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ اور نہ ہی ہم اس کے استاد یا اساتذہ کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ (۲۹) خوشحال خان کا باپ شہباز خان حکومت مغلیہ کا منصب دار تھا۔ اور خوشحال خان کو تمول و فارغ البالی کی وجہ سے حصول تعلیم کے بہت اچھے مواقع حاصل تھے اگرچہ ان دنوں افغان عام طور سے دولت علم سے محروم تھے اور تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دیتی کہ حکومت نے انہیں تعلیم دینے اور ان کے ملک میں جابجا مدارس و علمی مراکز قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن بعض شہادات کی بنا پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ پشاور ان دنوں علوم و فنون کا مرکز تھا۔ اور اس کے بسنے والے یا مضافات کے لوگ اگر چاہتے تو بہ آسانی اس کی علمی فضا سے مستفید ہو سکتے تھے۔ آج سے قریباً سو سال پہلے میجر راورٹی پشتو زبان کی گرامر کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ "پشاور قریباً پچاس ساٹھ سال پیشتر اسلامی علوم کے بہت بڑے مراکز میں سے تھا۔ اور بعض تو اسے بخارا سے بھی بڑھ کر علمی مرکز خیال کرتے تھے۔ (۳۰) آج سے ڈیڑھ صدی یا اس سے کچھ زیادہ پہلے پشاور کا اتنا بڑا علمی مرکز ہونا کہ اسے بخارا سے بھی بڑھ کر خیال کیا جاتا تھا سالہا سال کی ترقی اور کئی اسباب جن میں ایک حکومت کی توجہ بھی ہوگی کا نتیجہ ہوگا۔ اتنی بڑی ترقی کا یکایک یا چند سال کے اندر وجود میں آنا قرین قیاس نہیں۔ مگر باوجود اس سازگار علمی ماحول اور بوجہ امیری بھی حصول علم کے اچھے مواقع حاصل ہونے کے درس کا ماحول اور مدرسہ کی فضا خوشحال خان کو مرغوب نہ تھی۔ اور مدرسہ میں اس کا جی پڑھنے لکھنے میں زیادہ نہ لگتا تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ سیر و شکار کا شوق اس کا ایسا دامنگیر تھا کہ اسے کسب کمال کے لیے نہ چھوڑتا تھا۔ اگر اس کی ایک گھڑی مدرسہ میں صرف ہوتی تو بیس سیر و شکار کی نذر ہوتیں۔ (۳۱) ایام درس میں شکار کھیلنے سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ کم از کم عنفوان شباب تک تو سلسلہ تدریس جاری رہا۔ خوشحال خان نے مدرسہ سے وہ کچھ حاصل نہ کیا ہوگا جو اسے حاصل کرنا چاہیے تھا۔ مگر مختلف مضامین و علوم پر اس کی متعدد تصنیفات و تالیفات اس کی ذہنی صلاحیتوں کے تنوع کا پتہ دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس وسعت مطالعہ کا بھی جو متعدد مضامین پر حاوی تھی۔ اس کے دیگر علمی و ادبی کارناموں سے قطع نظر صرف اس کا دیوان یا کلیات ہی نہ صرف اس کے شاعرانہ کمال کا شاہد ہے بلکہ اس کے علم و فضل اور وسعت معلومات پر بھی دال ہے۔ اگرچہ جیسے کہ وہ کہتا ہے اس کی شاعری عطیہ قدرت تھی اور تحصیل و

اکتساب کا نتیجہ نہ تھی مگر باوجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ دین ہمارے شاعر کے بحر علمی، وسیع تجربہ اور بسیط مطالعہ سے اور زیادہ چمک اٹھی۔ درس کا سلسلہ بند ہو جانے کے بعد ذاتی مطالعہ و تجربے سے ہمارے شاعر نے بہت کچھ حاصل کیا اور جس طرح آخری دم تک شکار کا شوق اس کا دامنگیر رہا اس کے شوق مطالعہ میں بھی فرق نہ آیا۔ (۳۲)

جنگ جہانگیرہ: خوشحال خان کی پر آشوب زندگی کے واقعات جو اسے چھ سات اور آٹھ سال کی عمر میں پیش آئے بیان کرتے ہوئے ہماری توجہ کو قدرتاً اس کی تعلیم کے سوال نے اپنی طرف منعطف کر لیا کیونکہ اسی عمر میں بچوں کی تعلیم عام طور سے شروع کی جاتی ہے۔ آئیے اس کی تعلیم کے متعلق اس مختصری بحث کے بعد ہم اس کی ابتدائی زندگی کے دیگر واقعات کی طرف متوجہ ہوں۔

سال ۱۰۳۵ ہجری مطابق 1626ء میں یوسف زئی سردار بہاکو خان (یا بہاگو خان) نے باوجود یکہ وہ قبیلہ میں اپنی ممتاز پوزیشن کے لیے شہباز خان کا زیر بار احسان تھا۔ (۳۳) شہباز خان کے سابقہ احسان کو پس پشت ڈال کر اپنا قبائلی لشکر اکٹھا کر کے بولاق کے چند دیہات پر حملہ آور ہو کر انہیں لوٹا اور نقصان پہنچایا۔ شہباز خان نے یوسف زئیوں کو ان کی چیرہ دستیوں کی سزا دینے کے لیے ایک معمولی سی جمعیت کے ساتھ دریائے کابل کو عبور کر لیا اور یوسف زئیوں کے علاقہ میں داخل ہوا۔ خوشحال خان بھی جس کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی باپ کے ہمراہ تھا۔ یوسف زئیوں اور خٹکوں کے درمیان اکوڑہ سے قریباً پانچ میل دور بہ مقام جہانگیرہ جو اب ضلع مردان کی تحصیل صوابی میں شامل اور سرائے اکوڑہ کے جنوب مشرق میں دریائے کابل کے شمال مشرقی کنارے پر واقع ہے (اس جگہ دریا کا رخ بہت زیادہ مائل بہ جنوب ہو جاتا ہے) اور جس میں اب خٹک آباد ہیں مقابلہ ہوا۔ خٹک رسالہ نے یوسف زئی سواروں کو شکست دی اور انہیں کافی نقصان پہنچایا۔ یوسف زئی مقتولین میں ملک چند خان اور چند دیگر سردار بھی شامل تھے۔ خٹکوں کو بہت سا مال غنیمت جس میں عمدہ گھوڑے بھی تھے ہاتھ آیا یوسف زئی رسالہ دو تین تیر پرتاب پسپا ہوا ہوگا کہ اس اثناء میں یوسف زئی پیادوں نے بڑی جسارت و شجاعت اور ساتھ ہی کمال جسمانی قوت و طاقت کا ثبوت دیا انہوں نے خٹکوں پر حملہ کر کے بعض کو تو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور بعض کو اٹھا اٹھا کر دریا میں پھینکتے گئے۔ اس طرح کوئی بیس خٹک میدان جنگ میں کام آئے اور پچاس کے قریب دریا میں ڈوب گئے۔ یوسف زئیوں کی جسارت و شہامت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر شہباز خان نے اس ورطۂ ہلاکت سے بھاگ نکلنے کی ٹھانی اور اپنے کمسن بیٹے اور دیگر ساتھیوں سمیت میدان

کارزار سے بھاگ نکلا۔ یہ لوگ لڑتے بھڑتے آخر بیر سباک کی گھاٹ جا پہنچے جو سرائے اکوڑہ سے قریباً چھ سات میل کے فاصلہ پر جانب شمال مغرب اور نوشہرہ سے شمال مشرق کی طرف دو تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ افضل خان نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ خٹک جہانگیرہ سے بھاگ کر سرائے اکوڑہ کو اپنے پیچھے چھوڑتے ہوئے اس قدر جانب مغرب گزر بیر سباک تک کیوں گئے تھے۔ یا تو اس وقت جب وہ بھاگتے ہوئے سرائے اکوڑہ کے گزر پر پہنچے تو وہاں دریا کو عبور کرنے کے لیے کشتی موجود نہ تھی اور متعاقب یوسف زئیوں کے حملے کا خطرہ تھا اور یا جہانگیرہ سے شکست کھا کر شمالاً غرباً زیادہ شمالی سمت اختیار کیے ہوئے بھاگے اور پھر جب بائیں طرف مڑے تو متعاقب یوسف زئیوں نے انہیں سرائے اکوڑہ سے آگے بہت زیادہ مغرب کی طرف بھگا دیا تو اور انہوں نے گزر بیر سباک کا رخ کیا۔ بہر کیف گزر بیر سباک پہنچ کر شہباز خان اور اس کے ساتھیوں نے دم لیا۔ وہاں اس وقت دریا کے کنارے ایک زبوں حال کشتی پڑی تھی۔ شہباز خان اس کا بیٹا خوشحال خان اور شہباز خان کے دوسرے ساتھی مع اپنے بھاری اسلحہ، زرہ بکتروں اور گھوڑوں اور بر گستوانوں کے اس کشتی میں بیٹھ گئے اور دریا میں سرائے اکوڑہ کی طرف چل دیے اور در آں حالیکہ یہ کشتی دریا میں ڈوبتے ڈوبتے بچی دریا کو عبور کر کے سرائے اکوڑہ پہنچے۔ (۳۴)

شہباز خان کا یوسف زئیوں پر کامیاب حملہ: اس واقعہ کے قریباً تین مہینے بعد شہباز خان نے بہاکو خان کے گاؤں مانیری پر حملہ کیا اور اسے نقصان پہنچانے اور کچھ قتل و غارت کرنے کے بعد واپس ہوا۔ بہاکو خان نے بھی اپنے آدمیوں کو اکٹھا کر کے خٹکوں کا تعاقب کیا طرفین میں جو لڑائی ہوئی اس میں یوسف زئیوں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے بہت سے مردے میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ خٹکوں کی اس فتح کا یہ نتیجہ ہوا کہ شہباز خان یوسف زئیوں کو مطیع کرنے کرنے لگے۔ بہاکو خان نے خٹکوں سے انتقام لینے کے لیے دو تین بار لشکر اکٹھا کیا تاکہ وہ اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو پھر اپنے ساتھ ملا لے جنہوں نے حکومت مغلیہ کے منصب دار کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ مگر اسے اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی۔ (۳۵) معلوم ہوتا ہے کہ خٹکوں کے علاقہ پر تاخت کرنے کے لیے وہ کافی لشکر فراہم نہ کر سکا تھا۔

خوشحال خان کی شادی اور چند دیگر واقعات: اواخر ۱۰۴۰ ہجری مطابق جون جولائی 1631ء میں جب کہ خوشحال خان اٹھارہ سال کا تھا اس کی پہلی شادی ہوئی۔ بعد میں خوشحال خان

اس قصے سے ہمیں آج سے قریباً سوا تین سو سال پہلے کے ماحول میں پیدا ہو کر تربیت حاصل کی۔ اونچے افغان گھرانوں کی خواتین کی ذہنی سطح بلکہ بحیثیت مجموعی امرا اور عوام کے تمدن کے متعلق بھی کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

متذکرہ بالا واقعات کے بعد خوشحال خان کی زندگی کے دس سال (اواخر ۱۰۴۰ ہجری تا اواخر ۱۰۵۰ ہجری مطابق جون، جولائی 1631ء تا اوائل 1641ء) کے اکثر واقعات پر پردہ اخفا پڑا ہوا ہے۔ ہمیں اس قدر معلوم ہے کہ بیس سال کی عمر میں ۱۰۴۲ ہجری مطابق 1632-33ء جیسا کہ وہ ہمیں بتاتا ہے اس نے شعر کہنے شروع کیے۔ (۴۲) حقیقتہً یہ نہ صرف خوشحال خان کی زندگی بلکہ افغانوں کی تاریخ میں ایک اہم اور بہت ہی نتیجہ خیز واقعہ تھا۔ ایک پیدائشی شاعر کا جیسا کہ خوشحال خان تھا بیس سال کی عمر میں شعر گوئی آغاز کرنا ذرا دیر سے معلوم ہوتا ہے۔ عام طور سے فطری فن کاروں کے جوہر جلد ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ ممکن ہے خوشحال خان مستثنیات میں سے ہو یا اس کا مطلب یہ ہو کہ بیس سال کی عمر میں اس نے اچھے شعر کہنے شروع کیے۔ اگرچہ بظاہر تو اس کے الفاظ سے یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ بیس سال کا ہوا تو اس نے شاعری شروع کی اور اس کی عمر کے ساٹھویں سال وہ کمال کو پہنچی۔ (۴۳) مگر اس کی ایک غزل سے جو بیس سال سے کچھ زیادہ عمر میں لکھی گئی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ بہ تسلسل مضمون اچھے شعر کہہ لیتا تھا۔ وہ غزل ترجمہ کے ساتھ حسب ذیل ہے:

عقل سل د مصلحت بندونہ جوڑ کا	عقل مصلحت کے سو بند تیار کرتی ہے۔
چې د عشق سیلاب بې راشي واړه نوړ کا	مگر عشق کا ایک ہی سیلاب آن کر ان سب کو منہدم کر دیتا ہے۔
ماتہ مہ وایہ عاقلہ چې عشق څہ دی	اے عاقل مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ عشق کیا ہے
کہ مئین شې تا بہ هم لہ عقلہ موړ کا	اگر عاشق ہو گئے تو تم بھی عقل سے سیر ہو جاؤ گے
عشق بہ هیڅ لہ خپلہ هوډہ نہ وانہ وړي	عشق اپنی ہٹ دھرمی سے ذرا بھی نہ ہٹے گا
عقل خو بہ قهر تل د گوتو مروړ کا	عقل یونہی بڑی غصے سے اپنی انگلیاں مروڑتی رہے
زہ کہ هر څو خپل پیوند شلوم لہ عشقہ	میں ہر چند عشق سے رشتہ توڑنے کی کوشش کرتا ہوں
ولې ما او عشق خدای لا وبلہ جوړ کا	مگر خدا میرا رشتۂ عشق سے اور بھی زیادہ جوڑ دیتا ہے
زما عمر بہ حساب تر شلو زیات دی	میری عمر حساب کے مطابق بیس سے زیادہ ہے
د عشق غم بہ مې بہ لږ کالہ کښې زوړ کا	مگر غم عشق چندہی سالوں میں مجھے بوڑھا کر دے گا

اور خٹکوں کے تعاقب میں چل دیے۔ تھوڑی دیر بعد نواحِ بلوٹالہ (۵۰) میں انہیں جالیا۔ طرفین کے درمیان لڑائی شروع ہوئی اور آغاز جنگ ہی میں ساقی بیگ کا گھوڑا تیر سے زخمی ہو گیا اور ساقی بیگ اس سے گر پڑا۔ ساقی بیگ سرتا پا مسلح تھا۔ گزشتہ رات مینہ بہت برسا تھا اور بارش کی کثرت سے کیچڑ بہت زیادہ ہو رہا تھا۔ ساقی بیگ اسلحہ کے بوجھ کی وجہ سے پیادہ نہ چل سکتا تھا۔ خوشحال خان نے ساقی بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تا کہ اسے بھی اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کرلے مگر خوشحال خان کے گھوڑے کو بھی ایک تیر گھٹنے میں لگا اور وہ بیکار ہو گیا۔ (۵۱) ساقی بیگ خوشحال خان سے پیچھے رہ گیا اور دشمن نے اسے تلواروں سے کاٹ کے رکھ دیا۔ اس وقت خوشحال خان کی نظر باپ پر پڑی اسے کنپٹی میں تیر لگ چکا تھا۔ خوشحال خان نے باپ کو اپنا زخمی گھوڑا (جسے گھٹنے میں تیر لگ چکا تھا) دکھایا تا کہ یہ حالت دیکھ کر لڑائی بند کرنے اور واپسی کا حکم دے۔ کیونکہ اسے بری طرح نازک جگہ پر تیر لگا تھا۔ (۵۲) مگر شہباز خان نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خوشحال خان کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ خوشحال خان دو تین تیر پرتاب گیا ہو گا کہ اس کا گھوڑا گر پڑا اور پیدل روانہ ہوا خوشحال خان کا بھائی جمیل بیگ بھی اس کے پیچھے جارہا تھا۔ اسے بھی ہاتھ پر تیر کا زخم آ چکا تھا۔ جب دو تین تیر پرتاب اور گئے تو وہی گھوڑا جس نے ساقی بیگ کو گرایا تھا خوشحال خان کے پاس لایا گیا اور اس پر سوار ہو کر باپ کے پاس آیا۔ اس اثنا میں اسے کنپٹی میں ایک اور تیر بھی لگ چکا تھا مگر وہ برابر لڑ رہا تھا۔ اس وقت خٹک لڑتے بھڑتے اس مال مویشی سمیت جو وہ اکاخیلوں کے گاؤں سے پکڑ لائے تھے بلوٹالہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اور آخر مال غنیمت سمیت بلوٹالہ کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس لڑائی میں میرزا علی خیل بھی مارا گیا۔ خوشحال خان کو بھی اس اثنا میں ایک تیر پنڈلی کی ہڈی میں لگ چکا تھا۔ زخم اتنا شدید تھا کہ تیر کا پھل ہڈی میں اٹک کے رہ گیا تھا۔ لڑائی میں یوسف زئیوں کا پلہ بھاری رہا۔ لڑائی کے خاتمہ پر شہباز خان کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی۔ اور گھوڑے پر سواری کی طاقت کھو چکا تھا۔ اسے سر کے زخم کے علاوہ دو تین زخم اور بھی آئے تھے۔ چنانچہ نیزوں کا ایک سٹریچر سا تیار کر کے شہباز خان کو اس پر ڈال کر اٹھایا گیا۔ شکست خوردہ خٹک نماز عشاء کے وقت اپنی منزل مقصود کو پہنچے۔ بقول افضل خان کوئی خٹک سوار ایسا نہ تھا جو بغیر زخم کھائے گھر واپس آیا ہو۔ ہر ایک مجروح اپنے علاج میں مصروف ہوا۔ تیر کا پھل جو خوشحال خان کی پنڈلی کی ہڈی میں اٹک کے رہ گیا تھا دو تین آدمیوں نے انبور سے پکڑ کر بڑی کوشش سے نکالا۔ دو تین دن کے بعد خوشحال خان کو اٹھا کر

آخر رمضان" کے معنی سلخ رمضان کریں تو جمعہ کے بعد شوال کی جمعرات ۶ تاریخ کو ہوگی۔ اور یہی یوم وفات ہوگا اور اگر اواخر ترجمہ کریں تو نتیجہ مندرجہ بالا تاریخوں کے مطابق ہوگا۔ یہ عبارت بھی مشتبہ ہے اور تاریخوں کے تعین میں اس سے مدد نہیں ملتی۔

زمانہ زیر بحث کے متعلق بعض دیگر اہم دستاویزات کی بنا پر جو شہادت ہمیں میسر ہے اس سے ان دنوں اور تاریخوں کی جو ہم نے اوپر فرض کی ہیں تائید نہیں ہوتی۔ عہد شاہ جہانی کے سرکاری مؤرخ ملا عبدالحمید لاہوری نیز اسی عہد کے ایک دوسرے بڑے مؤرخ ملا محمد صالح کمبو لاہوری نے ۱۰۵۰ ہجری میں شہنشاہ کے پچاسویں جشن وزن شمسی (شمسی حساب سے بادشاہ کی عمر کے کسی سال کے اختتام پر قیمتی اشیاء سے اس کے تلنے کا رسم) کا ذکر کرتے ہوئے ۱۹ شوال (مطابق ۱۲ بہمن افروری) کو جمعرات کا دن لکھا ہے۔ اب اگر ۱۹ شوال ۱۰۵۰ ہجری کو جمعرات کا دن تھا تو اس سے پہلے جمعرات ۱۲ اور ۵ تاریخوں کو آئے گی۔ شوال کی پہلی جمعرات ۵ تاریخ کو ہوگی۔ اگر یہ تاریخیں صحیح ہوں تو پھر خوشحال خان کے مندرجہ بالا قطعہ میں آخر رمضان سے مراد تو اواخر رمضان ہی ہوئے۔ اور "روز پنج شنبہ اول شوال" میں ہم "پنج شنبہ" اور اول کے درمیان تک اضافت فرض کر کے مصرعہ کا مطلب "بروز پنج شنبہ اول شوال" (شوال کی پہلی جمعرات کا دن) لیں گے۔ یوں شہباز خان کا یوم وفات ۵ شوال مطابق ۱۸ جنوری 1641ء اور لڑائی کا دن جمعہ ۱۲ جنوری ہوا۔ لڑائی کی تاریخ قمری حساب سے اگر مہینہ تیس دن کا تھا تو ۲۹ رمضان ورنہ ۲۸ رمضان تھی۔ (۵۵)

شہباز خان کا کیریکٹر: خوشحال خان نے اپنی کئی نظموں میں باپ کی مدح کی ہے اور جا بجا اس کی شجاعت، سخاوت، شوق شکار، خودداری، راستبازی، دینداری اور پاک دامنی اور باوجود ناخواندگی اس کی عقل مندی اور فہم و فراست کو بہت سراہا ہے۔ خوشحال خان باپ کے تدین کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: کہ دینی کاموں سے اسے محبت تھی اور دنیا سے بیزار تھا۔ (۵۶)

شہباز خان کی دینداری کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ شدید مجروح اور مرض الموت میں مبتلا تھا اس وقت بھی اس نے نماز ترک نہ کی۔ چنانچہ ان ایام میں اسے فالج ہو جانے کے متعلق افضل خان لکھتا ہے کہ "زخم کے ساتھ اسے فالج بھی ہو گیا۔ اتوار کے روز اس نے وضو کیا سر کو برہنہ کر کے اس پر مسح کیا اسے ہوا لگ گئی۔ دو دن تک زبان بات چیت سے بند رہی۔" (۵۷)

شہباز خان کو اولیا، صلحا سے عقیدت کے علاوہ اس زمانہ کے باکمال عارف و ولی اللہ حضرت شیخ

رحکار عرف کاکا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا شرف صحبت و میزبانی بھی حاصل تھا۔ چنانچہ شہباز خان کی دعوت پر ایک دفعہ سرائے اکوڑہ تشریف بھی لے گئے تھے۔ (۵۸) البتہ خوشحال خان کا یہ کہنا کہ اس کا باپ اس قدر متدین و پارسا تھا کہ دنیا اس کی نظر میں ہیچ تھی مبالغہ سے خالی نہیں۔ اگر دنیا اس کی نظر میں نہ ہیچ تھی تو آخر کیوں ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ کشت و خون کے لیے کمربستہ اور پا بہ رکاب رہتا تھا۔ افغانی کینہ و عداوت کے علاوہ مطلق العنان بادشاہوں کے قرب و خوشنودی کے ذریعے جاہ و جلال اور وجاہت و ثروت کے حصول کے لیے یوسف زئیوں کی گردنیں مارنا اپنا محبوب ترین مشغلہ بنا رکھا تھا اور اپنی جان بھی اسی شوق کی نذر کر دی۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ شہباز خان مغل بادشاہوں کی خدمت کو جو مسلمان حکمران تھے اور جن کی حکومت کو عام طور سے اسلامی حکومت سمجھا جاتا تھا کار خیر و ثواب سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ باغیوں اور سرکشوں سے برسر پیکار رہتا تھا۔ اگر یحییٰ خان کے منع کرنے کے باوجود حکومت کے لیے اور ذاتی و قبائلی عداوت کی بناء پر یوسف زئیوں سے لڑتا رہتا تھا۔ شہباز خان کا یوسف زئیوں کی عداوت میں شدت اور سختی اختیار کرنا اس خیال کے خلاف جائے گا تاہم معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا آیا کہ شہباز خان کو اس کشت و خون سے پشیمانی ہوئی۔ افضل خان لکھتا ہے (۵۹) کہ چونکہ شہباز خان متدین آدمی تھا اس لیے اس نے ایک بار علماء سے پوچھا کہ خٹکوں اور یوسف زئیوں کے جدال و قتال میں جو آدمی طرفین میں سے قتل ہوتے ہیں ان کی میت کیسی ہے۔ علماء نے جواب دیا کہ اچھی نہیں۔ چنانچہ شہباز خان نے یوسف زئیوں کا علاقہ بادشاہ سے ۱۲۰۰۰ روپیہ سالانہ اجارہ پر لے لیا۔ بادشاہ اس کے حسن انتظام سے بہت خوش ہوا اور زر اجارہ معاف کر دیا۔ مگر جیسا کہ ظاہر ہے شہباز خان کی امن کے لیے کوششیں زیادہ موثر اور ان کے نتائج دیرپا ثابت نہ ہوئے۔ جہاں تک شجاعت و سخاوت کا تعلق ہے یہ اوصاف ایک افغان سردار کے اخلاق کے لیے اس وقت بے حد ضروری تھے۔ بغیر ان کے آج سے تین سو سال قبل جب کہ افغان کلیۃً قبائلی نظام کے پابند تھے کسی افغان قبیلہ کی سرداری محض بطور ترکہ و وراثت حاصل نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور اگر یوں مل بھی جاتی تو اس کا برقرار رکھنا محض حق وراثت کی بنا پر ناممکن تھا۔ خوشحال خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہباز خان غیر معمولی طور سے سخی و شجاع تھا۔ جنگ بلو میں باوجود شدید زخم برداشت کرنے کے لڑائی کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک کہ وہ مال غنیمت سمیت بلو کو عبور نہ کر چکا تھا اس کی استقامت اور اچھے سپاہیانہ اوصاف کی دلیل ہے۔

جہاں تک شہباز خان کی دانائی اور فہم و فراست کا تعلق ہے آپ پڑھ چکے ہیں کہ
باوجود یوسف زئیوں کے ساتھ عام دشمنی کے شہباز خان نے ان میں بعض لوگوں کے ساتھ دوستانہ
تعلقات پیدا کر کے بحال رکھے تھے۔ چنانچہ جب شہباز خان کے والد کو سینی خٹکوں نے قتل کیا تو
تری خٹکوں اور ممنزئیوں کے علاوہ یوسف زئیوں نے بھی سینیوں پر حملہ میں شہباز خان کا ساتھ دیا
تھا۔ جب صدوزئیوں اور اتمان زئیوں میں لڑائی چھڑی تھی تو شہباز خان نے صدوزئیوں کا ساتھ
دیکر ایک تو اپنے دیرینہ تعلقات کو ملک تلو کے خاندان کے ساتھ قائم رکھا۔ (۶۰) اور دوسرے اس
طرح اتمان زئیوں، کمال زئیوں، امازئیوں اور سیصدوں (۶۱) کے مضبوط اتحاد کو بھی توڑ دیا۔ مگر
بہاکو خان کا اندازہ لگانے میں شہباز خان نے غلطی کی۔ شہباز خان کا خیال تھا کہ وہ صدوزئیوں کی
سرداری پر قانع ہو جائے گا مگر وہ شہباز خان، اسکے خاندان اور حکومت مغلیہ کا خوفناک دشمن ثابت
ہوا۔ جس کے کارناموں کا ابھی ہمیں مطالعہ کرنا ہے۔ شہباز خان خٹکوں کو بھی مضبوط و متحد رکھنے کی
ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ اس نے سینیوں کا قصور بھی معاف کیا اور ملک اکوڑے کے قاتلوں بولاقوں
کے ساتھ بھی از سر نو تعلقات استوار کئے۔

شہباز خان اور اس کے جانشینوں کا زمانہ حکومت: آپ پڑھ چکے ہیں کہ ملک اکوڑے کو شہنشاہ اکبر نے جاگیر
وغیرہ اس وقت عطا کی تھی جب وہ محمد حکیم مرزا کے تعاقب میں آیا تھا۔ اس لئے ملک اکوڑے اور
اس کے جانشینوں کا عہد حکومت شہباز خان کی وفات تک (۹۸۹ھ سے ۱۰۵۰ھ تک) اکسٹھ سال
ہوتا ہے۔ حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہاں کے مؤلفوں نے ملک اکوڑ خان کا عہد حکومت
اکتالیس سال اور یحییٰ خان اور شہباز خان کا بالترتیب اکسٹھ اور اکتیس سال لکھا ہے۔ (۶۲) یہ ایک
سو تینتیس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اور اگر صحیح ہو تو ملک اکوڑے کے عہد حکومت کا آغاز ۹۱۷ھ
(ہندوستان میں حکومت مغلیہ کے قیام سے ۱۵ اور اکبر کے عہد حکومت سے پانچ سال پہلے) اور
۱۰۱۹ھ (عہد جہانگیری کے پانچویں سال) ہوگا۔ شہباز خان کا ۱۰۱۹ھ میں بعمر ۱۹ سال سردار ہو کر
اکتیس سال کی حکمرانی کے بعد ۱۰۵۰ھ میں انتقال کرنا تو قبول کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پہلے سنین و زمانہ
ہائے حکومت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔ ان مؤلفوں نے غالباً اپنے بیان کو صحت و معقولیت کا
رنگ دینے کے لئے لکھا ہے۔ کہ ملک اکوڑ خان نے اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد
اکتالیس سال اور بعدہ یحییٰ خان اور شہباز خان نے اکسٹھ اور اکتیس سال حکومت کی۔ اب اگر

۹۹۹ھ (ملک اکوڑے کا اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنے کا سال) سے ہم یہ عرصہ شمار کریں تو شہباز خان کو ۱۱۱۲ھ کے قریب مرنا چاہئے۔ یہ روایت ظاہراً غلط، بے بنیاد اور مسلمہ واقعات کے خلاف ہے۔

حواشی

۱۔ ت۔م ص ص ۴۱۔۴۲/۲۲۹۔۲۳۰

۲۔ انگریزی ترجمہ ص ۳۰۳ (شجرہ)

۳۔ ص ص ۲۲۹، ۲۳۰ (شجرے)

۴۔ ص ۱۰

۵۔ ت۔م ص ص ۳۵، ۳۶/۲۲۱، ۲۲۲

۶۔ ص ۲ و حاشیہ ۵

۷۔ ت۔م ص ۳۷/۲۲۳

۸۔ این۔اے ص ۳۸۵ میجر راورٹی نے اگرچہ کتاب کا حوالہ نہیں دیا مگر اس نے ت۔م کی عبارت کا خلاصہ کیا ہے سوائے اس کے کہ اس نے جدران کو لقمان وغیرہ کا چچازاد لکھا ہے۔

۹۔ ص ص ۲۰۳ و ۲۲۰ (شجرے)

۱۰۔ ص ص ۲۳۹، ۲۴۷ (شجرے)

۱۱۔ حیات افغانی ص ۲۲۸ (شجرہ)۔ تاریخ خورشید جہان ص ۲۵۱

۱۲۔ اتو یا انو ولد برگویٹ کی اولاد ہونے کی وجہ سے پلاوڈن نے ملک اکوڑے کو انوخیل لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمہ کلید افغانی از پلاوڈن ص۔ ۱۹۷ نوٹ ۱۸۔ انوخیل بھی قبیلہ تری خٹک کی ایک شاخ ہے اور ملک اکوڑے کو انوخیل کہنا بھی درست ہے مگر حسن بہ نسبت انو یا اتو ملک اکوڑے کا زیادہ قریبی دادا ہے۔

۱۳۔ میجر راورٹی (این۔اے۔ص۔ ۴۳۰) نے ملک اکوڑے کا اکبر کی ملازمت اختیار کرنے کا سال اوائل ۹۹۴ھ (جنوری 1587ء) لکھا ہے لیکن افضل خان کے بیان (ت۔م ص۔ ۴۳/۲۲۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اکبر بادشاہ تعمیر قلعہ اٹک سے قبل میرزا حکیم کے تعاقب میں

آیا تھا اس وقت ملک اکوڑے نے اکبر کی ملازمت اختیار کی تھی۔ اکبر میرزا حکیم کے تعاقب پر ۹۸۹ھ (1581ء) میں آیا تھا۔

۱۳۔ ت۔ م ص ص ۴۲۔۴۴/۲۳۰۔۲۳۳
کلیات ص ۶۵۲ دیوان حصہ اص ۸۰

۱۴۔ کلیات ص ۶۳۸،۴۷۳ دیوان حصہ ۲ ص ۲۹۷ حصہ اص ۴۷ میجر راورٹی (این۔ اے
۱۵۔ ص ۴۳۰) میں لکھتا ہے کہ "ملک اکوڑ یا اکوڑے نے ازاں بعد کہ وہ اوائل ۹۹۴ھ (جنوری 1587ء) میں اس بادشاہ (اکبر) کا ملازم ہوا۔ قصبہ اکوڑے کی بنیاد رکھی۔" اگر قصبہ سرائے اکوڑہ کی بنیاد ملک اکوڑے نے اکبر کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد رکھی تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس کا سال بنیاد ۹۸۹ھ (1581ء) کے بعد فرض کرنا چاہیے۔

۱۶۔ ت۔ م ص ۴۴/۲۳۰ افضل خان کی یہ رائے اپنے دادا خوشحال خان کی رائے پر مبنی ہے۔ کلیات ص ۶۵۲ دیوان حصہ اص ۸۰

۱۷۔ ت۔ م (ق)

۱۸۔ ت۔ م ص ص ۳۸۔۴۰/۲۲۶۔۲۲۸

۱۹۔ گدونوں کا شمار افغانوں کی قسمت خرشبون میں ہوتا ہے۔

۲۰۔ ت۔ م ص ۴۴/۲۳۴

۲۱۔ ت۔ م ص ص ۴۴،۴۵/۲۳۳

۲۲۔ این۔ اے ص ۴۳۰

۲۳۔ کلیات ص ۶۳۶ دیوان حصہ اص ۷۱

۲۴۔ ت۔ م (ق) مطبوعہ حصہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ خان بھی کسی طرح قتل ہوا تھا۔ تفصیل نہیں۔ ملاحظہ ہو ص ص ۴۰/۲۲۸،۴۵/۲۳۵

۲۵۔ ت۔ م ص ۴۰/۲۲۸ کلیات ۶۵۳ دیوان حصہ اص ۸۱

۲۶۔ کلیات ص ۶۴۰ دیوان حصہ ا ۔ ۷۴

۲۷۔ ت۔ م (ق)

۲۸۔ ت۔ م (ق)

۲۹۔ خوشحال خان نے دستار نامہ میں ضمناً اپنے ایک استاذ شاہ اویس صدیقی ملتانی کا ذکر کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان سے خوشحال خان نے کب اور کہاں اور کتنا عرصہ تعلیم حاصل کی۔

مقدمہ گرامر ص ۳۶

۳۰۔ کلیات ص ۶۰۷، دیوان حصہ ا ص ۱۷

۳۱۔ کلیات ص ص ۲۶۴، ۲۶۵، دیوان حصہ ا ص ۱۵۶

۳۲۔ بہاکو خان صوابی کے بالکل قریب جانب شمال موضع مانیری کے رہنے والا اور صدوزئی

۳۳۔ مندڑ تھا۔ واقعات زیر بحث سے پہلے جب صدوزئی اور اتمان مندڑوں میں لڑائی ہوئی تھی تو ملک الو عمر خیل کی سفارش سے جو شہباز خان کے عزیز دوست ملک بلو کا بیٹا تھا شہباز خان نے صدوزئیوں کی حمایت کر کے اتمان زئیوں کو مغلوب کیا تھا۔ اور صدوزئیوں کی سرداری بہاکو خان کی تھی اس قبائلی لڑائی میں امازئی اور کمال زئی مندڑوں نے اور سیصدوں (ان کی وضاحت آگے ہو جائے گی) نے اتمان زئیوں کا ساتھ دیا تھا۔ ت۔ م ص ص ۳۵۔ ۳۶/ ۲۳۵۔ ۲۳۶

۳۴۔ ت۔ م ص ص ۳۵، ۳۶/ ۲۳۵، ۲۳۶

۳۵۔ ت۔ م ص ۳۶/ ۲۳۶

۳۶۔ کلیات ص ص ۶۵۳، ۶۵۴، دیوان حصہ ا ص ص ۸۱، ۸۲

۳۷۔ اس عبارت میں قوسین میرے بڑھائے ہوئے ہیں۔

۳۸۔ یہ شہباز خان کی والدہ تھیں اس جگہ ت۔ م (ق) انتخاب نسخہ ہوتی میں اس کا نام کظیفہ لکھا ہے مطبوعہ حصہ تاریخ میں اور قلمی نسخہ میں بھی جہاں یحیٰی خان کے بیٹوں اور ازواج کے نام لکھے ہیں وہاں شہباز خان، بہادر خان اور عالم خان کی والدہ کا نام قدیفہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۵۵ کتاب ہٰذا۔

۳۹۔ 'لویہ تبہ' بڑا بخار لمبا یا میعادی بخار عام طور سے تپ محرقہ کو کہتے ہیں۔ جس کا دوسرا نام "تسیرہ تبہ" ہے۔ 'تبہ' (تپ) بخار کو کہتے ہیں۔

۴۰۔ میرے پیش نظر نسخہ ت۔ م (ق) ہوتی اور اس کے انتخاب دونوں میں 'بی بی یانہ' ہی ہے شاید یہ والدہ خوشحال خان کا نام ہو لیکن اگر 'بی بی انا' کی جگہ بی بی یانہ لکھا گیا ہو تو اس صورت میں انا سے مراد دادی ہوگی اور لفظ بی بی احترام کے لیے ہوگا۔ بی بی ادے بھی کہتے ہیں۔ انا اور ادے کا ایک ہی مطلب ہے۔ دادی یا نانی کو کہتے ہیں۔ ترکی میں انا والدہ کو کہتے ہیں (غیاث اللغات) شاید پشتو انا اور اردو انا (آیا) کا بھی ترکی لفظ سے کوئی تعلق ہو۔

۴۱۔ ت۔م(ق)

۴۲۔ کلیات ص ۷۰۰ دیوان حصہ اص ۶۵

۴۳۔ کلیات ص ۷۰۰ دیوان حصہ اص ۶۵

۴۴۔ ت۔م (ق) ہوتی کے نسخہ میں تاریخ 'زاذیا' ہی ہے مگر شیدو کے نسخہ میں 'زا ذیا' یا 'ذبا' دونوں طرح پڑھی جا سکتی ہے۔ قیاس 'زاذیا' (سترہ) کے حق میں مائل ہوگا۔ 'با' کا 'زا' کے آنا قرین قیاس نہیں۔ حروف ابجد میں بھی 'ب' "ز" سے مقدم ہے اور مصرعہ میں بھی اس کی تقدیر کوئی دقت نہ تھی۔ اگر تاریخ ۹ ہوتی تو 'با' 'وزا' بلا تکلف کہا جا سکتا تھا۔ ہوتی کے نسخہ میں ولادت واضح طور سے 'بہار ایل شگفت' اور اس کے اوپر ہندسوں میں ۱۰۴۹ بھی لکھا ہے۔ شیدو کے نسخہ میں سال ولادت بھی تاریخ کی طرح مشکوک ہے اور مادہ تاریخ کا دوسرا لفظ 'ایل' اور 'اہل' دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ ایل اور اہل کے معنی قریباً ایک ہی ہیں ترکی میں ایل قبیلہ خاندان وغیرہ کے معنوں میں آتا ہے۔ میجر راورٹی نے ایس۔ پی۔ اے میں اشرف خان کی حالات میں کا سال ولادت ۱۰۴۴ھ مطابق 1636ء لکھا ہے۔ ۹، ۱۷ رمضان ۱۰۴۴ھ دونوں عیسوی حساب سے مارچ 1635ء کے مطابق ہیں۔ ۱۰۴۹ھ سال ولادت فرض کرنے میں یہ دقت ہوتی ہے کہ خوشحال خان نے ولادت موسم بہار اور پھولوں کے کھلنے کے وقت بیان کی ہے اور ۹، ۱۷ رمضان ۱۰۴۹ھ عیسوی حساب سے اوائل اور وسط جنوری 1640ء میں آتے ہیں۔

۴۵۔ ۱۰۴۷ھ (1637-38ء)

۴۶۔ ت۔م (ق)

۴۷۔ یہاں اکازئی لکھا ہے مگر دوسری جگہ اکاخیل ہے اور یہی صحیح ہے۔

۴۸۔ تپہ کمال زئی، یہ تصریح خود افضل خان نے کی ہے کہ یہ لوگ (اکاخیل یا اکازئی) کی شاخ کمال زئی میں سے تھے۔ اب بھی تپہ کمال زئی میں اکاخیل موجود ہیں۔

۴۹۔ ت۔م کے مطبوعہ حصہ مندرجہ گلشن روہ و کلید افغانی ہر دو میں ساقی بیگ ولد آدم خان ہے۔ ت۔م (ق) میں ساقی بیگ ولد آدم خان لکھا ہے۔ آدم خان کی اولاد کے ذکر میں ساقی بیگ کا نام اور اس لڑائی میں حصہ لینے اور قتل ہونے کا ذکر ہے آدم خان جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں شہباز خان کا بھائی تھا۔

۵۰۔ جہاں ت۔م میں لڑائی کا مفصل حال لکھا ہے: اکاخیلوں کے گاؤں جس پر حملہ ہوا

کا نام نہیں البتہ یہ صاف طور سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گاؤں بلو نالہ کے قریب واقع ہے۔ کمال زئی میں شامل تھا۔ اور لڑائی بھی بلو نالہ کے قرب وجوار میں ہوئی۔ بلو نالہ مردان کے شمال مشرق میں رستم اور شہباز گڑھ وغیرہ مقامات سے ہو کر مردان کے جنوب میں قریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر موضع غلہ ڈھیر کے قریب کلپانی ندی میں مل جاتا ہے۔ غلہ ڈھیر کے شمال میں قدرے شرقاً تین چار میل دور بلو سے تھوڑے ہی فاصلہ پر جانب غرب کلپانی کے کنارے مردان سے قریباً تین میل جانب جنوب قدرے شرقاً موضع مایار واقع ہے۔ جو سرائے اکوڑہ سے جانب شمال قریباً چودہ میل (براہ پگڈنڈی) دور واقع ہوگا۔ شاہراہ سے دونوں کا درمیانی فاصلہ ۲۳ میل ہوگا۔ موضع مایار کے لوگ قبیلہ مندڑ کی شاخ کمال زئی کی شاخ اکاخیل سے ہیں۔ اس لڑائی کا ذکر ت۔ م (ق) میں خوشحال خان کی زندگی کے بعض حادثات کے ضمن میں بھی آیا ہے۔ وہاں گاؤں کو ''د ھیتم کلے'' یعنی ہیتم کا گاؤں لکھا ہے۔ دستار نامہ میں بھی خوشحال خان لکھتا ہے کہ مجھے ''ہیتم'' کو شکست دینے اور جگتا (جگت سنگھ) کی مہم میں بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیتم شہباز خان اور خوشحال خان کا ہمعصر اور یوسف زئی سردار تھا۔ ہیتم کی شکست اور جگتا کی مہم کا ذکر اپنے موقعوں پر آئے گا۔

۵۱۔ 'بیکار ہوگیا' میں نے 'پے شہ' کا ترجمہ کیا ہے۔ پالاوڈن نے اس کا ترجمہ دوڑ گیا کیا نا بادو نے 'پے' کو 'پویہ' کا ہم معنی سمجھا ہے۔ 'پے کردن' فارسی میں پٹھا کاٹنے اور مطلق بیکار کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور پے ہو جانے کے ذکر کے بعد خوشحال خان کے گھوڑے کو تیر لگنا اور اس کا گر جانا بھی بیان ہوا ہے۔ میں نے وضاحت کے لیے تصرف کر کے گھوڑے کو تیر لگنا پہلے ہی بیان کر دیا۔

۵۲۔ خوشحال خان صاف طور سے باپ کو یہ نہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کی حالت نازک ہے لڑائی بند کرنے کا حکم دیجیے اس لیے اس نے پاس ادب کرتے ہوئے کہا کہ میرا گھوڑا بیکار ہوگیا ہے۔ لڑائی بند کرا دیجیے۔

۵۳۔ معلوم نہیں یہ شخص کون تھا اتنا ظاہر ہے کہ خٹکوں کی شاخ حسن خیل سے تھا جس سے شہباز خان بھی تھا۔ ملاحظہ ہو ص ۵۳ کتاب ہذا

۵۴۔ پادری ہیوز نے بھی آخر رمضان کا مطلب اواخر رمضان ہی لیا ہے چنانچہ کلید افغانی میں ت۔م کے مشمولہ حصہ میں باقی فارسی اشعار کی طرح اس قطعہ کا بھی پشتو ترجمہ کیا ہے اور آخر

رمضان کو صرف 'پہ میاشت د رمضان' (رمضان کے مہینے میں) لکھا ہے اور شہباز خان کا
وفات عید الفطر (یکم شوال) لکھا ہے۔

۵۵۔ ت۔م ص ص ۴۶۔۴۸/۲۳۶۔۲۳۹ بادشاہنامہ جلد۲ ص ۲۲۲ عمل صالح جلد
۲۳۶ بادشاہنامہ و عمل صالح میں بلوکی لڑائی کا ذکر نہیں البتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں یوسف
زئیوں کی باغیانہ سرگرمیاں زوروں پر تھیں چنانچہ بادشاہنامہ جلد۲ ص مذکور پر لکھا ہے کہ ۱۶ شوال
حضور بادشاہی میں خبر پہنچی کہ یوسف زئیوں نے تھانہ نوشہرہ پر حملہ کر کے تھانہ دار سید دلیر خان کے
دو بھائیوں سید محمد و سید بلی بیٹے سید فخر الدین اور بھتیجے سید فتح محمد پسر سید بلی قتل کر دیا نیز ملاحظہ ہو
صالح جلد و صفحہ مذکور۔

۵۶۔ کلیات ص ص ۹۷۳، ۹۷۴ دیوان حصہ۲ ص ۳۷۸ کلیات ص ۶۴۰ دیوان حصہ ا
۷۱۴ اور کلیات ص ۶۳۶ دیوان حصہ ا ص ۷۱

۵۷۔ ت۔م ص ۴۸/۲۳۹

۵۸۔ مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ ص ص ۱۶۱۔۱۷۲ حضرت رحمکار کے والد ماجد کا نام
بہادر خان اور عرف ایک صاحب تھا۔ بعض آپ کو سید اور بعض خٹک افغان خیال کرتے ہیں۔

۵۹۔ ت۔م (ق)

۶۰۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۳۳ باب ہذا۔

۶۱۔ ملاحظہ ہو اگلا باب

۶۲۔ انگریزی ترجمہ حیات افغانی ص ۲۱۱ تاریخ خورشید جہان ص ص ۲۴۳، ۲۴۴

سردار و منصب دار

خوشحال خان کا سردار منتخب ہونا: خوشحال خان اور جمیل بیگ کے علاوہ جو سگے بھائی تھے شہباز خان کے دو اور بیٹے شمشیر خان اور میر باز خان دو اور بیویوں سے تھے۔ خوشحال خان جو عمر میں سب سے بڑا تھا۔[۱] قبیلہ کے رسم و رواج کے مطابق بہ اتفاق رائے سردار منتخب کیا گیا۔ اس وقت خوشحال خان کی عمر قمری حساب سے قریباً ساڑھے اٹھائیس اور شمسی حساب سے ساڑھے ستائیس سال تھی۔ اس کا بڑا اور حقیقی چچا بہادر خان بھی اس انتخاب سے متفق تھا اور سارے چچازاد بھائی بھی اس کی خدمت کے لیے کمربستہ و سرگرم تھے۔ فیروز خان، جلال خان اور عبداللہ خان (یہ بھی خوشحال خان کے بیٹے تھے) ہندوستان گئے ہوئے تھے۔ واپس آتے ہوئے راستہ میں شہباز خان کی وفات کی خبر پا کر بہ عجلت تمام وطن پہنچے۔[۲]

بلو کی دوسری لڑائی: خوشحال خان کے پاؤں کے زخم کو مندمل ہوتے چالیس دن لگے۔ صحت یاب ہونے کے دو تین دن بعد خوشحال خان نے شکار کا شغل کیا اور پھر حضرت شیخ رحمکارؒ کا شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے ان کے گاؤں گیا[۳] اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حق میں ان سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرائی۔ وہاں سے فارغ ہو کر گاؤں واپس آیا اور یوسف زئیوں سے اپنے باپ کے قتل اور شکست کا انتقام لینے اور انہیں ان کی باغیانہ روش کی سزا دینے کے لیے لشکر اکٹھا کر کے علاقہ یوسف زئی کا رُخ کیا ہر چند بہادر خان نے منع کیا اور بتایا کہ انتقام لینے کے لیے حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیے لیکن خوشحال خان باز نہ آیا۔ چنانچہ یوسف زئیوں کے علاقہ میں داخل ہو کر اکاخیلوں کے گاؤں کو آگ لگا دی اور اپنے آدمیوں کو قتل عام کا حکم دیا۔ بہت سے کشت و خون کے بعد یوسف زئیوں کے دو تین اور گاؤں جو اکاخیلوں کے گاؤں کے قریب تھے ان کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں بھی جلا ڈالا۔ اس خونریزی اور آتش زنی کے بعد عصر کے وقت اپنے لشکر سمیت اپنے گاؤں کی طرف واپس روانہ ہوا مگر گرد و نواح کے کمال زئیوں، اماز زئیوں اور سیصدوں نے آتش زدہ دیہات سے دھواں اٹھتا دیکھ کر اس ہنگامہ قتل و غارت کا اندازہ کر لیا تھا۔[۴] جو ان کے رشتہ داروں کے درمیان خٹک برپا کر چکے تھے اور بڑی جلدی سے قریباً چھ ہزار آدمیوں کا لشکر تیار کر کے خٹکوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ خٹکوں نے جب یوسف زئیوں کو ان کا پیچھا

کرتے دیکھا تو وہ بھی قوت آزمائی کے لئے واپس ہوئے۔ اور اتفاق سے اس مقام پران خاندانی قبیلوں کے درمیان نبرد آزمائی ہوئی جہاں پہلی لڑائی جس میں شہباز خان نے زخمی ہو کر شکست کھائی تھی لڑی گئی تھی۔ یوسف زئیوں کو شکست ہوئی اور ان کے چند آدمی مارے گئے۔ خٹکوں نے اپنے علاقے کی راہ لی۔ یوسف زئی دور دوران کے پیچھے آرہے تھے مگر قریب نہ آسکتے تھے۔ بلو نالہ تک یوسف زئیوں نے اسی طرح خٹکوں کا تعاقب کیا شام قریب ہو چکی تھی جب خٹک بلو نالہ عبور کر چکے تو یوسف زئیوں نے تعاقب چھوڑ دیا۔ یوں خوشحال خان باپ کے قتل اور سابقہ شکست کا پوری طرح انتقام لے کر گاؤں لوٹا۔ (۵)

خوشحال خان نے اچانک یوسف زئیوں کے دیہات پر حملہ کر کے بڑی جلدی اور چابکدستی سے انہیں نذر آتش اور بہت سے یوسف زئیوں کو قتل کر کے انہیں دہشت زدہ کر دیا۔ بلو نالہ کے قریب جیسا کہ افضل خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے یوسف زئیوں نے زیادہ مقابلہ نہ کیا اور جلد ہی چند مردے میدان میں چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ افضل خان نے خٹکوں کے جانی نقصان کا ذکر نہیں کیا صرف لشکر کے مطرب مسمی لبے کو بندوق کی گولی لگنے اور گھر آ کر اس کے انتقال کر جانے کا ذکر کیا ہے۔

اس اثنا میں شہنشاہ شہاب الدین شاہ جہان کی طرف سے صادر شدہ فرمان خوشحال خان کو ملا جس کی رو سے اسے سرداری و منصب داری عطا کی گئی تھی۔ (۶) یہ عہد شاہ جہانی کے چودھویں سال کا واقعہ ہے۔ (۷)

مہم کانگڑہ: باپ کی وفات پر سرداری و منصب داری ملنے کے تھوڑے عرصے بعد خوشحال خان کو ایک اہم خدمت بادشاہی میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ راجہ جگت سنگھ ولد راجہ باسو مو اور پٹھان کا زمیندار تھا اس کا بیٹا راجروپ ۱۲ جلوس شاہ جہانی (جمادی الثانی ۴۹۔۱۰۴۸ھ) میں دامن کوہ کانگڑہ کا فوجدار مقرر ہوا تھا۔ اس کی فوجداری کے زمانے میں دامن کوہ کانگڑہ کے زمینداروں کی پیش کشیں حضور بادشاہی میں نہ پہنچتی تھیں۔ ادھر راجروپ نے یہ خبر اڑائی کہ اس کے اور راجہ جگت سنگھ (یعنی اس کے باپ) کے درمیان بگاڑ ہے اور ادھر راجہ جگت سنگھ نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اگر دامن کوہ کانگڑہ کی فوجداری اس کے سپرد کی جائے تو وہ زمینداروں اور مرزبانوں کے ذمے بقایا کے علاوہ چار لاکھ روپیہ ہر سال داخل سرکار کرتا رہے گا نیز راجروپ کی قرار واقعی تنبیہ کر کے اس کی تقصیرات کی تلافی کرے گا۔ بادشاہ نے راجہ جگت سنگھ کی درخواست قبول کر کے علاقہ مذکور کی

فوجداری اس کے حوالہ کر دی۔

راجہ جگت سنگھ یہ عہدہ حاصل کر کے بظاہر تو بادشاہ کا مطیع و فرمان بردار تھا لیکن در پردہ ریشہ دوانیوں اور سرکشی و بغاوت کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ چنانچہ اس علاقہ کے مسمار شدہ قلعہ تارا گڑھ کو جو شرقی پنجاب میں موجودہ ریاست چنبہ میں شہر چنبہ سے جانب مغرب اور ڈلہوزی سے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے از سر نو تعمیر کر کے اسے اپنا ملجاو ماوا بنایا۔ تارا گڑھ کے علاوہ اس کے دو اور بڑے مضبوط قلعے نور پور اور مؤ بھی تھے یہ دونوں تارا گڑھ کے جنوب مغرب میں ریاست چنبہ کی حدود سے باہر واقع ہیں۔ مؤ زیادہ جنوب مغرب میں ہے۔ کانگڑہ کی سمت ان تینوں جگہوں سے جنوب تھا۔ جب راجہ جگت سنگھ تارا گڑھ کو از سر نو تعمیر و مستحکم کر چکا تو سامان جنگ کی فراہمی میں مصروف ہوا۔ یہ قلعہ جو ایک پہاڑ پر واقع تھا اپنے محل وقوع اور استحکامات کی وجہ سے بہ مشکل قابل تسخیر تھا۔ جب شہنشاہ کو جگت سنگھ کی ناسپاسی اور باغیانہ سرگرمیوں کا علم ہوا اور اس کے بعد بادشاہی مخبر سندر کب رائے نے بھی جگت سنگھ کی دورنگی اور منافقت کی اطلاع حضور میں بھیجی تو بادشاہ نے تین فوجیں سید خان جہان، سعید خان اور اصالت خان میر عبدالہادی کے ماتحت راجہ جگت سنگھ کی سرکوبی کے لیے متعین کیں اور بادشاہزادہ مراد بخش کو ان تینوں فوجوں کا کماندار اعلیٰ مقرر کیا۔

تینوں فوجیں ۱۷ ماہ جمادی الاول ۱۰۵۱ھ مطابق اواخر اگست 1641ء راجہ جگت سنگھ کی مہم کے لیے روانہ ہوئیں۔ بادشاہزادہ مراد بخش راجہ جگت سنگھ کے محال میں سیالکوٹ کے راستے سے آ کر چھان میں داخل ہوا۔ اور سعید خان اور راجہ جے سنگھ کچھواہہ والیٔ امبر (جے پور) اور اصالت خان میر عبدالہادی کو مؤ کی تسخیر کا حکم دیا اور سید خان جہان کو نور پور روانہ کیا۔ اواخر شعبان میں بہادر خان روہیلہ (۸) حسب الحکم بادشاہی تین ہزار سواروں اور اتنے ہی پیادوں کے ساتھ اسلام آباد سے بادشاہزادہ کے پاس آیا اور جلد ہی یعنی سلخ ماہ مذکور کو ومتال فتح کر لیا۔ تھاری پر بھی بادشاہی سپاہیوں نے ویردی خان کی قیادت میں قبضہ کر لیا۔ بعد ازیں شہنشاہ کے حکم کے مطابق سید خان جہان، بہادر خان اور رستم خان کے ہمراہ مؤ کے سر کرنے کے لیے اور وہاں سے اصالت خان سید خان جہان کی جگہ تسخیر نور پور کے لیے آیا۔ بادشاہزادہ بھی یکم رمضان کو مؤ روانہ ہوا۔ مؤ میں بادشاہی افواج اور باغی راجپوتوں میں بڑے سخت مقابلے ہوئے۔ راجپوتوں نے بھی خوب دادِ شجاعت دی۔ اور بادشاہی افواج نے بھی جرأت و دلیری اور سربازی و جانفشانی کا پورا پورا

ثبوت دیا۔ پہلے تو راجہ جگت سنگھ نے امان طلب کی اور پانچ رمضان کو بادشاہزادہ کے پاس آیا
بعض ایسے مطالبات کیے جو اس کی حیثیت سے بڑھ کر تھے چنانچہ بادشاہزادہ نے اسے رخصت
کر دیا اور پھر لڑائی شروع ہوئی یوں تو سارے بادشاہی سپاہیوں اور امراء نے نمایاں کوششیں کیں
اور بڑی بہادری دکھائی مگر بہادر خان اور اس کے افغانوں کی شجاعت و کارطلبی حیرت انگیز تھی
کشتوں کے پشتوں سے سیڑھیوں کا کام لے کر دشمنوں پر دوڑ دوڑ کر حملے اور ان کے مورچال پر
یلغار کرتے۔ اس زد و خورد میں سات سو افغان اور اسی قدر دوسرے بادشاہی سپاہی اور کثیر التعداد
راجپوت مقتول و مجروح ہوئے۔ ملا عبدالحمید لکھتا ہے کہ یوں تو سب خدام دولت نے کارہائے
نمایاں کیے مگر سید خان جہان، رستم خان اور بہادر خان پھر خاص طور سے بہادر خان کی فداکاری
سید خان جہان کا ہراول تو حساب سے بڑھ کر تھی۔ آخر کار راجہ جگت سنگھ بادشاہی فوجوں کی یورش
کی تاب نہ لا کر تاراگڑھ بھاگا جہاں وہ پہلے ہی اپنے اہل و عیال کو بھیج چکا تھا۔ راجہ جگت سنگھ کے مئو
سے فرار کے دو دن بعد اصالت خان کی طرف سے بادشاہزادہ کے پاس عرضداشت پہنچی کہ نور پور
بھی فتح ہو گیا۔

اس کے بعد بادشاہزادہ سید خان جہان اور اصالت خان کے ہمراہ حسب الحکم بادشاہی
عازم دربار ہوا۔ اور ۲۹ رمضان کو ملازمت اختیار کی اور غرہ شوال کو مورد عنایات ہو کر رخصت ہوا
پانچ شوال کو بادشاہزادہ نور پور پہنچا اور بہادر خان اور اصالت خان کو بارہ ہزار سواروں کے ساتھ
تسخیر تاراگڑھ پر متعین کر کے راجہ پرتھی چند زمیندار چنبہ اور راجہ مان سنگھ گوالیاری کو بھی خانان مذکور
کے ساتھ تعاون کا حکم دیا۔ تاراگڑھ پر بھی بڑے زور و شور کا مقابلہ ہوا۔ اور طرفین نے ایک
دوسرے پر خوب حملے کیے مگر آخر راجہ جگت سنگھ کا قافیہ تنگ ہوا۔ اور سید خان جہان کی وساطت سے
بادشاہزادہ سے عفو تقصیرات کی التجا کی۔ ۱۹ ذی الحجہ (مارچ 1642ء) کو خان مذکور راجہ جگت سنگھ کو
بادشاہزادہ کے پاس لایا اور راجہ جگت سنگھ کے قلعے مسمار کیے گئے۔ ۲۵ ذی الحجہ (مارچ 1642ء)
کو راجہ جگت سنگھ نے بیٹوں سمیت حضور بادشاہی میں جا کر تقصیرات کی معافی حاصل کی۔ (۹)

اس مہم میں خوشحال خان بھی بادشاہی افواج میں فتح نور پور کے بعد شامل ہوا۔ اس نے
اصالت خان کے ذریعے حضور بادشاہی میں اپنی خدمات پیش کی تھیں اور دو ہزار فوج کے ساتھ اس
مہم میں شامل ہو کر تسخیر قلعہ تاراگڑھ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ قلعہ نور پور کی فتح کے بعد
تاراگڑھ پر بادشاہی فوجوں کی یورش کا ذکر کرتے ہوئے افضل خان لکھتا ہے کہ "اس کے بعد

انہوں نے تاراگڑھ کا محاصرہ کیا اس اثنا میں ہمارا خان خوشحال خان خٹک بھی اپنے لشکر سمیت جا پہنچا اس نے اپنے بیاض میں لکھا ہے۔ کہ جب میرا باپ شہباز خان فوت ہوا اور میں قبیلہ کے اتفاق رائے سے خان منتخب ہوا تو میری پہلی خدمت بادشاہی یہی تھی۔ جب میں پہنچا تو بہادر خان اور اصالت خان اکٹھے قیام کیے ہوئے تھے۔ ایک مورچے کو بار بار سارے ہندوستانی لشکر نے جو اس جگہ تھا لیا مگر جنگ عظیم ہوئی اور کوئی اسے اپنے قابو میں نہ رکھ سکا۔ مجھے نو وارد دیکھ کر اس مورچے کا کام میرے سپرد کیا گیا میں نے بلا عذر یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ میرے ساتھ دو ہزار ہندوستانی ڈوگی جو ایک دمڑی کے لیے بھی کسی کام کے نہ تھے متعین کیے گئے۔ میں نے جا کر مورچہ قائم کیا۔ یکبارگی جلتا (۱۰) کے سارے لشکر نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہندوستانی تو پچی جو میرے ساتھ تھے بُری طرح بھاگے اور بھاگتے ہوئے سیدھے بڑی فوج کے پاس جا پہنچے۔ میرے ساتھیوں میں بھی جو نامرد تھے وہ بھی ان کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے مثل مشہور ہے کہ مرد کا دل نامرد کے پاؤں میں ہے۔ (۱۱) آخر کار میرے ساتھ پچاس جوان مورچے میں رہ گئے۔ مجھے کہا کہ بہت سے لوگوں نے ہم پر ہلہ بول دیا ہے۔ آج دن لڑائی کا نہیں جان بچی تو غنیمت ہے۔ میں نے کہا یہ میری پہلی خدمت ہے اور ساری ہندوستانی فوج کی آنکھیں مجھ پر لگی ہوئی ہیں۔ اس حال میں بھاگ کر زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔ ان رفقاء نے بھی موت اختیار کی اور کہا کہ تُو مرنے پر تلا ہوا ہے تو ہمیں بھی موت قبول ہے۔ تب میں نے ان سے کہا کہ جب مررہے ہو تو اس شان کی لڑائی لڑو کہ لوگ تمہیں دعائے خیر کے ساتھ یاد کرے۔ دشمن جو ہمارے لشکر کی شکست فاش دیکھ چکا تھا ہمارے سروں پر آن پہنچا ہم نے بھی یکبارگی حملہ کیا معاملہ تیر و تفنگ سے گزر کر نوبت شمشیر و خنجر تک پہنچی۔ جب دو دو ہاتھ ہوئے تو دشمن بھاگنے لگے۔ بہت سے آدمی علف تیغ بے دریغ ہوئے جو رہ گئے جنگل میں چھپ گئے۔ اور پھر کبھی بھی ہمارے مورچے کا رخ نہ کیا۔ بھگوڑوں کے ڈھونڈ لانے کو اصالت خان نے یساول (چوبدار) مقرر کیے جو انہیں پکڑ لائے اور یہ بھی خان علیین مکان سے نقل ہے کہ بہادر خان کا ایک سخت مورچہ تھا جس پر اہل قلعہ نے بڑے زور کا حملہ کیا بہادر خان خود کھڑا لڑائی کو دیکھ رہا تھا مگر اہل قلعہ نے ایسی زوردار لڑائی شروع کی کہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اہل مورچہ ضائع نہ ہو جائیں چنانچہ بہادر خان نے مجھے حکم دیا کہ خوشحال خان تم میرے لوگوں کی کمک کو پہنچو چنانچہ میں روانہ ہوا اس وقت میرے ساتھ اپنے لوگ تھے جب پہنچا تو بندوق کی گولیاں مینہ کی طرح برس رہی تھیں اس حال میں گرتے پڑتے اس

مورچہ پر چڑھ گئے۔ بہادر خان کا جمعدار شیخ ظریف چوکی کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہا کہ خوشحال خان تم لوگ بھی آن پہنچے۔ سر نہ اٹھانا کہیں کسی کو گولی نہ لگ جائے۔ از جوانوں کی کوشش ہائے نمایاں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی۔ خان علیین مکان خوشحال خان نے جو کوششیں اس مہم میں کی تھیں وہ حضور بادشاہی میں عرض کی گئیں۔ بادشاہ نے اسے خلعت فاخرہ اور اضافہ منصب سے سرفراز کیا۔" (۱۲)

جب بادشاہ نے لاہور میں راجہ جگت سنگھ کا قصور معاف کیا تو اس کے جلد بعد ہی خوشحال خان کو بھی جانب وطن مراجعت کی اجازت ہوئی اور غفور بیگ (۱۳) وغیرہ اکوڑخیلوں کو بھی جو بسبب آزردگی ہندوستان چلے گئے تھے اور وہاں نجابت خان کی ملازمت اختیار کر لی تھی خوشحال خان کے ساتھ وطن رخصت کیا۔ (۱۴)

افضل خان نے اس مہم کا مختصر حال ایک اور جگہ (۱۵) بھی خوشحال خان کی زندگی کے سات بڑے حادثات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خوشحال خان اصالت خان کے وسیلہ سے اس مہم میں دو ہزار پیادہ و سوار فوج کے ساتھ شامل ہوا راجپوتوں نے ایسا پر زور حملہ کیا کہ صرف تیس چالیس وفادار حسن خیل اس کے ساتھ رہ گئے۔ انہوں نے اسے جان بچانے کا مشورہ دیا مگر اس نے موت کو بھاگ جانے پر ترجیح دی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی سر ہتھیلی پر رکھا اور تلواریں کھینچ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں شکست دی۔ افضل خان یہاں لکھتا ہے کہ خوشحال خان اپنی زندگی میں سو بلکہ زیادہ لڑائیاں لڑا مگر جیسی یہ لڑائی تھی دوسری ایک بھی اس کو کبھی پیش نہیں آئی۔

حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان کے مؤلفوں نے تسخیر تاراگڑھ کا مجمل سا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجمیر میں خوشحال خان نے قلعہ تاراگڑھ کی تسخیر میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ چنانچہ شاہ جہان نے خوش ہو کر لاہور میں اسے چار لاکھ روپیہ کا نقد انعام اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی نقد جاگیر مرحمت کی۔ اور اسے حکم دیا کہ اس کے عوض خدمت بادشاہی کے لیے پانچ سو سوار اور ایک ہزار پیادہ فوج تیار رکھے۔ حبیبی صاحب نے بھی قریباً یہی الفاظ (بحذف آخری حصہ) مقدمہ کلیات میں تاریخ حیات افغانی کے حوالہ سے مہم تاراگڑھ کے متعلق لکھے ہیں۔ اور اس مقام کا محل وقوع اجمیر میں بتلایا ہے۔ البتہ حبیبی صاحب نے جاگیر بجائے ڈیڑھ یا ایک لاکھ کے ڈھائی (۱۶) لاکھ لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں مؤرخوں نے مہم کانگڑہ کے تاراگڑھ کو اجمیر کا تارا

مورچہ پر چڑھ گئے۔ بہادر خان کا جمعدار شیخ ظریف چوکی کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہا کہ خوشحال خان تم لوگ بھی آن پہنچے۔ سر نہ اٹھانا کہیں کسی کو گولی نہ لگ جائے۔ ان جوانوں کی کوشش ہائے نمایاں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی۔ خان علیین مکان خوشحال خان نے جو کوششیں اس مہم میں کی تھیں وہ حضور بادشاہی میں عرض کی گئیں۔ بادشاہ نے اسے خلعت و فیل اور اضافہ منصب سے سرفراز کیا۔" (۱۲)

جب بادشاہ نے لاہور میں راجہ جگت سنگھ کا قصور معاف کیا تو اس کے جلد بعد ہی خوشحال خان کو بھی جانب وطن مراجعت کی اجازت ہوئی اور غفور بیگ (۱۳) وغیرہ اکوڑخیلوں کو بھی جو بسبب آزردگی ہندوستان چلے گئے تھے اور وہاں نجابت خان کی ملازمت اختیار کر لی تھی خوشحال خان کے ساتھ وطن رخصت کیا۔ (۱۴)

افضل خان نے اس مہم کا مختصر حال ایک اور جگہ (۱۵) بھی خوشحال خان کی زندگی کے سات بڑے حادثات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خوشحال خان اصالت خان کے وسیلہ سے اس مہم میں دو ہزار پیادہ و سوار فوج کے ساتھ شامل ہوا راجپوتوں نے ایسا پر زور حملہ کیا کہ صرف تیس چالیس وفادار حسن خیل اس کے ساتھ رہ گئے۔ انہوں نے اسے جان بچانے کا مشورہ دیا مگر اس نے موت کو بھاگ جانے پر ترجیح دی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی سر ہتھیلی پر رکھا اور تلواریں کھینچ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں شکست دی۔ افضل خان یہاں لکھتا ہے کہ خوشحال خان اپنی زندگی میں سو بلکہ زیادہ لڑائیاں لڑا مگر جیسی یہ لڑائی تھی دوسری ایسی سخت اس کو کبھی پیش نہیں آئی۔

حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان کے مؤلفوں نے تسخیر تاراگڑھ کا مجمل سا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجمیر میں خوشحال خان نے قلعہ تاراگڑھ کی تسخیر میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ چنانچہ شاہ جہان نے خوش ہو کر لاہور میں اسے چار لاکھ روپیہ کا نقد انعام اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی نقد جاگیر مرحمت کی۔ اور اسے حکم دیا کہ اس کے عوض خدمت بادشاہی کے لیے پانچ سو سوار اور ایک ہزار پیادہ فوج تیار رکھے۔ حبیبی صاحب نے بھی قریباً یہی الفاظ (بحذف آخری حصہ) مقدمہ کلیات میں تاریخ حیات افغانی کے حوالے سے مہم تاراگڑھ کے متعلق لکھے ہیں۔ اور اس مقام کا محل وقوع اجمیر میں بتلایا ہے۔ البتہ حبیبی صاحب نے جاگیر بجائے ڈیڑھ یا ایک لاکھ کے ڈھائی (۱۶) لاکھ لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں مؤرخوں نے مہم کانگڑہ کے تاراگڑھ کو اجمیر کا تارا

کرنے لکھنے میں غلطی کی ہے۔

خوشحال خان کا ولی عہد کی ملازمت اختیار کرنا اور دیگر واقعات: انہی ایام میں شہنشاہ شاہ جہان نے شاہ صفی والیٔ ایران کے مقابلہ کے لیے قندھار کی جانب جانے کا ارادہ کیا کیونکہ شاہ جہان کو اطلاع ملی تھی کہ شاہ ایران نے قندھار کو مسخر کرنے کے لیے اپنے سپہ سالار رستم خان گرجی کو ایک بڑے لشکر و توپخانہ کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ اور خود بھی اس طرف آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بادشاہزادہ داراشکوہ ولی عہد نے شہنشاہ سے التماس کی کہ آپ دارالسلطنت (لاہور) ہی میں قیام فرمائیے اور یہ مہم میرے سپرد کیجیے۔ چنانچہ ولی عہد کی درخواست کے مطابق اسے بھی محرم ۱۰۵۲ھ [17] (اپریل 1642ء) کو ایک جرار لشکر کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا اور بادشاہزادہ مراد بخش کو بھی بڑے بادشاہزادہ کی کمک پر متعین کیا۔ بادشاہزادہ داراشکوہ کے دوران سفر میں سرائے اکوڑہ سے تیس کوس کے فاصلہ پر جانب جنوب علاقہ کوہاٹ میں بمقام رٹی خوشحال خان نے بادشاہزادہ داراشکوہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ملازمت حاصل کیا مگر دولت بیگ قاقشال اور مرزا خان کوہاٹی کے کہنے پر بادشاہزادہ نے محال تری و بولاق کو جو خوشحال خان کے انعام میں تھا بدل دیا۔ چونکہ شاہ صفی نے راستہ ہی میں بمقام مشہد مقدس انتقال کیا۔ اس لیے بادشاہزادہ داراشکوہ حسب الحکم بادشاہ تھوڑے عرصہ بعد غزنی سے ہندوستان واپس ہوا۔ [۱۸]

مہم بلخ و بدخشان: چونکہ نذر محمد خان والیٔ توران نے سلطنت مغلیہ کی حدود کو چند بار تاخت و تاراج کیا تھا اور اس کے اور اس کے بیٹوں کے اختلافات کی وجہ سے بلخ و بدخشان میں فتنہ و فساد برپا تھا اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی اس لیے اٹھارہویں جلوس شاہ جہانی ۱۰۵۴۔۵۵ھ (مطابق 1644-45ء) میں ۱۰۵۵ھ کے اوائل (1645ء) میں بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سال وہ خود کابل جائے اور بادشاہزادوں میں سے کسی کو ولایت ہائے بلخ و بدخشان کی تسخیر کے لیے مقرر کرے۔ اور اصالت خان کو کابل کی طرف روانہ کیا کہ وہ امیر الامراء علی مردان خان کی صلاح و مشورہ سے مہم کے ضروری انتظامات کو سرانجام دے۔ [۱۹] اس مہم میں بھی خوشحال خان اصالت خان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ جب اصالت خان پہلی بار اندراب جا رہا تھا تو کوتل ہندوکوہ پہنچ کر اس کوتل پر خوشحال خان کو متعین کیا۔ اندراب کوتل ہندوکوہ سے جانب شمال تھوڑے فاصلے پر ولایت بدخشان میں واقع ہے۔ سخت سردی اور تیز ہوا میں خوشحال خان نے تین راتیں کوتل کی بلندی پر بسر

کیں۔ تین دن بعد جب اصالت خان لشکر سمیت آیا تو دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا اور اندراب کے گاؤں پہنچے اور اسے تاخت و تاراج کیا۔ اور احتشام علی دانشمندی اور قاسم بیگ نے ہزارہ جات کو ساتھ لیے دوسرے روز واپس سراب کی طرف رخ کیا اور خوشحال خان اس کا ہراول بنا۔ اس سفر میں قوم ہزارہ کے ساتھ جو مقابلے اور چپقلشیں ہوتی رہیں ان میں خوشحال خان نے نمایاں کوششیں کیں۔ ہزارہ اس کے مقابلہ میں آنے سے کتراتے تھے قوم ہزارہ کے لوگ لشکر بادشاہی سے بھاگ کر خوست کی سرحد کی طرف چلے گئے۔ اور بادشاہی لشکر کچھ قیدیوں اور مال غنیمت سمیت واپس ہوا اور کوتل طول اور پنج شیر اور جلگا سے ہوتا ہوا کابل پہنچا۔ اب گرمی کا موسم ہو چکا تھا اور کابل کے خربوزے پک چکے تھے۔ دس پندرہ روز کابل میں قیام کرنے اور وہاں کے پھلوں سے لذت اندوز ہونے کے بعد اصالت خان سے رخصت لے کر جلال آباد پہنچا۔ اصالت خان بھی حضور بادشاہی میں لاہور جانے کا ارادہ رکھتا تھا چنانچہ خوشحال خان کو حکم دیا کہ اس کے پیچھے بھائیوں سمیت لاہور پہنچے۔ خوشحال خان جلال آباد پہنچ کر لٹھوں کے بیڑے میں بیٹھ کر دریائی راستہ سے عازم وطن ہوا۔ وطن پہنچ کر اصالت خان کے حکم کے مطابق اس کے پیچھے لاہور روانہ ہوا۔ لاہور میں بادشاہ نے خوشحال خان کے منصب میں اضافہ کیا اور اس کے قبیلہ کے دس بارہ آدمیوں کو منصب سے سرفراز کیا۔ دو مہینے تک لاہور میں قیام کیا۔ اور وہاں سے وطن واپس ہوا۔ (۴۰)

سلخ (۴۱) ذی الحجہ ۱۰۵۵ھ (فروری 1642ء) کو شہنشاہ شاہجہان نے بادشاہزادہ مراد بخش کو پچاس ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ فوج اور بہت سے ساز و سامان حرب کے ساتھ تسخیر بلخ و بدخشان کے لیے لاہور سے روانہ کیا۔ اس فوج میں بڑے بڑے مسلمان اور ہندو منصب داران دولت بشمول امیر الامرا علی مردان خان، بہادر خان، اصالت خان، راجہ بیٹھلداس گوڑ والی شیو پور اور راؤ چھتر سال ہاڑا والی بوندی شامل تھے۔ فوج ہراول کے مسلمانوں کی سرداری بہادر خان اور راجپوتوں کی پیشوائی راجہ بیٹھلداس گوڑ کے سپرد ہوئی اور بادشاہزادہ کو حکم ہوا کہ لشکر کا کچھ حصہ پشاور کے راستہ اور کچھ حصہ علاقہ بنگش کے راستہ سے روانہ ہو اور لشکر کے یہ دونوں حصے آپس میں کابل میں ملیں۔ (۴۲)

جب بادشاہزادہ اوائل ربیع الاول ۱۰۵۶ھ (اواسط ۱۶۴۶ء) میں پشاور پہنچا تو افغان قبائل غوریہ خیل، تگیانی، مہمند، آفریدی، اورکزئی اور بنگش کو بھی فراہمی لشکر کا حکم دیا۔ اور

ایک ہزار لشکر پیادہ وسواری کی فراہمی کا حکم خوشحال خان کو ہوا۔ اور نو ہزار روپیہ اسے ضروری مصارف کے لئے دیا گیا۔ (۲۳)

اندریں اثنا شہنشاہ بھی ۱۸ صفر ۱۰۵۶ھ (اوائل اپریل ۱۶۴۶ء) کو بہ نفس نفیس مہم کی نگرانی کے لئے لاہور سے روانہ ہو چکا تھا اور ۲۳ ربیع الاول (مئی) کو حسن ابدال (جو پنجاب میں راولپنڈی اور پشاور کے درمیان اول الذکر مقام سے قریباً ۲۷ اور موخر الذکر مقام سے ۷۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) پہنچ کر بادشاہزادہ کے نام خلعت خاصہ کے ساتھ فرمان بھیجا کہ جس قدر جلد ہو سکے پشاور سے کابل اور وہاں سے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو۔ بادشاہزادہ پشاور میں بیس روز قیام کرنے کے بعد امیر الامراء علی مردان خان کے ساتھ کابل روانہ ہوا۔ امیر الامراء بعض ضروری امور کی انجام دہی کے لئے بادشاہزادہ سے رخصت ہو کر پانچ روز میں کابل پہنچا۔ اور بادشاہزادہ اس کے بعد ۹ ربیع الثانی (مئی) کو کابل میں داخل ہوا۔ جب کابل میں بہادر خان راجہ بیٹھلداس، قلیج خان، رستم خان اور خلیل اللہ خان (برادر اصالت خان) وغیرہ جو براہ علاقہ بنگش عازم کابل ہوئے تھے آکر ملے تو بادشاہزادہ کابل سے کوچ کر کے پائے منار میں خیمہ زن ہوا۔ ۱۸ ربیع الثانی (اوائل جون) کو بادشاہزادہ نے بہادر خان اور راجہ بیٹھلداس کو آگے روانہ کیا۔ اور اصالت خان کو جو کتل طول کے راستہ سے بخوبی واقف تھا۔ راہ مذکور کو برف سے صاف کرنے کے لئے روانہ کیا اور ۲۱ تاریخ ماہ ربیع الثانی (جون) کو چاریکار آیا اور دوسرے دن یعنی ۲۲ تاریخ (جون) کو بادشاہی سوار بھی کابل میں داخل ہوئی۔ (۲۴)

خوشحال خان اپنے بہت سے آدمیوں کو بہادر خان کے ساتھ پیچھے چھوڑ کر پچاس سواروں اور چند پیادوں سمیت بہ عجلت تمام اصالت خان کے پاس پنجشیر پہنچا۔ ۲۷ تاریخ ماہ مذکور (جون) کو جب لشکر کتل طول کے قریب پہنچا تو راستہ برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور اوپر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ بہادر خان اور اصالت خان ہر روز خود فراز پر جا کر راستہ کو برف سے صاف کرنے کے لئے آدمی متعین کرتے۔ وہ ہر چند حتی المقدور برف کو اٹھا اٹھا کر پھینکتے کہ راستہ دکھائی دے۔ مگر راستہ نظر نہ آتا تھا (۲۵) آخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ لشکر برف سے گزرتا ہوا آگے بڑھے۔ اور راجہ روپ (۲۶) کو آگے بڑھنے کا حکم ہوا۔ اس کے بعد اصالت خان نے خوشحال خان کو بھی راجپوتوں کے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ خوشحال برف سے ڈھکے ہوئے راستے کو عبور کرتا ہوا چند پیادہ جوانوں کے ساتھ کتل کی دوسری طرف اترا اور پہاڑ کے ایک غار میں قیام کیا۔ اس رات کھانا بھی

میسر نہ ہوا۔ اناج کی بڑی کمی تھی۔ چنانچہ اناج کی تلاش میں خوشحال خان کُتل کے جانب شمال
سراب (جو حدود بدخشان میں ہے) آیا کہ شاید وہاں سے کچھ مل جائے لیکن جب وہاں بھی کچھ
ہاتھ نہ آیا۔ تو راجہ جگت سنگھ آنجہانی کے قلعۂ چوبین (جو اس نے حدود اندراب و سراب میں بنایا
تھا) کی طرف اناج لانے کے لئے آدمی بھیجے۔ لیکن قلعہ کے لوگوں نے بجائے اس کے کہ آپ
آدمیوں کی کچھ امداد کرتے دروازے بند کر لئے اور کہا کہ ہم کسی پر اعتبار نہیں کرنے کے۔ خوشحال
خان اور اس کے آدمی جو بھوک، دوڑ دھوپ، سردی اور تھکان سے بے حال ہو رہے تھے۔ دریا کے
کنارے آئے اور لکڑیاں جلا کر آگ کے گرد بیٹھ گئے۔ خوشحال خان نے وضو کر کے دو رکعت نفل
نماز پڑھی اور بارگاہ رب العزت میں دُعا کی کہ اے مسبب الاسباب اگر باب رزق کو کھول دے تو
عین موقع ہے۔ ان چند آدمیوں کی جانیں بچ جائیں گی۔ اس اثنا میں ایک تاجک دُنبہ گردن سے
پکڑے قلعہ چوبین کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ خوشحال خان نے اپنے آدمی بھیج کر اسے بلایا اور دنبہ
اس سے خرید کر اسے آگ پر بھونا اور خوشحال خان اور اس کے ساتھیوں نے "اُسے آگ سے اٹھا
کر اپنی بھوک کی آگ کو بجھایا"۔ بعد ازاں دو تین آدمی پھر راجہ جگت سنگھ آنجہانی کے قلعہ چوبین
کی طرف روانہ کئے۔ اور راجپوتوں کو کہلا بھیجا کہ اتنی بے مروتی کافی تھی جو قلعہ میں ہمیں داخل
ہونے نہیں دیا۔ اگر ایک سیر اناج ایک مُہر کو بیچتے ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ اناج بیچنے میں دریغ نہ کرو۔
اب انہیں کچھ رحم آیا اور ایک سیر آٹا بطور ضیافت بھیج دیا۔ وہ ایک سیر آٹا اور دُنبے کے گوشت میں
سے جو کچھ بچ رہا تھا خوشحال خان اور اس کے ساتھیوں نے بانٹ کر کھایا اور پھر لشکر کی طرف روانہ
ہوئے۔[27] اس اثنا میں لشکر بھی برف سے راستہ صاف کر کے کُتل طول کو عبور کرنے کے بعد
غرۂ جمادی الاول (وسط جون) کو حدود سراب میں داخل ہو چکا تھا۔[28] خوشحال خان کو اطلاع
ملی کہ لشکر نے قیام کیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ساتھیوں سمیت اسی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں اسے
اصالت خان کے آدمی بھی ملے جو خان نے اس کی تلاش میں بھیج رکھے تھے۔ قیام گاہ لشکر میں پہنچ
کر خوشحال خان، بہادر خان اور اصالت خان کی خدمت میں حاضر ہوا جو دونوں ایک ہی خیمہ میں
بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں نے خوشحال خان کو دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم تمہیں بھلے مانس
سمجھے ہوئے تھے اور حال یہ ہے کہ تمہارے آدمیوں نے خسرو سلطان ولد نذر محمد خان کے آدمیوں
پر جبر و تشدد کر کے پریشان کیا ہے۔ اگرچہ خوشحال خان کے آدمیوں سے یہ حرکت سرزد نہ ہوئی تھی
مگر اس نے اتنی ندامت و شرمندگی محسوس کی کہ بہادر خان اور اصالت خان کو جواب تک نہ دے

کا۔ دراصل واقعہ یوں تھا کہ جب خوشحال خان قلعہ چوبین کی طرف جا رہا تھا تو راستہ میں خسرو سلطان کے ان آدمیوں سے ملاقی ہوا جو ازبکوں کے ہاتھوں لٹ کر آ رہے تھے ان سے کچھ دیر گفتگو ہوئی انہوں نے خوشحال خان کا نام دریافت کیا اور رخصت ہوئے۔ اس کے بعد وہ بہادر خان کے آدمیوں سے دوچار ہوئے جو خوشحال خان کے پیچھے آ رہے تھے اور یہ بہادر خان ہی کے آدمی تھے جنہوں نے خسرو سلطان کے آدمیوں کو پریشان کیا تھا۔ انہیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید یہ خوشحال خان کے آدمی ہیں اور بہادر خان اور اصالت خان کے پاس آکر خوشحال خان کی شکایت کی۔ بہرکیف خوشحال خان کو اتنی ندامت ہوئی کہ وفور خجالت سے کچھ سمجھ میں نہ آیا اور اپنی قیام گاہ میں آکر سارا غصہ اپنے آدمیوں پر نکالا۔ یہاں سے خوشحال خان، اصالت خان کے ساتھ اندراب اور پھر نارین (جو اندراب سے جانب شمال واقع ہے) گیا۔ یہاں بادشاہزادہ کا لشکر بھی آں پہنچا جس میں خوشحال خان کے لشکر کے باقی آدمی بھی موجود تھے۔ (۲۹) خوشحال خان کے لشکر کے پہنچ جانے پر اصالت خان نے اسے قوم ہزارہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ قوم ہزارہ کے لوگ بغیر لڑائی کے مورچے چھوڑ کر بھاگ گئے اور خوشحال خان نے ان پر حملہ کر کے ان کے قریباً تین سو آدمی گرفتار کیے اور کچھ قتل کیے اور دو تین ہزار کے درمیان مال مویشی پکڑے اور قیدی اور مقتولوں کے سر اصالت خان کی نظر سے گزارے اور مال غنیمت کو اپنے آدمیوں میں تقسیم کیا۔ اسی شام کو اصالت خان نے خوشحال خان کو بادشاہزادہ کی خدمت میں پیش کیا۔ (۳۰) بادشاہزادہ نے اصالت خان کو تو قندوز کی طرف جانے کا حکم دیا جو نارین سے مزید شمال کی طرف لب دریائے قندز واقع ہے اور اس وقت بدخشان کا حاکم نشین تھا۔ اور خود ۱۵ جمادی الاولیٰ (اواخر جون) کو نارین سے نکل آیا۔ (۳۱) نارین سے روانہ ہو کر بہت سے پستہ زاروں سے گزرتے ہوئے اصالت خان اور خوشحال خان اپنے ساتھیوں سمیت دو راتوں کے بعد قندز پہنچے۔ وہاں سے بلخ (قندز سے جانب غرب) متوجہ ہوئے پہلے مغرب کی طرف رخ رکھا اور خلم (تاشقرغان) آئے پھر شمالاً شرقاً آستانہ حضرت امام لوٹے جو افغانستان اور روس کی سرحد پر افغانستان کے انتہائے شمال میں واقع ہے۔ آستانہ حضرت امام سے ڈیڑھ پہر دن گزرے پھر قلعہ بلخ کی طرف روانہ ہوئے جو فوج کہمرد کے راستے آ رہی تھی وہ بھی یہاں آں ملی۔ (۳۲)

۲۱ جمادی الاولیٰ (اوائل جولائی) کو جب بادشاہزادہ نے بلخ کا رخ کیا تو اسے بادشاہ کا خط ملا جو نذر محمد خان کو دیے جانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس خط میں نذر محمد خان کی سابقہ

تقصیرات، عدو دولت مغلیہ پر دست درازی اور بدامنی و فساد برپا کرنے کا اثبات اور ...
چند نصائح کے علاوہ تسلی و تشفی بھی دی گئی تھی۔ اور ساتھ ہی زبانی پیغامات بھی بھیجے۔ جب نذر محمد
خان کو نامہ بادشاہی کے پہنچنے کا علم ہوا تو ایلچی کی بھی عزت و توقیر کی اور خط کو بھی باحترام ...
اور کہا کہ بادشاہ نے میرے حال پر بڑا رحم کیا اور مجھے ناسپاس، فتنہ انگیزوں اور شورش پسندوں سے
نجات دلائی۔ جب بادشاہزادہ یہاں آئے گا تو میں خود ولایت ہائے بلخ و بدخشان کو اس کے ...
کردوں گا۔ اس اثنا میں بادشاہزادہ بھی افواج سمیت بلخ سے دو کوس کے فاصلہ پر موضع ...
پہنچ چکا تھا۔ ایلچی نے جو نذر محمد خان کے پاس روانہ کیا گیا تھا آن کر نذر محمد خان کو نامہ ...
کے دیئے اور جو کچھ اس نے کہا تھا اس کا حال سنایا اسی روز کی نماز کے بعد نذر محمد خان کے ...
بہرام و سبحان قلی خان بڑے بڑے اعیان بلخ کے ہمراہ معسکر میں اصالت خان کے خیمے کے ...
آئے۔ جب اصالت خان کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو انہیں کہا کہ یوں نہ آنا چاہیے تھا۔ اور ...
بادشاہزادہ کو ان کے آنے کی اطلاع دی۔ کچھ دیر بعد بادشاہزادہ نے مہمانوں کو اپنے پاس بلایا ...
عزت سے اپنے پاس مسند پر بٹھایا اور ان سے کہا کہ باپ سے کہہ دیں کہ اس کے حسب منشا ...
امداد و اعانت کی جائے گی اور انہیں خلعت دے کر رخصت کیا۔

۲۸ جمادی الاولیٰ (جولائی) کو بادشاہزادہ اور علی مردان خان تمام لشکر کو لے کر بڑے
تزک و احتشام کے ساتھ جانب بلخ روانہ ہوئے۔ بادشاہزادہ نے رستم خان کو محمد قاسم داروغہ توپ
خانہ کے ساتھ بھیجا۔ کہ قلعہ و شہر کو اپنے تصرف میں لائے اور خود دروازہ کے باہر قیام کیا۔ اور نذر
خان کے پاس ایلچی بھیجا کہ مجھے آپ کی ملاقات کا شوق ہے۔ چاہیں تو آپ میرے پاس تشریف
لائیے اور اطلاع دیجئے کہ آپ کا استقبال کروں۔ فریقین کے درمیان یہ نامہ و پیام ہو رہا تھا ...
نذر محمد خان آزردہ ہو کر بھاگ گیا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ عمر میں بزرگی کی وجہ سے
متوقع تھا کہ بادشاہزادہ اسی روز پہنچتے ہی خود اس کے پاس جائے گا۔ (۳۳)

جب نذر محمد خان کے فرار کا حال معلوم ہوا تو تمام امرا علی مردان خان کی قیام گاہ میں
مصلحت کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے اور یہ قرار پایا کہ بہادر خان اور اصالت خان دونوں نذر محمد
خان کے تعاقب میں جائیں۔ عصر کے وقت بہادر خان اور اصالت خان دونوں سوار ہو کر نذر محمد
خان کے تعاقب میں چل دیے۔ خوشحال خان بھی اصالت خان کے ساتھ ہو لیا اور بھی بہت سے
سپاہی اور سردار ساتھ تھے۔ رات کے اندھیرے میں بہادر خان اور اصالت خان اور ان کے ہمراہ

سے ساتھی ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ یہ لوگ حیران و پریشان تھے کہ یہ دونوں خان کہاں چلے گئے۔ اکثر لوگ نل درے تک ان کی تلاش میں گئے۔ شمشیر خان ترین (۳۴) اور علاول خان سر گشتہ پھر رہے تھے۔ خوشحال خان بھی انہی کے ساتھ تھا آخر مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے علاول خان نے صلاح دی کہ واپس شہر کی طرف چلا جائے۔ خوشحال خان نے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور شمشیر خان کو سمجھایا کہ علاول خان عیش پسند اور آرام طلب آدمی ہے چاہیے کہ کوشش جاری رکھیں خدا ہادی ہے انشاء اللہ العزیز ہم تلاش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ شمشیر خان نے خوشحال خان کی بات مان لی اور خوشحال خان، شمشیر خان اور علاول خان تینوں مغرب کی طرف روانہ ہوئے جب رات گزر گئی اور روشنی پھیلنے لگی تو انہیں بہادر خان اور اصالت خان کا نشان دکھائی دیا۔ دونوں خان ایک ندی کے کنارے نماز کے لیے وضو کرنے میں مشغول تھے۔ یہ بھی ان کے پاس جا پہنچے۔ خاطر جمع ہوئے اور انہوں نے بھی نماز ادا کی۔ دوپہر کو ایک گاؤں میں اترے۔ کچھ آرام واستراحت کے بعد ظہر کی نماز ادا کی اور نذر محمد خان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ وہ دن اور رات اور دوسرے دن دوپہر تک سفر کرتے رہے۔ جب کہ ایک گاؤں میں جو ازبکوں کے ہاتھ ویران پڑا تھا اترے وہاں سے ظہر کے وقت سوار ہو کر دوسری صبح کو ایک پل پر پہنچے جو بلخ اور شبرغان کے درمیان واقع ہے اور وہیں نماز فجر ادا کی۔ شبرغان سے اس طرف دو تین کوس کے فاصلہ پر دو تین گاؤں تھے۔ ان میں جا داخل ہوئے۔ نماز عصر کے وقت اطلاع ملی کہ نذر محمد خان ازبکوں کے بارہ ہزار گھرانوں سمیت شبرغان میں مقیم ہے۔ یہ مقام بلخ سے جانب غرب واقع ہے۔ بادشاہی لشکر جو بہادر خان اور اصالت خان کی رکاب میں روانہ ہوا تھا بہت کم رہ گیا تھا۔ (۳۵) باوجود قلت تعداد دونوں خانوں نے لڑائی کرنے کا فیصلہ کیا سادات کو ہراول، راجپوتوں کو میسرہ اور افغانوں کو میمنہ بنایا۔ نذر محمد خان کو شکست ہوئی اور ازبکوں نے راہ فرار اختیار کی۔ بادشاہی سپاہیوں کے ہاتھ اہالی شبرغان اور تاجیکوں اور ازبکوں کا بہت سا مال ومتاع آیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ نذر محمد خان کے ساتھ بارہ ہزار ازبک گھرانے تھے مگر ان میں سے بہت سے بدظن ہو گئے اور بادشاہی لشکر کے پہنچنے پر خیال کیا کہ سابقہ آزردگی کی بنا پر نذر محمد خان انہیں افواج ہند کے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتا تھا اگر چہ نذر محمد خان نے قسمیں کھا کر ان کی تسلی کرنا چاہی مگر انہوں نے اس کا اعتبار نہ کیا اور ان میں سے اکثر نے اسے چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔

بہادر خان اور اصالت خان چھ دن تک مع اپنے لشکر کے شبرغان ہی میں رہے۔ اس

کے بعد بادشاہزادہ کا حکم بہادر خان کو ملا کہ اندخوی کی طرف کوچ کیا جائے جو شبرغان سے بجا
شمال مغرب سرحد بخارا پر واقع ہے۔ شبرغان اور اندخوی کے درمیان ایک (۳۶) باغ میں اتر
اور دو تین دن وہیں قیام رہا یہاں بادشاہزادہ کا دوسرا حکم آیا کہ واپس ہوں۔ (۳۷)

بہادر خان اور اصالت خان نے فتح کی کیفیت لکھ کر بادشاہزادہ کے پاس روانہ کی
حسب الحکم واپس ہوئے۔ دولت بیگ قاقشال نے جسے اصالت خان نے شبرغان میں ذا
برا بھلا کہا تھا اور جو اس سبب سے اصالت خان سے آزردہ تھا۔ امیر الامرا علی مردان خان سے
کہ بہادر خان اور اصالت خان نے لڑائی اور فتح کی جو کیفیت بھیجی ہے وہ مبالغہ آمیز ہے۔ مخا
خان کے پاس اس قدر ازبک ہرگز نہ تھے بلکہ گنتی کے چند آدمی تھے۔ مگر شبرغان کے قاضی اور اس
جگہ کے لوگوں نے بہادر خان اور اصالت خان کے بیان کی تائید کی اور ان کے اور ان ک
ہمراہیوں کے مناصب میں اضافے ہوئے اور خوشحال خان کے مواجب بھی بڑھا
گئے۔ (۳۸)

بادشاہزادہ مراد بخش مہم بلخ و بدخشان کی انجام دہی اچھی طرح کرتا رہا اور جیسا ک
واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہے افواج بادشاہی نے اس کی اور امیر الامرا علی مردان خان کی زیر
کمان نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مگر ناسازگاری آب و ہوا اور علی مردان خان کی نگرانی اور تسلط
سے تنگ آ کر بادشاہ سے درخواست کی کہ اسے اپنے حضور میں طلب کرے۔ بادشاہ کو یہ
درخواست ناگوار گزری اور بادشاہزادہ کو حکم دیا کہ جب تک مفتوحہ علاقوں کا کما حقہ انتظام نہ
ہو جائے وہ وہیں رہے مگر بادشاہزادہ نے باوجود اس ممانعت کے بلا اجازت بلخ قلیچ اللہ خان
کے حوالے کیا اور خود اپنے محال کو چھوڑ کر وارد کابل ہوا۔ اس نافرمانی کی وجہ سے بادشاہزادہ
عتاب ہو کر حاضری سے ممنوع ہوا۔ (۳۹)

بادشاہزادہ مراد بخش کی معزولی کے بعد بلخ کی صوبہ داری و پاسبانی بہادر خان کو تفویض
کی گئی اور پھر جب مہم بلخ و بدخشان کی انجام دہی بادشاہزادہ اورنگ زیب کے حوالے کی گئی اور
اسے اواسط محرم ۱۰۵۷ھ (فروری 1647ء) میں اس جانب رخصت کیا گیا تو بہادر خان نے
بطریق ہراول ازبکوں کے خلاف کارہائے نمایاں انجام دیے اور اواخر سال مذکور تک یہ مہم جاری
رہی جب کہ بادشاہزادہ وہاں سے واپس ہو کر آٹھ شوال ۱۰۵۷ھ (نومبر 1647ء) کو کابل میں
داخل ہوا۔ اور ۲۲ شوال (نومبر) کو باقی فوج بھی مع خزانہ بعد از مصائب و مشکلات بسیار کابل

پہنچی۔ اس مہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ نذر محمد خان کو واپس بلا کر بلخ اس کے حوالے کیا گیا۔ نذر محمد خان نے بادشاہزادہ کے پاس معذرت نامہ لکھ کر پہلے تو خود اس کے پاس آنے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر بعد میں عارضۂ بدنی کا عذر کر کے اپنے پوتے قاسم سلطان کو کفش قلماق کے ہمراہ بادشاہزادہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ (۴۰)

اس مہم میں جمادی الثانی ۱۰۵۶ھ میں علاقہ مابین شبرغان واندخوی سے بہادر خان و اصالت خان کی واپسی کے بعد (جہاں سے بادشاہزادہ مراد بخش نے انہیں لوٹنے کا حکم دیا تھا اور حسب الحکم خوشحال خان بھی ان کے ہمراہ واپس ہوا تھا) ہمیں خوشحال خان کوئی خاص کردار ادا کرتا نظر نہیں آتا۔

وفات اصالت خان: اس مہم کے دوران میں ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ (اواخر اپریل 1647ء) کو اصالت خان میر عبدالہادی نے چالیس سال کی عمر میں اجل طبعی سے انتقال کیا۔ اصالت خان ہمارے شاعر شمشیر زن خوشحال خان کا محسن و مربی تھا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خوشحال خان کو راجہ جگت سنگھ کے خلاف مہم کا فرمان میں خدمت بادشاہی بجالانے کا موقع اصالت خان ہی کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔ اور خان موصوف ہی کئی بار خوشحال خان کے اضافہ منصب و مواجب کا باعث بنا ہوا تھا۔ خان موصوف بہت عمدہ اوصاف و اخلاق کا مالک تھا۔ اور اس کی موت سے بادشاہ کو بہت رنج ہوا تھا۔ انتقال کے وقت پنج ہزاری ذات چار ہزار سوار کا منصب دار تھا۔ (۴۱)

اٹک کے اُس پار: ۱۰۵۸ھ میں نوروز کی بارہویں تاریخ یعنی ۱۲ فروردین کو (۱۲ اپریل 1648ء قمری مہینہ ربیع الاول) یا ۱۰۵۹ھ میں مذکورہ تاریخ کو (۱۲ اپریل 1649ء، قمری مہینہ اواخر صفر) (۴۲) ہم خوشحال خان کو اٹک کے اُس پار پاتے ہیں۔ اس سفر کے دوران میں اس نے ایک طویل نظم میرزا ابوالحسن آصف خان کے کسی شاندار محل اور اس کے باغات اور ان کے دلکش مناظر کے متعلق لکھی۔ اس نظم کا معتدبہ حصہ مع ترجمہ اس کتاب کے حصہ دوم میں درج ہے۔

مہم قندہار اور بہادر خان کی دعوت: ۱۰۵۸ھ (۲۷ جنوری 1648ء تا جنوری 1649ء) کے اواخر میں شہنشاہ شاہجہان کو پیہم خبریں پہنچیں کہ شاہ عباس ثانی والی ایران ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ قندہار پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے۔ چنانچہ شاہجہان بھی اس کے مقابلہ کے انتظامات کرنے کے لیے لاہور روانہ ہوا۔ بادشاہ ہندوستان ابھی مدافعانہ تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ ۱۲

محرم ۱۰۵۹ھ (اواخر جنوری 1649ء) کو لاہور میں خبر پہنچی کہ شاہ ایران نے ۱۰ ذی الحجہ ۱۰۵۸ھ (اواخر دسمبر 1648ء) کو ایک زبردست فوج کے ساتھ قندھار پر حملہ کر دیا ہے۔ شہنشاہ شاہ جہان نے بھی بادشاہزادہ اورنگ زیب کو ایک کثیر التعداد اور پوری طرح آراستہ فوج کے ساتھ جس میں جملۃ الملک سعد اللہ خان بہادر خان اور کئی دوسرے بڑے بڑے مسلمان اور ہندو منصبدار بھی شامل تھے لشکر ایران کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ (۴۳)

جب بہادر خان نے اٹک کے قریب دریائے سندھ کو عبور کیا تو از روئے اخلاص جو خوشحال خان کے ساتھ رکھتا تھا سرائے اکوڑہ آیا اور خوشحال خان کے ہاں مہمان ہوا۔ خوشحال خان کے قبیلے کے چھوٹے بڑے سارے افراد کو طلب کیا اور انہیں دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ خوشحال خان نے افغانی اور مغلئی دونوں قسم کے کھانے تیار کرائے تھے۔ بہادر خان کے افغان ہندوستانیوں کی طرح کھانا کھا رہے تھے۔ بہادر خان نے انہیں کہا کہ چاہیے کہ کہستانیوں کی طرح کھانا کھائیں۔ بہادر خان طعام سے فارغ ہو کر حضرت شیخ رحمکار عرف کا کا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ان کے گاؤں گیا اور تین ہزار روپیہ ان کی نظر سے گزار کر عرض کیا کہ یا حضرت میرے حق میں بادشاہی کی دعا کیجیے اور خروج کی اجازت دیجیے آپ نے مراقبے کے بعد پوچھا کہ جب بادشاہ تمہاری طرف دیکھتا ہے تو تم نظریں اٹھائے ہوئے ہوتے ہو یا جھکائے ہوئے؟ بہادر خان نے جواب دیا کہ جھکائے ہوئے۔ حضرت شیخ رحمکار نے جواب دیا کہ اچھا جب آؤ گے تو جواب دوں گا افضل خان لکھتا ہے کہ آنکھوں کے جھکانے سے مراد حق نمک کا پاس رکھنے کی طرف اشارہ تھا۔ (۴۴)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ نذر محمد خان کو شبرغان کے قریب شکست دے کر جب بہادر خان اصالت خان اور ان کے ساتھی بشمول خوشحال خان اندخوی کے راستے سے بادشاہزادہ مراد بخش کے طلب کرنے کے مطابق لوٹے تھے تو اگر چہ بادشاہ نے ان کے اور ان کے ساتھیوں کے مناصب بڑھائے تھے (۴۵) مگر بعد میں اس خیال کی وجہ سے کہ اگر بہادر خان فتح ہی پر قناعت نہ کر کے تعاقب میں زیادہ مستعدی سے کام لیتا تو نذر محمد خان گرفتار ہو جاتا۔ بہادر خان سے ناراض ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اسی مہم کے دوران میں جب کہ بادشاہزادہ اورنگ زیب اسے انجام دے رہا تھا، بہادر خان نے سعید خان کی کمک سے اغماض کیا تھا۔ اس بات کو صاحب تاریخ مرصع نے بھی تسلیم کیا ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بہادر خان اور سعید خان کے تعلقات اچھے نہ

تھے۔ (۴۶) ان وجوہات کی بنا پر بادشاہ نے سرکار کالپی اور قنوج جو تیس لاکھ روپیہ کے عوض بہادر خان کی جاگیر میں تھی ضبط کرلی۔ اس وجہ سے بہادر خان بادشاہ سے آزردہ خاطر تھا۔ اور اس کے دل میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کے خیالات موجزن تھے۔ جن کا انکشاف صاحب تاریخ مرصع نے کیا ہے۔

علاقہ یوسف زئی کا انتظام اور دیگر واقعات: شہنشاہ نے موسم سرما لاہور ہی میں گزارا اور غرہ ربیع الاول ۱۰۵۹ھ (وسط مارچ 1649ء) کو کابل کی طرف روانہ ہوا۔ اور ۵ ربیع الثانی (اواسط اپریل) کو دریائے نیلاب (سندھ) کو عبور کیا۔ خوشحال خان نے استقبال کرکے شرف باریابی حاصل کیا اور کافی دور تک بادشاہ کی سواری کے ساتھ گیا۔ بادشاہ تخت رواں پر سوار جا رہا تھا۔ بادشاہ نے خوشحال خان سے یوسف زئیوں کے علاقہ آبادی اور ان کے طور طریقوں، سرداروں اور فوجی قوت کے متعلق متعدد سوالات کیے۔ خوشحال خان نے بادشاہ کو بتایا کہ کوہستانی علاقہ میں یوسف زئیوں کے سردار حسین ابن کچھے، حمید اور کاچو ہیں۔ اور میدانی علاقہ کے سردار جیب، بہاکو اور ظریف ہیں۔ جو پانچ ہزار اور پانچ سو سوار بالترتیب میدان جنگ میں لا سکتے ہیں۔ بادشاہ نے خوشحال خان سے یہ بھی دریافت کیا کہ وہ کیوں یوسف زئیوں سے برسرپیکار رہتا ہے۔ خوشحال خان نے جواب دیا کہ چونکہ یوسف زئی حکومت سے باغی اور سرکش ہیں اور وہ (خوشحال خان) دولت خواہ ہے اس لیے وہ ان سے لڑتا رہتا ہے۔ (۴۸)

حیات افغانی اور خورشید جہان کے مؤلفوں نے یوسف زئیوں کے ساتھ قبیلہ خٹک کی معرکہ آرائیوں کا مجمل سا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خوشحال خان دراصل خاندانی اور قبائلی عداوت کی بنا پر یوسف زئیوں کے ساتھ کشت وخون کرتا رہتا ہے اور حکومت کو یہ دکھانے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ دولت خواہی کی وجہ سے یوسف زئیوں کے ساتھ مصروف جدال وقتال رہتا ہے۔ کیونکہ یوسف زئی ان دنوں دربار دہلی کے معتوب تھے۔ (۴۹) تاریخ مرصع کے مندرجہ بالا بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید شہنشاہ شاہ جہان کے دل میں بھی خوشحال خان کی نیت کے متعلق اسی قسم کا شک ہو جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں خٹکوں اور یوسف زئیوں کے درمیان عداوت کی ایک بڑی وجہ اول الذکر قبیلہ کی علاقہ یوسف زئی میں مداخلت اور تصرف بھی تھا۔ اور اس دشمنی کے سبب ہی خوشحال خان کا باپ شہباز خان بھی یوسف زئیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اور اس لیے اس عداوت نے خوشحال خان کے لیے خاندانی اور ذاتی نوعیت بھی اختیار کرلی تھی۔ خود خوشحال خان اس امر کا

اعتراف کرتا ہے کہ "مغلوں کی خدمت سے اس کا مقصد یوسف زئیوں کے حق میں زہر کا گھ تھا۔" اور یوسف زئیوں سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کا ذکر فخریہ کرتے ہوئے کہتا ہے "(۵۰) اور "میں نے اپنے باپ کی ہڈیوں کو مُردوں سے چھپایا۔" میں نے یوسف زئیوں کو آگ جلایا۔"(۵۱) لیکن اگر خوشحال خان کے آباواجداد ملک اکوڑے کے زمانہ سے سلطنت مغلیہ وفادار اور خدمت گزار چلے آرہے تھے تو خوشحال خان کے دل میں حکومت کی وفاداری اور دولت خواہی کے جذبات کیوں نہ ہوں گے۔ آخر راجہ جگت سنگھ ولد راجہ باسو زمیندار مؤ و پٹھان کے ساتھ خوشحال خان کی کونسی ذاتی عداوت تھی۔ کہ اس نے خود اصالت خان کے ذریعہ اپنی خدمت پیش کرتے ہوئے بادشاہی افواج میں شامل ہونے کے لیے درخواست کی اور نذر محمد خان والی توران اور ازبکوں اور قوم ہزارہ وغیرہ کے ساتھ کونسی ذاتی دشمنی تھی جو بلخ و بدخشان میں بادشاہ کی خدمات انجام دیتا رہا۔ یوسف زئیوں کے ساتھ خوشحال خان کی قبائلی اور خاندانی و ذاتی دشمنی کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے مگر اس بات کو ماننا پڑے گا کہ وہ مغل شہنشاہ کی دولت خواہی اور اس سے وفاداری کی وجہ سے بھی سرکش یوسف زئیوں کے ساتھ برسرپیکار رہتا تھا۔ اور اسی طرح سے دربار مغلیہ میں قرب اور جاہ و وقار کا خواہاں تھا۔ اس زمانے کے قریباً تین سال بعد (۱۰۶۲ھ مطابق ۱۴ دسمبر 1652ء) قریباً چالیس سال کی عمر میں کہی ہوئی ایک نظم میں جس میں اپنے نفس کی حرص و ہوا اور اس کی ترغیبات کی مذمت کی ہے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

کله ما ونه وېل کړے چې خدمت کړه
په خلعت کښې دل نشين د شاه جهان شه
حق ناحق خونونه کړه د مسلمانو
په هر شان ی خواره وه د دوی حرمان شه

کبھی تو تو مجھے کہتا ہے کہ خدمت کیے جاؤ
اور خدمت کے ذریعے شاہجہان کے دل نشین ہوجا
اس مقصد کے لیے حق ناحق مسلمانوں کا خون کرتے رہو
اور جس طرح ہو سکے ان کی مصیبت و تکلیف کا باعث بنو۔ (۵۲)

ان شعروں سے جہاں حق و ناحق مسلمانوں کے خون بہانے کے اعتراف سے احساس مجرمیت کا اظہار ہوتا ہے کہ خوشحال خان قرب بادشاہی کو دل سے عزیز رکھتا تھا اور اسی لئے مسلمانوں کے درپے آزار رہتا اور ان کا خون بہاتا رہتا تھا۔ فراق نامے کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

"د بادشاه په کور کښې راست وم
نــه راضي پــه کم و کــاســت وم

"میں سچے دل سے بادشاہ کا دولت خواہ تھا
اور کبھی اس کے زوال پر راضی نہ تھا

لہ اخلاصہ مې خدمت وہ — میری خدمت مخلصانہ تھی

صاف مې زړہ وہ صاف مې نیت وہ — "میرا دل بھی صاف اور میری نیت بھی صاف تھی۔"

باوجود شدید دشمنی کے یوسف زئیوں میں اس کے رشتہ دار بھی تھے۔ اس کی ایک بیوی یوسف زئی بھی تھی۔ مگر چونکہ وہ "نوکر تھا اور یوسف زئی روگردان تھے۔ اس لئے وہ سسرال بھی نہ گیا تھا۔ اور گھر بیٹھے بٹھائے ملوخان (۵۳) نے صدر خان (۵۴) کی والدہ کے ساتھ اس کی شادی کرادی۔ (۵۵)

شہنشاہ نے خوشحال خان سے ان خٹکوں کے متعلق بھی پوچھا جو پنجاب میں بھیرہ اور خوشاب (ضلع شاہ پور) کے علاقوں پر تاخت باخت کیا کرتے تھے۔ ان خٹکوں نے بہت سے اعوانوں کو پکڑ کر اسیر بنالیا تھا اور اکثر علاقے کو ویران و برباد کردیا تھا۔ جب خوشحال خان کی خانی و سرداری کا زمانہ آیا تو اس کے ربط و ضبط کی وجہ سے خٹکوں نے اس علاقے پر دست درازی اور تاخت و تاراج کو ترک کردیا۔ شہنشاہ نے خوشحال خان سے دریافت کیا کہ ان خٹکوں کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا؟ خوشحال خان نے جواب دیا۔ کہ اور تعلق تو کچھ نہ تھا البتہ وہ بھی خٹک تھے اور میں بھی خٹک ہوں۔ اس سوال و جواب کے بعد شہنشاہ نے خوشحال خان کو ڈکہ (۵۶) سے رخصت کیا اور حکم دیا کہ وہ بنجاروں (۵۷) کو گزر دریائے سندھ واقع اٹک سے گزار کر شہنشاہ کے پیچھے روانہ کرے۔ (۵۸)

جب بادشاہ کابل پہنچا تو اس کے بعد خوشحال خان نے کابل میں شرف باریابی حاصل کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ان ایام میں بہاکو خان کے بیٹے نے حکومت کی ملازمت اختیار کرلی تھی اور میر بخشی کے تابعین (ماتحتوں) میں شامل ہوگیا تھا۔ اس رشک و حسد سے ایک دوسرے یوسف زئی سردار حبیب خان جس کا ذکر اس سے پہلے ہوچکا ہے (۵۹) قرب و جوار میں بدامنی برپا کردی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا۔ ان واقعات کی وجہ سے میر بخشی نے بادشاہ سے سفارش کی کہ علاقہ یوسف زئی کا نظم و نسق بھی خوشحال خان کے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خوشحال کابل گیا۔ اور میر بخشی کی سفارش کے مطابق شہنشاہ نے کابل میں علاقہ مذکور کا انتظام خوشحال خان کو سونپ دیا۔ یہ علاقہ اس وقت امیر الامرا علی مردان خان کی جاگیر میں شامل تھا۔ اور خوشحال خان کو اس کا انتظام سونپے جانے کی وجہ سے وہ بہت ناراض ہوا۔ خوشحال خان اپنے علاقہ میں واپس آ کر علاقہ یوسف زئی کے بندوبست اور انتظام میں مصروف ہوا۔ جب بادشاہ کچھ عرصہ کے بعد واپس

ہوا تو خوشحال خان نے پھر حاضر ہو کر باریابی حاصل کی اور بادشاہ نے یوسف زئیوں کے متعلق حال دریافت کیا۔ خوشحال خان نے عرض کیا کہ قبیلہ کا کام ہے بتدریج سال بھر میں انجام پا جائے گا۔ اور بادشاہ سے التماس کی چونکہ میرے پاس توپچی (یا بندوقچی) کم ہیں اس لیے مجھے توپچی دیے جائیں۔ جن کے متعلق بادشاہ نے کہا کہ ان کا انتظام کر دیا جائے گا۔ (۶۰) خوشحال خان نے علاقہ یوسف زئی کا بندوبست بہت اچھی طرح کیا مگر کچھ مدت بعد ولی عہد بادشاہزادہ دارا شکوہ نے بیا کو خان کی طرف داری کی اور اسے خوش کرنے کے لیے یہ علاقہ خوشحال خان کے انعام و جاگیر سے نکلوا دیا۔ (۶۱)

وفات بہادر خان: اسی مہم کے دوران میں جب کہ شہنشاہ شاہ جہان کی فوج بادشاہزادہ اورنگ زیب کی سرکردگی میں قندھار کو از سر نو مسخر کرنے کے لیے اس کا محاصرہ کیے ہوئے تھی۔ بہادر خان نے بعارضہ ضیق النفس رجب ۱۰۸۹ھ میں انتقال کیا۔ (۶۲) اور اس طرح امرائے عظام میں اصالت خان کی وفات کے سوا دو سال بعد خوشحال خان کے ایک اور دوست اور ہمکار نے وفات پائی۔ وفات کے وقت بہادر خان پنج ہزاری ذات پنج ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب دار تھا۔ بہادر خان نے شاہ جہان کے ایام بادشاہزادگی میں اس کی ملازمت اختیار کر کے مرتے دم تک شاندار خدمات انجام دیں۔ باوجودیکہ شاہ جہان کے ایام بادشاہزادگی میں بہادر خان کے والد دریا خان نے اس سے بیوفائی کی۔ مگر بہادر خان نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ پھر عہد شاہ جہانی کے آغاز میں دریا خان نے رشتہ قومیت کے پیش نظر خان جہان لودھی کی بادشاہ کے خلاف حمایت کی تھی۔ مگر اس وقت بھی بہادر خان کی وفاداری میں ذرا بھر فرق نہ آیا۔ ججھار سنگھ بندیلہ والی ارچھا اور بعد خان جہان لودھی کی بغاوت میں اور مہمات بیجاپور، کانگڑہ اور بلخ و بدخشان میں ہمیشہ محیر العقول شجاعت و جذبۂ فداکاری کا اظہار کرتے ہوئے خدمات جلیلہ بجا لاتا رہا۔ جیسا کہ صفحات گزشتہ سے ظاہر ہے مؤخر الذکر دو مہموں میں خوشحال خان نے بھی بہادر خان کے ماتحت خدمات بادشاہی انجام دی تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ماسوائے ایک دو ناخوشگوار واقعوں کے بادشاہ نے بھی ہمیشہ قول و عمل کے ذریعہ بہادر خان کو مورد عنایات کر کے اس کی خدمات کا اعتراف کیا۔ بہادر خان کی وفات بھی خدمت بادشاہی کے دوران میں ہوئی۔ (۶۳) اگر ایسے مخلص و فداکار دولت خواہ کو بادشاہ نے اس کے ایک قصور کے لیے سزا دینا ضروری سمجھا تو بہادر خان کے دل میں بھی سرکشی کے خیالات کا موجزن ہونا ضروری امر تھا۔ اگر بادشاہ بہادر خان۔ اس بہادر خان کی سابقہ خدمات کو

بھول سکتا تھا جس نے باپ کے مقابلے میں بھی حق نمک کا پاس کیا اور جادۂ وفا کیشی سے انحراف نہ کیا اور جس کے پاس خاطر کے لیے بادشاہ نے دریا خان کو حرام نمک کہنا چھوڑ دیا تھا(۶۴) تو بہادر خان کا بھی بادشاہ کی سابقہ عنایات کو بھول جانا کوئی غیر فطری بات نہ تھی۔ افغان کی خودی کو ٹھیس لگا کر اس سے توقع کرنا کہ وہ اثبات خودی سے باز رہے گا عام طور سے خیال بے ہودہ اور فکر باطل ہوگا۔

شہنشاہ نے بہادر خان کی وفات کی خبر سن کر اس کے بڑے بیٹے(۶۵) کو جو اس وقت چہل سال کا تھا ہزاری پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور باقی چھ بیٹے بھی مناسب اور اپنی عمر کے مطابق یومیہ پا کر مورد عنایات ہوئے۔

شیخ رحمکار کا وصال: ۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ (جون 1653ء) کو بروز جمعہ خوشحال خان کے پیر و مرشد حضرت شیخ رحمکار "کاکا صاحب" نے اسی برس کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی رحلت ظہر کو خطبۂ جمعہ کے وقت اور تدفین عصر کے وقت ہوئی۔ اس روز حضرت کے بہت سے احباب اور عقیدت مند جوانب اور اطراف و اکناف سے آپ کے گاؤں آئے ہوئے تھے۔ خوشحال خان بھی ان میں موجود تھا۔ آخری اوقات میں خوشحال خان آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت نے اسے دعائے خیر دیتے ہوئے فرمایا کہ جو مشکلات تمہیں پیش آئیں گی اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں آسان کرے گا۔ خوشحال خان کہتا ہے کہ حضرت کے ساتھ اس آخری ملاقات کے وقت ان کی نگہ لطف و کرم کی شیرینی کا اثر ہمیشہ کے لیے میرے دل میں باقی رہ گیا۔ حضرت کے غسل و تکفین کے فرائض مولینا قاضی ولی محمد خان نے انجام دیے اور لوگوں کے ساتھ خوشحال خان نے بھی جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کی۔ خوشحال خان نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہا:

چو رفت از جہان شیخ دین رحمکار رجب بود جمعہ بہ سہ و سہ ہفت (۶۶)
چو احوال تاریخ جستم ز عقل چنیں گفت با ما کہ "با فقر رفت"
۱۰۶۳ھ

"شیخ کاکا قطب" سے بھی آپ کا سال وفات نکلتا ہے۔(۶۷)

بنگشوں سے لڑائیاں: ۱۰۶۳-۶۴ھ / ۲۱ دسمبر 1652ء تا ۱۰ نومبر 1654ء(۶۸) میں قبیلۂ بنگش کا ایک سردار شیر محمد خان کوہاٹی سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان لڑائیوں کا سبب یہ ہوا کہ شیر محمد خان بادشاہ سے ۳۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کے عوض محال تری و بولاق لینا چاہتا تھا۔ آپ قبل ازیں پڑھ

بنگشوں کے علاقہ کے ساتھ تھا اور

چکے ہیں کہ پہلے پہل محال تری و بولاق کے سرداروں نے شہباز خان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ (1637-38ء) میں تری و بولاق کو بنگشوں سے علیحدہ کیا جائے۔ (۶۹) چنانچہ یہ محال علاقہ بنگش سے علیحدہ ہو کر شہباز خان اور خوشحال خان کی جاگیر میں چلا آرہا تھا۔ حتیٰ کہ ۱۰۵۲ھ (1642ء) میں دولت بیگ قاقشال مرزا خان کوہاٹی کے کہنے سے بادشاہزادہ داراشکوہ نے یہ محال خوشحال خان کی جاگیر سے ... (۷۰) جب خوشحال خان اور دوسرے خٹک سرداروں کو بنگش سردار کے ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کرنا شروع کیا۔ محال تری و بولاق کے لوگوں نے خوشحال خان کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ان کے پاس اپنے خاندان کا کوئی آدمی بھیجے وہ اس کی امداد کریں گے۔ چنانچہ خوشحال خان نے اپنے چچا شادی خان کو چند سواروں کے ساتھ ان کے پاس بھیجا اور خٹک بھی حسب وعدہ اس کی امداد کے لیے کمربستہ ہوئے۔ خٹکوں اور بنگشوں کے درمیان جنگ کے آغاز ہی میں تری و بولاق کے لوگوں نے شیر محمد خان کے ایک رشتہ دار مسمی باہی کو تپی کے قریب قتل کر دیا اور بنگشوں کے چند اور آدمی بھی مارے گئے۔ اس کے بعد شیر محمد خان نے ایک اور لشکر اکٹھا کیا۔ شیر محمد خان کی فوجی تیاریوں کی خبر پا کر خوشحال خان نے اپنے بڑے چچا بہادر خان کو ایک لشکر کے ساتھ جس میں خوشحال خان کا بڑا لڑکا اشرف خان بھی موجود تھا بنگشوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ شیر محمد خان خٹکوں کے مقابلہ کے لیے کوہاٹ سے باہر نکلا۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی شیر محمد کا چچا جس کا نام بھی بہادر خان تھا گولی کی ضرب کھا کر میدان جنگ میں کام آیا۔ اس لڑائی میں بھی میدان خٹکوں کے ہاتھ رہا اور اشرف خان نے خوب داد شجاعت دی۔ وہ چاہتا تھا کہ بنگشوں کا تعاقب کرے مگر اس کے دادا خوشحال خان کے چچا نے اسے اس کی اجازت نہ دی۔ اس لڑائی کے تھوڑے عرصے بعد خٹکوں نے خوشحال خان کے چچا شادی خان کی زیر قیادت بنگشوں کو ایک اور شکست دی۔ بنگشوں کے تین سو آدمی مارے گئے اور بہت سا مالی نقصان ہوا۔ (۷۲)

بادشاہ اور خوشحال خان کے تعلقات پر اجمالی نظر:

خوشحال خان نے جیسا کہ صفحات گزشتہ سے ظاہر ہوتا ہے عہد جہانی کے بعض بہت اہم واقعات میں حصہ لے کر کارہائے نمایاں انجام دیے۔ بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے ہم وطنوں اور اپنی قوم کے خلاف بھی پابہ رکاب اور شمشیر بکف رہتا تھا۔

جہان کے عہد میں بھی سابقہ مغل فرمان رواؤں کے زمانہ ہائے حکومت کی طرح حکومت اور افغانوں کے تعلقات ناخوشگوار تھے اور افغانوں کے حق میں اگر شاہ جہان کی پالیسی سخت تر نہ تھی تو کچھ کم سخت بھی نہ تھی۔ افضل خان صاحب تاریخ مرصع لکھتا ہے کہ "شاہ جہان بادشاہ کے زمانہ میں صوبہ کابل کے افغانوں کے ساتھ سختی ہونے لگی اور قبائل فساد کے لیے آمادہ ہو گئے تھے۔ (۷۳)

خوشحال خان جیسا کہ عرض ہو چکا ہے حکومت کی پالیسی کو کامیاب بنانے میں اس کا ممد و معاون تھا۔ وہ ہر قیمت پر اور ہر طریقہ سے بادشاہ کا قرب اور اس کی نظروں میں عزت حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا اور خود اس کے اپنے ہی الفاظ میں (اپنے باپ کی طرح) حق و ناحق مسلمانوں کی خونریزی کو اپنا شغلہ بنا رکھا تھا۔ خوشحال خان نے اپنے کلام میں جو کچھ شاہ جہان کے متعلق کہا ہے ہم اسے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اس قسم کے کلام کا بہت سا حصہ شاہ جہان کے جانشین اورنگ زیب کے ساتھ بگاڑ کے بعد لکھا گیا ہے مگر پھر بھی اس کے کلام میں اپنے بادشاہ کے ساتھ محبت اور اس کے لیے عزت و احترام کے جذبات کی جھلک نظر آتی ہے۔ جہاں تک بادشاہ کا تعلق ہے اگرچہ ممکن ہے (وہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے) کسی وقت اس کے دل میں ان مقاصد کے بارہ میں شبہ پیدا ہوا ہو جن کے لیے خوشحال خان یوسف زئیوں سے برسرپیکار رہتا تھا۔ مگر جیسا کہ تاریخی شواہد و واقعات اور خوشحال خان کے کلام اور روایات سے معلوم ہوتا ہے بادشاہ خوشحال خان کی خدمات اور کارگزاری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ البتہ ولی عہد بادشاہزادہ داراشکوہ کے بعض افعال سے جہاں خوشحال خان کے دل میں بادشاہزادہ مذکور کے لیے کدورت پیدا ہوئی وہاں بادشاہ سے بھی آزردگی اور شکایت پیدا ہوئی ہوگی۔

حواشی

(۱) د پښتو ادب تاریخ' (تاریخ ادب پشتو) میں ص ۴۸ پر جمیل بیگ کا نام جمال خان اور انہیں خوشحال خان کا بڑا بھائی لکھا ہے۔ انگریزی ترجمہ حیاتِ افغانی (ص ۲۰۷ شجرہ) اور تاریخ خورشید جہان (ص ۲۴۱ شجرہ) میں ان کا نام جمال خان اور خوشحال خان کا نام خوشحال بیگ خان لکھا ہے۔ ستم (ق) نسخہ ہوتی کے حاشیہ پر بھی جہاں خوشحال خاں کی اولاد کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ کاتب نے اور فراق نامہ کے کاتب نے بھی کتاب کے آخر میں خوشحال بیگ اور پتہ خزانہ

(پوشیدہ خزانہ) کے مولف نے بھی خوشحال کا نام مختلف جگہ خوشحال بیگ اور خوشحال خان لکھا ہے
صحیح نام خوشحال خان اور جمیل بیگ ہیں اور خوشحال خان جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے جمیل بیگ سے
میں بڑا تھا۔ جمیل بیگ عرف فقیر صاحب "تارک الدنیا ہو کر مجذوب ہو گئے تھے۔ آپ حضرت
رحمکار" کے مریدان خاص میں سے اور اٹک کے شیخ جی عرف حضرت جی" کے مرشد تھے۔ مقامات
قطبیہ۔ مقامات قدسیہ ص ص ۱۷۵۔۱۷۷

(۲) ت م ص ص ۲۲۸۔۲۲۹/۴۰۔۴۸

(۳) آپ کا گاؤں جواب زیارت کا کا صاحب کہلاتا ہے۔ اکوڑہ سے جانب جنوب مغرب
میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۴) امازئی تو کمال زئیوں کی طرح مندڑ ہی ہیں۔ سیدہ کو پلاوڈن نے ترجمہ کلید افغانی میں
ایک جگہ امازئی مندڑوں کی شاخ لکھا ہے۔ مگر کتاب کے ضمیمہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سیدہ
رزڑ (مندڑوں کی ایک شاخ) میں سے ہیں۔ ترجمہ کلید افغانی ص ۲۰۱ نوٹ ۱۹ و ضمیمہ۔ مگر
تاریخ مرصع سے پتہ چلتا ہے کہ اما قبیلہ ولازاک کی ایک شاخ کا بھی نام ہے۔ اور اسی اما کو سیدہ
بھی کہتے ہیں۔ ت۔م ص ص ۲۳۲۔۲۳۷/۳۶۔۳۷ ترجمہ کلید افغانی ص ۱۸۶۔ جہاں اب امازئی
آباد ہیں۔ اس علاقہ کے ایک حصہ میں ان سے پہلے ولازاک آباد تھے۔

(۵) خوشحال خان نے اسی لڑائی میں یتم کو جس کا ذکر ہم نے حاشیہ ص ۳۴ کتاب ہذا میں کیا ہے
شکست دی تھی۔

(۶) ت۔م ص ص ۲۳۹۔۲۴۰/۳۸۔۳۹

(۷) شاہجہان باپ کی وفات (۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ مطابق ۲۸ اکتوبر 1627ء) کے قریباً تین ماہ
بعد ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ مطابق 6 فروری 1628ء کو تخت نشین ہوا تھا۔

(۸) یہ داؤدزئی افغان تھا۔ مشہور و معروف جلال خان المخاطب بہ دلیر خان جس نے عہد عالمگیری
میں شیواجی کو اطاعت پر مجبور کیا تھا کا بڑا بھائی تھا۔ باپ کا نام دریا خان روہیلہ تھا۔ دریا خان
روہیلہ کے قبیلہ کا نام ماثر الامرا میں داؤدزئی لکھا ہے اور ت۔م (ق) میں لکھا ہے کہ داؤدزئی اور
داؤدزئی میں با قبل زئی تھا۔ داؤدزئی غوریہ خیل قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ داؤدزئیوں کے گاؤں
پشاور شہر اور چھاؤنی سے جانب شمال اور شمال مشرق واقع ہیں۔

(۹) بادشاہنامہ جلد ۲ ص ص ۲۲۷۔۲۳۱ اور ۲۶۱۔۲۷۸ و ص ۲۸۵ عمل صالح جلد ۲ ص ص ۱۳۲

۳۴۴ اور ۳۴۹۔ ۳۵۸ اور ۳۶۲ نیز ملاحظہ ہو ت۔ م (ق) مندرجہ بالا بیان واقعات مندرجہ بادشاہنامہ و عمل صالح کا خلاصہ ہے۔ ت۔ م (ق) میں بھی یہی واقعات زیادہ مختصراً بیان ہوئے ہیں۔ البتہ بادشاہنامہ اور عمل صالح کے متفقہ بیان کے خلاف۔ ت۔ م (ق) میں بہادر خان کے کارناموں اور کوششوں کو بجائے مئو کے نور پور میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) جگت سنگھ۔ مآثر الامراء میں بھی بعض جگہ جگت سنگھ کا نام جگتا لکھا ہے ملاحظہ ہو جلد ا سوانح عمری اصالت خان ص ۱۶۹ و سوانح عمری بہادر خان ص ۴۲۰۔ سید خان جہان (خان جہان بارہہ) کی سوانح عمری میں (مآثر الامراء ص ۷۶۴ پر) جگت سنگھ ہی لکھا ہے۔

(۱۱) اصل الفاظ یہ ہیں "د مرد زړه د نامرد په پښو کښ دے" یہ ضرب المثل میرے سننے میں نہیں آئی۔ ممکن ہے متروک ہو چکی ہو۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بہادر کا دل مضبوط، طاقتور اور کارآمد ہوتا ہے ایسے ہی بزدل کے پاؤں تند و تیز اور چست و چالاک ہوتے ہیں۔

(۱۲) ت۔ م (ق)

(۱۳) عبدالغفور خان عرف غفور بیگ ملک اکوڑے کا بیٹا تھا۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۵۴۔

(۱۴) ت۔ م (ق)۔

(۱۵) ت۔ م (ق) میرے پیش نظر انتخاب و نسخہ ہوتی ہیں اس جگہ مہم کا سن ۱۰۵۲ھ دیا ہے۔ جو صحیح نہیں مہم جیسا کہ عرض ہو چکا ہے اواخر ۱۰۵۱ھ میں ختم ہو چکی تھی۔

(۱۶) انگریزی ترجمہ حیات افغانی ص ۲۱۱۔ تاریخ خورشید جہاں ص ۲۴۴۔ مقدمہ کلیات ص ۱۲۔ نیز ملاحظہ ہو پښتانہ شعرا (افغان شعرا) ص ۱۵۱۔ ممکن ہے حیات افغانی کے اصل نسخہ میں جاگیر جیسا کہ حبیبی صاحب نے لکھا ہے۔ ڈھائی لاکھ ہی ہو۔ تاریخ خورشید جہان میں ایک لاکھ ہے۔

(۱۷) میرے پیش نظر نسخہ ت۔ م (ق) شیدو میں 'شلم محرم زر پنخوس' ۲۰ محرم ۱۰۵۰ھ ہے۔ پنخوس سے پہلے دوہ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۲۹۳ و عمل صالح جلد ۲ ص ۳۶۲۔ ہوتی کے نسخہ میں مہم کانگڑہ سے خوشحال خان کی واپسی کے ذکر کے بعد بغیر سن کے لکھا ہے کہ "کچھ عرصہ بعد"۔

(۱۸) ت۔ م (ق)۔ بادشاہنامہ جلد ۲ ص ص ۲۹۱۔ ۳۰۱ عمل صالح جلد ۲ ص ص ۳۶۳۔ ۳۶۹۔

(۱۹) جلد ۲ ص ص ۳۱۵، ۳۱۶ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۲۶۔

(۲۰) ت۔م(ق) بادشاہ اپنے امراء کی کارروائیوں اور ان کے نتائج سے مطمئن نہ تھا۔ اور امرا
خان حسب الطلب حاضر ہوا تھا۔ بادشاہنامہ جلد ۲ ص ص ۴۶۲، ۴۶۳ و ۴۶۳ عمل صالح جلد ۲ ص
۴۵۳۔۴۵۴ بہرکیف یہ بات خوشحال خان کی حوصلہ افزائی میں مانع نہ تھی۔ کیونکہ فوجی کارروائی
اس کے نتائج کی ذمہ داری بڑے بڑے امراء پر تھی۔

(۲۱) بادشاہنامہ اور ت۔م(ق) میں یہی تاریخ ہے۔ عمل صالح میں اوائل ذی الحجہ (جنوری
ہے۔

(۲۲) بادشاہنامہ و عمل صالح نیز ت۔م(ق)۔

(۲۳) ت۔م(ق)۔

(۲۴) بادشاہنامہ جلد ۲ عمل صالح جلد ۲۔

(۲۵) ت۔م(ق)۔

(۲۶) راجہ جگت سنگھ ولد راجہ باسو زمیندار مئو و پٹھان کا بیٹا تھا۔ راجہ جگت سنگھ اسی مہم کے ابتدائی
مراحل کے دوران میں اواخر ۱۰۵۵ھ میں بمقام پشاور بادشاہزادہ کی روانگی از لاہور سے پہلے فوت
ہو چکا تھا۔ سوانح عمری راجہ جگت سنگھ مآثر الامراء جلد ۲ (ص ص ۲۳۸۔۲۴۱) کا آخری
بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۴۸۱ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۶۲۔ الفنسٹن نے ہسٹری آف انڈیا (ص ۵۱۱) میں
مہم بلخ و بدخشان کا ذکر کرتے ہوئے جگت سنگھ پر نوٹ لکھا ہے "تعلقہ کوٹہ کا راجہ" ڈاکٹر برجس نے
بھی (کرانالوجی آف ماڈرن انڈیا ص ۹۵) مہم بلخ و بدخشان کے جگت سنگھ کو والئی کوٹہ کا بھائی بتایا
ہے۔ یہ اشارے جگت سنگھ ولد کنڈ سنگھ ہاڑا کی طرف ہیں۔ مگر مہم بلخ و بدخشان کا جگت سنگھ نہ تو کوٹے
کا تھا اور نہ ہی میواڑ کے رانا کرن کا بیٹا رانا جگت سنگھ تھا۔

(۲۷) ت۔م(ق)۔

(۲۸) بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۵۱۳۔ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۷۵۔

(۲۹) ت۔م(ق)۔

(۳۰) ایضاً۔

(۳۱) بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۵۶۲۔ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۸۰۔

(۳۲) ت۔م(ق)۔

(۳۳) بادشاہنامہ جلد ۲ ص ص ۵۲۷۔۵۳۸ عمل صالح جلد ۲ ص ص ۴۸۱۔۴۸۵۔

مشہور قبیلہ ہے جو قسمت ترین افغانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے جو قسمت

(۳۴) شمشیر خان حیات ترین ولد علی خان ترین۔ ترین افغانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے جو قسمت

(۳۴) شمشیر خان حیات ترین کو خطاب

زمین میں سے ہے۔ علاول بھی ترین تھا۔ واقعات زیر بحث کے دنوں میں حیات ترین کو خطاب شمشیر خانی عطا نہیں ہوا تھا۔ یہ خطاب اسے تھوڑے عرصہ بعد (۶ ذی القعدہ ۱۰۵۶ھ) کو عطا ہوا۔ بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۶۱۲۔

(۳۵) ت۔م (ق) میں باقی ماندہ لشکر کی مبینہ تعداد سے اس کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ پہلے لکھا ہے کہ بہادر خان اور اصالت خان کے ساتھ ہزار پانچ سو سوار سے زیادہ نہ تھے۔ پھر لکھا ہے کہ بہادر خان کے بڑے لشکر میں سے دو سو تین سو سوار تھے اور اصالت خان کے ساتھ تیرہ سوار تھے۔ ممکن ہے 'دیازدہ' (تیرہ) کے بعد 'صد' (سو) کا لفظ لکھے جانے سے رہ گیا ہو۔ ملا عبدالحمید اور محمد صالح نے لکھا ہے کہ دس ہزار میں سے چار ہزار سوار رہ گئے تھے۔ بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۵۵۱۔ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۸۶۔

(۳۶) ت۔م (ق) میں یوں لکھا ہے۔ شاید چار باغ مراد ہے۔

(۳۷) ت۔م (ق) نیز بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۵۵۸۔۵۵۹۔۵۶۸۔ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۹۵۔

(۳۸) ت۔م (ق) بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۵۵۴ عمل صالح جلد ۲ ص ۴۹۲۔

(۳۹) بادشاہنامہ جلد ۲۔ عمل صالح جلد ۲۔

(۴۰) بادشاہنامہ جلد ۲ عمل صالح جلد ۲ و ۳۔

(۴۱) اصالت خان کے باپ کا نام میر میراں اور دادا کا نام میر خلیل اللہ یزدی تھا۔ میر خلیل اللہ یزدی شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں اپنے بیٹے شاہ ایران سے ناراض ہو کر وارد ہندوستان ہوا تھا۔ اصالت خان اور اس کا بھائی خلیل اللہ خان اس وقت کمسن تھے اور وطن ہی میں رہ گئے تھے۔ بعد میں جہانگیر نے شاہ عباس اوّل کو لکھا کہ انہیں بھیج دے۔ چنانچہ شاہ نے اعزاز کے ساتھ انہیں ہندوستان رخصت کیا۔ بادشاہنامہ جلد ۲ ص ۶۵۷ و ص ۶۷۶ و ۶۷۷ و عمل صالح جلد ۲ ص ۵۲۷ و ص ۵۵۹ و سوانح عمری اصالت خان مندرجہ مآثر الامراء جلد ۱ ص ۱۶۹۔۱۷۲۔

(۴۲) نظم جس سے اس سفر کا پتہ چلتا ہے کا سال تصنیف کلیات میں 'ز راتـــہ پـــنـــخـــوس' (۱۰۵۸ھ) اور دیوان میں 'ز دانہ پـــنـــخـــوس' (۱۰۵۹ھ) ہے۔ کلیات ص ۶۹۱ و دیوان حصہ ا ص ۵۵۔ بڈلف کے انتخاب میں بھی سال تصنیف دیوان کے مطابق ہے اور غالباً اسی پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر راورٹی کا انتخاب ص ۱۱۶ اور اس کا انگریزی ترجمہ ص ۶۲۔

(۴۳) عمل صالح جلد ۳ ص ص ۶۷ اور ۷۰ وا ے۔

(۴۴) ت۔م (ق)۔

(۴۵) ملاحظہ ہو ص ۹۰ کتاب ہذا۔

(۴۶) ت۔م (ق)۔

(۴۷) عمل صالح جلد ۳ ص ص ۲۷ و ۹۳۔ ت۔م (ق) نسخہ ہوتی میں قندھار پر ایرانیوں کے قبضہ، شاہجہان کے اس مہم کے سلسلہ میں کابل جانے کے متعلق عبارت کا آغاز یوں ہے کہ ۲۰ جمادی الثانی ۱۰۵۰ھ کو شاہ عباس نے قندھار پر قبضہ کیا۔ شاہجہان نے کابل میں قیام کیا۔ اور اورنگزیب نے جا کر قندھار کا محاصرہ کیا۔ (انتخاب ت۔م۔(ق) میں بھی سن و تاریخ یہی ہے) اسکے بعد شاہجہان اور خوشحال خان کی ملاقات کا ذکر شروع ہوتا ہے "زر پنخوس" (۱۰۵۰ھ) غلطی سے "زر انسہ پنخوس" (۱۰۵۹ھ) کی جگہ لکھا گیا ہے۔ "نسہ" (۹) بیچ میں سے رہ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو این۔اے ص ۲۳۰۔ شہنشاہ کی روانگی کابل (جیسا کہ عرض ہو چکا ہے) افضل خان کی میتنہ تاریخ (۲۰ جمادی الثانی ۱۰۵۹ھ) سے پہلے ہوئی تھی۔ اور ورود کابل اوائل جمادی الاول میں ہوا تھا۔ (م۔ل حصہ ۱ ص ۶۹۳) قندھار پر ایرانیوں کا قبضہ بھی افضل خان کی میتنہ تاریخ سے پہلے ہوا تھا۔

(۴۸) ت۔م (ق)

(۴۹) انگریزی ترجمہ حیات افغانی ص ۲۱۱۔ خورشید جہان ص ۲۲۳

(۵۰) کلیات ص ص ۴۷، ۱۰۷، ۹۹۵ دیوان حصہ ۲ ص ص ۲۵۶، ۳۹۴

(۵۱) کلیات ص ۶۳۶ دیوان حصہ ۱ ص ۷۱

(۵۲) کلیات ص ۹۴۱ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۵

(۵۳) خوشحال خان کا خسر تھا۔

(۵۴) خوشحال خان کا ایک بیٹا تھا۔

(۵۵) سوات نامہ اشعار ۱۶۴

(۵۶) ذکر مہمندوں کا علاقہ ہے اور تورخم (واقع پاکستان جو خیبر میں پاک افغان سرحد پر ہے) کے جانب شمال تھوڑے سے فاصلہ پر حدود افغانستان میں واقع ہے۔

(۵۷) ت۔م (ق) نسخہ ہوتی (انتخاب میں یہ لفظ یونہی ہے میجر راورٹی نے این۔ا

(ص ۔۳۰ ۳۲ حاشیہ) میں برنجاری لکھا ہے۔ اور آخر میں 'ی' کے بعد 'س' (s) لگایا ہے جو غالباً انگریزی کے قاعدہ کے مطابق جمع کے لیے ہے۔

(۵۸) ت۔م (ق)

(۵۹) ملاحظہ ہو ص ۹۳ کتاب ہذا

(۶۰) ت۔م (ق)

(۶۱) ت۔م (ق)

(۶۲) عمل صالح جلد ۳ ص ۹۹ کے مطابق بہادر خان کے انتقال کی اطلاع حضور بادشاہی میں ۸ ار جب کو پہنچی اور مآثر الامرا جلد ا ص ۴۲۲ کی رو سے اس نے ۱۹ ار جب کو وفات پائی۔

(۶۳) ملاحظہ ہو سوانح عمری بہادر خان مندرجہ مآثر الامرا جلد ا ص ص ۴۱۵، ۴۲۲۔ سوانح عمری دریا خان مندرجہ مآثر الامرا جلد ۲ ص ص ۱۸۔۲۱ و ت۔م (ق)

(۶۴) ت۔م (ق)

(۶۵) عمل صالح جلد ۲ ص ۱۹۹ اور مآثر الامرا جلد ا ص ۴۲۴ میں اس کا نام دلاور۔ ع ن میں متعدد بار دلیر اور ت۔م (ق) میں کئی دفعہ دلیر ہمت آیا ہے۔ م۔ل حصہ ا ص ۶۹۵ میں دلیل خان نام درج ہے۔ دلیل (بہ یائے مجہول) بھی افغانوں میں پایا جاتا ہے۔

(۶۶) سہ + سہ ہفت = ۲۴

(۶۷) ت۔م (ق) ومقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ

(۶۸) ۱۰۶۳ھ مطابق ۲ دسمبر 1652ء تا نومبر 1653ء و ۱۰۶۴ھ مطابق ۲۲ نومبر 1653 تا ۱۰ نومبر 1654ء

(۶۹) ملاحظہ ہو ص ۶۵ کتاب ہذا

(۷۰) ص ۸۳ کتاب ہذا

(۷۱) ص ۳۶ کتاب ہذا

(۷۲) ت۔م (ق) وا ین۔ اے ص۔ ۲۰۱

(۷۳) ت۔م ص ۳۵

(۴)

عہد عالمگیری

جنگ تخت نشینی: ۷ ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ (مطابق ستمبر 1657ء) کو شہنشاہ شاہ جہان حبس البول کے مرض میں گرفتار ہو کر کاروبار سلطنت اور اُمور جہانبانی کی طرف توجہ دینے سے معذور ہو گیا۔ اس وقت اس کا سب سے بڑا لڑکا ولی عہد دارا شکوہ پنجاب و ملتان کا صوبہ دار تھا۔ صوبہ داری بنگال سے فرائض دوسرا لڑکا بادشاہزادہ محمد شجاع انجام دے رہا تھا۔ اور صوبہ جات دکن و گجرات کی حکومت بالترتیب تیسرے اور چوتھے بیٹے بادشاہزادہ محمد اورنگزیب اور بادشاہزادہ محمد مراد بخش کے سپرد تھی۔ دارا شکوہ جو وارث تخت و تاج اور شہنشاہ کا چہیتا بیٹا تھا حضور میں موجود تھا۔ اس نے موقع کو غنیمت جان کر عنان سلطنت عملاً اپنے ہاتھ میں لے لی اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بادشاہزادگان شجاع، اورنگزیب اور مراد بخش کو جو سفراء دربار میں رہتے تھے ان کو بلا کر مچلکہ لیا کہ دربار کی کوئی خبر باہر نہ بھیجنے پائیں اور بنگال، دکن اور گجرات کے راستے بند کر دیے کہ مسافر آنے جانے نہ پائیں جس سے مقصد شجاع، اورنگزیب اور مراد بخش کو دربار کے حالات اور اپنی ریشہ دوانیوں سے بے خبر رکھنا تھا۔ علاوہ ازیں دارا شکوہ نے بادشاہ کو اورنگزیب کی طرف سے بدگمان کر کے عیسیٰ بیگ کو جو اورنگزیب کی طرف سے پایۂ تخت میں سفیر تھا گرفتار کرا کے قید خانہ میں ڈلوا دیا۔ اور اس کا گھر اور مال و متاع ضبط کرا لیا۔ کچھ دارا شکوہ کی ان پیش دستیوں اور جارحانہ کارروائیوں اور کچھ اس کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے جو الحاد و ارتداد کی حد تک پہنچے ہوئے تھے بادشاہزادوں کے درمیان تخت و تاج کے لیے جنگ چھڑ گئی۔ (۱) شجاع اور مراد بخش اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار بن بیٹھے۔ تخت و تاج کے حصول کے لیے سب سے پہلے شجاع نے قسمت آزمائی کی مگر اسے دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ اور میرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ والئ امبر (جے پور) نے بنارس سے پانچ میل کے فاصلے پر جانب شمال مشرق بہادر پور کے مقام پر شکست دی۔ دارا شکوہ تو جیسا عرض کیا جا چکا ہے عملاً حکمران بن بیٹھا تھا۔ باقی تین بھائیوں میں بھی اورنگزیب ہی ایسا تھا جس نے بظاہر اس قسم کا کوئی فعل نہیں کیا جس سے پایا جاتا ہو کہ وہ خود مختار و مطلق العنان ہونا چاہتا تھا مگر وہ بھی دکن سے لشکر سمیت دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے مراد بخش کو بھی جو خود پہلے ہی سے دارا شکوہ کے ساتھ آمادۂ پیکار تھا اپنے ساتھ ملا لیا۔ سرکاری مؤرخ عہد عالمگیری مرزا محمد کاظم کے بیان کے

مطابق اورنگزیب باپ کی مزاج پرسی اور اس کی ملازمت اختیار کرنے جارہا تھا۔ اور مراد بخش کو بھی بادشاہ سے اس کی تقصیرات معاف کرانے کے لیے اپنے ساتھ لے لیا۔ برخلاف اس کے خافی خان لکھتا ہے کہ اورنگزیب نے مراد بخش کو بادشاہت کی مبارک باد دی اور اس بات کا یقین دلایا کہ دارا شکوہ کے فتنہ کے استیصال کرکے اور مراد بخش کی تقصیرات بادشاہ سے معاف کراکے وہ (اورنگزیب) خود حج کے لیے چلا جائے گا۔ مولانا شبلی بحوالہ عاقل خان لکھتے ہیں کہ بھائیوں کے درمیان تقسیم سلطنت کا معاہدہ ہوا تھا۔ (۲) راستہ میں بادشاہزادہ دارا شکوہ کے حامی و مددگار مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور والیٔ جودھپور نے بہ معیت قاسم خان شہنشاہ کے حکم کے مطابق اورنگزیب اور مراد بخش کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اجین سے سات کوس (چودہ میل) کے فاصلہ پر جانب جنوب مغرب بمقام دھرمات پور (دھرمت) بڑے زور و شور کا مقابلہ ہوا۔ جس میں مہاراجہ جسونت سنگھ کو شکست فاش ہوئی۔ (۳) لڑائی سے پہلے اورنگزیب نے مہاراجہ جسونت سنگھ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اور مراد بخش لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ والد کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے جارہے ہیں۔ اور اس کی ملازمت اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لیے مہاراجہ ان کا سد راہ نہ ہو مگر مہاراجہ نہ مانا۔

شاہ جہان آگرہ سے دہلی جارہا تھا جب مہاراجہ جسونت سنگھ کی شکست کی خبر پہنچی تو بادشاہزادہ دارا شکوہ کے اصرار پر آگرہ واپس ہوا۔ شہنشاہ کو آگرہ واپس لاکر دارا شکوہ ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ جس میں سواروں کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی اورنگزیب اور مراد بخش کے مقابلہ کے لیے ۱۶ شعبان ۱۰۶۸ھ (مئی 1658ء) کو آگرہ سے روانہ ہوا۔ اس نے اورنگزیب اور مراد بخش کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور فریقین کی فوجیں ۶ رمضان ۱۰۶۸ھ (ابتدائے جون 1658ء) کو آگرہ سے دس میل جانب جنوب مشرق سموگڑھ کے مقام میں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئیں۔ اور دوسرے ہی روز ان کے درمیان نہایت ہی خونریز اور خوفناک لڑائی ہوئی جس میں دونوں طرف تیموری خون بڑی شدت سے کھلتا ہوا نظر آیا۔ اس لڑائی میں تاتاری، ازبکی اور راجپوتی تہور و شجاعت کے بے نظیر کارنامے دیکھنے میں آئے۔ آخر کار اورنگزیب کا آہنی عزم و ثبات اور لازوال استقلال اور مراد بخش کی غیر معمولی دلیری و بہادری اور اندھا دھند جانبازی بروئے کار آئی اور انہیں مکمل فتح حاصل ہوئی۔ (۴)

اورنگزیب کی بادشاہت: ۲۰ رمضان المبارک (جون) کو اورنگزیب نے بڑھ کر آگرہ پر

قبضہ کرلیا۔ (۵) اور چونکہ شاہ جہاں شروع ہی سے داراشکوہ کا طرفدار تھا اور نہ صرف طوعاً و کرہاً
کی من مانی مفسدانہ کارروائیوں میں اس کا ممد و معاون چلا آرہا تھا بلکہ اورنگزیب کا کام تمام کرنے
کے منصوبے بھی باندھ رہا تھا۔ (۶) اس لیے اورنگزیب نے شاہ جہاں کو قلعہ آگرہ میں نظر بند کر کے
زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر اس نے پاس ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیشہ باپ سے اچھا
برتاؤ کرنے اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کی۔

بدقسمتی سے اورنگزیب اور مراد بخش کے خوشگوار تعلقات بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکے
اورنگزیب نے بہ حیلہ وفن اسے گرفتار کر کے قید کر ڈالا۔ سرکاری مؤرخوں مرزا محمد کاظم اور مستعد خان
نے تو اورنگزیب کے اس اقدام کے لیے تمام تر مراد بخش کو بوجہ اس کے بے رہروی و آثار سرکشی
کے اظہار کے ذمہ دار ٹھہرایا ہے چنانچہ مرزا محمد کاظم کے بیان کے بموجب سموگڑھ میں داراشکوہ کی
شکست کے بعد مراد بخش کے دل میں نفاق کے خیالات پیدا ہوئے اور اورنگزیب کے ساتھ نزاع
اور مخالفت پر آمادہ ہوا اور اورنگزیب کے امرا میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے اپنا
لشکر بڑھا کر اپنے ہم رکاب امرا کو خطابات و مناصب دینے شروع کیے۔ لہٰذا بطور حفظ ماتقدم
اورنگزیب نے اسے بہ تدبیر گرفتار کر کے قید کر ڈالا۔ خافی خان کے بیان کی رو سے سراسر مراد بخش
کی معصومیت اور آخری دم تک اورنگزیب کے ساتھ وفاداری و اخلاص ثابت ہوتا ہے۔ اس بیان
کے مطابق حادثہ مراد بخش کا سبب "دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" کا اصول ہے۔ خافی خان کہتا ہے کہ
باوجودیکہ مراد بخش کے ہواخواہ امرا اسے اورنگزیب کی طرف سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیتے تھے
لیکن مراد بخش ان کی صلاح کی قطعاً پرواہ نہ کرتا تھا۔ اور آخر کار ۴ شوال ۱۰۶۸ھ (مطابق اوائل
جولائی 1658ء) کو اورنگزیب کے حسن تدبیر سے جس کے ساتھ تقدیر نے بھی موافقت کی گرفتار
ہوا۔ (۷) اس واقعہ کے قریباً ایک ماہ بعد یعنی غرہ ذیقعدہ بروز جمعہ ۱۰۶۸ھ (مطابق آخر جولائی
1658ء) کو اورنگزیب کی رسم تاجپوشی و تخت نشینی عمل میں آئی۔ (۸) داراشکوہ اور شجاع نے پھر بھی
حصول سلطنت کے لیے قسمت آزمائی کی مگر دونوں ناکام ہوئے۔ اورنگزیب اور شجاع کا مقابلہ
اواسط ربیع الثانی ۱۰۶۹ھ (مطابق جنوری 1659ء) میں الہ آباد سے قریباً ۹۵ میل دور جانب
شمال مغرب کھجوہ کے مقام پر ہوا جس میں شجاع کو شکست ہوئی۔ (۹) یہ لڑائی تاریخ میں اورنگزیب
کے بے پناہ حوصلہ اور عزم و استقلال کی زندہ جاوید یادگار رہے گی۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عروس فتح
نصرت اور لیلائے دولت وحشمت نے اورنگزیب کی باعظمت شخصیت سے شرما کر شجاع کے ساتھ

ہم آغوش ہوتے ہوتے اس سے منہ پھیر لیا۔ شجاع شکست کھا کر بنگال کی طرف بھاگا۔ جہاں معظم خان میر محمد سعید خان خاناں میر جملہ کے ہاتھوں شکست کھا کر اراکان کے رجبہ کے پاس چلا گیا۔ جس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ غالباً وہاں کے رجبہ نے اس شبہ پر کہ بادشاہزادہ اس سے حکومت چھیننے کی تیاری کر رہا ہے مروا ڈالا۔ کھجوہ میں فتح یابی کے قریباً دو مہینے بعد جمادی الثانی (مارچ) میں اورنگزیب نے اجمیر سے چار میل کے فاصلہ پر جانب جنوب بمقام دیورائے داراشکوہ کو دوبارہ شکست دی۔[10] اور اس کے قریباً دو ماہ بعد ۲۴ رمضان المبارک (اواسط جون) بروز اتوار تخت نشینی و تاج پوشی کی رسوم بڑی دھوم دھام سے منائیں اور ابو المظفر محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر بادشاہ غازی کے القاب اختیار کیے اور یکم رمضان آغاز سال جلوس قرار پایا۔ اگرچہ چوتھے سال سے جشن جلوس کا آغاز یکم شوال (یوم عید الفطر) سے ہونا قرار پایا۔ لیکن تاریخ شماری کے لیے آغاز سال جلوس یکم رمضان ہی سے رہنے دیا گیا۔[11] جلوس دوئم (۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ) کے تھوڑے عرصہ بعد داراشکوہ ملک جیون زمیندار دادر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر حضور بادشاہی میں بھیجا گیا۔ اور علماء سے استفتاء کے بعد بادشاہ کے حکم کے مطابق ۲۱ ذی الحجہ (ستمبر) کو قتل کر دیا گیا۔[12] مراد بخش کو بھی شہنشاہ نے ماہ ربیع الثانی ۱۰۷۲ھ (مطابق دسمبر 1661ء) میں قتل کروایا۔ سرکاری مؤرخوں نے تو مراد بخش کے واقعہ قتل کے متعلق چپ سادھ رکھی ہے مگر خافی خان لکھتا ہے کہ مراد بخش نے بعض رفقاء کی امداد سے قید خانہ سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ اورنگزیب نے علی نقی کے بیٹوں کو جسے شاہ جہان کی علالت کے بعد سلطنت میں فتور کے ایام میں مراد بخش نے نفاق و مخالفت کے شبہ پر قتل کر دیا تھا مطالبہ قصاص کرنے کے لیے اکسایا۔ بڑے بیٹے نے تو قصاص لینے سے انکار کیا البتہ دوسرے بیٹے نے اطاعت امر کی اور اس کے دعویٰ کے نتیجے کے طور پر مراد بخش کو علی نقی کے قتل کے پاداش میں سزائے موت دی گئی۔ اورنگزیب نے علی نقی کے بڑے بیٹے کو جو دعویٰ قتل سے دستبردار ہوا تھا مورد عنایات کیا۔ "اے وائے بہر بہانہ کشتند" مادہ تاریخ وفات مراد بخش ہے۔ ملا محمد صالح لکھتا ہے کہ چونکہ از روئے عقل و شرع دفعیہ فساد اور نفع عام کے لیے ضرر رسانی خاص جائز ہے اور علی نقی کے بیٹے بھی باپ کے خون کے مدعی تھے۔ لہٰذا اورنگزیب نے روبروئے قاضی انہیں اثبات دعویٰ کا موقع دیا اور حکم صادر کیا کہ اگر ان کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو مراد بخش کو سزائے شرعی دی جائے۔ جب مدعیان گوالیار پہنچے جہاں ان دنوں مراد بخش قید کے دن کاٹ رہا تھا اور قاضی کے سامنے مقدمہ کا آغاز ہوا تو مراد بخش نے کہا کہ اگر

حضرت خلاف مرتبت عہد و پیمان کا خیال کر کے اس نامراد کے خون سے درگزر کرتے
دولت و سلطنت کو نقصان نہ پہنچتا اور اگر خواہ نا خواہ ان کی یہی مرضی ہے کہ اس ضعیف کا وجود
سود بیچ میں نہ رہے تو ان بے حیثیت لوگوں کے روبرو آنے میں کیا مزہ جو جی چاہے کر گزریں
وقت قاضی کا اشارہ پا کر دو چیلوں نے تلوار کی دو واروں سے یکم ربیع الثانی ۱۰۷۲ھ
(1661ء) بروز بدھ اس کی شمع حیات کو گل کر دیا۔ (۱۳)

مراد بخش کے قتل کے تھوڑے عرصہ بعد ۱۱ شوال ۱۰۷۲ھ (اواخر مئی 1662ء)
سلیمان شکوہ کو بھی قلعہ گوالیار کے قید خانہ میں کوکنار (پوست کا ڈوڈہ) کا عرق جسے پوست کہتے ہیں
پلا کر قید ہستی سے آزاد کر دیا گیا۔ (۱۴)

اورنگزیب اور اس کے معترضین: چونکہ اورنگزیب کے مخالفین نے جنگ تخت نشینی
اورنگزیب کے مبینہ ظلم و ناانصافی کی آڑ لے کر اس پر جرح و قدح کی ہے۔ اور ہمارے میر دوست
خان نے بھی اسی بنا پر اور اپنے ساتھ اورنگزیب کی بدسلوکی کی وجہ سے اس کی ہجو و مذمت کی ہے
اس لیے بہ تقاضائے انصاف میں نے واقعات متعلقہ جنگ تخت نشینی کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ ا
ہے کہ باوجود اختصار قارئین کرام نے اس بات کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کون کس حد تک گنہگار ہے
کہ شاہ جہان کے بیٹوں میں کس میں فرمان روائی و جہانبانی کی صلاحیت زیادہ تھی۔ آیئے تنازع
فریقوں کی پوزیشن زیادہ صاف اور واضح کرنے کے لیے متنازعہ فیہ امور کو لے کر ان پر بحث
کریں۔ جنگ تخت نشینی میں دارا کے پہل کرنے کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں
اس کے متعلق سارے ہمعصر معتبر مؤرخ متفق ہیں۔ زمانہ مابعد کا ایک مؤرخ الفنسٹن جو اورنگزیب
کا ایک معاند ناقد ہے دارا شکوہ کی جارحانہ کارروائیوں کو جن کا ذکر ہو چکا ہے تسلیم کرتا ہے (۱۵)
اگرچہ شاہ جہان کی بیماری کے بعد حکومت پر دارا شکوہ کے قبضہ کو اورنگزیب کے حصول اقتدار کی
امیدوں کے منافی بتاتا ہے لیکن ساتھ یہ بھی مانتا ہے کہ اس سے اورنگزیب کی زندگی بھی غیر محفوظ
ہو گئی تھی۔ (۱۶) نیز شاہ جہان کے ساتھ اس کی نظر بندی کے بعد اورنگزیب کے حسن سلوک کا
اعتراف کرتا ہے۔ (۱۷)

دارا شکوہ کی بے دینی ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس سے انکار کرنا آفتاب کو انگلی
چھپانے کے مترادف ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جو مجمل سا ذکر قبل ازیں کیا گیا ہے اس
کی اہمیت کے پیش نظر اس کی وضاحت کر دی جائے۔ دارا شکوہ کی بداعتقادی کے متعلق جو کچھ

محمد کاظم اور مستعد خان نے لکھا ہے اسے ہم نظر انداز کیے دیتے ہیں۔ اس بارہ میں ہم خافی خان کے بیان اور اس کی تائید میں داراشکوہ کی اپنی تحریروں کو لیتے ہیں۔ خافی خان لکھتا ہے:

"وداراشکوہ کہ ولی عہد مستقل خود را می گرفت و در ایام صحت نیز زمام اختیار ملک رانی بدست او بود بتقلید ملحدان صوفی مشرب تصوف را بدنام ساختہ کفر و اسلام را برادر توام خواندہ رسالہا دریں باب تالیف نمودہ با برہمنان و گسائیاں دم موافقت و مرافقت میزد۔۔۔الخ"(۱۸)

یعنی

"وہ داراشکوہ جو اپنے آپ کو مستقل ولی عہد سمجھتا تھا اور صحت کے زمانہ میں بھی زمام حکومت اسی کے ہاتھ میں تھی صوفی مشرب ملحدوں کی پیروی میں تصوف کو بدنام کر کے کفر و اسلام کو توام بھائی کہتا تھا۔ اور اس باب میں بڑے آب و تاب سے رسالے تالیف کیے تھے اور برہمنوں اور گسائیوں کے ساتھ یگانگت اور دوستی کا دم بھرتا تھا۔۔۔۔الخ"

داراشکوہ خود رسالہ مجمع البحرین میں حمد و نعت و درود نا محدود کے بعد رسالہ مذکور کی تالیف کا سبب اور وجہ تسمیہ یوں بیان کرتا ہے:

"امابعد میگوید فقیر بے حزن واندوہ محمد داراشکوہ کہ بعد از دریافت حقیقت الحقائق و تحقیق رموز و دقائق مذہب برحق صوفیہ و فائز گشتن بایں عطیہ عظمیٰ درصدد آں شد کہ درک کند مشرب موحدان ہند۔ و بابعض از محققان ایں قوم و کاملان ایشاں کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک فہمیدگی و غایت تصوف و خدایابی رسیدہ بودند مکرر صحبت ہا داشتہ و گفتگو نمودہ جز اختلاف لفظی در دریافت و شناخت حق تفاوتے ندید۔ ازیں جہت سخنان فریقین را باہم تطبیق دادہ و چوں مجموعہ حقائق و معارف دو طائفہ حق شناس بود لہذا بہ مجمع البحرین موسوم گردانید۔"(۱۹)

یعنی

اب یہ فقیر بے حزن واندوہ محمد داراشکوہ کہتا ہے کہ مذہب برحق صوفیہ کی حقیقتوں کی حقیقت پالینے اور اس کے رموز اور باریکیوں کی چھان بین کر لینے کے بعد اور اس بہت بڑے عطیے سے کامیاب ہو کر اس کوشش میں مصروف ہوا کہ ہندوستان کے موحدوں کا

مشرب معلوم کرے۔ اس قوم کے بعض محقق اور باکمال اشخاص کے ساتھ بارہا گفتگو کیں اور ان سے باتیں ہوئیں اور سچائی کی دریافت اور پہچان میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی فرق نہ دیکھا۔ اس لیے فریقین کی باتوں میں باہم مطابقت پیدا کی اور بعض باتیں جن کا جاننا طالبان حق کے لیے ضروری اور مفید ہے فراہم کر کے رسالہ مرتب کیا اور چونکہ یہ دو حق شناس گروہوں کے حقائق و معارف کا مجموعہ ہے اس کا نام مجمع البحرین رکھا۔"

اس کے بعد اسلام اور ہندو دھرم کو (معاذ اللہ) ایک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنکھت (اپنشد) کا جو ترجمہ کیا ہے [۲۰] اس میں سورۃ الواقعہ کی آیات کریمہ ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰ کے متعلق کہتا ہے کہ ان آیات کی رو سے قرآن کریم اصل میں (معاذ اللہ) اپنکھت (اپنشد) ہی ہے:

"ازیں خلاصہ قدیم کہ بے شک و شبہ اولین کتب سماوی و سرچشمہ توحید است وقدیم است کہ (انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون تنزیل من رب العلمین) یعنی قرآن کریم در کتاب است کہ کتاب پنہان است او را تلاوت نمی کند مگر وے کہ مطہر و نازل شدہ از پروردگار عالم مشخص و معلوم میشود کہ ایں آیت در حق زبور و تورات و انجیل نیست چوں اپنکھت سر پوشیدنی است اصل ایں کتاب است و آیت ہائے قرآن مجید بعینہ دراں یافتہ مے شود بطور تحقیق شدہ کہ کتاب مکنون ایں کتاب است قدیم۔"

یعنی:

"اس خلاصہ قدیم سے کہ بے شک و شبہ اولین آسمانی کتابوں پر مشتمل ہے اور سرچشمہ توحید اور قدیم ہے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ آیات انہ لقرآن کریم الخ یعنی قرآن کریم ایک پوشیدہ کتاب میں ہے اور اسے نہیں پڑھتے مگر پاک لوگ اور پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ زبور، تورات اور انجیل کے حق میں نہیں چونکہ اپنشد جو ایک پوشیدہ راز ہے اس کتاب کی اصل ہے اور آیات قرآن مجید بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کتاب مکنون سے مراد یہ کتاب قدیم ہے۔ [۲۱]"

یہ تھا شاہ جہان کے بعد مغل تخت و تاج کا وارث جس کے ساتھ شاہ جہان کو بے

اسے ... اپنی زندگی ہی میں حکومت کے اختیارات
اپ تھی جسے وہ اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ بلکہ اپنی زندگی ہی میں حکومت کے اختیارات اسے
سونپ دینے پر رضامند ہو گیا تھا۔ اسے شکست دے کر اور قتل کر کے اورنگزیب نے مسلمانوں کو اس
کے شر سے محفوظ کیا۔ دارا کو بادشاہ بنانے کے لیے شاہ جہان کی کوششوں کو ناکام بنانے میں
اورنگزیب بالکل حق بجانب تھا۔ اور اس سلسلہ میں جو اقدامات اس نے کیے وہ ناگزیر تھے۔ اور ان
کے لیے اسے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ داراشکوہ کے قتل کے متعلق مجمع البحرین کے ایڈیٹرو
مترجم مولوی محفوظ الحق صاحب لکھتے ہیں کہ داراشکوہ پر الزام بہت کمزور تھا۔ اور ہر شخص اپنے سیاسی
حریفوں کو اپنی راہ سے دور کرنے کے لیے اسلام کا محافظ بن سکتا ہے۔ مولوی صاحب کا خیال ہے
کہ دارا اسلام کو ترک کر کے ہندو نہیں ہو گیا تھا اور کہ وہ مجمع البحرین کی تمہید حمد و نعت اور درود سے
شروع کرتا ہے۔ یہ کتاب اور اس کا مضمون کفر و ایمان کے متعلق مفصل بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا۔
البتہ اس قدر عرض کیا جاتا ہے کہ ایک شخص واضح الفاظ میں توحید و رسالت سے انکار کیے بغیر بھی
ایسے عقائد رکھنے کی وجہ سے جو اصول اسلام کے منافی و مخالف ہوں خارج از اسلام ہو سکتا
ہے۔ (۲۲) بہتر ہوتا اگر مولوی صاحب اورنگزیب کی محافظت اسلام کی تضحیک و تحقیر کرنے سے
پہلے داراشکوہ کے پیرو مرشد ملا شاہ کشمیری (۲۳) کی رائے ملاحظہ فرما لیتے۔ ملا شاہ نے داراشکوہ کی
آخری شکست کے بعد اورنگزیب کے جلوس (جلوس ثانی) کے موقع پر مندرجہ ذیل تاریخ کہی تھی:

گلِ دل من چوں گل خورشید شگفت	کآمد حق و غبار باطل رفت
تاریخ جلوس شاہ حق آگاہ را	"ظل الحق" گفت الحق ایں حق گفت (۲۴)

۱۰۶۹ھ

اس رباعی سے مذہبی اعتبار سے داراشکوہ اور اورنگزیب کی باہمی پوزیشن پوری طرح
واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر داراشکوہ کی مذہبی حالت خراب اور قابل
اعتراض تھی تو ملا شاہ اسے اپنے حلقہ مریدی میں ہی کیوں شامل کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
مجمع البحرین اور سر اکبر (ترجمہ اپنشد) داراشکوہ کی آخری تالیفات ہیں اور انہی کتابوں میں اس
کے عقائد فاسدہ و باطلہ کا اظہار ہوا ہے۔ اول الذکر کتاب اس نے ۱۰۶۵ھ (1654-55ء)
اور موخر الذکر کتاب ۱۰۶۷ھ (1656-57ء) میں لکھی۔ داراشکوہ کے عقائد ابتدا سے خراب نہ
تھے جب ان میں فساد واقع ہوا اور ملا شاہ نے ان پر آگاہی پائی تو وہ دارا سے بیزار ہو گئے۔
اگر بحث کی خاطر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہم داراشکوہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہہ
سکتے ہیں کہ اس کے خیالات و معتقدات میں فساد اور خرابی واقع ہو گئی تھی اور اس کے متعلق صریح

ارتکاب کفر کا حکم نہیں لگا سکتے تو بھی داراشکوہ کا بادشاہ ہو جانا سراسر اسلامی مفاد کے منافی و خطر
تھا۔ ایک عام شخص میں اس قسم کے خیالات برداشت بھی کر لیے جاتے ہیں مگر تخت و تاج
دعویدار میں انہیں کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کو زندہ چھوڑ دینا مادہ فساد
برقرار و قائم رکھنا تھا۔

رہا شجاع کا معاملہ تو اورنگزیب نے بہ تعاون مراد بخش دھرمت میں مہاراجہ جسونت سنگھ
اور سموگڑھ میں داراشکوہ کو شکست دے کر تخت و تاج پر قبضہ کیا تھا۔ شجاع اس سے پہلے سلیمان شکوہ
اور مرزا راجہ جے سنگھ کے ماتحت بھیجی ہوئی داراشکوہ کی فوج سے شکست کھا چکا تھا۔ اس کے بعد
شجاع ہی نے اورنگزیب کے خلاف پہل کی اور شکست کھائی۔

اورنگزیب اور مراد بخش کا معاملہ ذرا مشکل ہے۔ ہم شروع سے آخر تک جب
اورنگزیب اور مراد بخش کے تعلقات، مراد بخش کے اخلاص، جان نثاری و فدا کاری کو پیش نظر رکھتے
ہیں تو باوجود اس کی غلطیوں کے بھی جو درباری مورخوں نے اس کی طرف منسوب کی ہیں اور باوجود
قید خانہ سے اس کے بھاگ نکلنے کی کوشش کے لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ بہت سختی
کی گئی۔ مراد کا قید خانہ سے بھاگ نکلنا اورنگزیب کے لیے خطرہ سے خالی نہ ہوتا مگر آخر مراد کے قید
ہونے کی نوبت کیوں آئی؟ اس نے کیوں اورنگزیب سے عہد شکنی اور سرکشی اختیار کی؟ کیا اس نے
آثار سرکشی و مخالفت کے ظہور کے بعد اورنگزیب کے لیے یہی چارہ کار رہ گیا تھا جو اس نے اختیار
کیا۔ ہم مرزا محمد کاظم کے اس بیان کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے کہ اورنگزیب جیسا کہ وہ ظاہر
کر رہا تھا (اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو بھی یہی پیغام بھیجا تھا) درحقیقت باپ کی عیادت اور ملازمت
اختیار کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اور نہ ہی یہ بات قابل قبول ہے کہ مراد بخش اور اورنگزیب کے باہم
صرف اس لیے ہو لیا تھا کہ اورنگزیب باپ سے مراد بخش کی خودسری اور مطلق العنانی کو جو اس نے
باپ کی بیماری کی خبر سن کر اختیار کی تھی معاف کرا دے۔ داراشکوہ فی الواقع حکومت پر قابض و
متصرف ہو چکا تھا۔ اور اورنگزیب اس سے نپٹنے جا رہا تھا۔ مراد کے سامنے بھی یہی مقصد تھا اور اس
کے حصول کے لیے اس نے اورنگزیب کا ساتھ دیا۔ خافی خان کا بیان جس کا مفہوم ہم بیان کر چکے
ہیں خالی از مبالغہ نہیں مگر یہ بھی ماننے کی بات نہیں کہ مراد بخش نے جو کچھ کیا وہ اورنگزیب کے
باپ سے اپنی تقصیرات معاف کرانے اور اورنگزیب کو بلا شرکت غیرے ہندوستان کا بادشاہ بنانے
کے لیے کیا۔ اگر ہم عاقل خان کی شہادت سے قطع نظر بھی کر لیں تو تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر

مرزا محمد کاظم اور خافی خان کے مختلف بیانوں سے بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دونوں بھائیوں
کے درمیان تقسیم مملکت کا معاہدہ ہوا تھا۔ خوشحال خان نے بھی اپنی ایک نظم میں (جو واقعات زیر
بحث کے سات سال بعد رتھمبور میں اورنگزیب کی قید میں لکھی) اورنگزیب اور مراد بخش کے
درمیان حلفیہ عہد و پیمان کا ذکر کیا ہے۔ (۲۵) اس سلسلہ میں قارئین کرام مراد بخش کے ان الفاظ کو
بھی یاد رکھیں گے جو اس نے ملا محمد صالح کے بیان کے مطابق قتل کیے جانے سے قبل قاضی کے
روبرو کہے تھے۔

عاقل خان مراد بخش کی گرفتاری کے سبب کے بارہ میں مرزا محمد کاظم کا ہم نوا ہے اور لکھتا
ہے کہ مراد بخش نے بعض لوگوں کے بہکانے سے اورنگزیب سے پہلو تہی اختیار کر کے اپنی رکاب
میں بیس ہزار فوج جمع کر لی اور اورنگزیب کی فوج کے اکثر آدمی بھی اس کی فوج میں شامل ہونے
لگے۔ اسی مورخ کے بیان کے مطابق جب اورنگزیب نے مراد بخش کی طرف سے مخالفت کے
آثار دیکھے تو اس کے پاس بیس لاکھ روپے بھیج کر اسے لکھا کہ فی الحال اس رقم سے اپنے اور اپنی
فوج کے اخراجات کو پورا کرے اور جب داراشکوہ کا قضیہ بالکل ختم ہو جائے گا تو اس کے بعد مراد
بخش کو پنجاب، کابل اور کشمیر کے صوبے دے دیے جائیں گے۔ مراد بخش کی اس طرح تسلی و تشفی
کر کے اورنگزیب اس کا خاتمہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا اور آخرکار اس کے بعض آدمیوں کو بھی
ساتھ ملا کر بڑی چالاکی اور فریب سے اسے گرفتار کر لیا۔ مرزا محمد کاظم، عاقل خان اور خافی خان
سب کے بیانات سے پایا جاتا ہے کہ جب مراد بخش کی گرفتاری عمل میں آئی تو ان دنوں مراد بخش
اور اورنگزیب کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم تھے۔ اور مراد بخش کے دل میں اورنگزیب کے
متعلق کوئی بے اعتباری یا اس سے کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ خافی خان کے بیان کے
مطابق مراد بخش کے ہوا خواہ اسے اورنگزیب کے پاس جانے سے روکتے بھی تھے۔ مگر مراد بخش ان
کے مشورہ کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اگر ان دنوں مراد بخش اورنگزیب کے خلاف کسی اقدام کی فکر میں ہوتا
یا اس کے دل میں مخالفت کا ذرا برابر بھی خیال ہوتا تو اگر کوئی اسے کہتا یا نہ وہ اورنگزیب پر خواہ کتنا
ہی سادہ لوح کیوں نہ ہوتا کبھی اعتبار نہ کرتا۔ نواب شاہنواز خان مراد کی اورنگزیب سے ناراضگی
کے بعد اورنگزیب کا مراد بخش کے پاس بیس لاکھ روپے بھیج کر اور یہ وعدہ کرنے کا کہ مہم داراشکوہ
کے انصرام کے بعد ولایت پنجاب و کابل و کشمیر مراد کو دے دیے جائیں گے۔ ذکر کر کے لکھتا ہے
کہ بعد ازاں اورنگزیب نے جس کی نیت بدلی ہوئی تھی مراد بخش کو معاملات ملکی میں مشورہ کے لیے

بلایا اور جب خیراندیشوں نے سادہ لوح مراد بخش کو اورنگزیب سے ہوشیار رہنے کے لیے کہا تو
بخش نے کہا:

"باوصف عہد و پیمان موکد بقرآن مظنہ بخاطر راہ دادن از طریقہ مسلمانی دور است"(۲۶)

یعنی: باوجود قرآن پر موکد عہد و پیمان کے اس قسم کے شکوک کو دل میں لانا طریقہ مسلمانی سے دور ہے۔

ان الفاظ سے بخوبی مراد بخش کی نیک نیتی اور صاف دلی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جنرل ایس۔ ایم جعفر صاحب محمد معصوم مصنف تاریخ شاہ شجاعی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شاہ جہان نے مراد بخش کو ایک خط میں لکھا تھا کہ میں نے تمام ہندوستان کی بادشاہت تمہیں عطا کر دی ہے۔ میں تمہیں بہت محتاط اور صابر رہنے کی ہدایت کرتا ہوں کہ یہ راز افشانہ ہونے پائے۔ چند دنوں بعد اورنگزیب اور اس کے بیٹے کو دعوت پر بلا کر ان کا کام تمام کر ڈالو۔ محمد معصوم کے بیان کے مطابق خط معتمد نوکر کے ذریعہ مراد بخش کے پاس بھیجا گیا تھا مگر مراد نے سہواً اسے کتاب میں رکھ چھوڑا۔ سوئے اتفاق سے یہ خط اس کے نوکروں میں سے کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے اسے اورنگزیب کو دے دیا۔ اور اورنگزیب نے مراد کے ساتھ وہی کچھ کیا جو شاہ جہان کے ایما پر اورنگزیب اور اس کے بیٹے کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔(۲۷) یہ قصہ اتنا غیر اغلب ہے کہ اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ مراد کو ان ہدایات کے ساتھ خط کا ملنا جن میں اسے وہ طرز عمل دکھایا گیا تھا جو اورنگزیب نے اس کے خلاف بعد میں اختیار کیا اس خط کا کتاب میں رہ جانا اور مراد کے ملازم کا اسے اورنگزیب کے حوالے کر دینا وغیرہ سب افسانہ سازی سے کم و بیش نہیں۔ پھر مراد اتنا ماؤف الدماغ تو نہ تھا کہ جب اورنگزیب نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کے ہوا خواہ اسے منع بھی کر رہے تھے تو اسے خیال بھی نہ آیا کہ اسے شاہ جہان نے اورنگزیب کے خلاف ایک خط لکھا تھا اور وہ اس سے گم ہو گیا ہے اور اس سے پہلے ہم دونوں (مراد بخش اور اورنگزیب) کے درمیان رنجش بھی گزر چکی ہے۔ اس قصہ کا غیر اغلب ہونا ہی اس کے خلاف سب سے بڑی دلیل ہے۔

علاوہ بریں اگر اورنگزیب کے پاس مراد کے خلاف اقدام کرنے کے لیے اس قدر زبردست وجہ جواز موجود تھی تو کیوں نہ مرزا محمد کاظم نے اور اس کے بعد مستعد خان نے اس کا ذکر کیا۔ مرزا محمد کاظم کی کتاب شہنشاہ کے چشم و گوش کے لیے لکھی جاتی تھی اور وہ اسے ملاحظہ کرتا تھا۔

مستعد خان کے پاس بھی اورنگزیب کے حق میں اور اس کے خلاف تمام مواد موجود تھا۔ مستعد خان نے اپنی کتاب اورنگزیب کی وفات کے بعد لکھی اور اورنگزیب پر جتنے الزامات عائد ہو سکتے تھے ان کے جواب کے لیے اسے تیار ہونا چاہیے تھا اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہوتو دونوں سرکاری مؤرخوں کا اس کا نظر انداز کرنا تعجب خیز ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرکاری مؤرخوں نے اسے ایسے ہی حذف کر دیا ہے۔ جیسے انہوں نے شاہ جہان کی اور سازشوں کو بھی حذف کیا ہے۔ کہ اس قصے کو بیان کرنے سے شاہ جہان پر بھی حرف آتا تھا۔ مگر اتنا تو بیان کیا جا سکتا تھا کہ مراد اورنگزیب اور اس کے قتل کے درپے تھا اس کے لیے شاہ جہان کے نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔

آخر میں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ تاریخ شاہ شجاعی کے مصنف نے اورنگزیب کے حق میں اس قسم کا قصہ کیوں گھڑا؟ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس قصے کی اصل کیا ہے لیکن اگر یہ قصہ تاریخ شاہ شجاعی کے مصنف ہی نے گھڑا ہو تو بحیثیت شاہ شجاع کے مخالف ہونے کے اورنگزیب اور مراد بخش اس کے لیے یکساں تھے۔ اور بحیثیت بادشاہ اورنگزیب، شجاع اور مراد بخش دونوں سے زیادہ تھا۔ اور اس سے محمد معصوم کو کچھ توقعات ہو سکتی تھیں۔ جیسا کہ سب مؤرخوں کا اتفاق ہے اور معروضات بالا سے بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اورنگزیب نے مراد بخش کو بہ حیلہ وفن یا مکر وفریب سے یا دوسرے الفاظ میں بہ تدبیر گرفتار کیا۔ علاوہ اس طریقہ کے مذموم ہونے کے جو اورنگزیب نے مراد بخش کو گرفتار کرنے کے لیے اختیار کیا ہمیں سوائے محمد معصوم کے بیان کے اس سلوک کے لیے جو مراد بخش کے ساتھ کیا گیا کافی وجہ جواز نظر نہیں آتی۔ اگر ایسی کوئی وجہ ہوتی تو طریقہ کار جو حصول مقصد کے لیے اختیار کیا گیا تھا کی برائی میں کمی آجاتی۔ مراد بخش کے علاوہ سلیمان شکوہ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اور جس طرح افیون کا عرق پلا پلا کر اس کا خاتمہ کیا گیا اس کی مذمت کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔

مولانا شبلی نعمانی مرحوم بھی اگرچہ مراد بخش کو گرفتار کرنے کے لیے تو اورنگزیب کو مورد الزام نہیں گردانتے مگر جس طریقہ سے اورنگزیب نے مراد بخش کو گرفتار کیا اس طریقہ کو قابل اعتراض اور مذموم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "انصاف یہ ہے کہ عاقل خان کے بیان کے موافق جس طرح مراد بخش کو گرفتار کیا گیا یعنی عالمگیر نے اس کو درد شکم کے بہانے سے بلایا اور گرفتار کرنے کے لیے جب وہ خواب گاہ راحت میں گیا تو ایک لونڈی بھیج کر اس کے ہتھیار منگوا لیے اور شہباز خواجہ سرا وغیرہ کو بھیج کر اس کو گرفتار کرا لیا۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو پولیٹیکل قانون کی رو سے گو

کی خونریزیوں اور عالمگیر اگر لیکن ہوتا خون کا ہزاروں میں کرنے جنگ علانیہ سے مراد گو اور ہو جائز کی روش مردانہ کی اس ہم تو پاتا قابو سے شمشیر نہیں سے تدبیر پر مراد اور کرتا گوارا بھی کو اس طرح جس سے عباسی منصور خلیفہ وہ کہ کیا نہیں دعویٰ یہ بھی نے عالمگیر کہ ہے یہ سچ لیکن ۔ دیتے داد زیادہ مستحق کا مدح زیادہ تھا دیا کرا قتل کر بلا سے دھوکے کو عباسیہ دولت بانی اصفہانی مسلم ابو نے ہے۔ (۲۸)

فی الواقع اورنگزیب نے خلیفہ منصور عباسی سے زیادہ قابل ستائش ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی ہم اسے معصوم خیال کرتے ہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اتنا برا نہیں جتنا وہ اس روپ میں نظر آتا ہے جس میں اس کے مخالفین اسے پیش کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ ایک اچھی اور اونچی شخصیت کا مالک نظر آتا ہے۔ اگر اس کے دامن پر بھائیوں اور بھتیجے کے خون کے چھینٹے نظر آتے ہیں تو اس قسم کے جرائم سے شاہ جہان کا نامۂ اعمال بھی سیاہ ہے۔ اگر اورنگزیب نے باپ کے حین حیات میں اس سے سرکشی کر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تو اس قسم کے اقدامات سے شاہ جہان اور جہانگیر بھی بری الذمہ نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ ناکام ہوئے اور ان کی کئی مثالیں تاریخ میں ملیں گی۔ اگر اورنگزیب سے انصاف کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ اسے تمام بادشاہان مغلیہ پر فوقیت اور اسلامی تاریخ ہند میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

خوشحال خان اور جنگ تخت نشینی: جنگ تخت نشینی کے دوران میں متذکرہ بالا لڑائیوں میں خوشحال خان نے کسی فریق کی طرف سے شرکت نہیں کی۔ البتہ وہ بالکل غیر جانبدار بھی نہیں رہا۔ اور افضل خان ہمیں واضح طور سے بتاتا ہے کہ جو تھوڑا بہت حصہ خوشحال خان نے اس جنگ میں لیا وہ دارا شکوہ کے خلاف اور اورنگزیب کے حق میں تھا جب سموگڑھ میں دارا شکوہ نے اورنگزیب اور مراد بخش سے شکست کھائی تھی تو وہ پنجاب کی طرف بھاگا تھا۔ لاہور پہنچ کر اس نے یہ ارادہ کیا کہ صوبہ کابل کا رخ کرے چنانچہ لاہور سے ایک سوار بمع اپنے نشان کے خوشحال خان کے پاس بھیجا۔ کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تمہارے علاقے میں آجاؤں خوشحال خان جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ بادشاہزادہ دارا شکوہ سے اس وجہ سے ناراض تھا کہ بادشاہزادہ مذکور خوشحال خان کے حریف مقابل بہادر خان کی طرفداری کیا کرتا تھا۔ اور اس کو خوش کرنے کے لئے شہنشاہ شاہجہان سے کہہ کر دارا شکوہ نے خوشحال خان کو علاقہ یوسف زئی سے جو شاہجہان نے اسے بطور جاگیر و انعام دے رکھا تھا محروم کر ڈالا تھا (۲۹) اس لئے جب دارا شکوہ کا آدمی خوشحال خان کے پاس آیا۔

خوشحال خان نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اس طرف کا رخ نہ کرنا کیونکہ اس علاقہ کے زمیندار تمہارے مخالف ہیں۔ ادھر داراشکوہ کی صلاح و مشورہ سے بہاکو خان نے اٹک پہنچ کر دریائے سندھ کے کنارے پر موجود ساری کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اٹک میں مقیم ہو کر داراشکوہ کا انتظار کرنے لگا۔ خوشحال خان نے اپنے چچا فیروز خان کو داراشکوہ کے حامی بہاکو خان کے ساتھ نپٹنے کے لئے بھیجا۔ فریقین میں جو مقابلہ ہوا اس میں اورنگزیب کے حامیوں کو کامیابی ہوئی۔ بہاکو خان خود زخمی ہوا اور اس کا بھائی سید خان مارا گیا۔ بہاکو خان نے موقع پا کر چند آدمیوں سمیت اپنے علاقہ کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ (۳۰)

یوسف زئیوں سے مقابلہ: ان واقعات کے کچھ عرصہ بعد امازئیوں اور کمال زئیوں کے ساتھ خوشحال خان کی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں یوسف زئیوں نے شکست کھائی اور ان کے تین سو آدمی مارے گئے۔ جن میں بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ ملک جانم امازئی مارا گیا اور ملک پیرو کمال زئی گرفتار ہوا۔ اٹک میں مقتولین کا کلہ منار بنایا گیا۔ (۳۱)

مہم تیراہ: سال ۱۰۷۰ھ (1659ء) میں بعض آفریدیوں اور اورکزئیوں نے تیراہ میں شورش اور بدامنی برپا کی۔ اس وقت تک مہابت خان مرزا لہراسپ ولد مہابت خان زمانہ بیگ (۳۲) ہی صوبہ دار کابل چلا آ رہا تھا۔ جو عہد شاہجہانی کے آواخر میں صوبہ دار کابل مقرر ہوا تھا۔ پشاور کے دیوان میر یعقوب کو (۳۳) ایک مغل فوج کی کمان دے کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے تیراہ بھیجا گیا۔ میر یعقوب نے جس کے ساتھ خوشحال خان کے دوستانہ تعلقات تھے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ چنانچہ خوشحال خان بھی بادشاہی فوج کے ساتھ ہو لیا۔ بادشاہی فوج کو باغیوں کے خلاف کامیابی ہوئی۔ خوشحال خان رجب ۱۰۷۰ھ (اوائل 1660ء) (۳۴) میں تیراہ سے کوہاٹ کے راستے واپس ہوا۔ یہاں بنگش سردار شیر محمد خان کوہاٹی کی والدہ بی بی دور نے جو بیٹے کی عدم موجودگی میں قبیلہ کی سرداری کے فرائض انجام دے رہی تھی خوشحال خان کی دعوت کی۔ شیر محمد خان ان دنوں مہابت خان کی ذاتی مخالفت یا حکومت سے سرکشی کی وجہ سے معتوب اور ہندوستان میں تھا۔ (۳۵)

یوسف زئیوں سے لڑائیاں: عہد عالمگیری کے ابتدائی دور میں یوسف زئیوں نے اپنی باغیانہ سرگرمیوں کو برابر جاری رکھا۔ جس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً طرفداران حکومت کے ساتھ ان کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ مہم تیراہ کے بعد ۱۰۷۰ھ میں خوشحال خان نے یوسف زئیوں کو شکست دی

اس کے بیٹے اشرف خان نے بھی پہلی بار باپ کے زیر کمان لڑائی میں شمولیت کی۔[۳۶] سعادت خان اور بہرام خان بھی باپ کے ساتھ تھے۔ کچھ تو دارا شکوہ کا پرانا طرفدار ہونے کی وجہ سے اور کچھ خوشحال خان سے اپنے زخمی ہونے اور بھائی سید خان کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بہا کو خان نے ۱۰۷۲ھ (۲۷ اگست ۱۶۶۱ء تا ۱۵ اگست ۱۶۶۲ء) میں مندڑوں اور اکوزئیوں کا ایک بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا۔ اور لٹھوں کے بہت سے بیڑے تیار کئے۔ اس کا ارادہ تھا کہ ان بیڑوں میں بیٹھ کر خیر آباد، نوشہرہ اور نرخی وغیرہ قصبوں اور ملحقہ علاقہ پر حملہ آور ہو کر انہیں نقصان پہنچائے گا۔ ایک مدت تک یوسف زئیوں اور خٹکوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار بہا کو خان شکست کھا کر ناکام واپس ہوا۔[۳۷]

ایک حادثہ: ان دنوں شہنشاہ اورنگزیب کا ایک داروغہ جس کا نام محمد حسین تھا۔ قلعہ اٹک میں آیا ہوا تھا۔ خوشحال خان اسے یوسف زئیوں کے ساتھ اپنی لڑائیوں اور ان پر فتوحات حاصل کرنے کی اطلاع دینے کے لئے کشتی میں سوار ہو کر دریائی راستے سے اٹک روانہ ہوا۔ اس کے بیٹے سعادت خان اور بہرام خان بھی اس کے ساتھ تھے۔ عقرب کی تحویل تھی (ماہ آبان ۲۳ اکتوبر۔ ۲۲ نومبر) اور دریا کا پانی بہت زیادہ ٹھنڈا تھا۔ خیر آباد کے قریب کشتی ایک بڑے پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ خوشحال خان دو تین آدمیوں سمیت ایک تختہ پر رہ گیا۔ اس کے بیٹوں سعادت خان اور بہرام خان کو پانی کا بہاؤ اٹک کی طرف لے چلا اور وہ صحیح و سالم اٹک پہنچ گئے۔ خوشحال خان جس تختہ پر رہ گیا تھا۔ وہ پتھروں کے درمیان پھنس گیا۔ اور خوشحال خان کا سردی سے برا حال ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پانی میں گرنے سے بچایا۔ لٹھوں کا ایک بیڑا ادھر آ نکلا۔ جس میں بیٹھ کر وہ کنارے پر پہنچا۔ افضل خان اس واقعہ کے متعلق خوشحال خان کے اپنے الفاظ میں اس کے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ خان علیین مکان کہتا تھا کہ "جب کشتی ٹوٹی تو میں مبہوت ہو گیا۔ گویا ڈوب کر مر گیا۔ پھر احساس ہوا کہ تختہ پر رہ گیا ہوں اور زندہ ہوں، سردی سے کانپ رہا تھا اور ہاتھ پاؤں ست پڑ رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا کہ شاید سارے ڈوب گئے ہیں۔ تختے سے جدا ہو کر موجوں کی لپیٹ میں آیا ہی چاہتا تھا کہ ایک الستی قوت میرے دل میں جاگزین ہوئی۔ اور میرے حواس ٹھکانے ہوئے۔ تختہ پر کھڑا رہا اور اپنے ساتھیوں کی (جو اس تختہ پر رہ گئے تھے) ڈھارس بندھانے لگا تختے کو موجیں گھما رہی تھیں۔ اور یہی گمان ہوتا تھا کہ ابھی موجیں اسے لے چلیں گی۔ حکمت الٰہی دیکھو کہ جونہی میں لٹھوں کے بیڑے میں بیٹھا وہ تختہ بھی

چلدیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ کیا ہی حکیم ہے اور کیسے کام کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کو میرا زندہ رہنا منظور تھا۔ سو اس طوفان سے مجھے بچایا۔ اس وقت میری عمر پورے پچاس سال کی تھی۔ باپ، دادا اور پردادا اسی عمر میں شہید ہو کر خونیں کفن پہنے قبر گئے تھے۔ پچاس پچاس سال کی عمر میں شہید ہوئے میرے دل میں بھی خیال گھوم رہا تھا۔ کہ پچاس سال کا ہو چکا ہوں یہ شہادت کا وقت ہے (حق تعالیٰ نے موت کو ٹال دیا اور مجھے بچالیا۔ (۳۸)

باغیوں سے مقابلے: سال ۱۰۷۳ھ (۱۶ اگست ۱۶۶۲ء تا ۴ اگست ۱۶۶۳ء) میں بھی سرکش یوسف زئیوں اور ان کے حلیف گوجروں سے مقابلے ہوئے جن میں خٹکوں کا پلہ بھاری رہا۔ (۳۹)

ان لڑائیوں کے علاوہ جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور بھی چند چھوٹی موٹی لڑائیاں یوسف زئیوں سے ہوئیں۔ ان تمام لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ طرفدارانِ حکومت نے باغیوں کو مغلوب کر کے کامیابی حاصل کی۔ اور اس طرح پایۂ تخت سے کافی دور صوبہ کابل کے ایک پر آشوب علاقہ میں نئی حکومت کو وقار و استقلال حاصل ہوا۔

جنگ تخت نشینی پر خوشحال خان کی رائے زمانہ جنگ تخت نشینی کے دوران خوشحال خان نے تھوڑا بہت حصہ لیا اور مابعد کے واقعات کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ باپ اور بھائیوں کیساتھ اورنگزیب کے سلوک کے متعلق خوشحال خان کی مخالفانہ تنقید زیادہ تر ذاتی عناد کی بنا پر ہے۔ جو اس کے اور شہنشاہ کے درمیان بعد میں پیدا ہوا اور جس کا ذکر صفحات آئندہ میں کیا جائے گا۔ نیز خوشحال خان نے اورنگزیب کی جو ہجو کی ہے اس پر بھی ہم حصہ دوم میں بحث کریں گے۔

حواشی

۱۔ ع۔ ن ص ص ۳۴، ۳۵۔ م۔ ع ص ص ۲، ۳۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ص ۴۔ ۷

۲۔ ع۔ ن ص ۱۳۶۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ص ۹، ۱۰۔ اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر ص ۸۲ نیز ت۔ م (ق)

۳۔ ع۔ ن ص ص ۵۹۔ ۲۔ ۷۔ م۔ ع ص ص ۳، ۴۔ م۔ ل ص ص ۱۳۔ ۱۸

۴۔ ع۔ ن ص ص ۸۷۔ ۱۰۰۔ م۔ ع ص ۴۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ص ۲۰۔ ۲۹ ع۔ ن اور م۔ ع محاربہ کا دن سات رمضان ہے۔ خافی خان نے ۶ رمضان کے بعد دو دن کے وقفے سے یعنی ۸

م۔ل حصہ ۲ ص ص ۲۲۔۲۴
رمضان کو لڑائی شروع ہونا لکھا ہے۔ م۔ل
م۔ع ص ۵

۵۔ ع۔ن ص ص ۱۱۲۔۱۱۸۔ م۔ع ص ۵
۶۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر میں ملاحظہ ہو۔ ص ص ۶۹۔۷۰
جس کی تائید۔ م(ق) سے بھی ہوتی ہے۔
۷۔ ع۔ن ص ص ۱۳۲۔۱۳۸۔ م۔ع ص ۶ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۳۷،۳۸ ع۔ن اور
م۔ل میں تاریخ گرفتاری ۶ شوال اور م۔ع میں ۲ شوال تاریخ دی ہے۔
۸۔ ع۔ن ص ص ۱۵۲،۱۵۳۔ م۔ع ص ص ۵،۶۔ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۳۹،۴۰
۹۔ ع۔ن ص ص ۲۲۳۔۲۲۵۔ م۔ع ص ص ۹،۱۰۔ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۴۷۔۵۸
۱۰۔ ع۔ن ص ص ۳۱۴،۳۱۵۔ م۔ع ص ص ۱۳،۱۴۔ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۶۶۔۷۲
۱۱۔ ع۔ن ص ص ۳۵۱۔۳۶۱۔ م۔ع ص ص ۱۵،۱۶۔ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۷۶۔۷۸ نیز
ع۔ن ص ص ۳۱۲۔۳۱۳۔ م۔ع ص ۲۳۔ اردو ترجمہ۔ ع میں تاریخ جلوس ثانی ۲۴ رمضان ہے مگر
ع۔ن اور م۔ل میں ۲۴ رمضان ہے۔ انگریزی ترجمہ م۔ع میں بھی تاریخ ۲۴ رمضان ہے۔
۱۲۔ ع۔ن ص ص ۴۰۸،۴۳۲۔ م۔ع ص ۱۸۔ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۸۳۔۸۷ بخلاف
ع۔ن تاریخ قتل دارا شکوہ م۔ل میں آخر ذی الحجہ ہے جس سے مراد اواخر ہوں عمل صالح جلد ۲
میں ۲۲ ذی الحجہ ہے۔ ص ۳۴۲۔ سیر المتاخرین جلد ۱ میں پہلے ص ۳۳۳۔ تاریخ قتل حسب ع۔ن
۲۱ ذی الحجہ ہے۔ بعد میں دوسری جگہ (ص ۳۴۰)۔ اواخر ذی الحجہ ہے۔
۱۳۔ عمل صالح جلد ۳ ص ص ۳۴۴،۳۴۵ سال قتل بجائے ہزار ہفتاد و دو۔ ہزار و ہفتاد درج
ہے کتابت کی غلطی سے "دو" ہفتاد کے بعد لکھے جانے سے رہ گیا۔
۱۴۔ ایضاً یہاں سال صحیح ہے۔
۱۵۔ ہسٹری آف انڈیا ص ۵۱۹
۱۶۔ ایضاً ص ۵۱۷
۱۷۔ ایضاً ۵۲۲
۱۸۔ م۔ل حصہ ۲ ص ۴
۱۹۔ مجمع البحرین ص ۸۰ (ص ۴ فارسی متن) نیز ملاحظہ ہو سیر المتاخرین ص ص ۳۳۹،۳۴۰
۲۰۔ یہ اپنشد کے پچاس ابواب کا ترجمہ ہے اور اس کا نام دارا شکوہ نے سر اکبر رکھا تھا۔

ملاحظہ ہو مقدمہ مجمع البحرین ص ۱۲
اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر ص ۵۰۔ مقدمہ مجمع البحرین ص ۱۳۔ مجمع البحرین کے ایڈیٹر

۲۱۔ اور مترجم نے زیر غور عبارت میں چوں این نکتہ کے سر پوشیدنی است کے بعد "اصل این کتاب است" کا ترجمہ حذف کر لیا ہے۔

۲۲۔ علامہ اقبال دارا شکوہ کے متعلق کہتے ہیں۔ تخم الحادی کہ اکبر پرورید۔ باز اندر فطرت دارا دمید

۲۳۔ ملا شاہ کشمیری اور دارا شکوہ کے تعلق کے لیے ملاحظہ ہو مجمع البحرین ص ۱۲ ترجمہ دیباچہ اپنشد اس سے معلوم ہوگا کہ دارا شکوہ ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰۔۴۱ء) میں ملا شاہ کا مرید ہوا تھا وص ۱۰۲ (ص ۲۶ فارسی متن)

۲۴۔ ع۔ ن ص ص ۲۷۰، ۳۷۱۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ص ۷۸، ۷۹

۲۵۔ ملاحظہ ہو خافی خان حصہ ۲ اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر۔ کلیات ص ۱۰۷۶ دیوان حصہ ۲ ص ۲۵۷ نیز ت۔ م (ق)

۲۶۔ مآثر الامرا جلد ۱ ص ص ۲۹۶، ۲۹۷

۲۷۔ مغل ایمپائر ص ص ۲۶۴، ۲۶۵ حاشیے

۲۸۔ اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر

۲۹۔ یہاں افضل خان نے اسی سبب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے بتایا کہ آپ پڑھ چکے ہیں دارا شکوہ نے خوشحال خان کو محال تری و بولاق سے بھی محروم کیا تھا۔

۳۰۔ ت۔ م (ق)

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ مہابت خان مرزا لہراسپ کے متعلق میجر راورٹی نے این۔ اے (ص ۳۹۸) میں لکھا ہے کہ وہ علی مردان خان کا بیٹا تھا جسے بڑے مہابت خان کی وفات کے بعد یہی خطاب (مہابت خان) دیا گیا تھا۔ یہ فاضل مستشرق مذکور کی غلطی ہے۔ مہابت خان مرزا لہراسپ کے باپ کا نام علی مردان خان نہیں بلکہ اس کے باپ کا نام زمانہ بیگ المخاطب بہ مہابت خان خان خانان سپہ سالار تھا جو غیور بیگ کابلی کا بیٹا تھا۔ ملاحظہ ہو سوانح عمری مہابت خان۔ مرزا لہراسپ مآثر الامرا جلد ۳ ص ص ۵۹۰۔۵۹۵ اور سوانح عمری مہابت خان سپہ سالار خان خانان ایضاً ص ص

۳۸۵ـ۴۰۹

یا مریا قوت جیسا کہ این۔اے میں لکھا ہے۔

۳۳ـ ت ـ م (ق) تیراہ سے روانگی کی تاریخ اوائل رجب میں یا اس سے پہلے بھی فرض کی

۳۴ـ جا سکتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ''ورخ د پنج شنبه شپږم رجب المرجب چې سنه د هجرت زر اویا ورخ د نوروز وه واقع شهٔ خان علیین مکان د مهم د تیراه چې ذکر شهٔ په فیروزي راغلی وهٔ.'' الخ یعنی ''جمعرات کے دن ۶ رجب المرجب کو ۱۰۷۰ھ میں یوم نوروز کو (۲۱ مارچ) خان علیین مکان مہم تیراہ سے جس کا ذکر ہو چکا کامیابی کے ساتھ واپس آ گیا۔

۳۵ـ ت ـ م (ق) این۔اے ص ۳۹۸

۳۶ـ قبل ازیں خوشحال خان کے چچا بہادر خان کے ماتحت بنگشوں کے خلاف جنگ میں اشرف خان کے شامل ہونے کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔

۳۷ـ ت ـ م (ق)

۳۸ـ ت ـ م (ق) نیز این۔اے ص ۴۴۴

۳۹ـ ت ـ م (ق)

(۵)

قید و بند

گرفتاری اور اس کے اسباب: ششم جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۳ھ تا رمضان ۱۰۷۴ھ) میں وسط جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ (وسط جنوری ۱۶۶۴ء) میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو انجام کار ایک تباہ کن اور ہولناک آگ کی چنگاری ثابت ہوا۔

چہارم سال جلوس (رمضان ۱۰۷۱ھ تا رمضان ۱۰۷۲ھ) کے اواخر میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے مہابت خان مرزا لہراسپ کی جگہ شیخ میر خوافی [۱] کے چھوٹے بھائی سید میر خوافی الخاطب بہ امیر خان (جسے آئندہ ہم سید امیر خان خوافی لکھیں گے) کو کابل کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ ششم جلوس عالمگیری کے دوران (۱۰۷۴ھ) میں سید امیر خان خوافی نے شہنشاہ سے حسب الطلب [۲] مل کر عرض کیا کہ جب تک بعض زمینداروں کو گرفتار کر کے محبوس نہ کیا جائے ممانعت باج راہداری کے احکام کا نفاذ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس تیر کا نشانہ دراصل خوشحال خان تھا۔ شہنشاہ نے دوم سال جلوس (رمضان ۱۰۶۹ھ تا رمضان ۱۰۷۰ھ) میں غلہ و دیگر اجناس کا محصول راہداری ہمیشہ کے لیے معاف کر دیا تھا۔ اس عام بخشش سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔ اور مبلغ پچیس لاکھ روپیہ خالصہ شریفہ کی آمدنی میں کم ہو گئے تھے۔ یہ حکم زمینداروں اور جاگیرداروں کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتا تھا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ خوشحال خان کا خاندان ملک اکوڑے کے زمانہ سے اپنے علاقہ میں اموال و مواشی کی درآمد و برآمد پر محصول وصول کیا کرتا تھا۔ شہنشاہ کا یہ حکم جو عام رعایا کی فلاح اور بہبود کو مد نظر رکھتے ہوئے صادر کیا گیا تھا گو بڑے بڑے زمینداروں کو قدرتی طور سے ناگوار گزرا ہوگا۔ مگر اس امر کی قطعاً کوئی شہادت نہیں کہ خوشحال خان نے اس حکم کے نفاذ کے بعد اظہار سرکشی و سرتابی کیا ہو یا اس نفاذ میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔ وہ حسب سابق حکومت مغلیہ کا وفادار تھا۔ اور اس وفاداری اور بلکہ اپنی سابقہ عداوت کی وجہ سے حکومت مخالف یوسف زئیوں اور ان کے علاوہ دیگر افغانوں (آفریدیوں اور اورک زئیوں) سے بھی برسرپیکار رہا۔ سید امیر خوافی نے یہ مفسدانہ چال محض خوشحال خان اور اپنے نائب متعلقین پشاور مرزا عبدالرحیم کے درمیان ناراضگی کی بنا پر اور خوشحال خان کے چچوں بہادر خان اور فیروز خان کے ساتھ اپنی سازش کو کامیاب بنانے کے لیے چلی تھی۔

مرزا عبدالرحیم نے سید امیر خوافی کو کہا تھا کہ جب تک آپ چند سربرآوردہ اشخاص کو گرفتار کر کے قید نہ کریں گے تو اس وقت تک آپ کی صوبہ داری کا نقش قائم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے ساتھ ہی خوشحال خان کے چچوں نے سید امیر خوافی کو شمشیر خان کی ضمانت پر پچاس ہزار روپے دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ (۳)

سید امیر خوافی نے افضل خان کے قول کے مطابق شہنشاہ کے سامنے کسی خاص شخص کو مورد الزام کر کے اس کی گرفتاری کی اجازت حاصل نہ کی تھی۔ بلکہ حکم مذکور کے نفاذ کے لیے زبردستی کے عمل کو ضروری ٹھہرایا تھا اور جب شہنشاہ نے کہا کہ تم کیوں زبردستی کا عمل نہیں کرتے تو عرض کیا کہ بغیر شہنشاہ کی اجازت و حکم کے وہ اس کے عمدہ زمینداروں کے خلاف زبردستی کا عمل نہیں کر سکتا تھا۔ بادشاہ نے کہا تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ جس طرح تمہارا کام نبھ سکے نبھاؤ۔ سید امیر خوافی یوں بادشاہ سے معروض کر کے اس کی اجازت سے اپنے صوبہ کی طرف رخصت ہوا۔ (۴)

سید امیر خوافی نے پشاور پہنچ کر خوشحال خان کو پیغام بھیجا کہ اس کے ساتھ مشورہ کرنا مطلوب ہے۔ لہٰذا وہ پشاور آئے۔ جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ کا وسط (وسط جنوری ۱۶۶۴ء) اور جمعہ کا دن تھا۔ خوشحال خان علی الصبح اٹھا اور حوائج ضروریہ اور غسل سے فارغ ہو کر جمدھر کمر سے باندھا اور نماز پڑھ کر بے نام گھوڑے پر سوار ہو کر حسب الطلب پشاور روانہ ہوا۔ طلوع آفتاب کے وقت نوشہرہ اور دوپہر سے پہلے پشاور پہنچ گیا۔ پشاور پہنچ کر خوشحال خان نے صوبہ دار کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے مغل کے پاس آدمی بھیجا کہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میرے لائق جو خدمت ہو اس سے آگاہ کیا جائے۔ اس نے واپس آ کر خوشحال خان کو یہ حکم سنایا کہ وہ کل دربار میں حاضر ہو۔ تین دن گزر گئے مگر دیوان منعقد نہ ہوا۔ صوبہ دار کے پیش کار شیخ گجرات نے خوشحال خان کو کہلا بھیجا کہ میرے پاس مشورہ کے لیے آؤ۔ اس کے بعد نواب (۵) (صوبہ دار) کے پاس جائیں گے۔ خوشحال خان جس کا باطن صاف تھا بلا کسی قسم کے خوف اور شک و شبہ کے اس کے پاس گیا اور وہاں سرکاری سپاہیوں نے خوشحال خان کے گرد گھیرا ڈال کر اسے گرفتار کر کے پانچ سیر بھاری بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال دیں۔

ما وې زه به د مغل به نوکری کښې
رکیبونه کړم د سرو د سپینو نال

میرا تو خیال تھا کہ مغل کی نوکری میں (گھوڑے کے لیے) سونے کے رکابیں اور چاندی کے نعل بناؤں گا۔

ناحق ئې زنځيرونه را به پښو کړل   (مگر) بے گناہ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔

واه واه هسې نوازش هسې آمال   واہ واہ یہ میری امیدیں اور یہ صلۂ خدمت۔

دوسرے دن بڑے بڑے منصبدار اور امرائے صوبہ دربار میں گئے اور نواب سے بطور احتجاج کہا کہ کیا وہ ایسے نیک خواہ شہریار کو اس طرح گرفتار کرنا مناسب سمجھتا ہے لیکن وہ چپ رہا اور کچھ نہ بولا۔ خوشحال خان کے بچوں نے جو اس سازش میں صوبہ دار کے ساتھ شریک تھے انعام و خلعت حاصل کر کے اس کے حسب دلخواہ اس کے ساتھ قول و اقرار کیا۔ خٹک ان کو قتل اور کشت و خون کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ لیکن خوشحال خان نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے انہیں پیغام بھیجا کہ پر امن رہیں۔ اور کسی قسم کا فتنہ و فساد نہ کرنے پائیں۔ خوشحال خان کو دو مہینے تک پشاور ہی میں رکھا گیا اور جب صوبہ دار کے پچاس ہزار کے مطالبہ کو اس نے مسترد کر دیا تو اسے ہندوستان لے جائے جانے کا حکم ہوا۔ (۶) خوشحال خان نے اپنی نظم میں جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے یا کہیں اور اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ صوبہ دار نے یہ پچاس ہزار روپیہ بطور ضمانت مانگا تھا یا بطور رشوت۔ البتہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں افضل خان ہمیں بتاتا ہے کہ خوشحال خان کے بچوں نے صوبہ دار کو پچاس ہزار روپیہ دینا منظور کیا تھا۔ خوشحال خان بھی آگے چل کر اسی نظم میں اپنی مصیبت کے اسباب میں ایک سبب مغل کی طمع اور اپنی ناجائز طور سے کسی کو مال نہ دینے کی عادت بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میری غلطی تھی کہ مجھے اپنی شمشیر زنی اور خدمات پر ناز تھا۔ اور مغل کو کچھ دے دلا کر راضی نہ کیا کرتا تھا۔ ایک اور نظم میں کہتا ہے کہ صوبہ دار کا ایک حرف قاضیوں کے بیس سر بمہر محضروں سے بڑھ کر ہے اور بغیر رشوت کے کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ (۷)

ایک اور سازش: قبل اس کے کہ ہم خوشحال خان کے اس سفر ہندوستان کے حالات بیان کریں جو اسے بحالت اسیری اختیار کرنا پڑا ایک اور چال کا ذکر کرتے ہیں جو سید امیر خان خوافی نے خوشحال خان کے مصائب میں اضافہ کرنے بلکہ اسے ختم کر دینے کے لیے چلی تھی۔ سید امیر خوافی کو خوشحال خان کی گرفتاری کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ خوشحال خان کوئی معمولی آدمی نہیں۔ امرائے مغلیہ میں کئی یار دوست رکھتا ہے وہ اس کی حمایت کریں گے۔ اس لیے اس کے پھانسنے کو ایک اور جال بھی بچھایا جائے۔ اتفاق سے ان دنوں ایک شخص انوتحے رزڑ (۸) قتل ہوا تھا۔ سید امیر خان خوافی نے سوچا کہ مقتول کے بھائی شہداد کو اپنے ساتھ ملا کر قتل کا الزام خوشحال خان پر لگایا جائے اور خدایار خلیل (۹) اور صادق بخشی کے مشورہ سے شہداد کو بلوا کر" خوشحال خان کی موت کے فتویٰ

کے تیار کرنے میں مصروف ہوا۔" مگر اس نئی مفسدہ پردازی میں اسے کامیابی نہ ہوئی اور آخر خوشحال خان کو ہندوستان روانہ کر دیا۔

ہندوستان کو روانگی: جب خوشحال خان کو ہندوستان لے جایا جانے لگا تو حفاظت و نگہداشت کے لیے اس پر مغل سپاہیوں کے علاوہ محب خیل مہمندوں کا پہرہ تھا۔ اور قبیلہ غوریا خیل کے سردار مستجاب خان مہمند (۱۰) جس کی معیت میں مصری خان داؤدزئی (۱۱) بھی اپنے آدمیوں سمیت موجود تھا۔ اس جماعت کا بدرقہ تھا۔ خوشحال خان کہتا ہے کہ "وہ گھڑی بڑی صبر آزما تھی جب سرائے اکوڑہ سے گزرتے ہوئے اس نے عثمان، زینو (۱۲) اور خاندان کے چند جوانوں کو دیکھا اور ان سے جب کہ وہ خود، یہ سب سرائے اکوڑہ کے شجر و حجر رو رہے تھے جدا ہوا۔" سرائے اکوڑہ کے متعلق کہتا ہے کہ "یہ ایسا اجڑا ہوا پڑا تھا کہ گویا اس میں کبھی انسانی آبادی تھی ہی نہیں۔" اس ویرانی کی وجہ یہ تھی کہ خوشحال خان کی گرفتاری کے بعد اس کے اہل و عیال سرائے اکوڑہ کے جانب جنوب پہاڑوں میں ہنگال نامی ایک جگہ چلے گئے تھے۔ خوشحال خان کے ہندوستان جانے کی خبر پا کر غالباً اس کے خاندان اور قبیلہ کے بعض افراد اور رفقا اور خدام جن میں عثمان اور زینو بھی شامل تھے سرائے اکوڑہ کے قریب شاہراہ پر اسے ملنے آئے تھے۔ سرائے اکوڑہ سے بہ یاس و حرمان گزرنے کے ذکر سے چند شعر پہلے کہتا ہے کہ "میں نے اشرف خان اور قبیلے کو پیغام بھیج رکھا تھا کہ جنگ اور شورش کی فکر اور تیاری نہ کریں۔ کیونکہ ہم بادشاہ کے دولت خواہان قدیمی ہیں۔ اور لڑائی جھگڑے سے ایک تو ہماری بدنامی ہوگی اور ساتھ ہی افغانوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔" مگر مندرجہ بالا یاس انگیز منظر کا نقشہ کھینچ کر کہتا ہے کہ "جب ہم خیرآباد پہنچے تو ہر طرف تماشائی دیکھنے کے لیے کھڑے تھے جو لوگ میرے ساتھ تھے (یعنی پہرہ دار اور بادشاہی عہدیدار) وہ گھبرا رہے تھے کیونکہ کسی کو یہ خیال نہ تھا کہ خٹک میدان میں نہ آئیں گے۔ میں نے پیغام بھیجا تھا اور یہی میرا خیال تھا کہ ابھی ایک سمت سے علم دکھائی دے گا اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ جائیں گے مگر لڑائی نہ ہوئی۔ کیونکہ خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔ اور میں دریا (دریائے سندھ) سے گزر کر اٹک پہنچا۔" (۱۳) پیش نظر نظم کے ایک اور بند میں کہتا ہے کہ "میں نے اشرف خان کو تلوار کا اشارہ کیا تھا مگر اس نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا۔" (۱۴) معلوم ہوتا ہے پہلے تو خوشحال خان نے اپنے خاندان اور قبیلے کو پرامن رہنے کی تلقین کی مگر بعد میں جب سید امیر خان خوافی نے اسے ہندوستان لے جائے جانے کا حکم دیا تو خوشحال خان کے دل میں ہنگامہ آرائی کے خیالات پیدا ہوئے۔ افضل خان نے اس

بارہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ جب خوشحال خان کو ہندوستان روانہ کیا گیا تو خٹکوں نے تیاری کی کہ خیرآباد کے مقام پر لڑائی لڑیں گے مگر لڑائی نہ ہوئی۔ [۱۵] خوشحال خان منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا شعبان ۱۰۷۴ھ (مارچ ۱۶۶۴ء) [۱۶] میں لاہور پہنچا۔ وہاں سے اس کے پیچھے اس کا بھائی میر باز خان، چچا آدم خان کا بیٹا باقی خان [۱۷] اور بیٹا سعادت خان بھی پہنچے۔ یہ تینوں خوشحال خان سے پہلے ہی دہلی پہنچ گئے اور میر محمد امین خان المخاطب بہ محمد امین خان میر بخشی سے ملے جس نے انہیں بہت تسلی دی اور کہا کہ کسی قسم کا اندیشہ نہ کریں۔ خوشحال خان کے پہنچتے ہی اسے رہا کر دیا جائے گا۔ خوشحال خان بھی وسط رمضان (اواسط اپریل) میں دہلی پہنچ گیا۔ [۱۸]

خوشحال خان کے اسباب گرفتاری کے متعلق قیاسات

خوشحال خان کے اسباب گرفتاری کے متعلق قیاسات: میں نے اب تک خوشحال خان کی گرفتاری اور اس کے اسباب کے متعلق جو عرض کیا ہے وہ کلیۃً خوشحال خان کے اپنے کلام اور اس کے پوتے افضل خان کی تصنیف "تاریخ مرصع" پر مبنی ہے۔ اب زمانہ مابعد کے بعض مؤرخوں کی تحریروں کو قارئین کرام کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ حیات افغانی اور خورشید جہان کے مؤلف لکھتے ہیں کہ باوجود خوبیوں کے خوشحال خان کی طبیعت میں بہت زیادہ حرص، لالچ اور خودرائی موجود تھی جو عادات اس کے بعض افعال و اعمال میں بھی ظاہر ہوئیں اور آخرکار اورنگزیب نے اسے قید کر دیا۔ [۱۹] نہ تو ان دونوں مؤرخوں میں سے کسی نے (جن کے بیانات ہو بہو ملتے ہیں) اپنے بیان کی وضاحت کے لیے کوئی واقع یا مثال پیش کی ہے جس سے حقیقت حال کا صحیح اندازہ لگانے یا ان کے مطلب کو پوری طرح سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی نے اپنے بیان کی تائید میں کوئی سند پیش کی ہے۔ اس حالت میں نہ تو ان کے مطلب کو کماحقہ سمجھنا آسان ہے کہ کس خاص واقع یا واقعات کی طرف (اگر کوئی ہوں) اشارہ کر رہے ہیں اور نہ ہی اس کے بیان کی بوجہ عدم موجودگی سند قدر و قیمت اور اہمیت کے متعلق کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس الزام کا واقعۂ ممانعت باج راہداری پر مبنی ہونے کا امکان ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں خوشحال خان نے کبھی احکام ممانعت باج راہداری کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور نہ ہی اس وجہ سے اس کی وفاداری اور خدمت گزاری میں فرق آیا۔ خوشحال خان ایک دنیادار آدمی تھا اور دنیوی اغراض و مقاصد ہی کے حصول کے لیے اباً عن جدٍ بادشاہان مغلیہ کی خدمت کرتا چلا آ رہا تھا۔ ہم اسے خواہشات نفسانی اور اس حرص و ہوا سے مبرا نہیں ٹھہراتے جو اس سطح کے آدمیوں میں پائے

جاتے ہیں۔ لیکن بغیر کسی معتبر سند اور مثال کے اس کو بہت لالچی اور حریص کہنا جائز و مناسب
نہیں۔ اگر انہوں نے کسی روایت یا خوشحال خان کے کسی شعر یا اشعار کی بنا پر (اگرچہ ان کی کو
سے یہ ظاہر نہیں ہوتا) جس میں اس نے اپنے نفس اور اس کی ترغیبات کی مذمت کی ہو طرح ایسا
کر میں تو مغلوں کی خدمت کا صلہ یہ خیال کرتا تھا کہ میں گھوڑے کے لیے سونے کی رکابیں اور
چاندی کے نعل بناؤں گا اور حال یہ کہ بے گناہ پا بجولاں کیا گیا۔ مندرجہ بالا نتیجہ اخذ کیا ہو تو یہ شاعر
کے ساتھ انصاف سے بعید ہوگا۔ جہاں تک خوشحال خان کے واضح بیان کا تعلق ہے طامع اور
حریص مغل عہدیدار تھے جنہیں ناجائز طور سے مال نہ کھلانے کی وجہ سے وہ مصیبت میں مبتلا ہوا۔
کلیات کے مقدمہ نگار جناب عبدالحی حبیبی صاحب نے اورنگزیب کے بعض انگریز
مخالفین کے خیالات کو لے کر ان پر اپنے قیاسات سے گلکاری و حاشیہ آرائی کر کے عجیب و غریب
دلچسپ و رنگین داستان گھڑی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "اگرچہ خوشحال خان مغل دربار کے زیر اثر
تھا اور مغل شہنشاہیت کی اطاعت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا مگر اس نے اپنی قوم میں مکمل استقلال
حاصل کیا اور اپنی قوم کے لیے مغل کی غلامی کرنا کسی صورت بھی پسند نہ کرتا تھا۔ شاہ جہان تو
افغانوں کے پر امن رہنے کو غنیمت سمجھتا تھا اور ان کی داخلی آزادی کو چھیننا نہ چاہتا تھا۔ خان خود کہتا
ہے اس دور کا بادشاہ قدردان شاہ جہان تھا اس نے باپ کی جگہ مجھے عطا کی اور میں قبیلے پر حکمران
ہوا گھوڑا اور داد و دہش کے سب ارمان میں نے نکالے۔ سارے تیس ہزار خٹک میرے تابع فرمان
تھے۔۔۔ اور سارے خٹک میرے عہد حکومت میں مشہور زمانہ ہوئے۔ (۴۰) مگر شاہ جہان کے
بعد جب اس کے بیٹے اورنگزیب عالمگیر نے باپ کو قید کر کے بھائیوں کو مار ڈالا یا مغلوب کیا اور
۱۰۶۹ھ میں بادشاہ ہوا تو اپنے باپ کے طرف داروں اور درباریوں کو ختم کرنے کی ٹھانی۔ خوشحال
خان خٹک افغانوں کا قومی سردار بھی شاہ جہان کے دوستوں اور مقربوں میں سے تھا۔ چنانچہ
اورنگزیب ڈرتا تھا کہ مبادا خوشحال خان شاہ جہان کو قید سے چھڑانے کی کوشش کرے اس لیے
چاہتا تھا کہ افغانوں کو بھی ذلیل کرے اور خان کو بھی ختم کر ڈالے۔ افغان طبعاً آزادی خواہ ہیں اور
کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے اور اپنی آزادی کے دلدادہ ہیں۔ خصوصاً خوشحال خان جو ایک بہادر
افغان اور سردار تھا۔ اورنگزیب اسے طاقت سے تو زیر نہ کر سکتا تھا اس لیے مکر و فریب کو کام میں
لایا۔ اور چرب زبانی اور احترام سے خان کو اپنے دربار میں بلایا اور دوسری طرف اس کے رشتہ
داروں کو بھی خانی اور منصب کے وعدوں سے ورغلایا کہ خوشحال خان کو دہلی میں بادشاہ کے دربار

میں بھیج دیں۔ ہر چند خوشحال خان ایک ہوشیار اور تجربہ کار شخص تھا مگر بادشاہ کے عہد وقول اور رشتہ داروں کے اصرار کی وجہ سے دھوکہ کھا گیا اور اکیلا پشاور چلا گیا۔ پشاور کے حاکم نے مغل دربار کے حکم کے مطابق اس کو قید کر ڈالا اور زیر حفاظت دہلی بھیج دیا۔ خوشحال خان وسط رمضان ۱۰۷۴ھ میں دہلی پہنچا اور ولایت افاغنہ کے بن کا یہ خوشنوا بلبل وہاں چار سال تک مغلوں کی قید میں رہا۔ اگرچہ اس کی قوم اتفاق کر کے اسے چھڑانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور چاہتی تھی کہ کوئی مسلح اقدام کرے مگر خان نے اسے منع کیا اور لڑائی سے باز رکھا۔''(۲۱)

جنگ تخت نشینی کے دوران میں خوشحال خان کے رویہ اور اس کی گرفتاری کے اسباب کے متعلق جو کچھ افضل خان کی تصنیف سے عرض کیا گیا اسے پڑھ لینے کے بعد قارئین کرام اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جیبی صاحب کی مندرجہ بالا قیاس آرائی اور رائے زنی کی کیا قدر و قیمت ہے۔ جیبی صاحب نے افغانوں کے متعلق شاہ جہان کی پالیسی کے بارہ میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ بڑلف کی رائے کے مطالعہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ بڑلف لکھتا ہے کہ اورنگزیب کے پیشرو تو افغانوں کے حق میں نرم پالیسی اختیار کیے ہوئے تھے مگر اورنگزیب نے جسے اپنے وقار و اقتدار کا بہت زیادہ خیال تھا سخت پالیسی اختیار کی جو وہ افغانوں کو اس کی غلامانہ اطاعت کرنے پر مجبور کرتا تھا۔(۲۲) اس سے تو انکار نہیں کہ اس قسم کی باتوں کا خوشحال خان کی گرفتاری اور قید سے کتنا تعلق ہے اور اورنگزیب کی پالیسی کو اس کے پیشروؤں کی پالیسی کی نسبت سخت کہنا کس حد تک درست ہے۔ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے قیام کے بعد مغل ایک طرف یوسف زئی اور کئی دیگر افغان قبائل دوسری طرف عہد اکبری سے لے کر عہد عالمگیری تک برابر برسر پیکار رہے اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکومت ہر وہ قدم اٹھاتی رہی جو اس نے ضروری سمجھا۔ شاہ جہان کی افغانوں کے حق میں پالیسی اور اس کے نتیجے کے طور پر اس کے عہد میں افغانوں کی حالت کے متعلق آپ افضل خان کا بیان پڑھ چکے ہیں۔ علاوہ بریں باوثوق شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ پرانی عداوت و رقابت کی وجہ سے جو ہندوستان میں بھی مغلوں اور افغانوں کے درمیان چلی آ رہی تھی شاہ جہان اور اس کے معتمدین خاص ہندوستان میں بھی افغانوں کو برابر شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شاہ جہان اور بہادر خان کے درمیان ناراضگی سے بہت پہلے تیرھویں سال جلوس میں جب شہنشاہ نے بہادر خان کو اسلام آباد کی تیوالداری پر مقرر کر کے چپت رائے بندیلہ (جس کی سرزنش میں عبداللہ خان فیروز جنگ نے سستی اور کاہلی برتائی تھی) کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تو اہل غرض نے بادشاہ

سے کہا کہ "بندیل کھنڈ را روہیل کھنڈ کردن صلاح ملکی نیست" یعنی بندیل کھنڈ کو روہیل کھنڈ بنانا مصالح ملکی کے خلاف ہے۔ چنانچہ بہادر خان کو اس خدمت سے برطرف کیا گیا۔ (۲۳) خوشحال خان کی گرفتاری اور قید تک اس امر کی قطعاً کوئی شہادت نہیں کہ اورنگزیب نے افغانوں کے متعلق اپنے پیشروؤں کی حکمت عملی میں تبدیلی کر کے سخت تر پالیسی اختیار کی۔ جو افغانوں کے ان حقوق یا داخلی آزادی و آسائش پر جو انہیں سابقاً حاصل تھی بری طرح اثر انداز ہوئی ہو۔ اور جس کی وجہ سے خوشحال خان کی گرفتاری عمل میں آئی ہو۔

انجام کار خوشحال خان کو [illegible] دہلی پہنچنے کے بعد محمد امین خان نے حسب وعدہ بادشاہ کی خدمت میں خوشحال خان کو رہا کر دینے کی سفارش کی جس کی وجہ سے بادشاہ نے ضمانت پر خوشحال خان کی رہائی کا حکم صادر کیا مگر اس سے پہلے کہ [illegible] کیا جاتا شوال (اواخر اپریل مئی) کے مہینے میں بانی فساد سید امیر خان خوافی کی عرضداشت بادشاہ کو [illegible] کہ خوشحال خان کو رہا نہ کیا جائے کیونکہ اس کی رہائی امن میں "اختلال" کا باعث ہوگی۔ (۲۴) چنانچہ خوشحال خان کو رہا نہ کیا گیا۔

اندریں اثنا خدا یار خلیل اور [illegible] وغیرہ کے ورغلانے سے خوشحال خان کی مصلحت کے خلاف اس کا بڑا لڑکا اشرف خان سید امیر خان خوافی کے پاس کابل چلا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد صوبہ دار نے اسے بھی گرفتار کر لیا۔ ان دنوں دلیر ہمت پسر بہادر خان داؤدزئی بھی کابل ہی میں تھا۔ خوشحال خان کے دیرینہ مربی اور دوست کے بیٹے کو جب اشرف خان کی گرفتاری کا علم ہوا تو سید امیر خان خوافی کو جا کر کہا کہ میں اشرف خان کا ضامن ہوں اسے چھوڑ دو (۲۵) چنانچہ سید امیر خان خوافی نے اشرف خان کو رہا کر دیا۔ علاوہ بریں خوشحال خان اور اشرف خان کی گرفتاری کی وجہ سے جو بدامنی پیدا ہو گئی تھی اور خوشحال خان کے نالائق بچوں سے انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے بھی حالات کو بہتر بنانے کے لیے سید امیر خان خوافی نے اشرف خان کو رہا کر دینا قرین مصلحت سمجھا۔ (۲۶)

ادھر محمد امین خان نے خوشحال خان کی رہائی کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھا اور ایک بار پھر میر خان میر میران (۲۷) کی کفالت سے شہنشاہ کے حضور خوشحال خان کی سفارش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ شہنشاہ نے کہا کہ اگر خوشحال خان زن و بچہ کو بطور یرغمال ہندوستان لے آئے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اسی قسم کا ایک فرمان سید امیر خان خوافی کو بھی بھیجا گیا۔ میر باز خان، باقی خان اور سعادت خان نے جو ابھی تک دہلی میں تھے اس حکم سے آگاہی پا کر خوشحال خان کو اس سے مطلع کیا اور پھر خوشحال خان کی ہدایت کے مطابق ماہ صفر ۱۰۷۵ھ (مطابق اواخر اگست

(۱۶۶۴ء) یعنی سابقہ سن عیسوی ہی میں وطن روانہ ہوئے تاکہ اس امر کا انتظام کیا جائے کہ شہنشاہ کے حکم پر عمل نہ ہونے پائے۔ (۲۸) انہوں نے وطن پہنچ کر خوشحال خان کے اہل وعیال کو فوراً محفوظ مقام پر پہنچا دینے کے انتظامات کر لیے چنانچہ خوشحال خان کا سالہ ملک حمزہ خان اور ملک اللہ داد خان بہت سے رانی زئیوں اور بائی زئیوں (۲۹) کے ہمراہ آئے اور خوشحال خان کے اہل وعیال کو یوسف زئیوں کے علاقہ میں بمقام سیکری پہنچا دیا جو مردان سے جانب شمال پہاڑ کے دامن میں موضع جمال گڑھی اور کاٹلنگ کے درمیان قصبہ مردان سے قریباً گیارہ میل کے فاصلہ پر تپہ بائی زئی میں واقع ہے۔ ان کے ساتھ خٹکوں کے سو گھرانے اور بھی دریا عبور کر کے یوسف زئیوں کے علاقہ میں پہنچے (۳۰) تپہ بائی زئی میں اب تک خٹکوں کے کئی دیہات ہیں۔ (۳۱) اور اس علاقہ میں یوسف زئی اور خٹک آپس میں مل جل گئے ہیں۔ اگرچہ یوسف زئیوں کے ساتھ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں باوجود دشمنی کے ان میں خوشحال خان کے دوست اور رشتہ دار بھی تھے مگر اس موقع پر یوسف زئیوں نے خوشحال خان اور اس کے خاندان کی جو امداد کی اس کے لیے صرف اس کے رشتہ دار اور دوست ہی ذمہ دار نہیں بلکہ سارا قبیلہ مستحق تحسین وآفرین ہے۔ اتنے بڑے خاندان کو سو دیگر گھرانوں سمیت پناہ دینا بغیر سارے قبیلے کی امداد و تعاون کے صرف خوشحال خان کے رشتہ داروں اور دوستوں کا کام نہ تھا۔ حقیقت میں سارے قبیلے نے غیرت وحمیت افغانی کا ثبوت دیا اور خود خوشحال خان کے بھی یہی احساسات تھے چنانچہ وہ اپنی ایک نظم میں جو قید کے دوران میں رنتھمبور میں لکھی کہتا ہے:

زۂ د یوسف زیو پہ خان زہر وم قاتل

میں یوسف زئی کے لیے زہر قاتل تھا۔

بل مقصود می نہ وہ پہ خدمت کښې د مغل

مغل کی خدمت میں میرا دوسرا کوئی مقصد نہ تھا

ډیر شاہان خوانان می پر د بلہ ووژل

بہت سے جوانان رعنا ہم نے ایک دوسرے کے قتل کر دیے۔

تیر ساعت ارمان دے پښیمانی نشتہ حاصل

گزرے ہوئے وقت کا افسوس ہے مگر اب پچھتانے سے کیا فائدہ

دا پہ خیال د چا وو یا پہ فکر جاروتل

یہ بات کس کے خیال اور فکر میں آتی تھی

خواست رضاد خدایے دہ چې هر شان په شوې شول

خیر یہی خدا کی مرضی تھی جو ہوا سو ہوا

شاباش په هغه شه چې د ننگ وکا پالل

اس کو شاباش جو غیرت و حمیت کا ثبوت دے

راغلـه بـوسف زيـه لكـه پيـښ شـه كـار مشكل

جب مشکل آئی تو یوسف زئی آن پہنچے

بـيـوه بـالـي زئـي رانـي زئـي ورسـره مـل

بائیزئی تھے اور ان کے ساتھ رانیزئی بھی تھے

لـوي هـلكـ مـي واړه بـه دريـاب پـورې وتـل

میرے خاندان کے چھوٹوں بڑوں سب نے دریا عبور کیا۔

ولاړل تـر سيـكـرې واړه كـورونـه سـل

ان کے ساتھ سو گھرانے اور بھی تھے اور سب سیکری چلے گئے

نـور خـتـك مـي واړه بـه خپـل ځـايـے ودريـدل

باقی خٹک سب اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہے۔ (۳۲)

ایک اور نظم میں جو واقعات زیر غور سے قریباً پانچ سال بعد لکھی اپنے احساس تشکر و امتنان کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

ډیرو اولسونو غلیمي راسره وکړه
سری ئ راته کوز کړ هله خلاص شو له مقتمه
یو یوسفزي دي چې منت ئ به ما بار کړو
لا به اکوزیو د ننگ چار ده مسلمه

میرے ساتھ بہت سے قبیلوں نے دشمنی کی
جب میرے سامنے سر جھکایا تو مصیبت سے چھٹکارا پایا
ایک یوسفزئی ہے جس نے مجھے زیر بار منت کیا
خصوصاً اکوزیوں (بائیزئی رانیزئی وغیرہ) کی غیرت و حمیت مسلم ہے۔

زه چې د ‌غعد‌ په کال بندي د اورنګزیب شوم
کور او خپلخانه مي بکښې ډیره وه له دمه

جب میں غعد کے سال اورنگزیب کا قیدی تھا
تو میرے اہل و عیال اور خاندان ایک مدت تک ان میں مقیم تھے۔ (۳۳)

خوشحال خان کے کلام (۳۴) اور افضل خان کے بیان (۳۵) سے بھی ظاہر ہے کہ سیکری میں وردو کے بعد خوشحال خان کے اہل وعیال سنگاؤ (جو سیکری سے جانب شمال مشرق قریباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر تحصیل وضلع مردان میں واقع ہے) چلے گئے تھے۔ سنگاؤ بھی علاقہ بائی زئی میں واقع ہے اور اس کی اور گردونواح میں چند اور دیہات میاں خان، کوہی، برمول اور بیچپل وغیرہ کی آبادی اتمان خیلوں پر مشتمل ہے۔ جو کرلانیوں میں سے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ خٹکوں کے مددگار اتمان خیل تھے۔ کیونکہ خوشحال خان اور افضل خان دونوں نے صاف طور سے لکھا ہے کہ یہ یوسف زئی کی شاخ اکوزئی کی رانی زئی اور بائی زئی شاخوں کے لوگوں پر مشتمل تھے۔ خوشحال خان نے اپنے کلام میں سیکری کو اکوزیوں کی سیکری اور افضل خان نے تاریخ مرصع میں سنگاؤ کو یوسف زیوں کا سنگاؤ لکھا ہے۔ جس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقے اس وقت کلیۃً یا جزواً یوسف زیوں کے زیر تصرف یا کم از کم زیر اثر تھے۔ بہر کیف خٹکوں کی امداد یوسف زیوں نے کی تھی۔

خوشحال خان نے بھی اور افضل خان نے بھی یوسف زیوں کے ہاتھوں سرائے اکوڑہ کے لوٹے جانے کا ذکر کیا ہے مگر اس تاخت وتاراج کی تفصیل بیان نہیں کی۔ خوشحال خان نے یوسف زیوں کا سرائے اکوڑہ کو لوٹنے کا ذکر اپنے کلام میں ایک ہی جگہ مذکورہ بالا حبسیہ نظم کے اقتباس کیے گئے اشعار سے چند شعر پہلے کیا ہے۔ (۳۶) افضل خان نے اس کا ذکر ایک جگہ تو خوشحال خان کی گرفتاری اور قید کے بعد ملک حمزہ خان اور ملک اللہ داد خان کے ہمراہ خوشحال خان کے اہل وعیال کا علاقہ یوسف زئی کی طرف جانے کا حال لکھتے ہوئے کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "حمزہ خان، اللہ داد خان اکثر اکوزئی آئے خان علیین مکان کے بال بچوں کو سیکری کا ٹلنگ لے گئے۔ سرائے (سرائے اکوڑہ) کو تاخت وتاراج کیا (۳۷) اب تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ یوسف زئی سردار خوشحال خان اور اس کے اہل وعیال کی امداد کے لیے آئے تھے تو سرائے اکوڑہ کو کیوں تاخت وتاراج کرتے تھے۔ افضل خان انہی واقعات کا ذکر دلیر ہمت پسر بہادر خان کے حالات میں اشرف خان کی گرفتاری کے ضمن میں کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "سرائے (سرائے اکوڑہ) کے لوگوں نے جو یوسف زیوں کے پاس سنگاؤ میں مقیم تھے سرائے کو لوٹا (۳۸) اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید سرائے اکوڑہ سے چلے جانے کے بعد خٹکوں اور یوسف زیوں نے مل کر سرائے اکوڑہ پر حملہ کر کے مخالفین خوشحال خان کو نقصان پہنچایا۔ خوشحال خان کے سلسلہ کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حملے کے وقت اس کے اہل وعیال سرائے اکوڑہ میں موجود نہ تھے۔ وہ پہلے اہل وعیال کے

بعد ازاں میر باز خان، باقی خان اور سعادت خان کی ہندوستان سے واپسی کے
ہنگال جانے اور یوسف زئیوں کے ہمراہ بیگری جانے کا ذکر کرتا ہے۔ پھر سرائے اکوڑہ پر یوسف زئیوں کے حملہ
کا مجمل سا حال لکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ اشعار ہیں (جو ہدیۂ قارئین کرام کیے جا چکے ہیں) اور
جن میں یوسف زئیوں کے ساتھ قدیمی دشمنی اور ان سے جدال وقتال کے باوجود ان کی امداد کا ذکر
کیا گیا ہے۔

ان واقعات کے بعد سید امیر خان خوافی نے اشرف خان کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔ افضل
خان کے بیان کے مطابق دلیر ہمت سید امیر خان خوافی کی اس حرکت سے بہت برہم ہوا کہ
جب اس نے اشرف خان کی ضمانت دی تھی تو صوبہ دار نے اسے کیوں گرفتار کیا۔ اور سید امیر خان
خوافی کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے سواروں کو بھی تیار ہونے کا حکم دیا۔ مگر بعض لوگوں کے
سمجھانے سے لڑائی سے باز رہا۔ اور سید امیر خان خوافی نے بھی اشرف خان کو رہا کر دیا۔ اشرف
خان سرائے اکوڑہ آیا اور امن وامان قائم ہوا۔ خوشحال خان کے اہل وعیال اور دوسرے لوگ بھی
وطن واپس آ کر آباد ہوئے۔ (۳۹)

خوشحال خان کو قریباً ایک سال تک دہلی میں قید رکھا گیا اس دوران میں اس نے بہت
سخت بیماری بھی گزاری۔ بعد ازاں اس کو پہاڑی قلعہ رنتھمبور میں بھیج دیا گیا جو گوالیار کے مغرب
میں جنوباً آگرہ اور چتوڑ کے درمیان اول الذکر مقام کے جنوب مغرب اور موخر الذکر مقام کے
شمال مشرق میں واقع ہے۔ رنتھمبور والئ مادھوپور کی نظامت میں شامل ہے جو ریاست جے پور کے
جنوب مشرقی کونے میں ہے۔

رنتھمبور سے ۲۰ رمضان ۱۰۷۶ھ (مطابق اواخر مارچ ۱۶۶۶ء) کو خوشحال خان نے
ایک وصیت نامہ عمر خان اسمٰعیل خیل خٹک کے ہاتھ اشرف خان کو بھیجا جس میں اس (خوشحال
خان) کی گرفتاری کے بعد مختلف قبیلوں اور لوگوں کا جو رویہ رہا اس پر تنقید کی ہے۔ اس میں رانی
زئیوں اور بائی زئیوں کا بہت شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ رانی زئیوں کو رحمت زئی اور بائی زئیوں کو بابا
زئی (یعنی ایسے قریبی جیسے باپ کی اولاد) کہا ہے اور اپنی اولاد کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی
نصیحت ووصیت کی ہے۔ اور لوگوں کے علاوہ کمال زئی مندڑوں کی بھی شکایت کی ہے۔ (۴۰)

خوشحال خان پشاور، دہلی اور رنتھمبور میں قریباً اڑھائی سال قید رہا۔ اور آخر محمد امین
خان کی کوششوں سے رنتھمبور سے لایا جا کر آگرے میں رہا کیا گیا۔ اس نے اپنی گرفتاری، قید اور

رہائی کے متعلق جو متعدد نظمیں لکھی ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل قطعہ سے بعض ضروری تاریخیں معلوم ہوتی ہیں:

په وسط د خلورمې خور په بند شوم	وسط جمادی الثانی میں میں گرفتار ہوا
په رجب د بل کال وختم په گړ	دوسرے سال (۱۰۷۵ھ) میں میں قلعہ پر چڑھا
د ذي القعدې په پنځم له ګړې کوز شوم	پانچ ذی القعدکو میں قلعہ سے اترا
دوه کلونه پنځه مياشتې شي د ترم	گرفتاری کو دو سال پانچ مہینے ہوتے ہیں۔
بنه تاريخ د استخلاص راله راغلے	رہائی کی اچھی تاریخی سوجھی
"لا ربکړز د سيدمير د مور لپر"	---(سید امیر خان خوافی کو گالی دی ہے)

۱۰۷۶ھ

اگر ہم گرفتاری کی تاریخ اڑھائی سال پہلے ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ فرض کریں تو اس تاریخ سے رہائی (۵ ذی القعدہ ۱۰۷۶ھ اوائل مئی ۱۶۶۶ء) تک سارا عرصہ قمری حساب سے دو سال چار مہینے بیس دن ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا قطعہ میں "گړ" (گڑھ۔ قلعہ) سے مراد رنتھمبور کا قلعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے وسط رمضان ۱۰۷۴ھ (اواسط اپریل ۱۶۶۴ء) سے رجب ۱۰۷۵ھ (جنوری۔ فروری ۱۶۶۵ء) تک خوشحال خان دہلی میں رہا۔ اور اس کے بعد رنتھمبور بھیج دیا گیا۔ خوشحال خان کو رہائی کے بعد بھی ابھی مصیبت کے دن گزارنے تھے کیونکہ اسے وطن آنے نہیں دیا گیا۔ بلکہ ہندوستان ہی میں اختیاطاً روک لیا گیا تھا اور اس نے ملازمت بادشاہی اختیار کر لی تھی[۴۱] رجب ۱۰۷۷ھ (دسمبر جنوری ۶۷۔۱۶۶۶ء) میں ہم اسے دہلی میں پاتے ہیں۔ غرہ رجب ۱۰۷۷ھ[۴۲] (دسمبر ۱۶۶۶ء) کو خوشحال خان گھوڑے پر سوار بازار میں جا رہا تھا کہ گھوڑے سے گر پڑا اور ٹانگ میں چوٹ آنے کی وجہ سے صاحب فراش ہوا۔ ۴ رجب (دسمبر) کو خوشحال خان نے ایک نظم لکھی[۴۳] جس میں اس حادثہ اور اپنی غریب الوطنی کا رونا رویا ہے۔

حبسیات: قید کے ایام میں خوشحال خان نے متعدد غزلیات، قصائد اور قطعات وغیرہ لکھے جو قید و بند اور غریب الوطنی کے مصائب و آلام اور حالات اور وطن عزیز اور اقارب و احباب کی یاد اور فراق میں پرسوز اور دردناک نالہ و فغاں پر مشتمل اور شاعر کی مظلومیت و بے گناہی کے آئینہ دار ہیں۔ ان نظموں میں تاریخی اعتبار سے ترکیب بند ذوالقافیتین[۴۴] بہت زیادہ اہم ہے۔ جو گیارہ بند اور ۱۲۰ اشعار پر مشتمل ہے اور ۱۰۷۵ یا ۱۰۷۶ھ میں رنتھمبور میں لکھی گئی۔ اس میں اپنی گرفتاری

اور قید کے متعلق بہت سے حالات خوشحال خان نے نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیے ہیں
ضمناً جنگ تخت نشینی کا بھی مختصر سا حال آ گیا ہے۔ یہ نظم نہ صرف ایک بیش قیمت تاریخی دستاویز ہے
بلکہ خوشحال کی ان متعدد نظموں میں سے ہے جو اس کی قادر الکلامی کی بین دلیل ہیں۔ ان نظموں
میں (بشمول ترکیب بند ذوالقافتین) کے بہت سے حوالے صفحات گزشتہ میں دیے جا چکے ہیں
اب چند اشعار تین مختلف غزلوں اور دو قصیدوں اور فراقنامہ کی بعض مثنویوں سے منتخب کر کے ہم
قارئین کرام کے بلاتے ہیں۔ پہلے ایک مسلسل غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

که ګذر به خیر آباد وکړې نسیمه — اے باد نسیم اگر خیر آباد سے تیرا گزر ہو
یا دې ګذت وشي د سراې د سیند په سیمه — یا سرائے اکوڑہ کے دریا کے کنارے چلے
په وار وار زما سلام ورته عرضه کړه — تو بار بار آداب و نیاز کے ساتھ
ورسره زما له لوري ډېر تسلیمه — میرا سلام ان سے عرض کیجو
اباسیند ورته ناره وکړه په زوره — (متلاطم و تیز رفتار) اباسیند (دریائے سندھ) کو چلا کر
ولندي ورته وینا وایه حلیمه — اور (سبک خرام و ہموار) لنڈے (دریائے کابل) کو آہستہ نرمی سے کہنا

ګوندې وې چې بیا مې ستاسې جام نصیب شي — کہ شاید پھر مجھے تمہارے جام نصیب ہوں
به ګنګا جمنا به نه یم تر قدیمه — ہمیشہ گنگا جمنا کے کنارے نہیں رہیں گے
چې سرې اوبه د غره نشته په هند کښې — جب ہند میں پہاڑ کا ٹھنڈا پانی نہیں
تږې توبه که واره ډک دې له نعیمه — تو میری اس سے توبہ اگرچہ نعمتوں سے بھرپور ہے
همېشه به په هند نه اوسې خوشحاله — اے خوشحال تو ہمیشہ ہند میں نہ رہے گا
عاقبت به عاصي ووځي له جحیمه — انجام کار گنہگار کو جہنم سے نکالا جائیگا (۴۵)

ایک اور غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ یہ ایک شعر جو پشتو ادب کے عزیز ترین سرمایہ
میں سے ہے جو گویا ہمارے قومی ادب کا گنج گرانمایہ ہے۔ اس ایک شعر میں روہ کی پیاری اور پاک
سرزمین سے پیار اور محبت کی ایک دنیا آباد ہے۔ جس طرح اس ایک شعر کی خوشبو سے آج تک
ہمارے مشام تر و تازہ ہیں اس طرح دنیا بھر کے مشک و عنبر اور پھولوں سے نہیں ہو سکتے:

پښتنې جونه دې زلفې باد ته نیسي — افغان دوشیزائیں اپنی زلفوں کو ہوا میں لہرائیں

چې شمال يې بوي راوړي په رنتهبور کښې
تاکہ بادِ شمال ان کی خوشبو مجھے رنتھبور میں پہنچاتی رہے۔

اور ایک اور غزل کے چند شعر ہیں۔ ریاض روہ کا طوطیٔ شیریں مقال وطن سے دور ہندی قفس میں اپنے مصاب و آلام کی کہانی سنا رہا ہے:

اورنګزيب چې آرائش د تخت و تاج کا
آج اورنگزیب اپنے تخت و تاج کی آرائش میں مصروف ہے

تخت و تاج به يې مرګ کړي تاخت و تاراج کا
اور وہ دن اسے بھولا ہوا ہے جب موت کی تاخت و تاراج ہوگی اور اس کا تخت و تاج

په جهان کښې به يې پاتو بنه بد نوم شي
دنیا میں خوب بُرا نام چھوڑ جائے گا

دا زده چارې د کسرئ که د حجاج کا
یہ جانے جو کسریٰ اور حجاج کے کام کرتا ہے

زه غمزن د عيد په جشن خبر نه شوم
مجھ غمزدہ کو جشن عید کی خوشی سے کیا کام

که درست خلق د دهليه ابتهاج کا
اگرچہ دہلی کے سب لوگ خوشیاں منا رہے ہیں

وبه سترګو لره لاړې اور د زړه شي
جب آنکھوں کے پانی سے دل میں آگ بھڑک رہی ہو

خوک به څه رنګه ژوندون په دا مزاج کا
تو کسی کی ایسے میں کیا گزرے گی

چې په رګ مې ګوتې کيږدي رنګ يې زير شي
جب طبیب میری نبض پر انگلی رکھتے ہیں تو ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے

طبيبان به مې په څه د رنځ علاج کا
اب خاک علاج کریں گے میرا!! (۳۶)

دوه مين چې په هواد وبلـه بيل شي
جب دو ہم وطن دوست ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں

خدای څه شکل د تش سلام محتاج کا
تو خدا کس طرح انہیں سلام تک کا محتاج کر دیتا ہے

زما اوښې د ګوګل په جوش پيدا دي
میرے آنسو میرے سینے کے جوش سے پیدا ہوتے ہیں۔

لکه اور چې له کبابه نم اخراج کا
جیسے آگ کباب سے نم نکالا کرتی ہے۔

هر ناوک چې د قضا له شسته خيژي
آہ زمانے نے قضا کے تیروں

زمانه د خوشحال زړه ورته آماج کا
کا نشانہ خوشحال کے دل ہی کو بنا رکھا ہے۔ (۳۷)

اور اس طرح کے ایک قصیدہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

را له درست د دهلي ښهر وه بوستان
میرے لیے دہلی کا سارا شہر ایک باغ ہے

جې پکښې وو باز، باقي سعادت خان

په هغه زمان چې دوی له ما روان شول
بلا سخت یم چې ژوندی نه مرم په هجران

چې د دیو له دیدنه نه محروم شوم
که رښتیا وایم زه اوس شوم په زندان

خپل کهول مې لکه باغ زه ئې باغوان وم
ښه عجب و ولمه جوړ وو باغ باغوان

زمانه چې باغ باغوان ویله بیل کا
دا بېلتون به د دواړو لره وي خزان

چې بو ګل د هغه باغ وینې په سترګو
په باغوان باندې ښادي وي هر زمان

د مجنون څېره تصویر په کاغذ ګوره
زه هم هسې هډوپوست یم استخوان

په جهان کښې هر څوک یو ځله په مرګ مري
زه بې مرګ مرم نه یو ځل زمان زمان

په ناحق د اورنګزیب په بند بندي یم
خدای خبر دی په تهمت او په بهتان

زه په ځان کښې ګناه نه وینمه خدای ګو
ولې نور خلق خبرې کا شان شان

د ګناه مې سررشته معلومه نه ده
مګر خپل هنر د ځان وینم تاوان

لکه زه وم په راستي په درستي کښې

جب تک اس میں میر باز، باقی اور سعادت خان
موجود تھے

آہ وہ کتنا سخت وقت تھا جب وہ مجھ سے جدا ہو گئے
اور میں بھی کتنا سخت جان ہوں کہ باوجود ان کی
جدائی کے مرتا نہیں۔

جب میں ان کے دیدار سے محروم ہو گیا
تو سچ پوچھو تو میں اب قید ہو گیا ہوں

میرا خاندان باغ تھا اور میں اس کا مالی
مالی اور باغ کی آپس میں کیا اچھی گزر رہی تھی

جب زمانہ باغ اور مالی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے
تو یہ جدائی دونوں کے لیے خزاں ہوتی ہے

جب مالی اپنے باغ کا ایک پھول بھی دیکھ پاتا ہے
تو ہر گھڑی اس کے لیے خوشی ہوتی ہے

مجنون کی تصویر کو کاغذ پر دیکھو
میں بھی اسی طرح ہڈیاں بلکہ صرف ہڈیوں کا
ڈھانچہ رہ گیا ہوں۔

ہر ایک اس دنیا میں ایک دفعہ موت کے ہاتھوں مرتا ہے
میں بغیر موت کے ایک دفعہ نہیں بار بار مر رہا ہوں

ناحق اورنگزیب کے قید خانے میں قید پڑا ہوں
خدا جانتا ہے کہ میں تہمت اور بہتان کا شکار ہوا ہوں

خدا کی قسم میں اپنے آپ میں گناہ نہیں دیکھتا
البتہ لوگ قسم قسم کی باتیں بنا رہے ہیں

میرے گناہ کا سررشتہ معلوم نہیں
میری روشنئ طبع ہی میرے لیے بلا بنی ہے۔

میری طرح راستی اور درستی سے مغل کی خدمت

د مغل په خلعت نه وه بل افغان — دوسرا کوئی افغان نہ کرتا تھا

بادشاهانو لره ترس د زړه بانده دے — بادشاہوں کے لیے رحم دلی

مروت غور رسي عدل و احسان — مروت، مظلوموں کے حال پر غور اور عدل واحسان بہت ضروری ہیں۔

څوک به چا لره په داد او په فریاد خي — اب کس کے پاس فریاد لے کر دادخواہی کے لیے کوئی جائے

چې په ظلم راضي من شول بادشاهان — جب خود بادشاہ ظلم پر اتر آئے ہیں

چې زما په خیلخانه په اولس وشول — جو حال میرے خاندان اور قبیلے کا ہوا

وه دې نه شي په هندو په مسلمان — وہ نہ ہندو اور نہ مسلمان کو پیش آئے

چې د خپل پردي تمیز وربانديې ورک شو — بادشاہ اپنے پرائے کی تمیز کھو کر

بادشاهان د خپل دولت کاندې نقصان — اپنی بادشاہی کے زوال کا باعث بنتے ہیں۔ (۴۸)

اب فراق نامے کی ایک مثنوی کے چیدہ چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں:

چې مېښته په سنګاو دي — وہ جو سنگاؤ میں پناہ گزیں ہیں

په عظیم دریاب لاهو دي — غم اور اندوہ کے عظیم دریا میں بہے چلے جا رہے ہیں

د هغو په حال خبر شوے — کاش ان مظلوموں کے حال کی خبر ہوتی

را ښکاره ئې هر اثر شوے — اور وہ اپنا اثر دکھاتا (۴۹)

چې څه خوري څه ئې خوراک دے — مجھے پتہ ہوتا کہ وہ کیا کھاتے ہیں ان کی خوراک

څه ئې ژواک څه ئې پوشاک دے — اور پوشاک کیا ہے اور ان کی زندگی کیسے گزرتی ہے

کوم روزګار کاندې په غم کښې — غم کے عالم میں ان کا کیا روزگار ہے

کوم کوم کار کاندې په غم کښې — اور کیا کیا کام کر رہے ہیں

حال د جت د مور څه شان دے — جت (۵۰) کی والدہ کس حال میں ہے

زړه ئې څو خایه پریشان دے — اور اس کا دل کتنی طرح پریشان ہے

د خلو د مور څه حال دے — خلو کی ماں کا کیا حال

په څه څیز ئې اشتغال دے — اور کیا شغل ہے

څه کا مور د صدر څه کا — آہ صدر کی ماں کیا کر رہی ہوگی

جدائي تره خدائے خپل کړه کا — آہ جدائی خدا کی مرضی ہو کر رہتی ہے

حال به څه د بناز د مسرور وي — آہ (۵۱) کی ماں کا کیا حال ہوگا

چه اور سي لګېده سکور وي — جیسے آگ میں جلا ہوا انگارہ

څه مي زوي به څه مي لورنه — کیا میرے بیٹے اور کیا میری بیٹیاں

څه مي خوېندې څه مي ورونه — کیا میری بہنیں اور کیا میرے بھائی

څه یاران څه عزیزان دي — کیا میرے دوست اور کیا میرے عزیز

څه به دا آتش بریان دي — سب اس آگ میں بھن رہے ہیں

وروېشت زوي به دوه دېرش لورنه — میرے ستائیس بیٹے اور بتیس بیٹیاں

دوه مي خوېندې دري مي ورونه — دو بہنیں اور تین بھائی (۵۲)

هغه ملک دې خدای ګلزار کا — اس ملک کو خدا گلزار کرے

چې مې زوي به پکښې ښکار کا — جس میں میرے بیٹے شکار کھیل کر دل بہلاتے ہیں

هغه ملک دې خدای آباد کا — اس ملک کو خدا آباد کرے

چې مې ګشت پکښې اولاد کا — جہاں میری اولاد پھر رہی ہے

هغه ملک دې خدای معمور کا — اس ملک کو خدا معمور کرے

چې هلک مې پرې سرور کا — جو میرے بچوں کے سرور کا باعث ہے

چې پکښې مې لوی هلک دي — جس میں میرے سارے چھوٹے بڑے

چې پکښې واړه خټک دي — اور سب خٹک مقیم ہیں

هغه ملک مې د زړه سر دې — وہ ملک میرا دل ہے

همېشه مې پرې نظر دې — اور اس پر میری نظر ہے

هغه ملک د سترګو نور دې — وہ ملک میری آنکھوں کی بینائی ہے

چې پکښې مې سپین او تور دې — جس میں میرے سفید و سیاہ بس رہے ہیں۔ (۵۳)

هغه خاورې مې چې همدم دي — جہاں میرے ہمدم ہیں

هغه خاورې مې چې ندیم دي — جہاں میرے ندیم ہیں

که په تن به رنتمبور یم — میرا دل وہیں ہے

په زړه تل به هغه لور یم — اگرچہ میرا تن رنتھمبور میں ہے۔

اور ایک دوسری مثنوی کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں کس طرح اپنے وطن

[illegible] شکار کے ارمان اور شکار سے واپسی پر اپنے بیٹوں کا استقبال کے لیے آئے [illegible]

نہ بہ بیا د ښکار سامان کړم — کاش وہ دن پھر آئیں جب شکار کی تیاری کروں

نہ بہ بیا آھو ګرځان کړم — اور ہرنوں کو دوڑاتا پھروں (۵۴)

نہ بہ بیا زینو دادین وي — زینو اور وادین ہوں

نہ بہ بیا اسونہ زین وي — اور گھوڑوں پر زینیں کسی جا رہی ہوں

نہ بہ بیا ټوپک پہ غاړہ — گلے میں بندوق حمائل کیے ہوئے ہوں

راسرہ وي جوړي دواړہ — اور کتوں کی دو جوڑیاں ساتھ ہوں

نہ بہ بیا وړاندې عثمان خي — عثمان آگے آگے جا رہا ہو

وروستي بہ نور [illegible] خي — اور باقی سپاہی اس کے پیچھے ہوں

نہ بہ باز یحیی [illegible] دواړہ — باز اور یحییٰ خان دونوں

راتلي بیا د سیند پہ [illegible] — دریا کے کنارے میرا انتظار کر رہے ہوں

نہ بہ زۀ د دوی دپارہ — اور میں ان کے لیے

ترنارو راوړم لہ ښکارہ — [illegible] شکار کر کے لاؤں

نہ بہ بیا پہ محل ستړے — صحرا کا [illegible] کے

ورشم ښکار د مېرې کړے — تھکا ہوا محل میں [illegible] ہوں

نۀ صدرو خواتہ راشي — پیارا اصدر قریب آئے

چې د زړۀ کلفت مې واشي — اور تمام کلفت دور ہو جائے

ایک اور مثنوی کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔ دوستوں کی یاد میں آنکھوں کا یہ حال ہو رہا ہے:

پہ فراق د ښو یارانو — پیارے دوستوں کی جدائی میں

سلا خوښ یم لہ چشمانو — اپنی آنکھوں سے بہت ہی خوش ہوں

چې د هر اشنا دپارہ — کہ ہر ایک دوست کی یاد میں

اښکال توي خو خو وارہ — بار بار ساون بن کے برسیں۔

اس سے پہلے ایک قصیدہ کے چند اشعار آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب ایک اور قصیدہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

خهٔ بوازې به مانهٔ ده که ژوندې وې	میرا ہی یہ حال نہیں ہو رہا اگر اورنگزیب بادشاہ زندہ
اورنگزیب بادشاه به ډیر کاندې پائمال	تو بہتوں کو پامال کر ڈالے گا
ده به لاس د بخت نصر ظلم واخست	وہ بخت نصر کے ظلم ڈھانے لگا ہے
زهٔ د ده له لاسه بند لکه دانیال	اور میں اس کے ہاتھوں دانیال کی طرح قید ہوں (۵۵)

اور اسی قصیدہ میں محمد امین خان اور میر خان کی کوششوں کا شکریہ جو انہوں نے خوشحال خان کی رہائی کے لیے کیں یوں ادا کرتا ہے:

آفرین د میر جمله په زویه باندې	آفرین ہو میر جملہ (۵۶) کے بیٹے پر
چې نن دې د میر بخشي به استقلال	جو آج مستقل طور سے میر بخشی ہے
که هزار توري ځمدر غشي وریږي	خواہ ہزاروں تلواریں جمدر (چھریاں) اور تیر برس رہے ہوں
دهٔ زما په سر نیولې دې ځپل ډال	اس نے اپنی ڈھال میرے سر پر تھام رکھی ہے
که بادشاه که امرا زما د پاره	میرے لیے بادشاہ و امرا ایک
دهر چا سره د ده دې خواب سوال	کے ساتھ گفت وشنید کر رہا ہے
بل میر خان د خلیل خان زویه تلاش کا	اس کے علاوہ خلیل خان (۵۷) کا بیٹا میر خان بھی خیر خواہ ہے
بل د نیکو نیت لیدهٔ شي د کوتوال	اور کوتوال کی نیت [illegible] بھی دکھائی دیتی ہے۔ (۵۸)

قید میں خوشحال خان کے ساتھ بادشاہ کا سلوک: میسر تاریخی شہادت کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خوشحال خان اپنے راشی اور مفسد رشتہ داروں اور بعض مرتشی امرائے حکومت کی سازش کا شکار ہوا اور باوجود اس کی بے گناہی اور مظلومیت کے بادشاہ نے اس کی دادرسی نہ کی۔ حالانکہ سوائے اہل غرض کے تمام مقامی منصبدار بھی اس کے طرفدار تھے اور اس کی گرفتاری کے بعد صوبہ دار سے اس کی گرفتاری پر احتجاج بھی کیا اور بعدہ بعض امرائے عظام جیسے محمد امین خان اور میر خان نے بھی بادشاہ سے اس کی رہائی کی سفارش کی اگرچہ ذاتی و خاندانی خدمات اور قرب کے لحاظ سے میر جملہ کا بیٹا شیخ میر کے بھائی سے کچھ کم نہ تھا مگر چونکہ خوشحال خان کے صوبہ کا حاکم اعلیٰ سید امیر خان خوافی تھا اور وہی صوبہ کے نظم ونسق کے لیے ذمہ دار تھا۔ اس لیے اس کی صلاح اور مشورہ کے خلاف شہنشاہ نے خوشحال خان کو رہا کر دینا مناسب نہ سمجھا۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں محمد امین خان کی سفارش سے بادشاہ

خوشحال خان کو ضمانت پر رہا کر دینے پر آمادہ ہو گیا تھا مگر اس کے خلاف صوبہ دار کابل کی رائے بادشاہ کو ملی جس کی وجہ سے خوشحال خان کو قید بھگتنی پڑی۔

جہاں تک دوران قید میں ہمارے ہیرو کے ساتھ بادشاہ کے سلوک کے متعلق ہم اندازہ لگا سکتے ہیں وہ بہت شریفانہ تھا اور بادشاہ نے نوشت وخواند اور رشتہ داروں سے ملنے جلنے کی تمام سہولیات اس کو دے رکھی تھیں۔ اگر یہ سہولیات خوشحال خان کو بہم نہ پہنچائی جاتیں تو آج خوشحال خان کے کلام نظم ونثر کا ایک بہت بڑا اور قیمتی حصہ ناپید ہوتا۔ جس کا ادب اور تاریخ دونوں کے علاوہ نہیں ہوتا۔ یہ فرض کرنا بعید از قیاس اور خلاف واقعات ہوگا کہ خوشحال خان نے اتنی متعدد نظمیں جن میں بعض بہت طویل بھی ہیں حفظ کر رکھی تھیں اور رہائی کے بعد یاد سے لکھیں۔ علاوہ ان منظوم حبسیات کے جو دیوان وکلیات اور فراقنامہ میں درج ہیں خوشحال خان نے اپنی مشہور اور اہم کتاب دستارنامہ جو پشتو زبان میں اس کے نثری مضامین کا مجموعہ ہے رنتھمبور کے قید خانہ میں لکھی۔ علاوہ بریں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کے خویش واقارب میر باز خان، باقی خان سعادت اور عمر خان اسمٰعیل خیل وغیرہ اس کی قید کے دوران میں اس سے ملتے رہے۔ اس نے اپنی حبسیات میں ان واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جو اس کے ایام قید میں اس کے ملک میں ہوتے رہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان واقعات سے قید خانہ میں بخوبی آگاہ ہوتا رہتا تھا۔

اورنگزیب کے زمانہ میں قلعہ رنتھمبور کے قید خانہ میں زندگی کا اندازہ خوشحال خان کے اپنے الفاظ میں فراقنامہ کی ایک مثنوی کے چند اشعار سے ہو سکتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

یک تنها په کټ کښې پروت یم	ہندوستان کے قلعہ میں قید
بندیوان د هند د کوټ یم	تن تنہا چارپائی پر پڑا ہوں
دا مې سال دا مې احوال دے	یہ میرا حال ہے
که وايه شي ډیر مقال دے	اگر کہوں تو قصہ طولانی ہے
چې په ما باندې بدحال دے	کچھ اوپر ڈیڑھ سال سے
نه د پاسه یو نیم کال دے	میرا یہ حال ہو رہا ہے
په دا کوټ کښې بندیوان دي	اس قلعہ میں ہندو اور
مسلمان دي که هندوان دي	مسلمان قیدی موجود ہیں
لږ نر دوه صوه کم نه دي	ان ظلم وستم سے قید کیے گئے ہوؤں

بند په ظلم په ستم دي
کی تعداد دو سو سے کچھ کم ہوگی

چې ئې د وخت د پلار نيکه وه
اس کے باپ دادا کے وقت میں

هومره بند په دا خاے نه وه
یہاں اتنے قیدی نہ تھے

چې بادشاه د هند اورنګ شو
لیکن جب اورنگزیب ہندوستان کا بادشاہ (ہوا)

بيدادي شوه جهان تنګ شو
تو اس کی بیداد سے جہان تنگ ہوگیا (اور)

کو تر نو بنديان ډير شول
قلعوں کے قیدی زیادہ ہوگئے۔

نه حساب نه شماره تير شول
اس کا حساب و شمار نہیں

هم راني هم راجګان بند دي
راجے، رانیاں اور

شير خوار طفلکان بند دي
شیر خوار بچے قید ہیں

دا چې بند د ما سره دي
یہ جو میرے ساتھ قید ہیں

په هر بند د ما سره دي
ہر طرح سے میرے مونس و غمگسار ہیں

راته واړه تلنه راتلنه کا
سب میرے پاس آتے جاتے ہیں

واړه کار د ما په زړه کا
اور میری مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں

راته لولي کتابونه
مجھے کتابیں پڑھ کر سناتے ہیں

راته وائي خپل خوابونه
اور اپنے خواب مجھ سے آ کر بیان کرتے ہیں

په شطرنج مې زړه ډير ډير کا
شطرنج سے میرا دل بہلاتے ہیں

چې که غم له دله هير کا
تاکہ اس سے میں اپنے غم کو بھول جاؤں

که قصې که افسانې دي
قصے اور افسانے

واړه همه ائې بهانې دي
سب حیلے اور بہانے ہیں

زړه مې سود په هيچا نه کا
کسی طرح میرا دل آسودہ نہیں ہوتا

اور چې بل دے اوبه څه کا
جب آگ خوب بھڑک اٹھے تو پانی سے نہیں بجھ(تی)

څوک چې نرد راله راوړي
جب میرے پاس کوئی نرد لاتا ہے

وايم درد راله راوړي
تو گویا میرے پاس درد لاتا ہے

چې شطرنج راله راوړي
جب کوئی میرے پاس شطرنج لاتا ہے

ګويا رنځ راله راوړي
تو گویا میرے پاس رنج لاتا ہے

صفه زړونه چې رنځور دي	وہ دل جو دکھی ہوں
له هسه هوسه دور دي	ہوا وہوس سے انہیں کیا کام
بې دلداره که ګلزار وي	دلدار کے بغیر گلزار
د عاشق د سترګو خار وي	بھی عاشقوں کی آنکھوں میں خار ہوتا ہے
بې یارانو که بهشت وي	بغیر دوستوں کے بہشت
و خوشحال وته به زشت وي	بھی خوشحال کو اچھا نہیں لگتا
چې د سرای له لوري راشي	سرائے اکوڑہ کی طرف سے جو ہوا آتی ہے
په غه باد مې خاطر واشي	میرے دل کی کلی اس سے کھل جاتی ہے
چې غه باد د ماد غره وي	وہ ہوا جو میرے پہاڑ کی طرف سے آتی ہے
بوی د مشکو ورسره وي	وہ مشک کی خوشبو ساتھ لاتی ہے۔

اس کے بعد جو مثنوی ہے اس میں وطن سے خط آنے پر اپنی بے قراری اور گریہ وزاری کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

ان نظموں اور واقعات سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نہ صرف نوشت وخواند رشتہ داروں سے خط وکتابت اور ان سے ملاقات کی سہولتیں رنتھمبور کے قیدیوں کو حاصل تھیں بلکہ تفریح کے بعض سامان جیسے نرد وشطرنج وغیرہ بھی انہیں مہیا تھے۔ اور وہ آزادانہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔

بااین ہمہ کہستان روہ کے شہباز بلند پرواز کو قلعہ رنتھبور کے قید خانہ کی فضا کیسے سازگار آسکتی تھی اسے روہ کر روہ کے پہاڑوں، دریاؤں، کوہ ومیدان میں شکار اور اپنے بال بچوں کی یاد آتی تھی ایک اور مثنوی میں کہتا ہے کہ "رنتھمبور میں کئی قیدی ہیں جو ایسے خوش ہیں گویا اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں یا تو وہ اپنے قصور کے قائل ہیں اس لیے ایسے فارغ دل ہیں یا انہیں شکار کا شوق نہیں یا ان کا غم انہی کی جان پر ہے اور بیٹوں اور بیٹیوں کے غم سے آزاد ہیں یا ان کا دل کبھی کوئی نہیں لے گیا اور زیادہ عمر گزار چکے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ ہر چند خوشحال خان کے دوران قید میں اس کے ساتھ شہنشاہ کا سلوک اچھا رہا ہو اس کا خوشحال خان سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ زن و بچہ کو بطور یرغمال ہندوستان لے آئے تو شہنشاہ اسے چھوڑ دے گا۔ اور اس مضمون کا حکم سید امیر خان خوافی کو

بھی بھیجنا بے حد سخت اور ناقابل عمل مطالبہ اور بہت ہی دل خراش فرمان تھا۔ باوجود [illegible]
کی خدمات کے بے گناہ قید ہونا، اس کے اہل و عیال کا جب وہ گرفتار ہوا، بنگال [illegible]
مارے پھرنا، اشرف خان کے بے قصور قید ہونا، پھر جب خوشحال خان ہندوستان میں [illegible]
خوف سے کہ مبادا اس کے اہل و عیال کو ہندوستان لے جایا جائے ان کا علاقہ یوسف زئی [illegible]
پناہ لینا یہ تمام باتیں افغان کے دل سے نکلنے والی نہ تھیں۔

یوسف زئیوں کی بغاوت: خوشحال خان کی ہندوستان میں نظر بندی کے دوران [illegible]
دہم جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۷ھ) میں یوسف زئیوں نے بھاکو خان اور ملا [illegible]
زیر قیادت ایک خطرناک شورش برپا کی اور حسب بیان مرزا محمد کاظم ایک گمنام شخص کو جو [illegible]
مقتداؤں کی اولاد میں سے تھا محمد شاہ کے لقب سے اپنا بادشاہ بنایا۔ (۶۰) ابتداء میں یوسف
زئیوں کو کامیابی ہوئی اور ملا چالاک نے بھاکو خان کی صلاح اور مشورہ کے مطابق پانچ ہزار [illegible]
کا لشکر لے کر دریائے سندھ عبور کیا اور اس کے مشرق میں موجودہ ضلع ہزارہ میں علاقہ پکھلی
جو ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا ایک حصہ ہے قلعہ چھا چل (۶۱) پر حملہ آور ہوا اور اس علاقہ
مرزبان جس کا نام شادمان تھا کے گماشتہ شمشیر سے وہ قلعہ لے لیا۔ بعض دوسرے مقامات اور
چوکیوں پر بھی حملے کیے گئے۔ ان واقعات سے مطلع ہو کر شہنشاہ نے کامل خان (۶۲) فوجدار [illegible]
اپنی فوج کے ساتھ مدافعت کا حکم دیا اور سید امیر خان خوافی صوبہ دار کابل کو حکم بھیجا کہ وہ [illegible]
فوج باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجے اور محمد امین خان میر بخشی کو نو ہزار فوج اور ضروری سامان
کے ساتھ ہندوستان سے روانہ کرنے کا انتظام کیا۔ کامل خان نے کمک کا انتظار کیے بغیر باغیوں
سے نبرد آزمائی کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ گکھڑ سردار مراد قلی خان اور خوشحال خان [illegible]
خان (۶۳) بھی مع اپنے آدمیوں کے بادشاہی فوج کی امداد کے لیے آئے ہوئے تھے۔ [illegible]
اور یوسف زئیوں جو بہت زیادہ تعداد میں دریائے سندھ کو عبور کیے ہوئے تھے درمیان دریا [illegible]
جنوب مشرق کنارے پر گزر ہارون (۶۴) کے قریب ماہ شوال ۱۰۷۷ھ (اپریل ۱۶۶۷ء) [illegible]
لڑائی ہوئی جس میں یوسف زئیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ان کے قریباً دو ہزار آدمی قتل [illegible]
مجروح اور چالیس گرفتار ہوئے۔ اور بہت سے دریا میں ڈوب مرے۔ کامل خان نے چار [illegible]
مقتولوں کے سر کٹوا کر ایک سو سر تو پشاور بھیجے اور باقی سروں کا کلہ منار تیار کرایا۔
۱۸ ذی القعدہ (مئی) کو شمشیر خان حیات ترین (۶۵) جسے صوبہ دار کابل نے باغیوں [illegible]

فوج متعینہ اٹک کی امداد کے لیے بھیجا تھا عبدالرحیم نائب صوبہ دار کابل متعین پشاور، راجہ دیبی سنگھ بندیلہ اور گوپال سنگھ وغیرہ کے ہمراہ دریائے نیلاب (سندھ) کو عبور کر کے اٹک آیا اور بعد ازاں پھر ولایت یوسف زئی کے برابر دریا کو عبور کر کے ان کے علاقہ میں داخل ہوا۔ اسی تاریخ کو محمد امین خان کو میر خان (۶۶) قباد خان۔ رگھناتھ سنگھ بھورتیہ۔ کیسری سنگھ بھورتیا اور سو بھکرن بندیلہ وغیرہم کے ہمراہ نو ہزار فوج توپ خانہ اور ضروری ساز و سامان جنگ کے ساتھ دربار سے رخصت کیا گیا۔

شمشیر خان ترین نے موضع اوہنڈ (ہنڈ تحصیل صوابی ضلع مردان) پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں تھانہ قائم کر کے اس کا انتظام کیا اور گرد و نواح میں یوسف زئیوں کی بستیوں اور ان کی کھیتی باڑی کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد شمشیر خان کو اطلاع ملی کہ یوسف زئی موضع ہائے منصور (شاہ منصور) شیخ پیر و مرغز (ہر سہ واقع تحصیل صوابی ضلع مردان) میں جو بہاکو خان اور اس کے پیرووں کی سکونت گاہ (۶۷) ہیں اجتماع کیے ہوئے ہیں تو خان مذکور ان کی سرزنش کے لیے اوہنڈ (ہنڈ) سے ۲۱ ذی الحجہ (جون) کو روانہ ہوا۔ موضع شیخ پیر میں افغانوں اور بادشاہی فوج کے درمیان مقابلہ ہوا۔ افغان بادشاہی فوج کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور وہاں سے بندوق کی گولیاں اور پتھر برسانے لگے۔ مگر وہاں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لڑائی میں بادشاہی فوج کے مقتولین میں داؤد برادر شمشیر خان بھی شامل تھا۔ فتح کے بعد بادشاہی فوج نے شمشیر خان کی زیر قیادت شیخ پیر اور مرغز کے قرب و جوار میں یوسف زئیوں کے دیہات اور کھیتوں کو خوب تباہ و برباد کیا اور ان کے مال مویشی کو بھی ہانک کر لے گئے۔ اس کے بعد وسط محرم ۱۰۷۸ھ اوائل جولائی ۱۶۶۷ء میں موضع منصور (شاہ منصور) کے قریب یوسف زئیوں کے ایک بہت بڑے لشکر کو بڑے سخت مقابلہ کے بعد شمشیر خان نے شکست دی۔ یوسف زئیوں کی ایک تعداد کثیر مقتول و مجروح ہوئی۔ تین سو کے قریب جن میں بعض معتبر ملک بھی تھے گرفتار کیے گئے۔

تھوڑے عرصہ بعد محمد امین خان بھی آ پہنچا۔ اور اس نے بھی یوسف زئیوں کے ملک کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ میر خان نے بھی بہ سرکردگی محمد امین خان نواحی شہباز گڑھی (تحصیل و ضلع مردان) اور مضافات لنگر کوٹ (موجودہ گڑھی کپورہ (۶۸) تحصیل و ضلع مردان) اور کوہ کڑومار کے آس پاس کے علاقہ کو خوب تاخت و تاراج اور نذر آتش کیا۔ اواخر ربیع الثانی ۱۰۷۸ھ اکتوبر ۱۶۶۷ء تک شورش بالکل کچلی جا چکی تھی۔ محمد امین نے وادی سوات پر تاخت

کی اور پھر او ہنڈ میں پہنچ کر وہاں کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کی اور ۶ جمادی الاول ۱۰۷۸ھ (۱۱ اکتوبر ۱۶۶۷ء) کو بادشاہی فرمان کے مطابق شمشیر خان کے پاس دو ہزار فوج چھوڑ کر رخصت ہوا۔ (۶۹)

اس شورش کے دوران میں ایک جعلی شجاع بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جس پر ہم مخلوط آئندہ میں تفصیل سے بحث کریں گے۔

اگرچہ اس جنگ میں اشرف خان نے جو حکومت کا عہدیدار تھا۔ مغلوں کا ساتھ دیا۔ اور خوشحال خان نے بھی با دل ناخواستہ ملازمت بادشاہی اختیار کر لی تھی۔ مگر خوشحال خان کے ساتھ یوسف زئیوں کے احسان کو پیش نظر رکھ کر ہم اس کے اصلی جذبات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اور آئندہ واقعات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے گزشتہ واقعات کے ساتھ اس جنگ کے واقعات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ اس جنگ میں منظر جنگ زیادہ تر مندڑوں کا علاقہ رہا اور اس کی قیادت بھی ایک مندڑ یعنی بہاکو خان کے ہاتھ میں تھی جس کے ساتھ خوشحال خان کی گونا گوں دشمنی تھی۔ اس کا خاندانی دشمن اور حکومت کا باغی تھا۔ اور بعد میں عہد شاہجہانی کے آخری دور میں دونوں میں حکومت کے زیر سایہ علاقہ میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کی وجہ سے رقابت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ خوشحال خان کے اہل و عیال کو یوسف زئیوں نے پناہ دی تھی۔ مگر اس جنگ میں یوسف زئی بالکل علیحدہ نہیں رہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ محمد امین خان نے یوسف زئیوں کے علاقہ سوات (۷۰) کے کچھ حصہ کو بھی تاخت و تاراج کیا اور اس سے پہلے سوات اور بنیر کے اکوزئی اور ملے زئی بھی (جو دونوں قبیلہ یوسف زئی کی شاخیں ہیں) اپنے قرابت داروں کی امداد کو آئے تھے اور اس جنگ میں برابر حصہ لیا۔ علاوہ بریں آگے کے واقعات سے ظاہر ہوگا۔ کہ خوشحال خان کے جذبات مندڑوں اور یوسف زئیوں دونوں کے لئے یکساں دوستانہ ہو گئے تھے۔

حواشی

۱۔ بقول نواب شاہنواز خان ایام بادشاہزادگی سے اورنگزیب کے "نوکران دلسوز" میں سے تھا۔ تمام بڑے بڑے معرکوں میں خدمات جلیلہ بجا لایا۔ مراد بخش کو بھی اس نے گرفتار کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۱۷ کتاب ہذا) جنگ اجمیر میں خدمت بادشاہی بجا لاتا ہوا مارا گیا۔ جب سینہ میں

کو دیکھا تو اپنے رشتہ دار سید ہاشم کو جو اس کے پیچھے ہاتھی پر سوار تھا کہا کہ میرے کمر بند میں ہاتھ ڈال کر پکڑ رکھو مبادا ایسے وقت میں جب کہ صدائے شادیانہ فتح بلند ہونے کو اور نسیم فیروزی چلنے والی ہے میرے گرنے سے ہمارے آدمی دل شکستہ اور دشمن دلیر نہ ہو جائیں۔ مرزا محمد کاظم اس کے نام کے ساتھ "زبدۂ نوئینان عقیدت منش" کے باعزت الفاظ لکھتا ہے۔

۔ ششم سال جلوس کے دوران میں مرزا محمد کاظم نے ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۷۴ھ (نومبر ۱۶۶۳ء) امیر خان صوبہ دار کابل کا جو حسب فرمان بادشاہی آیا ہوا تھا لاہور میں شرف باریابی پانا اور اضافہ منصب حاصل کرنا بیان کیا ہے۔ ع۔ن ص ۸۴۲ نیز ملاحظہ ہو مآثر الامرا جلد ۲ سوانح عمری سید امیر خان خوافی (ص۔ ۴۴۷)

۔ ت۔م (ق) میں اصل پشتو لفظ اس طرح ہیں " ترونو ی پنخوس زرہ روپی ورنہ د شمشیر خان پہ ضامنی قبولی کڑے وے " یعنی اس کے (خوشحال خان) کے چچوں نے پچاس ہزار روپے اس (سید امیر خان خوافی) کے آگے شمشیر خان کی ضمانت پر قبول کیے تھے۔ غالباً یہ مطلب ہوگا کہ صوبہ دار سے وعدہ کیا تھا کہ اگر انہیں (یعنی خوشحال خان کے چچوں) کو خانی دی جائے تو پچاس ہزار روپے صوبہ دار کو ادا کریں گے اور شمشیر خان کو اس بات کا ضامن ٹھہرایا تھا۔ شمشیر خان سے مراد شاید خوشحال خان کا بھائی ہو بہر صورت عبارت مزید تشریح طلب ہے۔

۔ لاہور سے پایہ تخت کی طرف کوچ کے بعد راستہ میں بتاریخ ۲۴ ربیع الثانی (نومبر) امیر خان کو اپنے صوبہ کی طرف رخصت کیا گیا۔ ع۔ن ص ۸۴۶

۔ نواب سے مرزا عبدالرحیم نائب صوبہ دار نہیں بلکہ خود صوبہ دار مراد ہے۔ ت۔م (ق) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید امیر خان خوافی نے پشاور آ کر خوشحال خان کو پیغام بھیجا تھا اور خوشحال خان کی گرفتاری کے وقت پشاور میں موجود تھا نیز عام طور سے نواب اس کے لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ امرائے عظام کے لیے مستعمل ہے۔

۔ کلیات ص ص ۱۰۶۵۔۱۰۶۸ دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۴۶۔۳۵۱۔ ت۔م (ق)

۔ کلیات ص ۶۵۰ دیوان حصہ ۱ ص ۶۱

۔ رزڑ مندڑ قبیلہ کی ایک شاخ ہے جو ضلع مردان کی تحصیل صوابی کے ایک حصہ میں آباد

۹۔ خلیل قبیلہ غوریہ خیل کی ایک شاخ ہے ان کے دیہات پشاور شہر سے جانب جنوب مغرب اور شمال مغرب واقع ہیں۔

۱۰۔ قبیلہ غوریہ خیل کی سب سے بڑی شاخ ہے۔ مہمند اپنے قرابت داروں خلیلوں اور داؤدزئیوں کی طرح ضلع پشاور کی تحصیل پشاور میں آباد ہیں اور ان کے اکثر گاؤں پشاور کے ... میں اور بعض جنوب مشرق میں واقع ہیں۔ ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں بھی مہمندوں اور خلیلوں کے چند دیہات ہیں۔ مگر ان دیہات میں غوریہ خیلوں کی آبادی زیادہ نہیں۔ ماضی قریب ... مہمندوں نے ضلع مردان میں بھی بستیاں بنائی ہیں۔ علاوہ ازیں مہمند پشاور کے شمال اور مغرب کی جانب پاکستانی قبائلی علاقہ کے کہستانوں میں بھی آباد ہیں۔ ان کی کچھ آبادی علاقہ ... (پاکستان) میں بھی ہے اور افغانستان میں بھی کافی تعداد میں آباد ہیں۔ ارباب مستجاب ... پشاور کا مہمند تھا۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو ص ۹۲ کتاب ہذا

۱۲۔ مؤلف نے پیش نظر نظم کے ترجمہ میں عثمان کو خوشحال خان کا بیٹا ظاہر کیا ہے حالانکہ اصل پشتو شعر میں اس بات کا ذکر ہے اور نہ ہی خوشحال خان کے کسی بیٹے کا نام عثمان تھا۔ ایک ... کا نام زین خان تھا مگر یہاں عثمان اور زینو سے خوشحال خان کے باوفا رفقاء مراد ہیں۔

۱۳۔ کلیات ص ۱۰۶۸، ۱۰۶۹ و دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۵۱، ۳۵۲

۱۴۔ کلیات ص ۱۰۷۱ و دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۲

۱۵۔ ت۔م (ق)

۱۶۔ کلیات ص ۶۳۰ و دیوان حصہ ۱ ص ۳۰۵

۱۷۔ کلیات و دیوان سے باقی کا رشتہ خوشحال خان کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا مگر ت۔م (ق) میں آدم خان برادر شہباز خان کے بیٹوں میں باقی خان کا نام درج ہے۔ یوں باقی خان ساقی بیگ کا جو بلوکی لڑائی میں مارا گیا تھا بھائی ہوا۔

۱۸۔ کلیات ص ص ۱۰۶۹، ۱۰۷۰ اور دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۲ نظم مندرجہ دیوان میں دو اشعار جن میں میر باز خان، باقی خان اور سعادت خان کے لاہور پہنچنے اور خوشحال خان سے پہلے ہی پہنچ جانے کا ذکر ہے نہیں مگر نظم مندرجہ کلیات اور ت۔م (ق) نسخہ ہوتی میں موجود ہیں۔ دیوان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد امین خان نے جو تسلی دی تھی وہ خوشحال خان کو نہیں بلکہ کسی ...

دی تھی۔ دیوان میں بھی آگے ان کا ذکر آ جاتا ہے۔
انگریزی ترجمہ حیات افغانی ص ۲۱۱ تاریخ خورشید جہان ص ۲۴۴۔ خورشید جہان کے

۱۹۔ اصل الفاظ یہ ہیں: ''غرم و حرص مفرط او احاطہ نمودہ بود'' یعنی بہت زیادہ غرم اور لالچ اسے گھیرے ہوئے تھے۔ غرم (بہ ضم اول) جو غرامت کے مترادف ہے کے معنی نقصان و تاوان وغیرہ کے ہیں اور غرام (بہ فتح اول) دائمی برائی، حرص، شیفتگی اور عذاب و ہلاکت وغیرہ کے معنوں میں آتا ہے۔ غرم جن معنوں میں بھی استعمال ہوا ہو جیسا کہ ''حرص مفرط'' سے ظاہر ہے خوشحال خان پر بہت زیادہ لالچی ہونے کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ حیات افغانی میں خوشحال خان کی اچھی صفات کے ساتھ اس کی بری صفات Excessive avarice and self-wicedpesuersity یعنی بہت زیادہ لالچ اور خود رایانہ برگشتگی و گمراہی بیان ہوئی ہے۔

۲۰۔ کلیات ص ۶۵۳ دیوان حصہ ا ص ۸۱

۲۱۔ مقدمہ کلیات ص ل ۔ ا ۔ م نیز پبنتانہ شعرا (افغان شعرا) ص ۱۵۲

۲۲۔ مقدمہ ترجمہ انتخاب بذلف ص ۱۳، ۱۴ نیز ملاحظہ ہو ہسٹری آف انڈیا (الفنسٹن) ص ص ۵۵۶، ۵۵۷

۲۳۔ مآثر الامرا جلد ا ص ۳۲۰

۲۴۔ کلیات ص ۱۰۷۰ دیوان حصہ ۲ ص ۴۵۲

۲۵۔ جب اشرف خان کابل میں تھا تو دلیر ہمت نے اس کا گھوڑا دیکھا جو دلیر ہمت کو بہت پسند آیا دریافت کیا کہ کس کا گھوڑا ہے لوگوں نے بتایا کہ اشرف خان کا ہے۔ جب اشرف خان کو اس کا علم ہوا تو اس نے تحفۃً پیش کرنا چاہا مگر دلیر ہمت نے نہ لیا۔

۲۶۔ ت۔م۔(ق)

۲۷۔ یہ خلیل اللہ خان کا بیٹا اور اصالت خان کا بھتیجا تھا۔ دادا کے نام پر (ملاحظہ ہو ص ۹۱ کتاب ہذا) نام میر میران اور میر خان خطاب تھا۔

۲۸۔ کلیات ص ص ۱۰۷۱، ۱۰۷۲ دیوان حصہ ۲ ص ص ۴۵۴

۲۹۔ رانی زئی اور بائی زئی قبیلہ یوسف زئی کی شاخ اکوزئی کی شاخیں ہیں۔

۳۰۔ ت۔م (ق) کلیات ص ۱۰۷۴ دیوان حصہ ۲ ص ۴۵۶

۳۱۔ پہلے باب میں عرض کیا گیا ہے کہ سارے ضلع مردان میں خٹکوں کے چند گاؤں ہیں

یہاں ننگوں کے دیہات کو کئی ایک تپہ کی نسبت سے کہا گیا ہے۔

۳۲۔ کلیات ص ۱۰۷۴ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۶

۳۳۔ کلیات ص ص ۶۳۶ و ۶۳۷ دیوان حصہ ا ص ۱۷۱ ان اشعار میں سے دو دیوان میں غلط چھپے ہیں مثلاً دوسرے شعر کے پہلا مصرعہ میں بجائے 'یو یوسفزے دے' (ایک یوسفزے ہے۔) 'یو یوسفزے نہ دے' (ایک یوسفزے نہیں) اور تیسرے شعر میں سال بجائے عدد (۱۰۷۴) کے عدد (۱۰۸۴) ہے جو صحیح نہیں۔ جیسا کہ واقعات متذکرہ سے ظاہر ہے، خوشحال کے اہل و عیال ۱۰۷۵ھ میں علاقہ یوسف زئی کی جانب گئے خوشحال کا مطلب یہ ہے کہ جب میں ۱۰۷۴ھ میں قید ہوا اور اس کے بعد میرے اہل و عیال وہاں گئے۔

۳۴۔ فراقنامہ

۳۵۔ ت۔م (ق)

۳۶۔ کلیات ص ۱۰۳۷ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۵

۳۷۔ ت۔م (ق)

۳۸۔ ت۔م (ق)

۳۹۔ ت۔م (ق)

۴۰۔ ت۔م (ق)

۴۱۔ ت۔م (ق) نیز ملاحظہ ہو کلیات ص ۹۴۴ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۷ دیوان و کلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رہائی آگرے میں ہوئی۔

۴۲۔ میرے پیش نظر انتخاب ت۔م (ق) میں یہ تاریخ یکم رجب ۱۰۷۶ھ ہے۔ لیکن کلیات و دیوان دونوں میں واقعہ کا سال ۱۰۷۷ھ درج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ رجب ۱۰۷۶ھ میں خوشحال خان قید خانہ میں تھا۔

۴۳۔ کلیات ص ص ۶۹۴۔۶۹۶ دیوان حصہ ا ص ۶۱ و ۶۲

۴۴۔ کلیات ص ص ۱۰۶۵۔۱۰۷۹ دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۴۹۔۳۶۰

۴۵۔ کلیات ص ص ۲۳۷، ۲۳۸ دیوان حصہ ۲ ص ص ۱۳۹۔۱۴۰

۴۶۔ کلیات ص ۳۱۹ دیوان حصہ ۲ ص ۲۵۹

۴۷۔ کلیات ص ص ۳۰۲، دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۰۲۔ یہ غزل ملا عبدالرحمن مومندؒ کے دیوان

کے تیں پرانے ایڈیشنوں میں ردیف ک میں ص ۱۱۹ پر دی ہوئی ہے اور جدید ایڈیشن شائع کردہ عبدالحکیم تاجر کتب پشاور کے ص ۱۵۸ پر بھی دی ہوئی ہے۔ آخری لفظ (ردیف) کا اور 'ک' دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔ تیسرا شعر دیوان عبدالرحمن درج غزل کا چھٹا شعر ہے۔ اور سارے ایڈیشنوں میں یوں دیا ہوا ہے۔ "زہ غمزن د عید په جشن خبر نه شوم. که نور خلق ښاد و هو نه احتیاج کا" یعنی مجھ غمزدہ کو جشن عید کی خوشی سے کیا کام اگرچہ اور لوگ شاد ہو کے ناچ رہے ہیں۔ چونکہ عبدالرحمن کا کبھی دہلی جانا ثابت نہیں اس لیے جس نے یہ غزل ان کے دیوان میں شامل کی اس نے اصل مصرعہ ثانیہ میں تصرف کرایا ہے۔ خوشحال بعد از گرفتاری وسط رمضان میں دہلی پہنچا تھا اور چند دن بعد عید الفطر یا اس کے بعد عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ غزل کہی تھی۔ دوسری عید الفطر سے پہلے وہ رجب ۱۰۷۵ھ میں رنتھمبور پہنچا دیا گیا تھا۔

۴۸۔ کلیات ص ص ۶۲۹، ۶۵۰ و دیوان حصہ ا ص ۶۰

۴۹۔ ان کا حال یا مظلومیت کا اثر پوری طرح دکھاتی یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اچھی طرح معلوم ہوتا کہ وہ کیسے ہیں اور کیا کر رہے ہوتے۔

۵۰۔ جٹ اور خلو (غالباً خالد خان) خوشحال خان کے بیٹوں میں بعض کے پیار کے نام ہیں۔ صدر خان بھی (ملاحظہ ہو ص ۹۵ کتاب ہذا) خوشحال خان کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ خالد خان بھی ایک بیٹا تھا جٹ سے معلوم نہیں کون سا بیٹا مراد ہے۔

۵۱۔ شہباز خان یہ بھی خوشحال خان کا بیٹا تھا۔

۵۲۔ حاشیہ ۳ باب ہذا کے ساتھ مقابلہ کریں۔ یہاں خوشحال خان جن لوگوں کا آتش فراق میں جلنا بیان کرتا ہے ان میں تین بھائیوں کا ذکر بھی کرتا ہے اس بنا پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ان میں شمشیر خان بھی شامل تھا کیونکہ خوشحال کے تین ہی بھائی تھے اس صورت میں اگر ہم یہ فرض کریں کہ خوشحال خان کے چچوں اور سید امیر خان خوافی کی سازش کے سلسلہ میں جس شمشیر خان کا ذکر کیا ہے وہ خوشحال کا بھائی ہی تھا تو ہمیں اس بات کی بھی وضاحت کرنا ہوگی کہ خوشحال خان نے اپنے قلم کساروں میں اس کا ذکر کیوں کیا۔ شاید شمشیر خان کی لاعلمی میں یہ سازش ہوئی ہو۔ اور اس کا فریق نہ ہو یا بعد میں علیحدہ ہو گیا ہو۔ اگر شمشیر خان اس سازش میں شریک ہوا ہو تو غالباً خوشحال خان کو جیل ہی میں اس کا علم ہو گیا ہوگا کیونکہ حالات اسے وقتاً فوقتاً پہنچتے رہتے تھے۔

۵۳۔ شاید بوڑھے جوان مراد ہیں۔

۵۴۔ ان اشعار میں ''زیبو، داوین اور عثمان'' خوشحال خان کے مصاحب ہیں ملاحظہ ہوں
کتاب بز اور باز (شہباز خان) یحییٰ خان اور صدر خان خوشحال خان کے بیٹے تھے۔

۵۵۔ کلیات ص ۶۱۵ دیوان حصہ ا ص ص ۳۸، ۳۹

۵۶۔ محمد امین خان کا والد معظم خان خان خانان میر محمد سعید میر جملہ عہد عالمگیری کے جلیل
کے امیروں میں سے تھا شجاع کو اسی نے بنگالہ سے نکالا۔ اور بنگال اور بعدہ کوچ بہار اور آسام
فتح کیا۔ اور اسی مہم کے دوران میں ۲ رمضان ۱۰۷۳ھ (اپریل ۱۶۶۳ء) میں انتقال کیا۔

۵۷۔ خلیل اللہ خان

۵۸۔ کلیات ص ۶۱۷ دیوان حصہ ا ص ۴۰

۵۹۔ تنگ نہ ہونا تنگ آنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا اگرچہ ان معنوں میں بھی بہ
میں مستعمل ہے شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اس کے ظلم سے خدا کی وسیع زمین لوگوں پر تنگ ہوگئی۔

۶۰۔ غ۔ن (ص ۱۰۴۱) نے ملا چالاک کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھیرہ اور خوشاب (ضلع
شاہ پور پنجاب) کا ایک ملا تھا جس نے یوسف زئیوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس رکھا تھا۔ سرکار کا
گمان ہے کہ ضلع ہزارہ کے گزیٹیر (۱۹۰۷ء ص ۱۲۳) میں جس جلال بادشاہ کا ذکر ہے اور جس کی زیر
قیادت اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں اس علاقہ پر تاخت کا ذکر ہے اور جو بھگو منگ
(تحصیل مانسہرہ۔ ضلع ہزارہ) میں مدفون ہے وہ اور ملا چالاک ایک ہی شخص ہیں۔ اور غ۔ن میں
جلال کی جگہ چالاک غلط چھپ گیا ہے اور گزیٹیر مذکور میں اس کے حملہ کا زمانہ غلطی سے بہت بعد
میں لکھا ہے۔ ہسٹری آف اورنگزیب جلد ۳ ص ۲۵۴۔ بہر صورت یہ گمان وقیاس ہی ہے۔

۶۱۔ اس نام کی تحقیق میں نہیں کر سکا۔ پکھلی کے جانب مغرب علاقہ اگرور میں [illegible] ایک
جگہ ہے۔

۶۲۔ غ۔ن اور م۔غ میں یہی نام ہے۔ افضل خان نے کامل بیگ لکھا ہے۔

۶۳۔ غ۔ن (ص ۱۰۳۲) میں ''اشرف و خوشحال خٹک'' اور سرکار (ہسٹری آف اورنگزیب
جلد ۳ ص ۲۶۳) اور مولانا ذکاء اللہ صاحب (تاریخ ہندوستان جلد ۸ ص ۲۶۹) اس۔ ایم جعفر
(مغل ایمپائر ص ص ۲۸۸۔۲۸۹) نے بھی اس کا تتبع کیا ہے۔ مگر ان ایام میں خوشحال خان وطن
نہیں آیا تھا بلکہ ہندوستان میں نظر بند تھا۔ میرا خیال ہے کہ غالباً ''اشرف خوشحال خٹک'' (یعنی
اشرف ولد خوشحال خٹک) کی جگہ ''اشرف و خوشحال خٹک'' چھپ گیا ورنہ یا تو واقعہ نگار ہی نے غلطی

کی اور اضافت ای کو عطف میں تبدیل کر دیا اور یا سرکاری مورخ نے واقعہ کو غلط نقل کیا ہے۔ اور
میرے خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اشرف خان کا نام خوشحال خٹک کے نام سے
پہلے لکھا ہے اگر دونوں کا ذکر ہوتا تو چاہیے تھا کہ باپ کا نام بیٹے کے نام سے پہلے لکھا جاتا۔ میجر
راورٹی نے بھی اس لڑائی کا جو مجمل ساذکر کیا ہے اس میں صرف اشرف خان کی موجودگی بیان کی
ہے۔ (این۔ اے ص ص ۴۳۰، ۴۳۱) افضل خان نے کامل بیگ یا کامل خان کے ساتھ صرف
مراد قلی گکھڑ کی موجودگی بیان کی ہے تاہم سرکاری مورخ کی شہادت کی موجودگی میں بلا کسی وجہ کے
اشرف خان کی موجودگی پر شبہ کی گنجائش نہیں۔

۲۴۔ م (ق) نسخہ ہوتی میں جگہ کا نام نہیں لکھا البتہ یہ لکھا ہے کہ اٹک کے قریب ہزارہ
کے علاقہ کے بالمقابل یہ لڑائی ہوئی۔ میجر راورٹی کے خیال میں یہ لڑائی حضرو کے قریب ہوئی۔
حضرو علاقہ چھچھ واقع پنجاب نزد حدود اٹک (پنجاب) اور ہزارہ و علاقہ یوسف زئی (صوبہ سرحد)
کے قریب واقع ہے۔ ہارون ہزرو یا حضرو کے قریب واقع ہے۔ اور ہزرو ہی صحیح ہے۔ ت۔م
(ق) نسخہ ہوتی میں غالباً ہزرو کی جگہ ہزارہ لکھا گیا ہے۔

۲۵۔ م۔ع (اردو ترجمہ ص ۴۳) میں امیر خان لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

۲۶۔ م۔ع (اردو و انگریزی دونوں ترجموں ص ص بالترتیب ۴۳، ۴۱ میں امیر خان و قباد
خان اور دوسرے امیروں کے ہمراہ الخ ہیں۔ مگر ع۔ن (ص ۱۰۲۷) میں محمد امین خان میر بخشی
با امیر خان و قباد خان الخ ہیں اب با میر خان اگرچہ (بہ امیر خان) اور "با میر خان" دونوں طرح
پڑھا جا سکتا ہے مگر یہاں صرف 'با میر خان' ہی پڑھا جائے گا کیونکہ 'بہ' ساتھ یا ہمراہ کے معنی نہیں دیتا
علاوہ ازیں ع۔ن کے آئندہ صفحات (۱۰۸۶) اور میر میران کی سوانح عمری مندرجہ مآثر الامرا
جلد ۳ (ص ۲۷۸) سے بھی معلوم ہوگا کہ یہ شخص میر میران المخاطب بہ میر خان ہی ہے۔ اگرچہ میر
میران کو بھی بعد میں امیر خان کا خطاب ملا تھا جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا اور مآثر الامرا میں بھی
اس کی سوانح عمری امیر خان میر میران کے عنوان سے دی ہے۔ (زمانہ زیر غور میں اس کا خطاب
میر خان تھا اور اسے امیر خان کا خطاب ملنے سے بہت پہلے مرزا محمد کاظم نے یہ واقعات لکھے۔
مستعد خان بھی جس طرح سرکاری تحریرات کا قاعدہ ہے جسے امیر خان کا خطاب ملنے سے پہلے میر
خان ہی لکھتا ہے یہ بات م۔ع کے اردو اور انگریزی دونوں ترجموں کے دیگر مقامات سے بھی
ظاہر ہے اس لیے اگر م۔ع کے اصل فارسی نسخہ میں بھی 'با میر خان' ہی لکھا ہو تو اسے 'بہ امیر خان'

پڑھنا درست نہ ہوگا۔ اور یہ بات قرین قیاس نہیں کہ چونکہ مستعد خان نے واقعات زیر بحث بہ
عرصہ بعد جب کہ میر میران امیر خان کے خطاب کے ساتھ وفات پا چکا تھا لکھے۔ اس لیے مستعد
خان نے اسے امیر خان لکھا ہوگا کیونکہ مؤرخ مذکور نے اور جگہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔ رہا امیر
خان (سید امیر خان خوافی) صوبہ دار کابل تو اس کا محمد امین خان کے ساتھ دربار سے روانہ ہونا
خارج از بحث ہے۔

۶۷۔ قبل ازیں (حاشیہ ۳۳ باب دوم) آپ پڑھ چکے ہیں کہ بہاکو خان موضع مانیری کا
رہنے والا تھا یہ سب دیہات ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سبھی بہاکو خان
کے زیر اثر تھے۔

۶۸۔ شہباز گڑھی مردان سے قریباً آٹھ میل جانب شمال مشرق واقع ہے۔ گڑھی کپورہ اس
سے تھوڑے ہی فاصلہ پر جانب جنوب مردان کے عین مشرق میں واقع ہے۔ گڑھی کپورہ چار گاؤں
کوٹ دولت زئی گڑھی دولت زئی، کوٹ اسمٰعیل زئی اور گڑھی اسمٰعیل زئی پر مشتمل ہے۔

۶۹۔ ع۔ ن ص ص ۱۰۴۱۔۱۰۴۶۔ اور ص ص ۱۰۵۲۔۱۰۶۰۔ اور م۔ ع ص ص ۴۳،۴۲ نیز
ت۔ م (ق) افضل خان نے اس جنگ کے واقعات کو مختصراً بیان کیا ہے۔ اس کی اور مرزا محمد کاظم
کی ترتیب واقعات میں فرق ہے میں نے مرزا محمد کاظم کی ترتیب کو ترجیح دی ہے۔ جو صحیح معلوم ہوتی
ہے۔ سرکار نے ہسٹری آف اورنگزیب جلد ۳ میں اس شورش کا حال ص ص ۲۵۴۔۲۶۰ پر ملاحظہ
ہو۔

۷۰۔ سرکار نے ہسٹری آف اورنگزیب جلد ۳ (ص ۲۵۸) میں بجائے سوات اور بنیر سوات
اور تیراہ لکھا ہے۔ حالانکہ ع۔ ن میں بھی سوات اور بنیر ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔ تیراہ میں یوسف
زئی نہیں۔

(۶)

مراجعت وطن اور اس کے بعد

مہابت خان کا صوبہ دار کابل مقرر ہونا: گیارہویں جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۸ـ۱۰۷۹ھ) کے اوائل میں مہابت خان مرزا لہراسپ صوبہ دار احمد آباد گجرات ملازمت بادشاہی میں حاضر ہوا اور بجائے سید امیر خان خوافی کے کابل کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔(۱) افضل خان سید امیر خان خوافی کی صوبہ داری کابل سے برطرفی اور اس کی جگہ مہابت خان کی تقرری کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ "جب یوسف زئیوں کی بغاوت کی وجہ سے ملک میں فتور پیدا ہوا تو شہنشاہ نے خوشحال خان کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا سبب ہے کہ عہد شاہجہانی میں 'تمہارے عمل' کی وجہ سے یوسف زئی شاہجہان کے مطیع تھے۔ اور اب ایسے سرکش ہو گئے ہیں" خوشحال خان نے بھی موقع پا کر عرض کیا کہ 'سید امیر خان خوافی سخت مغرور اور غافل ہے اور ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا ہے۔ اور اس کا نائب عبدالرحیم ہر وقت لڑکوں کی طرح مرغ لڑاتا رہتا ہے۔ ان سے بادشاہ کیا توقع رکھتا ہے اگر یہ صوبہ کچھ عرصہ اور ان کے ماتحت رہا تو فساد اور بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر سید امیر خان خوافی میں کچھ عقل و تمیز ہوتی تو مجھے جو آبائی پشتوں سے بادشاہ کا خانہ زاد ہوں، کیوں بے گناہ قید کرتا' بادشاہ نے پوچھا کہ "اگر ایسا ہی ہے تو تمہارے خیال میں کون سے صوبہ دار کا عمل اچھا رہے گا؟" خوشحال خان نے عرض کیا کہ "مہابت خان کا عمل اچھا رہے گا کیونکہ جب ہندوستان میں بدامنی پھیل گئی تھی (اورنگ تخت نشینی کے وقت) تو اس نے اس صوبہ میں بہت اچھی طرح امن قائم کر رکھا تھا"۔ چنانچہ بادشاہ نے مہابت خان صوبہ دار گجرات کی طلبی کا حکم صادر کیا۔ اور خوشحال خان کو کہا کہ "مہابت خان کی طلبی کے مقصد سے کسی کو آگاہ نہ ہونے دے کیونکہ مبادا مہابت خان کے پہنچتے پہنچتے کابل میں فساد برپا ہو جائے۔"(۲) مآثر عالمگیری سے بھی افضل خان کے بیان کی اس حد تک تائید ہوتی ہے کہ مہابت خان کے گجرات سے دربار پہنچنے کے بعد اس کا تقرر بحیثیت صوبہ دار کابل کیا گیا۔ بہ الفاظ دیگر اس کی گجرات سے طلبی کا مقصد اس وقت تک ظاہر نہیں کیا گیا تھا جب تک وہ دربار میں نہ پہنچا تھا۔ اس کے بعد ہم سید امیر خان خوافی کو اواسط ۱۰۷۹ھ (۱۱ جون ۱۶۶۸ء تا ۲۰ مئی ۱۶۶۹ء) میں دربار میں پاتے ہیں۔ اگرچہ سید امیر خان خوافی نے حاضر دربار ہو کر پانچ سو اشرفیاں اور دو ہزار

روپیہ بطور نذر پیش کیا اور قدم بوس ہوا اور بادشاہ نے اس کی پیٹھ پر دست شفقت پھیر کر اس کی عزت
ومنزلت کو دو چند بلند و بالا کیا۔ (۳) مگر صوبہ داری کابل سے برطرفی کے بعد" کسی وجہ سے
امیر خان خوافی نے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔ (۴)

خوشحال خان کی مراجعت وطن: مہابت خان نے بادشاہ سے درخواست کی کہ خوشحال خان
کو بھی اس کے ہمراہ جانے کی اجازت دی جائے۔ اس درخواست کو بادشاہ نے قبول کرتے ہوئے
مہابت خان سے کہا کہ" خوشحال خان نے بے گناہ بہت دکھ اٹھایا ہے اور وہ اس کے دل پر
ہوگا۔ ایسا کام کرنا چاہیے کہ وہ اس کے دل سے نکل جائے" مہابت خان نے عرض کیا کہ" یہ خانہ
زاد ہے اس کے دل میں کچھ بھی نہیں۔ اسے خلعت عطا کر کے رخصت کیا جائے خدمت بجا لائے
گا"۔ بادشاہ نے کہا" اس بارہ میں تمہارا اختیار ہے"۔ خوشحال خان مہابت خان سے بہت آزردہ
ہوا۔ اور اس سے شکایت کی کہ بادشاہ مہربانی کرنا چاہتا تھا آپ کو چاہیے تھا کہ میرے لئے کچھ
مانگتے۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ مہابت خان نے کہا کہ اگر میں یہ نہ کہتا تو بادشاہ دل میں شک کرتا اور
کبھی بھی تمہیں میرے ساتھ رخصت نہ کرتا۔ بادشاہ کے مزاج کے پیش نظر مہابت خان کا صدق
دل سے اس کی نیت کے متعلق اس قسم کا شبہ کرنا بعید از قیاس نہیں۔ اس کے بعد خوشحال خان نے
منصب کی توقع پر اپنے بیٹوں کو حضور بادشاہی میں پیش کیا۔ بادشاہ نے مہابت خان سے کہا کہ
" خوشحال خان کے تمیں بیٹے ہیں سب کو نوکری دو گے" اس نے جواب میں کہا" سب بادشاہ کی خدمت
کریں گے"۔ بادشاہ نے خوشحال خان سے کہا" میں نے تمہارے بیٹوں کا اختیار مہابت خان کو
دے دیا ہے۔ جو کچھ وہ لکھے گا مجھے منظور ہوگا"۔ خوشحال خان مہابت خان سے بہت ناراض ہوا اور
اس کے ساتھ نہ آتا تھا۔ مگر اس کے بیٹوں نے اس کی منت سماجت کر کے اسے وطن آنے پر راضی
کر لیا۔ اور مہابت خان کے ساتھ روانہ ہوا۔ (۵) افضل خان نے خوشحال خان کے وطن پہنچنے
کا سال ۱۰۷۹ھ (زد اللہ اویا) لکھا ہے۔ (۶) خوشحال خان نے اپنی نظم میں "شجاع کے
شور و شر" میں وطن واپس ہونا لکھا ہے۔ (۷) اس شجاع سے علاقہ یوسف زئی کا جعلی شجاع بھی مراد
ہو سکتا ہے۔ جس کی طرف گزشتہ باب میں ہم اشارہ کر چکے ہیں اور ایک اور شجاع بھی مراد ہو سکتا
ہے جس نے ۱۰۷۹ھ میں نواح مورنگ (جو کوچ بہار کے مغرب میں اور مغربی بنگال کے ضلع
پورنیا کے شمال میں ایک پہاڑی علاقہ ہے) ہنگامہ برپا کیا تھا۔ (۸) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر
خوشحال خان ۱۰۷۹ھ میں وطن واپس آیا تھا۔ جیسا کہ افضل خان کے واضح اور غیر مبہم بیان سے

واضح ہے تو پھر محولہ بالا شجاع سے علاقہ یوسف زئی کا شجاع کیسے مراد ہو سکتا ہے۔ اگر چہ ۱۰۷۹ھ
سے پہلے ہی بغاوت فرو ہو چکی تھی مگر اس کے آثار باقی تھے اور ملک میں بے چینی اور بدامنی پھیلی
ہوئی تھی اور اسی بغاوت کے سلسلہ میں خوشحال خان کی طلبی ہو کر اسے وطن آنے کی اجازت ملی تھی۔
اس لئے بعید از قیاس نہیں کہ خوشحال خان نے علاقہ یوسف زئی کے جعلی شجاع کی طرف اشارہ کیا
ہو۔

یہ معلوم نہیں کہ ۱۰۷۹ھ میں خوشحال خان کس مہینہ میں وطن پہنچا تھا۔ افضل خان نے
لکھا ہے کہ "۱۰۷۹ھ میں عمدۃ الملک مہابت خان کے ہمراہ وطن پہنچا اور اسی سال ۱۰ ربیع الاول
(اگست ۱۶۶۸ء) کو فرحت خان ہندوستانی ماں کے بطن سے پیدا ہوا"۔ (۹) بہر کیف اواخر
۱۰۷۸ھ (اوائل سال یازدہم مطابق رمضان ۱۰۷۸-۱۰۷۹ھ) تک جبکہ مہابت خان کابل کا صوبہ
دار مقرر ہوا تھا۔ خوشحال خان ہندوستان ہی میں تھا اور ۱۰۷۹ھ سے پہلے اس کا وطن پہنچنا واقعات
اور افضل خان کے واضح و صریح بیان کے خلاف ہے۔ میجر راورٹی نے خوشحال خان کے وطن آنے
کا زمانہ ایک حد تک صحیح لکھا ہے۔ مگر اس ضمن میں وقت کا تعین کرتے ہوئے بعض شدید غلط بیانیاں
کی ہیں جن کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فاضل مستشرق مذکور لکھتا ہے کہ "۱۰۷۸ھ کے دسویں
مہینے" (۱۰) (مارچ ۱۶۶۸ء) میں مہابت خان کو جو اس وقت گجرات کا صوبہ دار تھا۔ احمد آباد سے
طلب کیا گیا۔ اور جیسا کہ خوشحال خان کہتا ہے باریابی کے دن پھر کابل کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔
مآثر عالمگیری کے مصنف نے مزید لکھا ہے کہ "حکم ہوا کہ بعض اور لوگوں کے ساتھ۔ جن کے نام
لے گئے ہیں۔ خوشحال خان اپنے آپ کو پبلک ایام میں حاضر کرتا رہا کرے"۔ سید امیر خان اس
کے جلد بعد پہنچا اور ۲۵ جمادی الاول۔ اس سال (۱۱) کے پانچویں مہینے۔ بادشاہ کے جشن وزن
کشی کے موقع پر جبکہ اس کی زندگی کا ایک سال اور پورا ہوا تھا، خوشحال خان اور دوسرے اربابوں کو
تین ہزار روپے کے تحفے اور چالیس خلعت عطا کئے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ خوشحال خان سابق
صوبہ دار امیر خان کے پہنچنے تک پوری طرح آزاد نہیں کیا گیا تھا۔ (۱۲)

قطع نظر اس سے کہ سید امیر خان خوافی کے دربار پہنچنے کے وقت (اواسط ۱۰۷۹ھ)
مہابت خان اور خوشحال ولایت افاغنہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے یا نہ مگر مآثر عالمگیری کے زیر
بحث خوشحال خان کو خوشحال خان خٹک خیال کرنے میں اور 'ارباب' کو افغان سردار (بالعموم قبیلہ
نوریا خیل کے سردار کے لئے یہ لقب استعمال ہوتا ہے) سمجھنے میں میجر راورٹی نے سخت غلطی کی

ہے۔ مآثر عالمگیری میں خوشحال خان خٹک کا ذکر کہیں نہیں اور جیسا کہ خود صاحب مآثر مستعد خان کے بیان سے ظاہر ہے۔ جس شخص کو میجر راورٹی خوشحال خان خٹک کہہ رہا ہے درباری مطربوں کا سرگروہ ہے۔ مستعد خان لکھتا ہے:۔

''ابراہیم خان بجائے لشکر خان کے صوبہ بہار کا ناظم مقرر ہوا۔ مہابت خان دار احمد آباد گجرات شاہی ملازمت میں حاضر ہوا اور بجائے سید امیر خان کے دار الملک کابل صوبہ دار مقرر ہوا''۔

''چونکہ بادشاہ دین پناہ کو فطرتاً لہو و لعب و نغمہ و نشاط سے رغبت نہیں اور اپنی ... پرستی و خدا شناسی کی وجہ سے عیش و طرب کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں اس لئے فرمان صادر ... سرگروہ ارباب نشاط خوشحال خان، بسرام خان (۱۳)، رس بین اور دیگر موسیقی دان صرف ... شاہی کے لئے دربار میں حاضر ہوں۔ لیکن نغمہ پردازی نہ کریں۔ مگر آخر میں بتدریج ... حاضری بھی بند ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل عرصہ میں ہر خورد و بزرگ کے دل سے نغمہ ... آرزو قطعاً جاتی رہی۔ (۱۴)

اس کے بعد مستعد خان اسی سال (رمضان ۱۰۷۸-۱۰۷۹ھ) کے واقعات میں ... جمادی الاول کو بادشاہ کے جشن وزن شمسی کا ذکر اور بعض اور حالات بیان کر کے لکھتا ہے:

''سید امیر خان کابل کا معزول صوبہ دار شاہی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ... سو اشرفیاں اور دو ہزار روپیہ کی نذر پیش کی۔ خان مذکور قدمبوس ہوا اور قبلہ عالم نے اس کی پیٹھ ... دست شفقت پھیر کر اس کی قدر و منزلت کو دو چند بلند و بالا کیا۔ خوشحال خان اور دیگر ارباب عشرت کو تین ہزار روپیہ اور چالیس خلعت مرحمت ہوئے۔ (۱۵)

قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ''سرگروہ ارباب نشاط خوشحال خان'' اور ''ارباب عشرت'' کا خوشحال خان خٹک اور افغان اربابوں کے ساتھ کیا واسطہ اور تعلق ہو سکتا ہے۔

اب ہم اس سوال کو لیتے ہیں۔ کہ آیا سید امیر خان خوافی کے دربار میں پہنچنے کے وقت مہابت خان اور خوشحال خان روہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے یا نہ۔ سید امیر خان خوافی جیسا کہ ہم قبل ازیں عرض کر چکے ہیں۔ اور حاشیہ ۱۱ باب ہذا میں تصریح کر چکے ہیں۔ ۲۵ جمادی الاول ۱۰۷۹ھ (آخر اکتوبر یا شروع نومبر ۱۶۶۸ء) کے بعد وطن کی جانب روانہ ہوا تھا۔ لیکن افضل خان کے بیان سے تو بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرحت خان ۱۰ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ (آگ

۱۶۹۸ء) کو خوشحال خان کے وطن پہنچنے کے بعد پیدا ہوا۔ علاوہ بریں مستعد خان سید امیر خان خوافی
اور خوشحال خان وغیرہ و ارباب عشرت کو نقدی و خلعت انعام ملنے اور چند اور باتوں کا ذکر (۲۵
جمادی الاول کے بعد دوسری تاریخ بیان کیے بغیر) کر کے لکھتا ہے کہ "مہابت خان کے گھر میں
زندہ پیدا ہوا اور نوید ولادت کے ساتھ پانچ سو اشرفیاں بطور نذر پیش کی گئیں۔ قبلہ عالم نے مولود کو
زمانہ بیگ (۱۶) کے نام سے موسوم کیا"۔ اس سے سید امیر خان خوافی کی آمد کے ایام میں مہابت
خان کی دربار یا دارالحکومت میں عدم موجودگی بخوبی ظاہر ہے۔ ورنہ اس کا خود اشرفیاں بطور نذر
پیش کرنا مذکور ہوتا۔ (۱۷) چونکہ خوشحال خان کو مہابت خان کے ہمراہ ہی رخصت کیا گیا تھا۔
لہٰذا ہم خوشحال خان کی بھی ہندوستان میں عدم موجودگی اخذ کر سکتے ہیں۔ افضل خان کا محولہ بالا
بیان اور ماثر عالمگیری پیش نظر اقتباس اس قیاس کے بھی خلاف جائیں گے کہ خوشحال خان نے
جس شجاع کے "شور و شر" کے دوران میں وطن آنے کا ذکر کیا ہے اس سے مراد نواحی مورنگ کا جعلی
شجاع ہے۔ کیونکہ مستعد خان نے (۲۰) جعلی شجاع کی شورش کی اطلاع کا پہنچنا ۲۳ ذی الحجہ
۱۰۸۷ھ (۱۸) کے بعد لکھا ہے۔ یوں بھی خوشحال خان کا اس تاریخ کے بعد دربار سے روانہ ہو کر
۱۰۸۷ھ میں وطن پہنچ جانا بعد مسافت کے پیش نظر چنداں قرین قیاس نہ ہوگا۔

خوشحال خان کی رہائی اور مراجعت وطن کے متعلق ان غیر مستند باتوں سے بھی قارئین
کرام کو آگاہ کر دینا مناسب ہوگا۔ جو ملا محمد ہوتک، حیات خان کھٹر اور شیر محمد خان گنڈہ پور نے لکھی
ہیں۔ ملا محمد ہوتک لکھتا ہے کہ خوشحال بیگ (خوشحال خان) رنتھمبور میں قید تھا کہ خٹک افغان گئے
اور اس کو قید سے چھڑایا۔ اورنگزیب کو اس کی خبر نہ ہوئی حتیٰ کہ خوشحال خان مغلوں کے خلاف برسر
پیکار ہوا۔ مؤخر الذکر دو مورخ لکھتے ہیں کہ مصلحت وقت کے پیش نظر اورنگ زیب نے اسے رہا کیا
اور لقب خانی اور خلعت عطا کر کے عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ (۱۹) ان واقعات کے پیش نظر
تاریخ مرصع سے بیان کیے گئے ہیں۔ قارئین کرام اندازہ کر سکتے ہیں کہ ملا محمد ہوتک کا بیان کتنا
بے بنیاد ہے۔ نہ اس نے کسی سند کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی اس کے بیان کے لیے کوئی سند ہے۔ رہا
حیات خان اور شیر محمد خان کا بیان تو وہ بھی اپنے بیانات کی تائید میں اسناد پیش کرنا غیر ضروری خیال
کرتے ہیں۔ اگرچہ عبارت کا باقی حصہ تو واقعات اور تاریخ مرصع کے بیان کے مطابق ہے مگر
"لقب خانی" کا عطا ہونا (اگرچہ ممکن ہے) کسی سند سے ثابت نہیں ہوتا۔ مہابت خان نے جیسا
کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ بادشاہ سے خوشحال خان کو خلعت عطا کرنے کی سفارش کی تھی۔ اور بادشاہ

خوشحال خان کے معاملات کا مختار مہابت خان کو بنایا تھا۔

لنگر کوٹ: مہابت خان نے روہ پہنچ کر شہنشاہ کے حکم کے مطابق لنگر کوٹ (موضع ...

...پورہ) میں یوسف زئیوں کو دبانے اور قابو میں رکھنے کے لئے قلعہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور خوش...

...ان کو منصب ہزاری اور علاقہ یوسفزئی کی سرداری پیش کرتے ہوئے تعاون کے لئے کہا۔ خوش...

...ان نے جواب دیا کہ میں پچاس سال دولت خواہ تھا اور یوسف زئی باغی تھے۔ میں انہیں قتل...

...تا اور اس طرح سے انہیں بادشاہ کا مطیع کیا۔ میں نے ان کے کلہ منار بنائے۔ میں بے...

...ید ہوا اور میرا قبیلہ تتر بتر ہوا۔ اور باوجود اتنی دشمنی کے یوسف زئی میرے کام آئے۔ اب ...

...س طرح ان کی مخالفت کر سکتا ہوں۔ بادشاہ کے لئے بھی مناسب نہیں کہ یہ قلعہ تعمیر کرائے...

...یوسف زئی بڑا قبیلہ ہے۔ ان کے درمیان یہ قلعہ قائم نہ رہ سکے گا۔ اور آخر کار ناسور بن جائے گا۔

قابو میں رکھا جا سکے گا اور نہ ہی چھوڑا جا سکے گا۔ یہی نوشہرہ کا تھانہ کافی ہے۔ خوشحال خان نے

مہابت خان کے یہ بات ذہن نشین کرانے کے لئے کہ یوسف زئی ایک بہت بڑا قبیلہ ہے اور ان

کا علاقہ بہت وسیع ہے۔ جس کا مخالفت کی صورت میں قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوگا۔ فارسی زبان

میں یہ شعر کہا

"چند کھگل مینائی بے بقا دیوار را
گر تو لنگر کوٹ خواہی قلع کن دمغار را"

خوشحال خان کا مطلب یہ تھا کہ اگر علاقہ لنگر کوٹ اور اس کے گردونواح کے یوسف زئیوں کو قلعہ

لنگر کوٹ کے ذریعہ قابو میں رکھنا ضروری ہے تو چاہئے کہ پھر لنگر کوٹ کے بچاؤ کے لئے اس علاقہ

سے بہت دور کوہستان سوات میں ناجکی خیل یوسف زئیوں کے علاقہ میں بھی قلعے بنانے پڑ...

کانجو اور دمغار اسی علاقہ میں دو مشہور گاؤں ہیں۔ شمشیر خان حیات ترین نے جو اس وقت ا...

میں موجود تھا قلعے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ قلعہ ضرور تعمیر ہونا چاہئے۔

افضل خان لکھتا ہے کہ شمشیر خان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ قلعہ تعمیر ہو گیا تو بادشاہ اس کا انتظام اس کے

سپرد کر دے گا۔ خوشحال خان نے شمشیر خان کو مخاطب کرتے ہوئے پشتو میں یہ شعر کہا:۔

"مہم د یوسف زی درته وایم بنکاره
د غره خسي کول دي لاس محله گریوان پاره"

"میں تمہیں برملا کہتا ہوں کہ یوسف زئیوں کی مہم
گدھے کو آختہ کرنا ہے جس سے ہاتھ گندے اور
گریبان چاک ہو گئے۔"

مہابت خان نے خوشحال خان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بادشاہ کے پاس

عرضداشت بھیجی کہ بہتر ہوگا اگر قلعے کی تعمیر کے ارادہ کو ترک کر دیا جائے۔ شمشیر خان ترین نے
در پردہ بادشاہ کو اس کے خلاف خط لکھتے ہوئے التماس کی کہ یوسف زئیوں کی مہم کو انجام دینے کے
لیے اس قلعے کی تعمیر ضروری ہے۔ بادشاہ نے شمشیر خان کی رائے کو قبول کیا اور مہابت خان کو حکم دیا
کہ وہ خود تو کابل جائے اور قلعے کی تعمیر کا کام شروع کیا جائے چنانچہ حسب الحکم قلعہ تعمیر ہوا۔(۳۰)
مہابت خان نے قلعے کی تعمیر کا ارادہ غالباً اواخر ۱۰۷۹ھ (مئی ۱۶۶۹ء) یا اوائل ۱۰۸۰ھ (جون
۱۶۶۹ء) میں کیا۔ اس کی تعمیر غالباً ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ء) میں مکمل ہوئی۔ خوشحال خان اپنی ایک نظم
میں قلعے کی تعمیر اور اپنی طرف سے یوسف زئیوں کی حمایت کی طرف دو شعروں میں اشارہ کرتا ہے:

لښکرکوټ مغلو ساز کړو — مغلوں نے لنگر کوٹ (میں قلعہ) بنایا (۳۱)
زه په ننګ باد افغان شوم — تو میں افغانوں کی عزت کیلئے اٹھ کھڑا ہوا (۳۲)
که یوسف وه که مندړ وه — یوسف زئیوں اور مندڑوں (۳۳)
زه دواړو نګهبان شوم — دونوں کا نگہبان ہوا

خوشحال خان کی بیماری اور دیگر مصائب: ۱۰۸۰ھ (یکم جون ۱۶۶۹ء۔ ۳۰ مئی ۱۶۷۰ء)
اور ۱۰۸۱ھ (۲۱ مئی ۱۶۷۰ء۔ ۹ مئی ۱۶۷۱ء) کے دوران میں خوشحال خان اسہال کے مرض میں مبتلا
رہا اور آخر سال ۱۰۸۱ھ میں اس سے شفایاب ہوا۔ چنانچہ ایک قطعہ میں خود کہتا ہے کہ "دعا،
توبہ اور دوا کے ذریعہ خوشحال خٹک کو اللہ تعالیٰ نے شفا دی دو سال اسہال کے مرض میں مبتلا رہا اور
ذی الحجہ "شفا" (۱۰۸۱ھ) (اپریل مئی ۱۶۷۱ء) میں اس سے چھٹکارا پایا۔"(۳۴) اسی دوران میں
شہباز خان کی وفات (۱۰۵۰ھ) کے پورے ایک قرن(۳۵) بعد صفر کے مہینے میں خوشحال خان کی
والدہ اور اس کے جلد بعد ہی ۱۰۸۰ھ میں اس کی بڑی بیوی وفات پا گئی۔(۳۶) اسی دوران میں کسی
وقت ۱۰۸۰ھ میں ہم خوشحال خان کو کابل میں پاتے ہیں۔(۳۷)

خیالات شورش اور ضبط: جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں گرفتاری کے تھوڑے عرصہ بعد خوشحال
خان کے دل میں مغلوں کے خلاف برسرپیکار ہونے کے خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ دوران قید
بھی اس نے جو نظمیں لکھیں ان سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ دل ہی دل میں مغلوں کے خلاف
لڑنے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ چنانچہ گرفتاری کے بعد ہندوستان جاتے ہوئے جب لاہور پہنچا
تو اس وقت کی لکھی ہوئی ایک نظم میں کہتا ہے کہ "اے موت اس دنیا میں مجھے اتنی مہلت دے کہ
[illegible] کر لوں۔"(۳۸) ایک جگہ قصیدہ میں یوسف زئیوں کی تعریف کرتے

ہوئے کہتا ہے کہ ''اگر ان کی اور میری صلاح ایک ہو جائے تو پھر کون ماں کا جایا ہمارے مقابلے تاب لا سکے گا۔''(۲۹) ایک قطعہ میں جو رہائی کے بعد آگرہ میں لکھا گیا کہتا ہے کہ ''اب خواہ وزیر منصب قبول کرنا ہوگا اور (یا) ایک کونے میں بیٹھ کر مطالعہ میں وقت گزاروں گا اور یا پھر کوہستان میں چمکیلی تلوار کی جھنکار ہوگی۔''(۳۰) ایک اور قطعہ میں کہا ہے کہ ''قید و بند کے بعد خوشحال نے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ مکہ کا رخ کرے یا مغلوں سے رزم یا پہاڑ کے گوشے میں صوم وصلوٰۃ اور مطالعے کی بزم۔''(۳۱) تاہم اس نے جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں قرین مصلحت اسی کو سمجھا کہ ملازمت بادشاہی اختیار کرے اور مغلوں سے نبھائے رکھے۔ وطن پہنچنے کے بعد بھی باوجودیکہ دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اس نے ضبط وتحمل سے کام لیا۔ مگر بدقسمتی سے قلعہ لنگر کوٹ کی تعمیر کا معاملہ پیش آیا جس میں اس نے حکومت کے ساتھ تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ درحقیقت یہ خوشحال خان کا حکومت کے خلاف بغاوت کا پہلا کھلا اعلان تھا جو اس نے ملازم بادشاہی ہوتے ہوئے احکام بادشاہی کے خلاف احتجاج کرنے اور ان کے ماننے سے انکار کی صورت میں کیا۔ لیکن ابھی تک اس نے کوئی عملی اقدام کرنا مناسب نہ سمجھا۔

محمد امین خان کی صوبہ داری کابل: جب خوشحال خان صبر اور انتقام کی کش مکش میں مبتلا تھا انہی ایام میں اواخر ۱۰۸۰ھ (مئی ۱۶۷۰ء) میں شہنشاہ نے خوشحال خان کے محسن محمد امین خان کو مہابت خان کی جگہ کابل کا صوبہ دار مقرر کیا۔ محمد امین خان ۱۰ ربیع الآخر ۱۰۸۱ھ (اگست ۱۶۷۰ء) کو پشاور پہنچا۔ ۱۰۷۷۔۱۰۷۸ھ کی شورش میں اور اس کے بعد اس وقت تک حکومت کے عمال نے خصوصاً شیر خان ترین نے جو حال یوسف زئیوں کا کر رکھا تھا اس کا اندازہ خوشحال خان کے ایک قصیدہ کے بعض اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اس نے ۱۰۸۰ھ (ابتدائے جون ۱۶۶۹ء تا اواخر مئی ۱۶۷۰ء) میں لکھا۔(۳۲) اس قصیدہ کے چند اشعار ہدیہ قارئین کرام ہیں:

شل زره خوانان لرم همه له يو ذاته
واړه بېګانه شا به خدمت کښې رانه خمه
څو زره سواره دي سرګردانه به څو کاله
زه که به زړه رنځور اے جنګ به ولي وه برهمه
سل کاله که تېر شي نا مهم به فيصل نشي
دا رنګه چې کيږي ګوره څه وشي له همه

ایک ہی ذات کے بیس ہزار جوانان یکتا
ہر وقت میری خدمت میں کمربستہ رہتے ہیں
چند ہزار سوار ہیں جو چند سالوں سے سرگرداں ہیں
اگر میں پریشان خاطر نہ ہوتا تو کام کیوں یوں بگڑ جاتا
اگر سو سال گزر جائیں تو یہ مہم انجام نہ پائے گی
یہی حال رہا تو دیکھیے کیا مصیبتیں برپا ہوتی ہیں

څه شو شمشیر خان ترین که بوخ پنج هزاري دے
کیا ہوا اگر شمشیر خان ترین پنج ہزاری ہے

سا ورته هیڅ نه دے مګر چې وي مه شلغمه
مگر میرے سامنے کچھ نہیں بغیر کچے شلغم کے

تر څو به د منصب په زور زما برابرے کا
کب تک منصب کے بل بوتے پر میری برابری کریگا

څه مجال د ګیدړ چې سیالي کاله ضیغمه
بھیڑیے کی کیا مجال جو شیر کی ہمسری کرے

غارت شه یوسفزي چې په ترین ئي حاکمي کا
یوسف زئی غارت ہوں جو ترین ان پر حکومت کر رہا ہے

اوس که ښکار د باز کاندي هیلۍ نه ده ګرمه
اب اگر مرغابی باز کا شکار کرے تو بے جا نہ ہوگا

څو چې به کاله شمشیر خان ترین کار کړي
وہ کام جو شمشیر خان ترین سالوں میں کرتا ہے (۳۴)

ما په څو میاشتې هغه چار کړه مستحکمه
میں چند مہینوں میں اسے سرانجام دیتا تھا

دا مکر فریب چې د حیات ترین هنر دے
یہ مکروفریب جو حیات خان (۳۵) ترین کا ہنر ہے

کله دا د نر دے دا د ښځې دے عالمه
یہ مرد کا کام نہیں عورتوں کا کام ہے

پوهه تمیز نشته دا فلک په سترګو ړوند دے
سمجھ اور تمیز نہیں یہ آسمان اندھا

ښځه د خانۍ په خطاب کا مکرمه
اور عورت کو خانی کے خطاب سے سرفراز کر دیتا ہے

دا انشا املا واړه په دې د شیطانۍ کا
یہ سراسر شیطنت کے انشا و املا جو یہ کر رہا ہے

تل پالندې نفرین اوري له لوح و له قلمه
اس پر لوح و قلم سے پھٹکار ہو رہی ہے۔ (۳۶)

ان اشعار سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ باوجودیکہ حکومت نے شورش کو دبا دیا تھا۔ اور شمشیر خان یوسف زئیوں پر مغلوں کی طرف سے حکمران تھا مگر ملک میں افراتفری اور گڑبڑ پھیلی ہوئی تھی جس سے شمشیر خان ترین دوچار تھا۔ مندرجہ بالا انتخاب کے تیسرے شعر میں جہاں خوشحال خان یوسف زئیوں کو ان کی بے حسی کے لیے کوستا ہے اور ترین کا محکوم ہونے پر غیرت دلاتا ہے وہاں اس شعر سے یوسف زئیوں کی حالت زار بھی اچھی طرح عیاں ہے۔

۱۴ صفر ۱۰۸۲ھ (جون ۱۶۷۱ء) کو ہم محمد امین خان کو دربار میں پاتے ہیں۔ اسی سال شہنشاہ نے اسے وزارت کے عہدہ پر مامور کرنا چاہا مگر اس نے شہنشاہ کے سامنے چند ایسی شرطیں پیش کیں جو خلاف مزاج بادشاہی تھیں چنانچہ اسے صوبہ داری کابل پر روانہ کیا گیا۔ (۳۷)

وفات سید امیر خان خوافی: اسی دوران میں ۲۷ ربیع الثانی ۱۰۸۱ھ (ستمبر ۱۶۷۰ء) کو سید امیر خان خوافی نے جو منصب سے استعفیٰ دے کر آگرہ میں مقیم تھا انتقال کیا۔ چونکہ خان مذکور لاولد فوت ہوا تھا اس لیے بادشاہ نے خلعت ہائے تعزیت اس کے برادر میر محمد ابراہیم، میر محمد اسحاق اور

میر محمد یعقوب پسران شیخ میر کے پاس بھیجے اور انہیں مورد عنایات کیا[۳۸] قارئین کرام یاد فرمائیں گے کہ متولی نے اپنے عہد حکومت صوبہ کابل کے دوران میں اواسط ۱۰۷۴ھ (وسط جنوری ۱۶۶۴ء) میں خوشحال خان کو گرفتار کیا تھا۔ اور اس کے بعد ہندوستان میں اس کی قید اور نظر بندی کا باعث ہوا تھا۔ اس لیے زمانہ آئندہ کے نہایت سنسنی خیز اور خونریز واقعات کے ساتھ متولی کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

افغان جعلی شجاع: قبل اس کے کہ ہم ولایت افاغنہ کی اس زبردست شورش کا حال بیان کریں جس کا آغاز محمد امین خان کی صوبہ داری کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اور جس میں خوشحال خان نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے دو ساتھیوں ایمل خان مہمند اور دریا خان آفریدی جو خوشحال خان کی طرح شورش کے روح رواں تھے میں سے اول الذکر کے متعلق جسے ابتدا ہی سے اس شورش کی قیادت کا فخر حاصل ہوا بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔ اس شورش میں ایمل خان کے کردار کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خوشحال خان اس کو ایمل کی شورش کہتا ہے۔ عہد جدید کے ایک مشہور یورپین الفنسٹن نے اسے غلطی سے افغان جعلی شجاع سمجھا ہے۔ مؤرخ مذکور شورش قبیلہ یوسفزئی اور اس کے بعد شورش افاغنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”مشہور و معروف میر جملہ کے بیٹے اور جانشین محمد امین خان نے ۱۶۶۷ء میں جب کہ وہ کابل کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا۔“ (اس وقت صوبہ دار کابل مقرر نہ ہوا تھا۔ بلکہ مہم کی اعلیٰ کمان اسے تفویض کی گئی تھی) ”ان کے خلاف ایسی کامیابی حاصل کی کہ ایک وقت کے لیے شورش کو بڑھنے سے روک دیا اگرچہ انہیں پوری طرح ختم نہ کیا جا سکا تھا۔“ یہاں تک شورش یوسفزئی کا ذکر ہے اس کے بعد ایمل کی شورش کے واقعات اس طرح مختصراً بیان کرتا ہے۔ ”مگر ۱۶۷۰ء (یہ سن جیسا کہ قارئین کرام آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے غلط ہے) افغانوں نے پھر غلبہ حاصل کر لیا اور امین خان کو ایک بہت بڑی لڑائی میں شکست دی اور اس کی فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا بلکہ اس کی مستورات اور بچے بھی افغانوں کے اسیر ہوئے جنہیں افغانوں کو روپیہ دے کر چھڑایا گیا۔“

اس کے بعد لکھتا ہے ”اس وقت افغانوں نے ایک بادشاہ بھی بنا لیا تھا اور اس کے نام کا سکہ بھی جاری کیا تھا۔ اور اپنے اس بیان پر نوٹ لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ”ہندوستانی مصنف اس شخص کو افغان سردار خیال کرتے ہیں۔ مگر میں (الفنسٹن) باوجودیکہ یورپین مؤرخوں کی سند بلاشبہ گھٹیا ہے ان کا ہم خیال اور متفق ہوں کہ یہ فرضی بادشاہ کوئی جھوٹا مدعی تھا جسے افغان شاہ شجاع ظاہر

میر محمد یعقوب پیران شیخ میر کے پاس بھیجے اور انہیں مورد عنایات کیا (۳۸) قارئین کرام یاد فرمائیں گے کہ متولی نے اپنے عہد حکومت صوبہ کابل کے دوران میں اواسط ۱۰۷۴ھ (وسط جنوری ۱۶۶۴ء) میں خوشحال خان کو گرفتار کیا تھا۔ اور اس کے بعد ہندوستان میں اس کی قید اور نظر بندی کا باعث ہوا تھا۔ اس لیے زمانہ آئندہ کے نہایت سنسنی خیز اور خونریز واقعات کے ساتھ متولی کا بہت گہرا تعلق ہے۔

افغان جعلی شجاع: قبل اس کے کہ ہم ولایت افاغنہ کی اس زبردست شورش کا حال بیان کریں جس کا آغاز محمد امین خان کی صوبہ داری کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اور جس میں خوشحال خان نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے دو ساتھیوں ایمل خان مہمند اور دریا خان آفریدی جو خوشحال خان کی طرح شورش کے روح رواں تھے میں سے اول الذکر کے متعلق جسے ابتدا ہی سے اس شورش کی قیادت کا فخر حاصل ہوا بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔ اس شورش میں ایمل خان کے کردار کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خوشحال خان اس کو ایمل کی شورش کہتا ہے۔ عہد جدید کے ایک مشہور یورپین الفنسٹن نے اسے غلطی سے افغان جعلی شجاع سمجھا ہے۔ مؤرخ مذکور شورش قبیلہ یوسفزئی اور اس کے بعد شورش افاغنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مشہور و معروف میر جملہ کے بیٹے اور جانشین محمد امین خان نے ۱۶۶۷ء میں جب کہ وہ کابل کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا۔" (اس وقت صوبہ دار کابل مقرر نہ ہوا تھا۔ بلکہ مہم کی اعلیٰ کمان اسے تفویض کی گئی تھی) "ان کے خلاف ایسی کامیابی حاصل کی کہ ایک وقت کے لیے شورش کو بڑھنے سے روک دیا اگرچہ انہیں پوری طرح ختم نہ کیا جا سکا تھا۔" یہاں تک شورش یوسفزئی کا ذکر ہے اس کے بعد ایمل کی شورش کے واقعات اس طرح مختصراً بیان کرتا ہے۔ "مگر ۱۶۷۰ء (یہ سن جیسا کہ قارئین کرام آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے غلط ہے) افغانوں نے پھر غلبہ حاصل کر لیا اور امین خان کو ایک بہت بڑی لڑائی میں شکست دی اور اس کی فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا بلکہ اس کی مستورات اور بچے بھی افغانوں کے اسیر ہوئے جنہیں افغانوں کو روپیہ دے کر چھڑایا گیا۔"

اس کے بعد لکھتا ہے "اس وقت افغانوں نے ایک بادشاہ بھی بنا لیا تھا اور اس کے نام کا سکہ بھی جاری کیا تھا۔ اور اپنے اس بیان پر نوٹ لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ "ہندوستانی مصنف اس شخص کو افغان سردار خیال کرتے ہیں۔ مگر میں (الفنسٹن) باوجودیکہ یورپین مؤرخوں کی سند بلاشبہ گھٹیا ہے ان کا ہم خیال اور متفق ہوں کہ یہ فرضی بادشاہ کوئی جھوٹا مدعی تھا جسے افغان شاہ شجاع ظاہر

کرتے تھے۔ تاکہ ہندوستان کے تخت و تاج کے متعلق اس کے دعوئی سے اورنگزیب پریشان

ہو (۳۹) جس شخص کی طرف الفنسٹن اشارہ کر رہا ہے وہ ایمل خان ہی ہے محمد امین خان کے ساتھ

اس کا مقابلہ ہوا تھا۔ اور خافی خان اور نواب شاہ نواز خان نے بھی ایمل خان کے بادشاہ بننے اور

اپنا سکہ جاری کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (۴۰) اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا ایمل خان جعلی شجاع تھا۔ اور کسی

ہمعصر مؤرخ ملکی یا غیر ملکی (ہندوستانی یا یورپین) نے اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

ہندوستانی مؤرخوں میں تو کسی نے افغانوں میں جعلی شجاع کا ذکر نہیں کیا۔ آیئے اورنگزیب اور ایمل

خان کے ہمعصر جس یورپین مؤرخ نے افغان جعلی شجاع کا ذکر کیا ہے اس کی زبانی اسے سنیں۔ یہ

مؤرخ مینوکی ہے۔ مینوکی نے جعلی شجاع کا ذکر عبداللہ خان والئ کاشغر کی آمد ہندوستان، روانگی حج

واپسی اور وفات کے حالات کے بعد لکھا ہے۔ ان واقعات کا ذکر (تاریخیں بیان کیے بغیر)

کر کے لکھتا ہے کہ "اسی سال (شاہ) شجاع کو پھر اٹھایا گیا تھا۔ جس نے اورنگزیب کو بہت پریشان کیا

اور مملکت میں بہت بدنظمی پیدا کر دی تھی۔ جعلی شاہ شجاع کے متعلق بہت لوگوں کا خیال تھا کہ وہ حقیقی

بادشاہزادہ اور تخت کا سچا دعویدار ہے مگر درحقیقت وہ ایسا نہ تھا بلکہ ایک جرنیل کا سیکرٹری تھا جو

دریائے سندھ کی دوسری طرف بچ کر نکل گیا تھا۔ اور اعلان کرنا شروع کیا کہ وہ شاہ شجاع تھا جو

اراکان سے بھاگ نکلا تھا وہ اتنا ہوشیار تھا۔ اورنگزیب کے خلاف اپنی لڑائی کے واقعات کو اس

طرح بیان کرتا تھا کہ جلد ہی اس کی امداد کے لیے بہت سے آدمی اکٹھے ہو گئے۔ ہر اس شخص کو جو

اس کا طرفدار بنتا وہ ایک روپیہ دیتا اور زیادہ تنخواہ کا وعدہ کرتا۔ یوں اس نے تیس ہزار سپاہی اکٹھے

کر لیے۔ انہوں نے دریائے سندھ کو مشکیزوں کے ذریعے عبور کیا۔ اورنگزیب نے اپنے

فوجداروں کو جو فیلڈ کمانڈر ہوتے ہیں حکم دیا کہ وہ فوراً دریا کے کنارے پر قبضہ کر کے انہیں دریا کے

عبور کرنے سے روکیں۔ یہ افسر جلدی سے موقع کی طرف روانہ ہوئے۔ اور میں نے سنا ہے کہ

ایک جرنیل کے کتے نے باغیوں کے خلاف ایسے حیرت انگیز کام کیے کہ ان میں سے بہت سے مر

گئے۔ اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ مگر اس سے جعلی شجاع دل برداشتہ نہ ہوا اس نے آدمیوں کی

بھرتی برابر جاری رکھی اور ان سے وعدہ کیا کہ جب وہ بادشاہ ہو جائے گا تو انہیں بڑی تنخواہیں اور

بہادروں کو ان کا صلہ دے گا۔ ان وعدوں سے اس کے پاس بہت سے آدمی اکٹھے ہوتے گئے۔ حتیٰ

کہ اورنگزیب نے حسن ابدال کے گورنر فریدون بیگ کو تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ اس

شورش کو فرو کرنے کے لیے زیادہ جدوجہد کی ضرورت نہ ہوگی۔ گورنر نے بعض جعلی پٹھانوں کو بھیجا

کر وہ حقیقی پٹھان مگر جعلی شجاع کو زہر دے دیں اور اس طرح یہ بغاوت جس کا آغاز دسویں سال
(۳۱) مینوکی نے شورش کا آغاز ہونا اس وجہ سے اٹک کے اس پار
طرف سے ہوا تھا ختم ہوئی۔
(یعنی اس پار) سے لکھا ہے کہ اس کے بیان کے مطابق جعلی شجاع ہندوستان سے جہاں وہ
جرنیل کا سیکرٹری تھا ولایت افاغنہ آیا تھا۔ اس کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جعلی شجاع
کوئی افغان تھا۔

جہاں تک مینوکی کی عبارت کا تعلق ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون سے سال کے واقعات بیان کر رہا ہے جہاں تک عبداللہ خان والیٔ کاشغر کا تعلق ہے اس کی آمد کی اطلاع دسویں جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۷۔۱۰۷۸ھ) میں اواسط ۱۰۷۸ھ (اواخر ۱۶۶۷ء) میں بادشاہ کے پاس [illegible] اور گیارہویں سال جلوس (رمضان ۱۰۷۸۔۱۰۷۹ھ) کے اوائل میں یعنی شوال ۱۰۷۸ھ (اپریل ۱۶۶۸ء) کو وہ پایہ تخت کے قریب پہنچا۔ عبداللہ خان آٹھ مہینے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ [illegible] اور ان کی زیارت کے بعد چودہویں سال جلوس (رمضان ۱۰۸۱۔۱۰۸۲ھ) میں ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) میں واپس ہوا (۳۲) اور دس شعبان ۱۰۸۶ھ (اکتوبر ۱۶۷۵ء) کو سال ہژدہم مطابق رمضان ۱۰۸۵۔۱۰۸۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ (۳۳)

اب اگر ہم جعلی شجاع کے ظہور کا سال ۱۰۸۵ھ (اوائل اپریل ۱۶۷۴ء تا اواخر مارچ ۱۶۷۵ء) یا ۱۰۸۶ھ (اواخر مارچ تا وسط مارچ ۱۶۷۶ء) فرض کریں [illegible] ایمل خان کی شورش کا آغاز جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اور اگر عبداللہ خان کی زیارت حرمین شریفین کے بعد ہندوستان میں واپسی کا زمانہ ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) خیال کریں تو [illegible] زمانہ شورش ایمل خان کے زمانہ کے قریب ہے لیکن جیسا کہ صفحات آئندہ سے معلوم ہوگا اس شورش کے دوران میں دریائے سندھ کے سواحل اہم واقعات کا منظر نہیں رہے اور نہ ہی اس شورش کے دوران میں باغیوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے ممالک محروسہ پر حملہ کیا تھا۔ اس قسم کے واقعات سال دہم جلوس عالمگیری کے دوران میں یوسف زئیوں کی شورش میں رونما ہوئے تھے۔ اگرچہ اس شورش کے دوران میں فریدون بیگ نامی کسی امیر نے جسے مینوکی حسن ابدال کا گورنر بتاتا ہے کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ لیکن ہم بجا طور پر گمان کر سکتے ہیں کہ مینوکی حسب عادت رنگ آمیزی کے ساتھ شورش یوسف زئی ہی کے واقعات بیان کرتا ہے۔

ہمارے اس قیاس کی تائید واقعات شورش یوسف زئی اور مینوکی کے بیان کردہ واقعات

کہ وہ حقیقی پٹھان مگر جعلی شجاع کو زہر دے دیں اور اس طرح یہ بغاوت جس کا آغاز دریا کے اس طرف سے ہوا تھا ختم ہوئی۔ (۴۱) مینوکی نے شورش کا آغاز ہوتا اس وجہ سے اٹک کے "اس پار" (یعنی اس پار) سے لکھا ہے کہ اس کے بیان کے مطابق جعلی شجاع ہندوستان سے جہاں وہ ایک جرنیل کا سیکرٹری تھا ولایت افاغنہ آیا تھا۔ اس کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جعلی شجاع کوئی افغان تھا۔

جہاں تک مینوکی کی عبارت کا تعلق ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون سے سال کے واقعات بیان کر رہا ہے جہاں تک عبداللہ خان والیٔ کاشغر کا تعلق ہے اس کی آمد کی اطلاع دسویں جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۷-۷۸ھ) میں اواسط ۱۰۷۸ھ (اواخر ۱۶۶۷ء) میں بادشاہ کے پاس پہنچی اور گیارہویں سال جلوس (رمضان ۱۰۷۸-۷۹ھ) کے اوائل میں یعنی ۸ شوال ۱۰۷۸ھ (اپریل ۱۶۶۸ء) کو وہ پایۂ تخت کے قریب پہنچا۔ عبداللہ خان آٹھ مہینے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہوا اور ان کی زیارت کے بعد چودہویں سال جلوس (رمضان ۱۰۸۱-۸۲ھ) میں ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) میں واپس ہوا اور دس (۴۲) شعبان ۱۰۸۶ھ (اکتوبر ۱۶۷۵ء) کو سال ہژدہم مطابق رمضان ۱۰۸۵-۸۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ (۴۳)

اب اگر ہم جعلی شجاع کے ظہور کا سال ۱۰۸۵ھ (اوائل اپریل ۱۶۷۴ء تا اواخر مارچ ۱۶۷۵ء) یا ۱۰۸۶ھ (اواخر مارچ تا وسط مارچ ۱۶۷۶ء) فرض کریں تو ایمل خان کی شورش کا آغاز جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اور اگر عبداللہ خان کی زیارت حرمین شریفین کے بعد ہندوستان میں واپسی کا زمانہ ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) خیال کریں تو اگرچہ یہ زمانہ شورش ایمل خان کے زمانہ کے قریب ہے لیکن جیسا کہ صفحات آئندہ سے معلوم ہوگا اس شورش کے دوران میں دریائے سندھ کے سواحل اہم واقعات کا منظر نہیں رہے اور نہ ہی اس شورش کے دوران میں باغیوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے ممالک محروسہ پر حملہ کیا تھا۔ اس قسم کے واقعات سال دہم جلوس عالمگیری کے دوران میں یوسف زئیوں کی شورش میں رونما ہوئے تھے۔ اگرچہ اس شورش کے دوران میں فریدون بیگ نامی کسی امیر نے جسے مینوکی حسن ابدال کا گورنر بتاتا ہے کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ لیکن ہم بجا طور پر گمان کر سکتے ہیں کہ مینوکی حسب عادت رنگ آمیزی کے ساتھ شورش یوسف زئی ہی کے واقعات بیان کرتا ہے۔

ہمارے اس قیاس کی تائید واقعات شورش یوسف زئی اور مینوکی کے بیان کردہ واقعات

ممالک کے علاوہ نہ صرف یورپیوں میں افغانیات کے مشہور عالم میجر راورٹی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ خود افغانوں کے مؤرخ افضل خان کا بیان بھی اس کا موید ہے۔ پہلے میجر راورٹی کا بیان عرض ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خوشحال خان کی رہائی کے بعد ہندوستان میں اس کی نظر بندی کے دوران میں پشاور کے گردونواح میں سخت بدامنی برپا ہوئی۔ ایک شخص اپنے آپ کو اورنگزیب کا بھائی شاہ شجاع ظاہر کرتا تھا جو سوات میں نمودار ہوا۔ یوسف زئیوں اور ان کے قرابت داروں نے اس کی حمایت کی۔ (۴۴)

افضل خان لکھتا ہے کہ جب شاہ شجاع بنگالے کی سمت جاکر گم ہوا تو ایک شخص یوسف زئیوں کے علاقہ میں ظاہر ہوا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں شاہ شجاع ہوں۔ یوسف زئیوں نے جن کے متعلق خان علیین مکان (خوشحال خان) نے سوات نامہ میں کہا ہے کہ:

هر مغل چې په سوات ورشي شاهزاده شي	جو مغل بھی سوات میں جا پہنچتا ہے شہزادہ بن جاتا ہے
هر سړے ئې د منصب ته آماده شي	اور ہر شخص اس سے منصب حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ (۴۵)

اس کو بادشاہ مان لیا۔" اس کے بعد کامل خان کے ہاتھوں یوسف زئیوں کی شکست کا ذکر کرکے لکھتا ہے "شجاع کا کام درہم برہم ہوگیا اور یوسف زئیوں کے پاس جاکر سوات میں مقیم ہوگیا اور کچھ مدت بعد فوت ہوگیا۔ عالمگیر نے محمد امین خان صوبہ دار لاہور کو بہت فوج کے ساتھ یوسف زئیوں کی مہم پر متعین کیا اس نے تہ کر میدانی علاقہ کے یوسف زئیوں کو پہاڑوں کی طرف بھگا دیا اور پھر یوسف زئیوں کے پاس بطور وفد آدمی بھیجے کہ شجاع کی ہڈیاں ایک لاکھ روپے لے کر دے دیں۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس سے ہماری بدنامی ہوتی ہے۔" (۴۶) اس کے بعد افضل خان شمشیر خان ترین اور یوسف زئیوں کے مقابلوں کا ذکر کرتا ہے جو در حقیقت جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں محمد امین خان کے پہنچنے سے پہلے ہوئے تھے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ افغانوں میں شجاع قبیلۂ یوسف زئی میں دسویں جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۷ـ۱۰۷۸ھ) کے دوران میں ظاہر ہوا تھا۔ اور ان کی بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مرزا محمد کاظم نے جس محمد شاہ کا ذکر کیا ہے شاید وہ جعلی شجاع ہی تھا۔ مرزا محمد کاظم نے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یوسف زئیوں کے بنائے ہوئے بادشاہ کا نام نہیں لیا بلکہ لقب محمد شاہ لکھا ہے اس سے اس قیاس کو مزید تقویت ہوتی ہے۔

افضل خان نے اپنے بیان میں خوشحال خان کا جو شعر نقل کیا ہے اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید جعلی شاہ شجاع افغان نہ تھا بلکہ کوئی مغل تھا جو علاقہ یوسف زئی کی طرف آ نکلا تھا۔

دور حاضر کے ایک اور مشہور مؤرخ جادو ناتھ سرکار نے اگرچہ افغان جعلی شجاع اور ایمل خان کو ایک شخص تو نہیں سمجھا اور وہ اس کا ظہور علاقہ یوسف زئی ہی میں بتاتا ہے۔ اور ایمل خان کو آفریدی سمجھتا ہے مگر وہ افغان جعلی شجاع کے زمانہ کو غلطی سے شورش ایمل کے دوران میں سمجھتا ہے۔ سرکار کے بیان کے مطابق ایک جعلی شجاع کوہستان مورنگ میں جو کوچ بہار کے مغرب میں واقع ہے مئی ۱۶۶۹ء (اواخر ۱۰۷۹ھ) میں پیدا ہوا دوسرا علاقہ یوسف زئی میں ۱۶۷۴ء (۱۰۸۴-۸۵ھ) میں نمودار ہوا اور تیسرے کا ظہور ۱۷۰۴ء (۱۱۱۵-۱۶ھ) میں کامراج (کشمیر) میں ہوا۔ مؤرخ مذکور نے ان شجاعوں کا ظہور بالترتیب مآثر عالمگیری، سٹوریا ڈو موگور اور تاریخ اعظمی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ (۴۷) جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں مینوکی نے افغان جعلی شجاع کے ظہور کا سال نہیں لکھا۔ سرکار نے اس کا زمانہ قیاس کرنے میں غلطی کی ہے۔ پہلے اور دوسرے شجاع کے متعلق تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ تیسرے سے بلحاظ زمانہ ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

عہد جدید کے ایک مؤرخ مولانا ذکاء اللہ صاحب نے اگرچہ ایمل خان کے متعلق جعلی شجاع ہونے کا شبہ تو ظاہر نہیں کیا مگر شورش ایمل کا ذکر جہاں سے شروع کیا ہے وہاں حاشیہ پر فساد قوم یوسف زئی سرخی لکھ دی ہے۔ (۴۸) جو بالکل غلط ہے۔ اس کے لیے نہ انہوں نے کسی سند کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہے۔

ان تصریحات کے بعد آخر میں خوشحال خان کے ایک طویل قطعہ کے چند اشعار کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شجاع کا شور و شر اور ایمل خان کی شورش دو بالکل علیحدہ واقعات تھے اور مؤخر الذکر شورش کے قائدوں میں سے ایمل خان (یا کسی اور) کے متعلق یہ شبہ کرنا کہ وہ جعلی شجاع تھا بالکل بے بنیاد بات ہے:

لہ بگرامہ پښې تړلې	بگرام (پشاور) سے پا بجولاں
هندوستان لره روان شوم	میں ہندوستان روانہ ہوا
به دهلي به رنتمبور کښې	دہلی اور رنتھمبور میں
درې څلور کاله حيران شوم	تین چار سال حیران و پریشان رہا
به آګره کښې مې پښې وا شوې	آگرہ میں میرے پاؤں کھولے گئے

بیا نوکر د بد سلطان شوم	اور دوبارہ میں ظالم بادشاہ کا نوکر ہوا
د شجاع بہ شور و شر کښې	شجاع کے شور و شر میں
چل وطن لہ راروان شوم	اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا
زړه مې درست سره داغ داغ دے	اور اپنے داغ داغ دل
پہ تلاش ئ د درمان شوم	کے علاج کی تلاش کرنے لگا
لنګر کوټ مغلو ساز کړو	مغلوں نے لنگر کوٹ بنایا
زه پہ ننګ بیا د افغان شوم	تو میں افغانوں کی عزت کیلئے اٹھ کھڑا ہوا
کہ یوسف وو کہ مندړ وه	اور یوسف زئیوں اور مندڑوں
زه د دواړو نګهبان شوم	دونوں کا نگہبان ہوا
د ایمل فتور آغاز شو	ایمل کی شورش برپا ہوئی
د مهمندو هم عنان شوم	اور میں مہمندوں کا ہم عنان ہوا۔ (۴۹)

سلسلہ واقعات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ایمل کی شورش شجاع کے شور و شر اور تعمیر لنگر کوٹ دونوں کے بعد رونما ہوئی۔

ایمل خان کا نام اور قبیلہ: جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس ہمہ گیر شورش افاغنہ میں خوشحال خان کے علاوہ ایمل خان مہمند اور دریا خان آفریدی اس کے روح رواں تھے۔ ایمل خان ایک پیدائشی جرنیل تھا جس کے قبیلہ بلکہ نام تک کے متعلق بعض غیر ملکی مصنفین کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ باوجودیکہ بڈلف نے خوشحال خان کی نظموں کے انتخاب میں صحیح نام ایمل خان ہی دیا ہے مگر ترجمہ میں جہاں کہیں اس کا نام ہے وہاں ایمل خان کی جگہ اکمل خان لکھ دیا ہے۔ مؤرخ سرکار نے بھی (باوجودیکہ منتخب اللباب حصہ ۲ اور مآثر الامرا جلد ا میں صحیح نام اس کے پیش نظر تھا) ایمل خان کو اکمل خان ہی لکھا ہے۔ غیر ملکی مؤرخین کو اس کے قبیلہ کے متعلق بھی غلط فہمی ہوئی ہے۔ سرکار نے بھی اسے آفریدی لکھا ہے۔ (۵۰) میجر راورٹی نے بھی اسے آفریدی سمجھا ہے۔ (۵۱) ملکی مؤرخین میں ایس۔ ایم جعفر نے اس کا نام اکمل لکھا ہے اور اس کو آفریدی سردار خیال کیا ہے۔ (۵۲) خوشحال خان جس کی شہادت ایمل خان کے متعلق قطعی ہے اس کو مہمند لکھتا ہے۔ (۵۳)

پہلی قبائلی جمعیت: اب چند الفاظ ان قبائل کے متعلق عرض کیے جاتے ہیں جو ایمل خان کے علم کے نیچے جمع ہوئے اور جنہوں نے شروع ہی سے اس شورش میں نمایاں حصہ لیا۔ شورش کے

اسباب صافی قبیلہ میں پیدا ہوئے جو کرلانی ہیں اور وزیروں کے بہت قریبی عزیز ہیں۔ (مہمند)
خیبر سے جانب شمال مغرب علاقہ کنڑ (افغانستان) اور اس سے ملحق افغانستان اور پاکستان کے
علاقوں میں آباد ہیں۔ ان کی اعانت مہمندوں، آفریدیوں اور شنواریوں نے کی۔ یہ یاد رکھنا
چاہیے کہ جن مہمندوں نے اس شورش میں حکومت کے خلاف حصہ لیا وہ کوہستانی مہمند تھے۔ مہمند
سڑبنی افغان ہیں جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے پاکستان و افغانستان دونوں میں آباد
ہیں۔ ان کے علاقوں کی تفصیل قبل ازیں دے دی گئی ہے۔ آفریدی صافیوں کی طرح ایک کرلانی
قبیلہ ہے۔ یہ قبیلہ درۂ خیبر میں (جو پشاور کے مغرب میں قریباً نو میل کے فاصلہ پر شروع ہو کر
غرباً چلا گیا ہے) اور پشاور کے جنوب مغرب میں علاقہ تیراہ اور ملحقہ علاقوں میں اور پشاور کے
جنوب میں درہ کوہاٹ اور اس کے آس پاس پشاور کے جنوب مشرق میں آباد ہے یہ سب علاقے
اکثر و بیشتر کوہستانی ہیں۔ شنواری بھی مہمندوں کی طرح ایک سڑبنی قبیلہ ہے۔ شنواری تھوڑی تعداد
میں علاقہ خیبر میں لنڈی کوتل کے قریب و جوار میں آباد ہیں لیکن اس قبیلہ کا زیادہ حصہ افغانستان
میں رہتا ہے۔

حواشی

۱۔ م۔سا ص ۴۸

۲۔ ت۔م (ق)

۳۔ م۔سا ص ۵۱

۴۔ مآثر الامرا جلد ۲ ص ۳۷۷

۵۔ ت۔م (ق)

۶۔ ایضاً

۷۔ کلیات ص ۹۴۳ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۷

۸۔ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۷

۹۔ ت۔م (ق) ذکر اولاد خوشحال خان

۱۰۔ شوال ۱۰۷۸ھ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ مہینہ سال یازدہم کے اوائل کے مطابق ہوگا۔ اس سال میں ماہ شوال مارچ اپریل ۱۶۶۸ء میں تھا۔

۱۱۔ جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے اس سال سے مراد ۱۰۷۸ھ ہے۔ مگر سید امیر خان ذی ۱۰۷۹ھ کے اواسط میں حاضر دربار ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ ۱۰۷۸ھ کے شوال یعنی دسویں مہینے کے بعد ۱۰ جمادی الاول سال قمری کا پانچواں مہینہ ۱۰۷۹ھ میں آئے گا۔ ممکن ہے فاضل مستشرق کا مقصد سال جلوس (۱۰۷۸۔۱۰۷۹ھ) سے ہو۔ مگر جمادی الاول سال جلوس کا نواں مہینہ ہوگا۔

۱۲۔ این۔ اے ص ۳۹۹ حاشیہ

۱۳۔ اردو ترجمہ م۔ ع میں بہرام خان نام لکھا ہے مگر انگریزی ترجمہ میں بسرام خان نام ہے اور یہی [illegible] ہے۔

۱۴۔ م۔ سا اردو ترجمہ ص ۱۴۸ انگریزی ترجمہ ص ۴۵

۱۵۔ م۔ ع اردو ترجمہ ص ۱۵۱ انگریزی ترجمہ ص ۴۵

۱۶۔ نومولود کا یہ نام اس کے دادا کے نام پر رکھا گیا تھا۔

۱۷۔ م۔ ع۔ اردو ترجمہ ص ۱۵۲ انگریزی ترجمہ ص ۴۸۔ انگریزی ترجمہ کا مفہوم اس طرح پر ہے۔ "پانچ سو مہر جو مہابت خان نے بیٹے کی ولادت کے موقع پر بھیجے تھے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے گئے لڑکے کا نام زمانہ بیگ رکھا گیا۔"

۱۸۔ م۔ ع اردو ترجمہ ص ص ۵۶،۵۵۔ انگریزی ترجمہ (ص ۵۳) میں ۲۲ ذی الحجہ ہے۔

۱۹۔ پٹہ خزانہ (خزانہ پوشیدہ) ص ۷۹ انگریزی ترجمہ حیات افغانی ص ص ۲۱۲،۲۱۱۔ خورشید جہان ص ۲۲۲۔ حیات افغانی کے انگریزی ترجمہ کے رو سے مراجعت وطن کے وقت خوشحال خان کو بادشاہ کے اپنے گھوڑے (king's own Horse) پر سوار کیا گیا۔ اگر حیات افغانی (اصل کتاب) میں بھی "اسپ خاص" کے الفاظ ہوں تو ضروری نہیں کہ خاص بادشاہ کے اپنے استعمال کی چیز ہی ہو۔ بہت اعلیٰ اور بڑھیا چیز اور عطیہ بادشاہی پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

۲۰۔ ت۔ م (ق)

۲۱۔ لنگر کوٹ جیسا کہ ظاہر ہے گاؤں کا نام بھی ہے اور کوٹ پشتو میں قلعہ کو بھی کہتے ہیں۔

۲۲۔ لنگر کوٹ امازئی مندڑوں کے علاقہ میں واقع ہے۔

۲۳۔ کلیات ص ۹۴۴ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۷

۲۴۔ کلیات ص ۱۰۴۷ دیوان حصہ ۲ ص ۴۳۲

۲۵۔ قرن ۱۰-۲۰-۳۰-۶۰-۸۰-۱۰۰ سالوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر یہاں مراد تیس سال ہیں۔ کیونکہ والدہ کی وفات کے بعد جلد ہی ۱۰۸۰ھ میں بڑی بیوی کا انتقال ہوا اور یہ قرن بھی ۱۰۸۰ھ میں ہوگا۔ اور ۱۰۵۰ھ (سال وفات شہباز خان) اور ۱۰۸۰ھ کے درمیان قرن تیس سال کا ہوگا۔

۲۶۔ کلیات ص ۱۰۲۶ دیوان حصہ ۲ ص ۴۱۷

۲۷۔ کلیات ص ۱۳۷

۲۸۔ کلیات ص ۶۳۰ دیوان حصہ ۱ ص ۳۴

۲۹۔ کلیات ص ۶۱۳ دیوان حصہ ۱ ص ۳۷

۳۰۔ کلیات ص ۹۸۸، ۹۸۹ دیوان حصہ ۲ ص ۳۸۹

۳۱۔ کلیات ص ۹۸۹ دیوان حصہ ۲ ص ۳۹۰

۳۲۔ اس نظم کا زمانہ باپ کی وفات کے تیس سال بعد بتایا ہے۔ اس لیے ۱۰۸۰ھ میں لکھی ہوگی۔ کلیات ص ۶۳۶ دیوان حصہ ۱ ص ۷۱

۳۳۔ افضل خان نے جہاں تعمیر لنگر کوٹ کے متعلق ملاقات خان شمشیر خان اور خوشحال خان کی گفتگو کا حال لکھا ہے۔ شمشیر خان ترین کو وہاں چار ہزاری منصبدار لکھا ہے۔ مگر ماثر الامرا جلد ۲ ص ۶۷۹ میں آخری منصب سہ ہزاری دو ہزار و پانصد سوار دو اسپہ سہ اسپہ بیان ہوا ہے اور آخری تقرری او ہند (ہنڈ) کی تھانہ داری پر بیان ہوئی ہے۔

۳۴۔ اپنے زمانہ سرداری میں علاقہ یوسف زئی کے اچھے بندوبست کی طرف اشارہ ہے۔

۳۵۔ پلاوڈن (ترجمہ کلید افغانی ص ۳۳۰) نے پیش نظر نظم کے ترجمہ میں حیات ترین پر جو نوٹ لکھا ہے اس میں کہا ہے کہ حیات ترین علاقہ یوسف زئی کے گورنر شمشیر خان حیات ترین کا نائب تھا۔ حالانکہ شمشیر حیات ترین ایک ہی شخص تھا۔ حیات ترین نام اور شمشیر خان خطاب تھا۔ ملاحظہ ہو اس کی سوانح عمری ماثر الامرا جلد ۲ ص ص ۶۷۷-۶۷۹

۳۶۔ کلیات ص ص ۶۳۸-۶۳۹ دیوان حصہ ۱ ص ۷۴

۳۷۔ م-س-ع ص ص ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۴، ۷۴۔ ماثر الامرا جلد ۳ ص ص ۶۱۶، ۶۱۷

۳۸۔ م-س-ع (اردو) ص ۷۰ (انگریزی) ص ۶۵۔ اردو ترجمہ میں تاریخ بجائے ۲۷ کے ۱۷ ربیع الآخر ہے۔

ہسٹری آف انڈیا ص ۵۵۷ نوٹ ۷ برجس بھی (کرونالوجی آف ماڈرن انڈیا ص ۱۱۱

ہسٹری آف انڈیا ص ۷) کے باوجود محمد امین خان کا ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۷ء) میں کابل کا صوبہ دار مقرر ہونا لکھا ہے۔ جو درست نہیں۔

۳۹۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ص ۲۳۲، ۲۳۳ ماثر الامرا جلد ا ص ۲۸۱

۴۰۔ سٹوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ص ۱۹۳، ۱۹۴

۴۱۔ اردو ترجمہ م۔ ع (ص ۹۷) میں دو شعبان تاریخ لکھی ہے۔ انگریزی ترجمہ (ص

۴۲۔ ۹۸) دس شعبان تاریخ درج ہے اور یہی صحیح ہے۔

۴۳۔ خ۔ ن ص ص ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۷ م۔ ع۔ ص ص ۴۴، ۴۵، ۵۱ و ۷۰، ۷۲، ۷۴، ۹۷ نیز حاشیہ

سٹوریا ڈو موگور از مترجم

۴۴۔ این۔ اے ص ۳۹۰

۴۵۔ سوات نامہ شعر نمبر ۱۶۹

۴۶۔ ت۔ م (ق)

۴۷۔ ہسٹری آف اورنگزیب جلد ۳ ص ص ۲۸، ۲۹ و حاشیہ ص ۲۹ و خلاصہ ہسٹری آف

اورنگزیب ص ۱۰۲۔ خلاصہ میں کامراج کے شجاع کا ساتھ دینے کا ذکر ۱۷۰۰ء درج ہے۔

۴۸۔ تاریخ ہندوستان جلد ۸ ص ۲۹۳

۴۹۔ کلیات ص ص ۹۴۴۔ ۹۴۵ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۷

۵۰۔ ہسٹری آف اورنگزیب جلد ۳ ص ۲۶۰۔ سرکار نے لکھا ہے کہ اکبرات میں ایمل خان کا نام ایمن درج ہے۔ اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۶ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یوسف زئیوں کی شورش کے دوران میں شہنشاہ نے اسے محمد امین خان کے ساتھ متعین کیا تھا لیکن شبہ کی بنا پر اسے ہندوستان ہی میں ٹھہرا لیا گیا۔ اور احتیاطاً جنگ کرنے کے لیے دکن بھیج دیا گیا۔ اب ع۔ ن (ص ۳۱۴) پر بھی ایک ایمن آفریدی کا نام ملتا ہے۔ یہاں ایمن ہمیں اورنگزیب کی طرف سے جنگ دیورائے (اجمیر) میں دارا شکوہ سے لڑتا نظر آتا ہے یا تو یہ ایمن آفریدی کوئی دوسرا شخص ہے اور یا پھر سرکاری مؤرخ اور واقع نویس کو بھی اس کے نام اور قبیلہ کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہی غلطیاں کیمبرج ہسٹری آف انڈیا (جلد ۴ ص ص ۲۳۸ تا ۲۴۰) اور مختصر کیمبرج ہسٹری آف انڈیا (ص ص ۴۲۶ تا ۴۲۸) اور خلاصہ ہسٹری آف اورنگزیب میں بھی کی گئی ہیں۔

۵۱۔ ایس۔ پی۔ اے ص ۱۴۳ پر ایمل خان اور دریا خان کو آفریدی سردار لکھا ہے۔ ایمن۔

اے ص ۴۲ پر ایمل خان کو آفریدی لکھا ہے۔ این۔ اے ص ۱۱۵ پر ایمل خان اور دریا خان کو آفریدی قائدین لکھا ہے۔ این۔ اے ص ۴۰۲ میں ایمل خان کو دریا خان کا بھائی لکھا ہے۔ بیاض خوشحال خان کے جس حصہ کا ترجمہ کرتے ہوئے میجر راورٹی نے دریا خان کو ایمل خان کا بھائی لکھا ہے اس کی اصل پشتو میرے پیش نظر ہے۔ اس میں ان کا کوئی رشتہ درج نہیں۔

۵۲۔ مغل ایمپائر

۵۳۔ کلیات ص ۹۴۵ دیوان حصہ ۲ ص ۲۵۷ یہاں تو اتنا ہی لکھا ہے۔ (جیسا کہ آپ ص ۱۵۵ کتاب ہذا پر پڑھ چکے ہیں۔) کہ جب ایمل کی شورش برپا ہوئی تو میں مہمندوں کا ہم عنان ہوا۔ مگر دوسری جگہ کلیات ص ۱۰۵۱ دیوان حصہ ۲ ص ۴۳۶ پر صاف لفظوں سے ایمل خان کو مہمند لکھا ہے۔

۵۴۔ بلحاظ سکونت مہمندوں کے قریبی ہمسایہ ہیں۔ اور بعض لوگ غلطی سے انہیں مہمند سمجھتے ہیں۔

(۷)

ایمل کی شورش

فوری اسباب: اگرچہ مغلوں کا سلوک افغانوں کے ساتھ پہلے بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ عام طور سے ایک حاکم قوم کے افراد کا محکوم قوم کے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر محمد امین خان کے زمانہ صوبہ داری میں چند ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے افغانوں کے جام صبر وشکیب کو لبریز کر دیا۔ اس صوبہ دار کے متعلق صاحب تاریخ مرصع نے لکھا ہے۔ کہ ''محمد امین خان ڈیر دولتمند او ڈیر مغرور وہ'' یعنی ''محمد امین خان بہت دولتمند اور مغرور تھا۔[۱] مستعد خان مصنف مآثر عالمگیری اس کے متعلق لکھتا ہے کہ ''اگرچہ یہ امیر صائب الرائے اور دیانت میں ضرب المثل ہے لیکن اس کے ساتھ رعونت وخود رائی بھی اس کی سرشت میں داخل ہے۔''[۲] اور بعینہ یہی رائے نواب شاہنواز خان صاحب مآثر الامرا نے ایک طرف محمد امین خان کی قابلیت و دیانت اور دوسری طرف اس کے غرور کے متعلق ظاہر کی ہے۔[۳]

محمد امین خان کے زمانہ صوبہ داری کے دوران میں ایک بار جمرود میں بعض سردار اس کی ملاقات کے لئے آئے تھے۔ محمد امین خان اس وقت شراب پی رہا تھا اور علاقہ گنزو کا فوجدار حسین بیگ خان بھی خدمت میں حاضر تھا۔ حسین بیگ خان نے نشہ شراب میں کھوئے ہوئے صوبہ دار کی توجہ افغان سرداروں کی طرف مبذول کرتے ہوئے کہا کہ نواب کے مجرے کے لئے آئے ہیں۔ افغان سردار فوجدار کے ان الفاظ اور صوبہ دار کے رویّہ سے سخت آزردہ ہوئے۔ اور شاید قہر خداوندی بھی اس وقت جوش میں آیا۔[۴]

اس کے بعد افغانوں کو اور بھی زیادہ اور نہایت شدید قسم کا اشتعال دیا گیا۔ قبیلہ صافی کے بعض لوگ ایک فوجی چوکی کے پاس خرید وفروخت کے لئے مقیم تھے۔ ان کی ایک عورت کو حسین بیگ خان کے سپاہیوں نے چھیڑا اور اس کی بے عزتی کی۔ غیرت مند صافیوں نے بادشاہی سپاہیوں کو قتل کر ڈالا اور موقع واردات سے بھاگ نکلے۔ حسین بیگ خان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بجائے اس کے کہ بہ تقاضائے انصاف وتدبر جو ہوا، بات کو اس سے آگے نہ بڑھاتا۔ اس نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا۔ اس نے صافی سرداروں کو حکم دیا کہ قاتلوں کو فوراً گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دیں۔ صافیوں کے انکار پر حسین بیگ خان نے دوسرے افغان قبائل کو حکم دیا کہ وہ

صافیوں کے خلاف اس کی امداد کریں۔ دوسرے قبائل نے بہ امر مجبوری فوجدار کو آدمی کم پہنچائے۔ مگر ان کے دل اپنے مظلوم ہم قوموں کے ساتھ تھے۔ حسین بیگ خان نے علاقہ صافی پر حملہ آور ہو کر اس میں لوٹ مار، قتل و غارت اور آتشزنی کا بازار گرم کیا۔ دوسرے قبائل کے سرداروں نے صافیوں کے پاس پیغامات بھیجے کہ صافیوں نے جو کچھ کیا تھا۔ مردانہ ایسا ہی کرتے ہے۔۔ اور ان کے دوسرے بھائیوں نے جو کیا ہے بادل ناخواستہ کیا ہے اگر صافی حرکت موافقت کریں گے۔ تو وہ محض کھڑے تماشہ دیکھتے رہیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صافیوں نے حسین بیگ خان کو شکست دی اور وہ علاقہ صافی سے پٹ کر بھاگ نکلا۔ اپنی ناکامی سے برافروختہ ہو کر حسین بیگ خان نے دوسرے قبائل کے افغان سرداروں کو گرفتار کرنا چاہا مگر ان کے قبیلے ان کی امداد و اعانت کے لئے آمادہ ہو گئے اس وجہ سے حسین بیگ خان اپنے اس ارادہ میں بھی ناکام رہا۔

خیبر کا حادثہ عظیم: محمد امین خان نے ۱۶۷۱۔۷۲ء (۱۰۸۲ھ) کا موسم سرما پشاور میں گزارا جب اس کو افغانوں کے ہاتھوں حسین بیگ خان کے شکست کھانے کا علم ہوا تو افغانوں کی مظلومیت کا خیال نہ کرتے ہوئے ان کے خلاف سخت برہم ہوا۔ اس وقت کابل کی جانب کوچ کا موسم بھی آ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کے ساتھ جس میں علاقہ کے بعض آفریدی، اورکزئی اور دوسرے افغان سردار بشمول خوشحال خان خٹک اور ارباب مستجاب خان مہمند بھی شامل تھے کابل کی طرف کوچ کیا۔ اس کا خزانہ اور حرم بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ محمد امین خان مملکت کے متمول ترین آدمیوں میں سے تھا۔ وہ خود چوٹی کے امرا میں سے تھا۔ اس کا باپ میر جملہ بھی عہد عالمگیری کے چوٹی کے امرا میں سے تھا۔ علاوہ اس کے میر جملہ جواہرات کی تجارت کرتا تھا اور اس کی ذاتی دولت بھی حد و حساب سے زیادہ تھی۔ محمد امین خان کی دولت و ثروت کا اندازہ لگا لینا اب قارئین کرام کے لئے آسان ہوگا۔ محمد امین خان نے جمرود میں افغان سرداروں کے ساتھ مشورہ کیا خوشحال خان نے التماس کی کہ افغانوں کے ساتھ جنگ یا سختی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ وہ حکومت کے مقابلے کے لوگ نہیں۔ محمد امین خان نے خوشحال خان کی افغانوں کے ساتھ ہمدردی کو دیکھ کر کہا کہ ایک شخص نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک سانپ کو مار رہے ہیں۔ اس شخص نے سانپ کو اٹھا کر تھیلے میں ڈال کر لوگوں سے بچا لیا۔ مگر اسی سانپ نے موقع پا کر اپنے محسن کو کاٹ کھایا۔ محمد امین خان کا اشارہ خوشحال خان کی قید اور اس کے دوران میں خوشحال

خان کے ساتھ اپنے احسان کی طرف تھا خوشحال خان نے یہ سخت طعنہ سن کر جواب دیا کہ اگر نواب کا بھی خیال ہے تو میں سب سے آگے جاؤں گا۔ بادشاہی لشکر آگے بڑھا۔ افغانوں کو بھی صوبہ دار کے ارادہ کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ بھی اپنی بساط کے مطابق مقابلے کی تیاریاں کر کے خیبر میں لشکر لے آئے تھے۔ مینوکی نے مغل فوج کی تعداد چالیس ہزار سوار اور دو لاکھ پیادے بیان کی ہے۔ (۵) مگر خوشحال خان صرف چالیس ہزار مغل ہی لکھتا ہے۔ (۶) محمد امین خان نے ارباب مستجاب خان کو بعض دیگر بارسوخ آدمیوں کے ساتھ مختلف افغانوں کے پاس بطور وفد بھیجا کہ وہ واپس ہوں اور اس کی فوج کے گزرنے کے لئے راستہ صاف کر دیں۔ مینوکی کے قول کے مطابق محمد امین خان نے افغانوں کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ خراج ادا کریں۔ اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی کہ اگر وہ برضا و رغبت اطاعت و فرمان برداری اختیار نہیں کریں گے تو انہیں بزور شمشیر ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگرچہ مینوکی جو رنگ آمیزی اور مبالغہ کا بڑا دلدادہ ہے کے بیان کو بغیر کسی تائیدی شہادت کے جھجک کے ساتھ ہی قبول کیا جائے گا۔ لیکن یہاں جیسا کہ عرض کیا گیا ہے جرگہ (وفد) کو اس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا کہ مخالف افغان صوبہ دار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے راستہ کو بند کرنے اور بادشاہی فوج کے ساتھ مزاحمت سے باز رہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مینوکی نے محمد امین خان کے پیغام کو زیادہ زوردار الفاظ میں بیان کیا ہے بہر کیف جیسا کہ چاہئے تھا جرگہ ناکام واپس ہوا کیونکہ افغان محمد امین خان کے ارادے سے بخوبی واقف تھے اور لشکر کو منتشر کر دینے کا نتیجہ انہیں معلوم تھا۔ ایک دفعہ لشکر منتشر ہو جاتا تو مغل فوج حسب معمول لوٹ، مار، آتشزنی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتی۔ چنانچہ محمد امین خان بزور شمشیر افغانوں کو راستے سے ہٹانے اور مطیع کرنے کے لئے اپنی کیل کانٹے سے لیس فوج کے ساتھ آگے بڑھا۔ جب بادشاہی فوج لواڑگی یعنی لنڈی کوتل (پشاور سے قریباً ۲۸ میل جانب شمال مغرب) سے گزر کر قریباً چار میل مزید شمال مغرب کی جانب لنڈی خانہ (جسے اس وقت غریب خانہ کہتے تھے) کے قریب جو لنڈی کوتل سے نیچے کافی گہرائی میں واقع پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک منزل ہے پہنچی تو افغان لشکر کو جو مہمندوں، شنواریوں اور آفریدیوں پر مشتمل تھا ایمل خان مہمند کی زیر قیادت جا بجا چوٹیوں اور گھاٹیوں میں اپنے مقابلہ کے لئے تیار کھڑا پایا۔ افغانوں نے بادشاہی فوج کے حملوں سے بچاؤ کے لئے جلدی سے ڈھس بھی تیار کر کے کھڑے کر دیئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہی فوج بھی فوراً حملے کے لئے آمادہ ہوئی۔ فوج کے اگلے حصہ کو جو سب سے زیادہ مضبوط اور بہترین و منتخب

سپاہیوں پر مشتمل تھا، دائیں اور بائیں جانب ڈالا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی محمود خان خویشگی (ذو
(8) کی زیر کمان ہاتھیوں کو آگے بڑھایا گیا۔ محمود خان خویشگی
ہندوستان کا رہنے والا افغان تھا)
نے دائیں طرف سے مست ہاتھیوں کے ساتھ بے سروسامان افغانوں کو کچلنے کے لئے ان کے
بائیں پہلو پر یلغار کی اور اس کے ساتھ ہی بائیں طرف سے مبارز خان امیر (9) نے توپ
خانہ (10) کے ساتھ افغانوں کے دائیں پہلو پر حملہ کیا۔ افغانوں نے بادشاہی فوج کے ہاتھیوں کی
یلغار اور گولہ باری کا جواب زبردست پتھراؤ سے دیا۔ جو بہت موثر ثابت ہوا۔ بادشاہی فوج کا
عالم تہ و بالا ہونے لگا اور اس میں ایسی کھلبلی پڑی کہ ہاتھی، گھوڑے اور آدمی ایک دوسرے پر گرنے
پڑنے لگے۔ کوئی افغانوں کے پتھروں سے ہلاک ہوتا تو کوئی پہاڑ سے پھسل کر نیچے راستہ پر آ گر
یا جانوروں کے پاؤں تلے روندا جاتا اور اس طرح قید ہستی سے آزاد ہو جاتا۔ اس ہنگامہ زد و خورد
میں ہاتھی رسالہ کا کماندار محمود خان خویشگی اپنے کثیر التعداد ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ اور اس کے
باقی ماندہ سپاہی ہاتھیوں کے ساتھ پسپا ہوئے۔ بادشاہی فوج کی بائیں جانب مبارز خان کو بھی
ناکامی ہوئی اور اس کو بھی بری طرح شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ بادشاہی فوج کو اس طرح زک
دے کر افغان بڑھے ہوئے حوصلوں اور بے پناہ جوش و خروش کے ساتھ تلواریں سونت کر اس پر
حملہ آور ہوئے اور بادشاہی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ مغلوں نے بھی از سر نو
خوب ڈٹ کر مقابلہ شروع کیا۔ اور قریباً سارا دن لڑائی ہوتی رہی۔ بادشاہی فوج میں جو افغان تھے
ماسوائے خوشحال خان کے لڑائی سے پہلوتہی کرتے رہے۔ خوشحال خان نے اپنے آدمیوں کے
ساتھ مغلوں کی طرف سے خوب سعی و کوشش کی مگر بیکار۔ (11) آخر کار نقصان عظیم برداشت کرنے
کے بعد مزید تاب مقابلہ نہ لا کر مغل فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ محمد امین خان بقول مستعد خان
خافی خان بوجہ فرط غیرت کے میدان کارزار سے زندہ جانا نہ چاہتا تھا مگر اس کے نوکروں نے بہ
مشکل تمام اس کو اس گرداب بلا سے نکالا۔ بادشاہی فوج نے بھاگتے ہوئے لنڈی کوتل کے جانب
شمالی راستہ اختیار کیا۔ جو شنواریوں، شلمانیوں اور ملا گوریوں (12) کے کہستانی علاقہ سے ہو کر علی
مسجد کی طرف آتا ہے اور یہاں بڑے راستہ سے مل جاتا ہے۔ اور بعض دوسرے اطراف سے بھی
پشاور کو جاتا ہے۔ محمد امین خان کو بعض افغان جمعداروں نے سمجھایا۔ کہ اس راستہ سے نہ جائے۔
چنانچہ اس نے ان افغان جمعداروں کے ہمراہ بڑا راستہ اختیار کیا اور سیدھا علی مسجد پہنچا۔ جو لنڈی
کوتل سے جانب جنوب مشرق پشاور کی طرف قریباً ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور وہاں سے

باقی فوج جب علی مسجد کے قریب اس کے جانب شمال ملا گوریوں کے پہاڑ تجترہ بھال جاوپہنچا ورآیا۔ باقی فوج جب علی مسجد کے قریب اس کے جانب شمال ملا گوریوں کے پہاڑ تجترہ
(جس کی چوٹی لنگہ سر بہ حدود قبیلہ شنواری ۶۴۳۷ فٹ اونچی ہے) (۱۳) پہنچی۔ تو اس پر افغانوں نے ایک اور تباہ کن حملہ کیا جس سے "مغلوں پر ایسی آفت آئی جو خدا مسلمان پر نہ لائے" یہاں خیبر کا حادثہ عظیم اپنی آخری حد کو پہنچا۔ تمام فوج میں سے معدودے چند آدمی زندہ و سلامت بچے۔ ہزارہا قتل اور کئی اسیر ہوئے۔ جو کھنڈوں اور کھائیوں میں گر کر مرے ان کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی۔ خزانہ اور باقی تمام مال و اسباب جو بیحد و حساب قیمت کا تھا افغانوں کے ہاتھ لگا" وہ عظیم فوج ایک دن میں ختم ہو گئے اور محمد امین خان افغان ہو گیا۔"

اس حادثہ عظیم میں محمد امین خان کی کمسن لڑکی، بہن، والدہ اور کئی دیگر مستورات کو افغانوں نے گرفتار کر لیا۔ انہیں بعد میں بعوض زر کثیر چھوڑ دیا گیا۔ محمد امین خان کی بیوی لڑائی میں ماری گئی۔ اس کا بیٹا مرزا عبداللہ اور بہنوئی مرزا سلطان کربلائی بھی میدان جنگ میں کام آئے۔ مینوکی نے محمد امین خان کی بیوی اور بیٹے مرزا عبداللہ کے قتل کا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ کہ جب اس (مرزا عبداللہ) نے دیکھا کہ "اس کے والد کی بیوی" کو افغان اسیر بنا رہے ہیں تو اس (مرزا عبداللہ) نے اس (زوجہ محمد امین) کا سر قلم کر ڈالا۔ افغانوں نے غصے میں آ کر مرزا عبداللہ کو مار ڈالا۔ برعکس اس کے خافی خان نے محمد امین خان کی بیوی کا بھی اسیر ہونا لکھا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جب دیگر خواتین رہا ہو کر آنے لگیں تو محمد امین خان کی بیوی نے از راہ غیرت و خجالت محمد امین خان کے پاس آنا گوارا نہ کیا اور اس کوہستان ہی میں فقیرانہ زندگی اختیار کر کے خدا کی یاد میں مشغول ہوئی۔ قبل ازیں تاریخ مرصع کی رو سے جو خوشحال خان کے بیان پر مبنی ہے عرض کیا جا چکا ہے کہ محمد امین خان کی بیوی قتل ہوئی تھی۔ جس کی تفصیل بھی مینوکی کی کتاب سے درج کر دی گئی ہے۔ خواہ جس طرح مینوکی نے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ صحیح ہو یا غلط خوشحال خان کے بیان کو جو خود لڑائی میں موجود تھا خافی خان کے بیان پر فوقیت حاصل ہے۔ میجر راورٹی کا بیان اس بارہ میں متضاد ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اس کی بیوی، بیٹا اور بہنوئی مارے گئے۔ مگر اس کے دوسرے افراد خاندان کے متعلق کچھ نہیں لکھا گیا۔ (حالانکہ اس کے ساتھ تاریخ مرصع میں محمد امین خان کی بہن، بیٹی اور والدہ کی گرفتاری کا ذکر بھی موجود ہے۔ اور خود اس سے چند سطور پہلے میجر راورٹی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔) تاہم معلوم ہوتا ہے کہ افغانوں کے ساتھ راضی نامہ کر کے انہیں بہت سا روپیہ دیا گیا۔ جنہوں نے اس کی بیٹی، والدہ اور چند دیگر عورتوں کو تو چھوڑ دیا مگر اس کی بیوی نے

جذبۂ غیرت کی وجہ سے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ سبب تصور کر لیا جائے۔ اور فقیرانہ
لباس پہن کر باقی زندگی عبادت اور مذہبی گوشہ نشینی میں گزاری۔

خوشحال خان اور ارباب مستجاب خان نے بھی باقی فوج کے ساتھ تیراہ کا راستہ اختیار
کیا تھا۔ خوشحال خان کی طبیعت بھی سخت خراب تھی کچھ بیماری اور کچھ حادثہ کی وجہ سے برا حال
تھا اور اس پر طرہ یہ کہ راستہ بھی کبھی سوار اور کبھی پیادہ طے کرنا پڑا۔ چنانچہ بہزار مشقت چند جیالوں
سمیت جو ساتھ تھے پشاور پہنچا۔ ارباب مستجاب خان بھی بہ مشکل تمام جان سلامت بچا کر
چند روز بعد گھر پہنچ کر خوشحال خان نے ارباب مستجاب خان کو صلاح و مشورہ کے لیے بلایا مگر وہ نہ
آیا۔

خیبر میں افغانوں اور مغل فوج کے درمیان لڑائی کا نتیجہ جیسا کہ مندرجہ بالا بیان سے
بخوبی ظاہر ہے بادشاہی فوج کی مکمل تباہی تھا۔ مستعد خان نے اس بربادی کو صحیح طور سے اس حادثہ
سے تشبیہ دی ہے جو شہنشاہ اکبر کے عہد میں اوائل ۹۹۴ھ (فروری ۱۵۸۶ء) میں زین خان کوکہ، حکیم
ابوالفتح اور راجہ بیربل کو کوہستان یوسف زئی میں پیش آیا تھا۔ خیبر کا حادثہ عظیم محرم ۱۰۸۳ھ کے پہلے
ہفتہ[14] میں واقع ہوا۔ (15)

خوشحال خان اپنی نظموں میں اس لڑائی کا حال بیان کرتے ہوئے ملے جلے جذبات کا
اظہار کرتا ہے۔ اس کے اشعار میں ہمیں تاسف اور شماتت دونوں نظر آتے ہیں۔ اپنے دوست اور
محسن محمد امین خان کی شکست اور بے عزتی اور اس کے اہل خاندان کے قتل اور گرفتار ہونے سے
اسے رنج و افسوس ہوا۔ محمد امین خان کے پاس خاطر اور اس کے طعنہ کی وجہ سے اس لڑائی میں شمولیت
بھی کی اور لڑائی میں مغلوں کی طرف سے شامل ہونے کے بعد دورنگی اختیار نہ کی اور نہایت
جانفشانی سے اپنے آدمیوں سمیت جن میں اس کے بعض بیٹے بھی شامل تھے۔ اپنے ہم قوموں
کے خلاف لڑا مگر درحقیقت وہ اپنے تن و جان پر تلوار چلا رہا تھا۔ اس کا دل افغانوں کے ساتھ تھا اس
نے اپنے دوست پر اثر ڈالنے کی کوشش کی کہ وہ مظلوم افغانوں کے ساتھ نہ الجھے مگر وہ اپنی کوشش
میں ناکام ہوا اور دل خراش طعنہ سننا پڑا۔ حق احسان کے خیال اور طعنہ نے اسے افغانوں پر تلوار
چلانے کے لیے مجبور کیا۔ اس لیے جہاں محمد امین خان کی شکست اور بے عزتی و تباہ حالی کا اسے رنج
و افسوس تھا وہاں اسے افغانوں کی فتح کی خوشی تھی۔ محمد امین خان کی شکست اور اورنگزیب کی شکست اور
بادشاہی وقار کے لیے زبردست صدمہ تھی۔ یہ افغانوں کی مغلوں پر شاندار فتح تھی۔ اس لیے

پر دو رنگوں کے ساتھ خوشی کی تانیں بھی اڑاتا ہے۔ سب سے پہلے ایک قصیدہ کے بعض اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو تاریخ مرصع کی شہادت کی رو سے حادثۂ خیبر کے جلد بعد لکھا گیا اور خود اس قصیدے کے مضمون اور لب ولہجے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے دوست محمد امین خان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہتا ہے:

جې دانا تر نادان لا وزني بتر
جب دانا کا انجام نادان سے بدتر ہوتا ہے

مگر نه دے دا ژوندون څه معتبر
تو پھر اس زندگی کا کیا اعتبار

جې مې فهم فكر وكړ باور وكړه
یقین جانو میں خوب سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں

په دا باغ كښې ګل او خار دي برابر
کہ اس باغ میں پھول اور کانٹے کی حیثیت ایک جیسی ہے

چې له كومو غرونو راغې چرته درومي
اباسینډ (دریائے سندھ) کو کچھ پتہ نہیں

اباسيند لا په دا هيڅ نه دے خبر
کہ کن پہاڑوں سے آ رہا ہوں اور کہاں جا رہا ہوں

د شلمان غرونه په دا كله خبر دي
شلمان کے پہاڑوں کو کیا خبر

چې زر ګونه په شلمان كښې شو ډير
کہ شلمان میں ہزاروں موت کے گھاٹ اترے

نه آسمان خښې خبر دے نه دا زمكه
آسمان اور نہ ہی اس زمین کو کچھ خبر ہے

چې عالم شو په طوفان زير و زبر
کہ کتنی مخلوق طوفان سے زیر و زبر ہوئی

په دوه زمان كښې څه قدرت ښكاره كا
آن کی آن (دو لمحوں) میں قادر و توانا بہت بڑا اللہ

چې قادر دے توانا الله اكبر
اپنی قدرت کے کیا کرشمے دکھاتا ہے

مكافات د كوم ګناه د كوم شامت دے
(کچھ سمجھ میں نہیں آتا) کہ آخر یہ کس گناہ کی مکافات اور کون سے عمل کی شامت ہے

چې ډېر د مير جمله شو درست تبر
کہ میر جملہ کے سارے خاندان پر یہ تباہی آئی۔

اور پھر اس قصیدہ میں افغانوں کی فتح کا ذکر اس انداز سے ہوتا ہے:

په لږ او ډېر نه په لوي د خداے په كړه ده
تھوڑوں اور بہتوں پر نہیں بلکہ مشیت ایزدی پر منحصر ہے

لږ لښكر په ډېر لښكر مومي ظفر
تھوڑی سی فوج بہت بڑی فوج پر فتح پالیتی ہے۔

څه شنواري څه مهمند څه افريدي وو
کیا تھی بھر شنواری مہمند اور آفریدی اور کیا ان کی بساط (۱۷)

چې تالان كړو د صوبې واړه لښكر
جنہوں نے سارے صوبائی لشکر کو درہم برہم کر دیا

دا تالان چې په مغلو باندې ساز شو
اس تباہی میں جو مغلوں پر آئی

د كشتو به العمر هيڅ نه كړه نظر
کشتوں کے خون اور مال غنیمت کا کچھ نہ پوچھو

کہ اسونہ کہ فیلان کہ اسبا بونہ (قطار قطار) گھوڑے اور ہاتھی تھے اور اب ان
بہ انبار انبار سپین زر وو یا سرہ زر اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر

اور باقی اشعار میں افغانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ جو کچھ مغلوں کے ساتھ ہوا اور
خصوصاً اپنے ناموس کی بربادی کو کبھی نہیں بھولنے کے اس لیے افغانوں کو غافل نہیں رہنا
چاہیے۔ (۱۸)

کال د "غفج" وہ هوری سال ۱۰۸۳ھ (۱۹) تھا جب کہ خیبر میں
مغلی بندی شوی هم کونډی پوری مغلانیاں اسیر ہوئیں اور ان کے شوہر مارے گئے
مهمند شنواری خو آفریدی وو مہمند شنواری اور چند آفریدی تھے۔ (۲۱)
وارو وهلی دیا دو توری سب نے وہ تلواریں چلائیں جو ہمیشہ یاد رہیں گی

فدائی خان کا پشاور پہنچنا: غریب خانہ (لنڈی خانہ) اور تہترہ میں بادشاہی فوج کی تباہی کا
حال شہنشاہ کو ۱۲ محرم ۱۰۸۳ھ (مئی ۱۶۷۲ء) کو معلوم ہوا اور اس نے احتیاطاً لاہور کے گورنر
خان مظفر حسین کو محمد امین خان کی کمک کے لئے لاہور سے پشاور پہنچنے کا حکم دیا۔ تا کہ اگر افغان
حملہ یا مزید پیش قدمی کریں تو مدافعت کی جائے۔ فدائی خان ۳۰ محرم (اواخر مئی) کو لاہور سے
پشاور روانہ ہوا۔ (۲۲) فدائی خان کے ساتھ خزانہ بھی تھا۔ خوشحال خان کو جو اس وقت قبائل
میں تھا۔ قبیلہ کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ فدائی خان پر حملہ کر کے خزانہ لوٹ لیا جائے۔ (۲۳)
خوشحال خان نے ان کے مشورہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا۔ کہ اگر چہ مغلوں کے ہاتھوں میرا دل
داغ ہے اور انہوں نے مجھے بے گناہ قید کیا ہے۔ مگر خزانہ کا لوٹنا نمک حرامی کے برابر ہے۔
پانچ پشت ہم نے مغلوں کا نمک کھایا ہے۔ خزانہ ہرگز نہ لوٹیں گے (۲۴) اس سے ظاہر ہے کہ
باوجود یہ کہ خوشحال خان کے دل میں مغلوں کے خلاف آتش غیظ وغضب بھڑک رہی تھی۔ اور
کافی ان کے خلاف سرگرم عمل ہونے کو چاہتا تھا۔ اسے حق نمک اور اپنے محسن محمد امین خان کا
پاس تھا۔ وہ دشمن کے خلاف بھی اوچھے ہتھیاروں کے استعمال اور ایسی حرکتوں کے ارتکاب
سے گریز کرتا تھا جو اس کے شایان شان نہ تھے۔

اس دوران میں اشرف خان دو بار محمد امین خان سے پشاور میں ملا صوبہ دار بہت مہربانی
سے پیش آیا۔ اور خوشحال خان کی پرسش حال کی۔ خوشحال خان کو ہر چند مغل بلاتے تھے۔ وہ ان
کے پاس نہ جاتا تھا اور یہ عذر پیش کیا کہ میرا اپنا قبیلہ واقعہ طلب (آمادہ شورش) ہے کہیں ایسا

(۲۵)
اس کے بندوبست میں مصروف و مشغول ہوں۔

جب فدائی خان دریائے سندھ کو عبور کر کے خیر آباد پہنچا تو اشرف خان نے اس کا استقبال کیا اور پشاور تک ساتھ آیا۔ فدائی خان نے اشرف خان سے محمد امین خان کی شکست اور بادشاہی فوج کی تباہی کا حال پوچھا اور بعد میں اور لوگوں سے بھی دریافت اور تفتیش کی اور ان سے بھی وہی کچھ سنا جو اشرف خان نے کہا تھا۔ پشاور میں فدائی خان نے مستجاب خان مہمند کو قتل کیا۔(۲۶) مستجاب خان کے قتل اور ضروری انتظامات کے بعد فدائی خان فرمان بادشاہی کے مطابق ہندوستان روانہ ہوا۔(۲۷)

محمد امین خان کی روانگی ہندوستان: محمد امین خان نے بھی ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ جب محمد امین خان ہندوستان جا رہا تھا تو پشاور سے باہر "باغ بادشاہی" میں قیام کے دوران میں خوشحال خان نے اس سے ملاقات کی اور ایک بار پھر کوشش کی کہ مغل افغانوں کے ساتھ جنگ سے باز آ ئیں۔ مگر محمد امین خان نے پھر وہی طعنہ خوشحال خان کو دیا جو پہلے کابل کی طرف کوچ کے وقت دیا تھا اور کہا کہ اگر اب بھی میں بادشاہ کو افغانوں سے درگزر کا مشورہ دوں تو وہ میرے متعلق کیا خیال کرے گا۔ اور یوں دونوں دوست پھر کبھی نہ ملنے کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ خوشحال خان لکھتا ہے کہ جب محمد امین خان ہندوستان جانے لگا تو لوگ اسے کہہ رہے تھے کہ جب آپ اٹک سے گزریں گے تو خٹک آپ کو لوٹیں گے۔ اسے بھی اس سے حیرت ہوتی تھی اور میرے دل میں بھی اس کے لئے سوائے نیک اور خیر خواہی کے جذبات کے کچھ نہ تھا۔ کیونکہ جب میں اورنگزیب کی قید میں تھا تو اس نے میرے ساتھ احسان کیا تھا۔ جب وہ جا رہا تھا تو اس وقت بھی میں نے اسے (اس بات کا یقین دلاتے ہوئے) نصیحت کی تھی۔(۲۸)

خوشحال خان ہر چند مغلوں کے خلاف دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور ان کے خلاف تلوار اٹھانا چاہتا تھا مگر چند اور باتوں کے علاوہ جن کا ذکر اسی کے الفاظ میں آگے چل کر آئے گا۔ محمد امین خان کی پشاور میں موجودگی اس کے راستے میں حائل تھی۔ فدائی خان نے جب مستجاب خان کو قتل کیا تو مستجاب خان کا چچا بازید خان اور دوسرے مہمند سردار بھی خوشحال خان سے ملے اور آپس میں بات چیت ہوئی۔ جس کی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ خوشحال خان بھی اپنے اہل و عیال کو سرائے اکوڑہ سے جس کا محل وقوع بوجہ شاہراہ پر واقع ہونے کے مغلوں سے دشمنی کی صورت میں غیر محفوظ تھا خوڑہ میں لے گیا تھا۔ خوشحال خان کا ارادہ تھا کہ اٹک پر قبضہ کر کے مغلوں کی آمد

ورفت کا راستہ مسدود کر دے۔ مگر جیسا کہ عرض ہو چکا ہے محمد امین خان کی خاطر اور چاہ... سے خوشحال خان عملی اقدام نہ کر سکتا تھا اور بعد میں مستجاب خان کے رشتہ داروں نے کنارہ ... کر لی۔ (۲۹)

مہابت خان کی صوبہ داری کابل: اس اثنا میں شہنشاہ نے مہابت خان کو جو پہلے بھی کئی بار ولایت افاغنہ پر حکومت کر چکا تھا کابل کا صوبہ دار مقرر کیا۔ (۳۰) محمد امین خان نے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ اسے دوبارہ افغانوں سے نبرد آزما ہونے کا موقع دیا جائے۔ تا کہ وہ گزشتہ حادثہ کی تلافی و تدارک کر سکے مگر بادشاہ نے میر خان کے مشورہ سے اس کی درخواست کو رد کر کے اسے گجرات کی صوبہ داری پر مامور کیا۔ میر خان نے بادشاہ سے عرض کیا تھا کہ شکست خوردہ محمد امین خان "سگ تیر خوردہ" کی طرح نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر افغانوں پر حملہ آور ہوگا۔ (۳۱)

جب مہابت خان ولایت افاغنہ پہنچا تو اس نے افغانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی نسبت سیاسی چالوں اور منصوبہ بازی سے انہیں مات دینے کو فوقیت دی۔ وہی مہمند ملک جو مستجاب خان کے قتل کے بعد خوشحال خان کے پاس آئے تھے بشمول مستجاب خان کے چچوں بوچہ خان اور بازید خان کے مغلوں کی خدمت اور دولت خواہی پر آمادہ ہو گئے۔ جب خوشحال خان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی مہابت خان نے ہندوستان سے روانگی کے بعد خوشحال خان کو بھی پے بہ پے خطوط بھیجنے شروع کیے تھے۔ جن میں خوشحال خان کو لکھا تھا کہ مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے تم میرے استقبال کو آؤ تا کہ ملک کے بندوبست کے متعلق صلاح و مشورہ کریں۔ خوشحال خان نے اس دعوت کو ٹھکراتے ہوئے جواب لکھا کہ "میرا خیال تھا کہ مغل تلواریں چلانے اور ان کی گردنیں کاٹنے سے میں مغل ہو جاؤں گا مگر میں مغل نہ بن سکا اور افغان کا افغان ہی رہا۔ افسوس ہے اس بے جا کوشش اور خدمت کرنے کا۔" مستجاب خان کے ق... بازید خان نے بھی خوشحال خان کو خط بھیجا۔ اور اپنے پاس صلاح و مشورہ کرنے کے لئے اسے بلانے کی کوشش کی مگر خوشحال خان نے اس کے پاس بھی جانے سے انکار کر دیا۔ (۳۲)

خوشحال خان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود یہ کہ وہ اب کسی صورت میں اور کسی قیمت پر مغلوں کی ملازمت اختیار کرنے اور مہابت خان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اسے اس بات کا پورا احساس تھا کہ اس کے وطن واپس آنے کے لئے بہت حد تک مہابت خان ذمہ دار...

قید سے رہائی پانے کے بعد اس کے ساتھ ہندوستان سے وطن آنے کو یاد کرتے ہوئے
جہاں وہ مہابت خان کی دورنگی اور منصوبہ بازی اور مغلوں اور افغانوں کے خراب تعلقات کا ذکر
کرتا ہے وہاں مہابت خان کے احسان کو بھی یاد کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی بیاض میں لکھتا ہے کہ "میرا
اس پر اعتبار نہ تھا کیونکہ وقت نازک تھا اور افغانوں اور مغلوں کا ایک دوسرے پر اعتبار نہ تھا۔ مجھ پر
اس کا احسان بھی تھا۔ میں اس کا بدخواہ نہ تھا۔ میں نے یہ ٹھانی کہ اس کے سامنے سے دور ہونے کے
بعد وزیری بولاق چلا جاؤں اور ان لوگوں کو جو آپس میں بے اتفاق ہیں متفق کروں۔ (۳۳)
چنانچہ ان حالات کے ماتحت خوشحال خان لاچی چلا گیا اس سے پہلے بھی خوشحال خان نے قلعہ لنگر
کوٹ کی تعمیر کے موقع پر مہابت خان کے ساتھ قلعہ کی تعمیر پر احتجاج کرتے ہوئے عدم تعاون اور
قبولیت منصب سے انکار کر دیا تھا۔ اور اب پھر اس سے پہلو تہی کی۔ مہابت خان خوشحال خان کے
اس رویہ سے سخت برہم ہوا اور اس نے بھی خوشحال خان کو پریشان کرنا شروع کیا۔ خوشحال خان
کے قیام لاچی کے دوران میں اشرف خان خیر آباد میں مہابت خان سے ملا۔ اگرچہ مہابت خان
خوشحال خان سے ناراضگی کی وجہ سے اشرف خان کا بھی در پردہ مخالف تھا مگر از روئے مصلحت
اسے خلعت دے کر اپنے ساتھ نوشہرہ لے گیا اور وہاں سے رخصت کیا۔ رخصت کے وقت مہابت
خان نے اشرف خان سے مچلکہ لیا کہ وہ باپ کو اپنے علاقے میں نہ چھوڑے گا۔ خوشحال خان لکھتا
ہے کہ اسے مناسب نہ تھا کہ اسے اس قسم کا مچلکہ دیتا۔ اس مضمون کی تحریر دے دیتا کہ میں اس بات
کا ضامن ہوں کہ وہ شورش برپا نہ کرے گا۔

لاچی میں خوشحال خان بیمار پڑا اور بیماری ہی کی حالت میں خاوری علاقہ خوڑہ آیا۔
باوجود سخت ناراضگی اور غصے کے اس وقت بھی اس نے یہی فیصلہ کیا کہ پر امن رہے۔ چنانچہ اشرف
خان کا مہابت خان کو مچلکہ دینے اور اشرف خان کی غلطی کی مذمت کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ "میرا
دل اورنگ زیب کی بے انصافی سے داغ داغ تھا اور یہی ارمان تھا کہ ایک دفعہ تو مغلوں کے
خلاف تلوار اٹھاؤں۔ مگر قبیلہ داری اور بڑھاپے کے سبب اور پھر اس قدیمی نقش کے سبب جو میرے
آباؤ اجداد مغلوں کی خدمت میں مر کر چھوڑ گئے تھے۔ میں ان کے حق نمک کو بہت زیادہ سمجھتا تھا۔
میں نے بے وفائی نہ کی۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ ان کی نوکری بھی نہ کروں گا۔ اور اگر خدا نے توفیق دی تو
ایک کونے میں بیٹھ کر باقی عمر اس کی طاعت و عبادت میں گزاروں گا۔ اور بیٹوں کی تربیت بھی
کروں گا۔ جب میں لاچی سے نظام پور آیا تو میں نے وہ غزل کہی جس کا مطلع حسب ذیل ہے:-

د فساد فکر مې نشته خدای حاضر دے — خدا گواہ ہے کہ فساد کے خیالات نہیں رکھتا۔
چل ساعت به تیروم عمر آخر دے — آخری عمر ہے اپنا وقت گزاروں گا۔ (۴۳)

مہابت خان اشرف خان کی کارگزاری اور دیگر واقعات:

بہرام سے لڑائیاں اور مطمئن نہ تھا۔ اس نے اشرف خان کا باپ کے خلاف صرف مچلکہ دینے کو کافی نہ سمجھا۔ چنانچہ خوشحال خان کو پریشان کرنے کے لیے اس نے خوشحال خان کے تیسرے بیٹے بہرام سے گٹھ جوڑ شروع کیا۔ بہرام خان سرداری کا بے حد متمنی تھا۔ اور اس وجہ سے وہ اشرف خان اور باپ دونوں کا مخالف تھا۔ حکومت نے خوشحال خان کی گرفتاری کے بعد اس کی قید کے ایام میں قبیلہ اور علاقے کی سرداری اشرف خان کو سونپ دی تھی۔ اس لیے کہ خوشحال خان کے بچوں سے اچھی طرح انتظام ہو سکتا تھا۔ چونکہ خوشحال خان بھی اشرف خان کی خانی و سرداری سے رضامند تھا۔ اس لیے بہرام خان کو اگر ایک طرف بڑے بھائی سے حسد تھا۔ تو وہ باپ سے بھی ناراض تھا بہرام خان نے مہابت خان کے پاس جا کر اسے یقین دلایا کہ وہ باپ کے خلاف ہر اقدام کرنے کے لیے جس کا اسے حکم دیا جائے گا تیار ہے۔ اور ضرورت پڑے تو باپ اور اشرف خان دونوں کو قید کرنے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔ مہابت خان نے بھی بہرام خان کو اپنی طرف سے امداد کا یقین دلایا۔ چنانچہ بہرام خان صوبہ دار سے پروانہ حاصل کر کے رخصت ہوا۔ چونکہ بہرام خان یہ سب کچھ حکومت کی امداد و اعانت سے کر رہا تھا۔ اس لئے یہیں سے خوشحال خان اور مغلوں کے درمیان عملی عداوت شروع ہوئی۔ اواخر ذی قعدہ ۱۰۸۳ھ (مارچ ۱۶۷۳ء) میں خوشحال خان اور بہرام خان کے درمیان چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں خوشحال خان کا پلہ بھاری رہا۔ ذی الحجہ (مارچ) کے مہینے میں خوشحال خان کے بیٹے عابد خان نے بادشاہی راستہ پر حملے کر کے ۱۰۔ ۱۵۔ ۱۶ ذی الحجہ (اوائل اپریل) میں عابد خان اور اس کے بھائی عبدالقادر خان نے یکجا خیر آباد پر حملہ کر کے مغلوں کو زبردست زک دی۔ قلعے کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہوئے اور قتل و غارت کیا۔ جس میں سو سے زیادہ آدمی قتل ہوئے۔ مال غنیمت میں کئی گائیں، گھوڑے اور اونٹ ہاتھ آئے۔ محرم ۱۰۸۴ھ (اپریل۔ مئی ۱۶۷۳ء) میں بہرام خان کے ساتھ خوشحال خان کی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں خوشحال خان غالب رہا۔ ان لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے خوشحال خان بہرام کے امدادیوں میں جموں کے کہتانیوں کا ذکر بھی کرتا ہے۔ جمو آفریدیوں کے علاقہ میں ایک جگہ ہے۔ لیکن بہرام خان کے امدادی "جموکے کہتانی" مغل فوج کے سپاہی تھے۔ اور اس

سے مراد ریاست جموں و کشمیر کا جموں ہی ہے۔

اس اثنا میں خوشحال خان کو دریا خان آفریدی کا خط ملا۔ جس میں مغلوں کے ساتھ صلح کرنے کے متعلق اس سے صلاح و مشورہ طلب کیا گیا تھا۔ کیونکہ ایمل خان اور دریا خان دونوں نے مغلوں کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ دریا خان کا بھائی تاتار خان بہ مع دیگر آفریدیوں کے ایمل خان کا بھتیجا بھی مغلوں کے پاس تھا۔ خوشحال خان نے اپنے بڑے بیٹے اشرف خان کو صلح کے بارہ میں گفتگو اور صلاح و مشورہ کے لئے دریا خان کے پاس خیبر بھیجا۔ مگر صلح نہ ہو سکی۔

اوائل ربیع الاول ۱۰۸۴ھ (جون ۱۶۷۳ء) میں خوشحال خان اور بہرام خان کے درمیان از سر نو جنگ چھڑی جس کا سبب یہ ہوا کہ ان دنوں خوشحال خان کوہستان چراٹ میں موجودہ چراٹ چھاؤنی سے چند میل جانب جنوب تونگی نام گاؤں میں مقیم تھا۔ جو آفریدیوں اور خٹکوں کی سرحد پر واقع ہے۔ بہادر خان نے بہرام خان کو دھمکی دی کہ وہ باپ کو اس جگہ سے نکالے ورنہ وہ پھر اشرف خان کو بلا کر سرداری اس کے سپرد کر دے گا۔ موجودہ چراٹ چھاؤنی کے جنوب میں مختلف مقامات پر فریقین میں چند چھوٹی موٹی لڑائیاں اور جھڑپیں ہوئیں جن میں خوشحال خان کامیاب ہوتا رہا۔ ان لڑائیوں میں اشرف خان اور عابد خان دونوں خوشحال خان کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد خوشحال خان تھوڑا عرصہ آفریدیوں کے پاس قیام کر کے کوہاٹ روانہ ہوا اور مختلف مقامات میں قیام کرتا ہوا اچورہ تک گیا۔ اس دوران میں وہ فراہمی لشکر اور جرگوں کے انعقاد میں مصروف رہا۔ علاقہ کوہاٹ سے نظام پور آیا اور وہاں پھر بہرام خان کے ساتھ نبرد آزمائی کا ارادہ کیا۔ بہرام خان سونیالہ کے درہ پر متصرف تھا مگر اپنے میں مقابلہ کی تاب نہ دیکھ کر وہاں سے بھاگا۔ اور شمال کی طرف مراجی چلا گیا جو مانکی شریف سے تھوڑے فاصلہ پر جانب جنوب واقع ہے۔ اس کے بعد خوشحال خان نے شاہ کوٹ کا رخ کیا جو چراٹ چھاؤنی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے۔ اس کے ہمراہ آفریدیوں اور خٹکوں پر مشتمل چار ہزار کے قریب لشکر تھا۔ جس میں تقریباً تین چار سو سوار تھے اور باقی پیادے راستہ میں بختے گاؤں پر جو (شاہ کوٹ کے قریب جانب جنوب واقع ہے) تاخت کی اور اس کو آگ لگائی۔ شاہ کوٹ کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس کے بعد مزید شمال میں موضع چپین کانڑے (۳۵) کو بھی جو مراجی سے تھوڑے فاصلہ پر مغرب کی طرف ذرا جنوباً واقع ہے چلا گیا۔ یہاں بہرام خان کے نقارے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور اس کا نشان (جھنڈا) بھی دکھائی دے رہا تھا۔ خوشحال خان نے لشکر لکڑی خوڑ (نالہ) میں اتارا جو

مراجی اور چین کانڑے کے درمیان گزرتا ہے۔ یہاں بھی بہرام خان کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ خوشحال خان سے کہا گیا کہ شکست خوردہ لشکر کے تعاقب کے لیے سوار متعین کیے جائیں تاکہ دشمن کو قتل کیا جائے۔ خوشحال خان نے جواب دیا کہ "نہ تو کافر ہیں اور نہ دشمن مغل ہیں بلکہ خٹک ہیں اگر انہیں قتل کروں تو اپنی ہی قوت گنواؤں گا۔" بعد ازیں زیارت کا کا صاحب میں جو مراجی سے تھوڑے فاصلہ پر جانب مشرق قدرے شمالاً واقع ہے دشمن سے کچھ مڈبھیڑ ہوئی اور کچھ پیادے قتل اور چند اور آدمی گرفتار ہوئے اور کچھ مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس فتح کے بعد خوشحال خان نے زیارت کا کا صاحب کے جانب شمال موضع ولیٔ میں قیام کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر سرائے اکوڑہ سے گزر کر خوشحال خان ایسوڑی کوز (جو سرائے اکوڑہ سے جانب جنوب مشرق تھوڑے فاصلہ پر شاہراہ اور ریل کی پٹڑی کے قریب دونوں کے جنوب میں واقع ہے) کے پاس شاہراہ پر آیا۔ پاس ادب کرتے ہوئے سرائے اکوڑہ سے جو اپنا اور باپ دادا کا مولد و مسکن تھا تعرض نہ کیا مگر ایسوڑی کوز، ڈگرزئی، خیدر اور خوئی دیہات کو جلایا گیا۔ جو سب سرائے اکوڑہ سے جنوب مشرق کی طرف قریب قریب واقع ہیں۔ اس کے بعد خوشحال خان خیر آباد آیا اور اسے بھی آگ لگادی۔ سامنے ہی دریا کے دوسری طرف قلعہ اٹک کی توپیں سر ہو رہی تھیں اور نقارے بج رہے تھے۔ خوشحال خان کے لشکر میں بھی مستی وفا مطرب شادیانے بجا رہا تھا۔ خیر آباد سے جو سرحد میں سرحد اور پنجاب کی حد کے قریب واقع ہے خوشحال خان واپس ہوا۔ ان واقعات میں سال ۱۰۸۳ھ کے اواخر اور سال ۱۰۸۴ھ بھی نصف سے زیادہ گزر گیا۔ ان لڑائیوں اور ایک سے دوسری جگہ نقل و حرکت کے دوران میں اکثر خوشحال خان کے اہل و عیال بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان مہمات میں خوشحال خان کے ساتھ آفریدیوں نے اور خٹکوں میں مہمندیوں نے سب سے زیادہ امداد کی۔ (۳۶) مہمندی خٹکوں کی ایک شاخ ہے جو سلسلہ کوہ چراٹ کے جنوب میں آباد ہے۔ انہیں مہمندوں سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔

ایک قومی اور ادبی شہپارہ: انہی واقعات کے دوران میں خوشحال خان نے اپنی وہ بلند پایہ نظم لکھی (۳۷) جس میں پہلی بار علی الاعلان مغلوں کے خلاف بغاوت کا اظہار کیا گیا اور افغانوں کو مغلوں کے خلاف سرگرم عمل ہونے اور آزادی اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس شہپارہ کے چند منتخب اشعار ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

پروردہ کہ د مغلو پہ نمک یم
داورنگ د لاسہ هم لہ غریوہ ډک یم
پہ ناحق ئی پہ زندان کړم یو څو کالہ
خدائے خبر دے کہ پہ خپل گناہ زہ شک یم
پښتنو سرہ زړہ تور دے د مغلو
خبردار ئی پہ نیتونو یک پہ یک یم
کہ هر څو کہ نا سرہ راتہ معلوم دي
پہ دا کار کښې پہ معنيٰ لکہ محک یم
هغہ ژوند چي پہ عزت لہ مخہ نہ وي
چي ئي کا پہ هغہ ژوند پورې حیک پک یم
اوري پورې پہ منصب پہ نوکري شہ
چي تر فہم و تر نظر د مغل کک یم
پہ خپل نام و ننگ چي راشم لیونے شم
خبردار کلہ پہ سود و زیان د لک یم

اگر چہ میں مغل کے نمک پر پلا ہوا ہوں
مگر اورنگزیب کے ہاتھوں میرا دل آہ و فریاد سے بھرا ہوا ہے
ناحق چند سال مجھے قید خانہ میں ڈالے رکھا
خدا جانتا ہے کہ مجھے اپنے گناہ کی خبر نہیں
افغانوں کے حق میں مغلوں کا دل کالا ہے
ایک ایک کی نیت سے میں بخوبی واقف ہوں
کھرے کھوٹے سب مجھے معلوم ہیں
انہیں پرکھنے میں گویا میں کسوٹی ہوں۔
وہ زندگی جو عزت و آبرو کے ساتھ نہ ہو
ایسی زندگی بسر کرنے والوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے
جب مغلوں کی نظروں میں میں حقیر ہوں
تو ان کے منصب اور نوکری کو آگ لگے
نام و ننگ کیلئے میں فرط غیرت سے دیوانہ ہو جاتا ہوں
بھلا اس وقت لاکھوں کے سود و زیاں کی مجھے کب خبر ہونے لگی؟

تر پښتون چي د مغلو نوکري کا
کہ دي زہ د هغو وارہ بهتر ک یم
چي منصب مي د مغل خوړ يو ملک وم
چي منصب د مغل نشتہ اوس ملک یم

اگر سوچو تو میں ہر اس افغان سے
جو مغلوں کی نوکری کرتا ہے بہتر ہوں
جب میں مغل کا منصبدار تھا تو ایک ملک (سردار) تھا
اب منصب چھوڑ کر میں ملک (بادشاہ) یا فرشتہ ہو گیا ہوں (۳۸)

د فرمان د پروانې حکم ئي نشتہ
شکر دا چي پہ خپل حکم پہ خپل وک یم
نہ مي کار پہ خاص و عام نہ پہ دیوان شتہ
نہ پہ ور ولاړ د هر یوہ مردک یم

اب فرمان اور پروانے اور ان کے احکام کی فکر نہیں
اللہ کا شکر ہے کہ اپنے حکم اور اختیار کا مالک ہوں
اب نہ دیوان ہائے خاص و عام میں حاضری کی
اور نہ ہر کس و ناکس کے دروازے پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔ (۳۹)

آزادي ده په ساده سپینه جامه کښې
آزادی سفید کپڑوں میں ہے

خلاص له غمه د زربفت او د میلک یم
چنانچہ میں زربفت اور میلک کے تکلفات سے آزاد ہوں

د وښو جونګړې هسې رانه ښې شوې
گھاس کی جھونپڑیاں مجھے اتنی مرغوب ہیں

وانسې ناست په محلونو د آهک یم
گویا عالیشان پختہ محلوں میں بیٹھا ہوں۔

که او ګره د ښتو شته په شوملو سپینو
اگر جو چھاچھ کے ساتھ میسر ہو

د مغلو پولاو باتې ډېر پېړې ډک یم
تو رہا مغلوں کا پلاؤ اس سے سیر ہو چکا ہوں

که مې عمر په شماره تر شپیتهٔ تیر دے
اگرچہ میری عمر ساٹھ سال سے تجاوز ہو چکی ہے

لا هکار د سوارۍ لکه اوزبک یم
مگر اب تک میں سواری میں ازبک ہوں

د افغان په ننګ مې وتړله توره
افغانوں کی لاج رکھنے کیلئے میں نے کمر سے تلوار باندھ لی

ننګیالے د زمانې خوشحال خټک یم
میں زمانے بھر کا غیرت مند خوشحال خٹک ہوں۔ (۳۰)

شکار و تفریح: ان محنت و مشقت بھری مصروفیات جن کا حال مختصراً عرض کیا جا چکا ہے سے فارغ ہو جانے کے بعد خوشحال خان شکار کے لیے [illegible] گیا۔ وہاں چند دن شکار و تفریح میں گزارے اور جنگلی بکروں اور ہڑیالوں کا شکار کر کے گھر واپس ہوا۔ (۳۱)

ایک اہم جرگہ: ان ایام (۳۲) میں شاہ بیگ کوہاٹی کے خطوط پے بہ پے خوشحال خان کے پاس آ رہے تھے۔ کہ کوہاٹ پر حملہ کر کے میری امداد کرو چنانچہ خوشحال خان نے دریا خان آفریدی کو اس بارہ میں خط لکھا جس نے اپنے بھائی تارتار خان کو آدم خیل (۳۳) اور اکا خیل (۳۴) آفریدی ملکوں کے ساتھ خوشحال خان کے پاس بھیجا۔ خوشحال خان نے راجلو (۳۵) کے مقام پر آفریدیوں کی رسمی ضیافت کی اور اس کے بعد اپنے مہمانوں کے ساتھ جرگہ منعقد کیا اور رائے کوہاٹ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ خوشحال خان لشکر تیار کر کے آدم خیل آفریدیوں کے جنوب میں کوہاٹ پر حملہ کرنے کی غرض سے کنڈیالے تک آیا۔ اس اثنا میں ملک لعل بیگ ملک سعید خان اور ملک خواص کوہاٹی بطور وفد صلاحیت آئے اور کہا کہ ننگ افغانی کا پاس کریں جو مغل ہم میں مقیم ہیں انہیں نکال دیں گے۔ کنڈیالے سے خوشحال خان نے شاہ بیگ کے سوار بھیجے کہ تمہارے مدعی مخالفین آئے ہوئے ہیں تم بھی آؤ۔ جو تمہاری مرضی ہو وہی کریں گے ایک رات گزر گئی مگر شاہ بیگ نہ آیا۔ دوسری رات بھی انتظار میں گزر گئی اور خوشحال خان نے سوار بھی اسے بلانے کے لیے روانہ کیے مگر وہ پھر بھی نہ آیا۔ اور آخر ایک خط خوشحال خان کو بھیجا

لعل بیگ وغیرہ کو جو تمہارے پاس آئے ہیں قتل کر دو اور اس کے بعد لشکر کو ہاٹ کی طرف لے آؤ۔
میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اور قلعہ مسخر کریں گے۔ بھلا یہ کب ممکن تھا کہ خوشحال خان جیسا کہ وہ خود
کہتا ہے لعل بیگ وغیرہ کو جو اس کے پاس صلاحیت کی التجا لے کر آئے تھے قتل کرتا۔ خوشحال خان
شاہ بیگ کی تحریر سے بہت برہم ہوا اور آفریدیوں کا جرگہ طلب کیا جرگہ میں خوشحال خان نے شاہ
بیگ کا خط پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے بھی بہت برا منایا۔ انہوں نے تمام اختیار خوشحال خان کو دے
رکھا تھا۔ خوشحال خان نے لعل بیگ اور سعید خان وغیرہ کو رخصت کیا اور شاہ بیگ کا خط بھی ان کے
حوالہ کیا۔ وہ بہت ممنون ہوئے اور کہا کہ ''اگر ہم مرد ہیں تو پشت با پشت تک تمہارا یہ احسان نہ
بھولیں گے کوہاٹ ہم سے جا چکا تھا اور تم نے اپنے ہاتھ سے ہم کو دیا''۔

سڑک کی تعمیر: خوشحال خان بنگش سرداروں کو رخصت کر کے غوریزئی لوٹ آیا اور یہاں اس
نے اس جگہ سے جانب مشرق دریائے سندھ تک ایک سڑک بنانے کا ارادہ کیا۔ مروزی سینی خٹکوں
کی ایک جماعت کو اس کی تعمیر کا کام سپرد کر کے آصف خان نامی ایک شخص کو ان کا نگران مقرر کیا۔
اور خود اپنی قیام گاہ وراجگرو آیا۔ (۴۶)

نوشہرہ پر حملہ: جب بنگشوں کو خوشحال خان نے کنڈیالے سے رخصت کیا تھا۔ تو اس وقت
مزید اقدامات کے متعلق آفریدیوں سے جرگہ بھی کیا تھا۔ اس جرگہ میں نوشہرہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ
کیا گیا تھا۔ (۴۷) چنانچہ خوشحال خان کی گھر واپسی کے جلد بعد ہی تاتار خان جمو (جو جواکی
آفریدیوں کے علاقہ میں واقع ہے) کے راستے خوڑہ کی سمت جا پڑا اور آفریدیوں کا لشکر تیار کیا۔
خوشحال خان نے بھی تری اور بولاق خٹکوں کا لشکر اکٹھا کیا اور خوڑہ کی جانب چل دیا۔ تاتار خان
کے حال سے آگاہی حاصل کی۔ تاتار خان جنوب مغرب کی طرف لوٹ کر بوڑی (جو خوڑہ کے
مغرب اور چراٹ چھاؤنی کے جنوب مغرب میں جواکی آفریدیوں کے علاقہ میں واقع ہے) کے
راستہ جانہ کڑ (علاقہ حسن خیل (۴۸) آفریدی) پہنچا جو شمال کی طرف واقع ہے۔ اس وقت خوشحال
خان موضع ڈاگ اسمٰعیل خیل کے قریب قرمزی میں تھا۔ خوشحال خان نے قرمزی میں قیمت خان
اور باخیل خٹک کے ہاں چندے قیام کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آفریدی بھی قریب آ پہنچے خوشحال خان
ڈاگ اسمٰعیل خیل آیا۔ جو چراٹ چھاؤنی کے شمال مغرب میں اور نوشہرہ کے جنوب مغرب میں
برلب سڑک واقع ہے۔ اسی روز یہیں دونوں لشکر اکٹھے ہو گئے۔ آفریدیوں اور خٹکوں کے لشکر کی
مجموعی تعداد سات آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔ باہمی صلاح و مشورہ کے بعد لشکر نے جب (جو ڈاگ

اسمٰعیل خیل کے شمال مشرق میں چین کا نڑے کے قریب اس کے جنوب میں قدرے غرباً واقع ہے) کی طرف کوچ کیا۔ خوشحال خان کو توقع تھی۔ کہ جلوزئی اس کی امداد کو آئیں گے کیونکہ اس نے اپنی سرداری کے زمانہ میں ان کے ساتھ بہت سے احسانات کیے تھے۔ مگر اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ ان کی بے مروتی کو دیکھ کر خوشحال خان برہم ہوا اور تین پہر گزرنے کے بعد اس نے دس سوار ملک سلیمان نامی اپنے ایک ساتھی کے ماتحت جلوزئیوں کو ان کی بے مروتی کا مزہ چکھانے کے لیے بھیجے۔ جنہوں نے جا کر جلوزئیوں کے مواطن و مساکن کو آگ لگا دی۔ موضع جلوزئی ڈاگ اسمٰعیل خیل کے عین شمال اور جبہ کے شمال مغرب میں سڑک سے تھوڑی دور واقع ہے۔ نماز پڑھ کر لشکر نے کوچ کیا۔ لشکر کا رخ شمال کی طرف تھا۔ دیہات اضاخیل وغیرہ سے جو شاہی سڑک سے تھوڑی دور جانب جنوب واقع ہیں گزر کر پیر پائی جو اضاخیل پایان (۴۹) کے قریب اس کے شمال مشرق اور نوشہرہ سے چند میل کے فاصلہ پر جانب جنوب مغرب میں واقع ہے آیا۔ پیر پائی کو آگ لگائی گئی یہاں سے کوچ کر کے نصف النہار کے قریب روز روشن میں لشکر نوشہرہ کے قلعے کے قریب پہنچا اور خوشحال خان نے توپچیوں میں بندوق کی گولیاں تقسیم کیں۔ آفریدی جنوب مشرق اور خٹک شمال مغرب کی طرف سے قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ قلعے کے اندر قریباً تین ہزار کی جمعیت مغلوں اور افغانوں پر مشتمل موجود تھی۔ پہلے خٹک اور پھر آفریدی قلعے کے حدود میں داخل ہوئے۔ فریقین کے درمیان خوب زور کا مقابلہ ہوا۔ ابھی قلعہ میں لڑائی ہو رہی تھی کہ آفریدی مال غنیمت اٹھا کر باہر آئے۔ خٹک اکیلے رہ گئے جنہیں اہل قلعہ نے باہر دھکیل دیا۔ خوشحال خان یہ حالت دیکھ کر خود قلعے کے دروازہ کی طرف گیا اس کے بیٹے عابد خان اور عبدالقادر خان اس کے ساتھ تھے۔ دشمن دروازے کے اوپر تیر اندازی اور سنگ باری کر رہا تھا۔ لیکن آخر کار خٹک جوانوں نے دروازہ کلہاڑیوں سے توڑ ڈالا اور قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ دشمن کو قتل کیا اور بہت سا مال غنیمت پر قبضہ کیا۔ خوشحال خان نے افغان اہل قلعہ کی جان بخشی کی۔ (۵۰) خوشحال خان کا ارادہ رات کو نوشہرہ ہی میں قیام کرنے کا تھا۔ مگر عصر کے وقت کوچ کا نقارہ بجایا۔ کیونکہ آفریدی قلعہ میں سے چند افغان عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ انہیں چھڑانے کے لیے خوشحال خان آفریدیوں کے پیچھے چل دیا۔ خوشحال خان کہتا ہے کہ "میرے دل میں ان (افغان عورتوں) کا احترام تھا آفریدی جانتے تھے کہ میں انہیں چھڑاؤں گا اس لیے مجھ سے بھاگ نکلے۔" جو قیدی خٹکوں کے قبضہ میں تھے انہیں آزاد کر دیا گیا۔ خوشحال خان کا ارادہ تھا کہ نوشہرہ واپس جا کر وہاں بعض عمارات کو آگ

[...] والے اگر زور کی بارش ہونے لگی۔ اس لیے دوبارہ وہاں جانے کا خیال چھوڑ دیا۔ اور بڑے زور و شور کی بارش میں میر کلان کے پہاڑ کے راستے نظام پور پہنچا۔ میر کلان چراٹ چھاؤنی سے کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر جانب جنوب مشرق خوڑہ کی مغربی حد پر نظام پور سے شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ نظام پور سے خوشحال خان سازہ توئے (جو نظام پور سے جانب جنوب چند میل کے فاصلے پر واقع ہے) اور وہاں سے راجگر گیا جہاں ان دنوں اس کے اہل خانہ مقیم تھے۔ (۵۱)

جنگ دوآبہ: جنگ نوشہرہ سے پیشتر افغانوں نے علاقہ دوآبہ (غالباً دوآبہ چارسدہ جو علاقہ مہمند سے متصل ہے) میں مغل فوج کو جو میر حسینی کے زیر کمان تھی شکست دی۔ چھوٹی موٹی لڑائیاں تو افغانوں اور مغلوں کے درمیان جیسا کہ خوشحال خان ہمیں بتاتا ہے ہر طرف ہو رہی تھیں۔ مگر اوائل ۱۰۸۳ھ سے ۱۰۸۴ھ کے اواخر تک جو بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ وہ لنڈی خانہ، تہترہ، دوآبہ، نوشہرہ اور کڑپہ میں ہوئیں۔ مؤخر الذکر دو لڑائیاں یکے بعد دیگرے تھوڑے وقفہ سے سال ۱۰۸۴ھ کے اواخر میں ہوئیں۔ کڑپہ کی لڑائی کا ذکر با تفصیل آگے عرض کیا جائے گا۔ دوآبہ کی جنگ افغانوں کی مغلوں پر دوسری بڑی فتح تھی مگر تاحال اس کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔

شجاعت خان کا مہم افاغنہ پر تعین: شہنشاہ کی خواہش یہ تھی کہ مہابت خان افغانوں کے خلاف باقاعدہ فوجی کارروائی کر کے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دے۔ خیبر کے حادثۂ عظیم کا پوری طرح انتقام لے اور اس طرح افغانوں کو اطاعت پر مجبور کر کے حکومت کے وقار کو بحال کرے۔ خیبر میں بادشاہی وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ اسے فراموش کر دیا جاتا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ محمد امین خان کے ہندوستان کی طرف کوچ کے وقت جب خوشحال خان نے ایک بار پھر کوشش کی کہ جو کچھ ہوا معاملہ اس سے آگے نہ بڑھنے پائے تاکہ افغانوں اور مغلوں کے تعلقات مزید بدتر نہ ہوں۔ تو محمد امین خان نے خوشحال خان کو احسان فراموشی کا طعنہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اب بھی وہ (یعنی محمد امین خان) بادشاہ سے افغانوں کے ساتھ نرم برتاؤ کے لیے سفارش کرے تو بادشاہ اس کے متعلق کیا خیال کرے گا اور جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے اس غزل میں جو محمد امین خان کی شکست کے جلد بعد خوشحال خان نے لکھی تھی اس نے خود بھی افغانوں کو خبردار رہنے کی تنبیہ کی تھی۔ کیونکہ مغل اسے جو کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا ہرگز بھولنے والے نہ تھے۔ ناموس کے لٹ جانے کا ذکر کر کے کہتا ہے:

"دا بہ خوک کا د مغل لہ زڑہ بدر
اسے کون مغل کے دل سے نکال سکے گا"

مگر مہابت خان نے جیسی کہ شہنشاہ کی خواہش و توقع تھی افغانوں کے خلاف معرکہ آرا ہو کر انہیں نیچا نہ دکھایا بلکہ پہلے تو خوشحال خان کو ساتھ ملانے کی کوشش کرتا رہا اور جب اس میں کامیاب نہ ہوا تو بہرام خان کے ذریعہ خوشحال خان کے خلاف لڑائی شروع کی اور اس کے ساتھ ہی ایمل خان اور دریا خان سے صلح کی سلسلہ جنبانی کی جس کے لیے خوشحال خان نے اشرف خان کو خیبر بھیجا تھا۔ لیکن جیسا کہ صفحات گزشتہ سے بخوبی ظاہر ہے ان تمام کارروائیوں میں مہابت خان ناکام رہا۔ مہابت خان ۱۶ محرم ۱۰۸۴ھ (اپریل ۱۶۷۳ء) کو حوالی پشاور سے کابل کی طرف روانہ ہوا اور بلا کسی مزاحمت سے دوچار ہوئے اپنے محال پر پہنچا۔ (۵۲) ان ایام میں جیسا کہ قارئین کرام یاد کریں گے خوشحال خان اور بہرام خان کے درمیان جنگ ابتدائی مراحل میں تھی مگر اس تھوڑے ہی عرصہ میں خوشحال خان کئی بار بہرام خان اور مغلوں کو زک دے چکا تھا۔ اور بعد کے واقعات بھی خوشحال خان ہی کی کامیابیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔ شہنشاہ مہابت خان کی اس خلاف توقع پالیسی اور ناکامی سے سخت ناراض ہوا چنانچہ اس نے شجاعت خان رعد انداز بیگ کو آزادانہ اختیارات دے کر افغانوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ مستعد خان صاحب مآثر عالمگیری مہابت خان کی پالیسی اور بادشاہ پر اس کے رد عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مہابت خان نے افغانوں کو قرار واقعی تنبیہ کرنے سے چشم پوشی کی اور اس نافرمان گروہ کو جیسا کہ چاہیے تھا پامال نہ کیا بلکہ حریف سے "ماہنجیر و شما بسلامت" کہہ کر کابل روانہ ہوا۔ قبلہ عالم کو خان مذکور کی یہ ادا پسند نہ آئی اور جہاں پناہ کے حکم سے سترہ شعبان ۱۰۸۴ھ (نومبر ۱۶۷۳ء) کو شجاعت خان ان کی تنبیہ کے لیے رخصت ہوا۔" (۵۳) مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور والی جودھپور جو ان دنوں خیبر کا تھانہ دار تھا کو بھی شجاعت خان کے ساتھ تعاون کا حکم ہوا۔ (۵۴) رعد انداز بیگ نے ستنامیوں کی شورش (آواخر ۱۰۸۲ھ مطابق اوائل ۱۶۷۲ء) میں باغیوں کے خلاف کارہائے نمایاں کیے تھے اور انہی خدمات کے صلہ میں شہنشاہ نے اضافہ منصب کے علاوہ اسے شجاعت خان کا خطاب بھی عطا کیا تھا اور شہنشاہ کے چہیتے جرنیلوں میں سے تھا۔ (۵۵) افغانوں کے خلاف روانگی کے وقت شہنشاہ نے خان مذکور کو خلعت خاص، جیغۂ مرصع اور طلائی ساز سے آراستہ عربی گھوڑا مرحمت کر کے اس کے منصب میں پانصدی پانصد سوار کا اضافہ کیا اور اس کے تمام ہمراہی اعلیٰ قدر مراتب خلعت و شمشیر و اسپ اور اضافۂ منصب کے عطیات سے سرفراز کیے گئے۔ (۵۶)

شجاعت خان کی روہ کو روانگی کے بعد جو واقعات رونما ہوئے انہیں بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہم نے شہنشاہ کے منتقمانہ اقدام اور سخت حکمت عملی کے اسباب اور اس کے لیے وجوہ جواز بیان کیے ہیں وہاں تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کیا جائے۔ سلطنت کے غیر مسلم مخالفین کئی سال سے متواتر اس کے خلاف منظم طریقہ سے سرگرم عمل تھے۔ جن میں مرہٹہ سردار شواجی بھونسلہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ وہ نہ صرف کئی بار حکومت کے لیے پریشانی کا باعث ہوا بلکہ حکومت کے خلاف ٹھوس اور نمایاں کامیابیاں حاصل کر کے عملاً ایک ہندو ریاست کی بنیاد ڈال چکا تھا۔ مرہٹوں کے علاوہ راجپوت سکھ اور انگریز بھی برابر مسلمانوں کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ اس زمانہ میں اولوالعزم شہنشاہ کے بعد مسلمانوں میں جو چند نمایاں شخصیتیں نظر آتی ہیں ان میں بہادر خان مرحوم کا بھائی جلال الخاطب بہ دلیر خان خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ خود شہنشاہ اس بات کا گواہ تھا کہ شہنشاہ کے بعد ساری مملکت میں دلیر خان ہی سب سے بڑے عسکری قلب و دماغ کا مالک تھا۔ چنانچہ شہنشاہ نے ایک بار کہا تھا کہ "فوجے کہ سردارش دلیر خان باشد در مقابل او غیر از خود دیگرے را نمی بینم۔"(۵۷) آٹھویں جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۵-۷۶ھ مطابق ۱۶۶۵-۶۶ء) میں مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ والئ امبر (جے پور) کے ماتحت دلیر خان نے شواجی کے خلاف لڑتے ہوئے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ اور آخر کار ذی الحجہ ۱۰۷۵ھ (جون ۱۶۶۵ء) میں شواجی بادشاہ کی اطاعت اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ کچھ عرصہ سلطان بیجاپور کے خلاف مغل فوج کے ساتھ خدمات بادشاہی بجالانے کے بعد شواجی حاضر دربار ہوا مگر بے ادبی کے ارتکاب کی وجہ سے نظر بند کر دیا گیا۔ جس مکان میں شواجی نظر بند تھا اس کی نگرانی کنور (بعد میں راجہ) رام سنگھ ولد مرزا راجہ کے سپرد تھی۔ آواخر صفر ۱۰۷۷ھ (آواخر اگست ۱۶۶۶ء) میں شواجی آگرہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جس کے لیے کنور رام سنگھ دیدہ دانستہ اغماض یا غفلت کی وجہ سے ذمہ دار تھا۔ جس سبب سے کنور مذکور منصب سے برطرف کیا گیا اور کچھ عرصہ زیر عتاب بادشاہی رہا۔ ایام زیر بحث (۱۰۸۴ھ) میں جمرود کا تھانہ دار مہاراجہ جسونت سنگھ جس نے جنگ تخت نشینی میں بھی اورنگزیب کی شدید مخالفت کی تھی۔ پانچویں جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۷۲-۷۳ھ مطابق اپریل ۱۶۶۲ء تا مارچ ۱۶۶۳ء) اور چودھویں سال جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۸۱-۸۲ھ مطابق جنوری ۱۶۷۱ء تا دسمبر ۱۶۷۱ء) کے درمیان دو بار پہلے امیر الامرا شائستہ خان کے ماتحت اور پھر بادشاہزادہ محمد معظم کے ماتحت شواجی کے خلاف مہم دکن پر مامور

ہوا۔ اس عرصہ میں مہاراجہ مذکور شواجی کے ساتھ برابر ساز باز کرتا رہا۔ اور انجام کار [illegible] جلوس میں اوائل ۱۰۸۲ھ مطابق اواسط ۱۶۷۱ء میں جمرود کا تھانہ دار مقرر کیا گیا۔ ایام [illegible] جب کہ شجاعت خان کو افغانوں کے خلاف لڑنے کے لیے مامور کیا گیا دیگر مخالفین سلطنت [illegible] کے علاوہ شواجی کی سرگرمیاں خوب زوروں پر تھیں۔ ایسے حالات میں اگر وسعت نظر سے کام [illegible] جا کر انتقام کی جگہ عفو و درگزر سے کام لیا جاتا اور مخصوص حالات کے پیش نظر وقار کے سوال کو بالائے طاق رکھ کر مساویانہ طریقہ سے صلح کی مخلصانہ کوشش کی جاتی تو افغانوں اور مغلوں جو دونوں مسلمان تھے کے لیے یکساں بہتر ہوتا۔ اگر شہنشاہ کو مہابت خان سے ناراض ہونا چاہیے تھا تو اس لیے کہ اس نے خواہ مخواہ خوشحال خان کو جو باوجود جذبہ انتقام کے اب تک بالکل پر امن تھا مغلوں کے خلاف لڑائی میں لا گھسیٹا اس لیے کہ مہابت خان افغانوں کو کچلنے اور روند ڈالنے میں ناکام ہوا یا باوجود مستعد خان اس باغی گروہ کو جیسا کہ چاہیے تھا پامال نہ کیا۔ خوشحال خان کا قصور زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ وہ حکومت کی ملازمت اختیار کرنے اور افغانوں کے خلاف مغلوں کے لیے لڑنے کو تیار نہ تھا۔ جب تک مہابت خان نے اسے مجبور نہ کیا تھا باوجود انتہائی ناراضگی اور خواہش انتقام کے وہ اپنے جذبات پر قابو کیے ہوئے حکومت کے خلاف کسی اقدام سے اپنے تئیں روکے ہوئے تھا۔ اور مہابت خان کا اس سے دشمنی مول لینا سخت غیر دانشمندانہ فعل تھا۔ خوشحال خان کے خلاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کو اس کے خیالات کا علم نہ تھا کہ وہ باوجود غصہ و ناراضگی کے بوجہ کبر سنی قبیلہ داری اور مغلوں کے حق نمک کے حکومت کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کا صرف یہی ارادہ تھا کہ آئندہ مغلوں کی ملازمت نہ کرے گا۔ علاوہ ازیں اس [illegible] لنگر کوٹ کے موقع پر حکومت کی پالیسی کے خلاف احتجاج اور اس کے ساتھ عدم تعاون [illegible] تھا۔ جو بغاوت کے اعلان کے مترادف تھا۔ اس کے علاوہ جیسا کہ آپ حادثہ خیبر کے بعد واقعات میں پڑھ چکے ہیں خوشحال خان خود تسلیم کرتا ہے کہ اس نے نظام پور میں بمع اپنے اہل و عیال سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور یہ ارادہ رکھتا تھا کہ اٹک پر قبضہ کر کے شاہراہ کو مسدود کر دے۔ جہاں تک اس کے غصے اور معاندانہ قلبی جذبات کا تعلق ہے ہم انہیں صاف طور سے جان چکے ہیں۔ مگر بایں ہمہ وہ اپنے ارادوں کو برابر بعض وجوہ کی بنا پر جو بیان کیے جا چکے ہیں عملی صورت اختیار کرنے سے روکتا رہا۔ سوال تو یہ ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے ۱۰۷۹ھ سے ۱۰۸۳ھ کے آواخر تک جب مہابت خان نے خوشحال خان کو مغلوں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

خوشحال خان نے عملاً کون سا ایسا کام کیا تھا جس کی پاداش میں اسے مفسدہ پرداز سمجھا جا کر گردن زنی قرار دیا گیا۔ اور اس کے نااہل بیٹے کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے پر اکسایا گیا کاش خوف، عداوت، بغض اور شک و شبہ کی جگہ اعتماد، محبت و خلوص اور صلح و آشتی کو بروئے کار لایا جاتا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ میں دونوں فریق قابل ملامت والزام ہیں۔ جہاں تک اسلامی مفاد کے تحفظ کا تعلق تھا اس میں شک نہیں کہ حکومت کی ذمہ داری بہ نسبت افراد کے بہت زیادہ تھی۔ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ روہ جیسے اسلامی علاقہ میں پیچیدہ اور مشکل مسائل کو جن سے حکومت دوچار تھی خالص اسلامی نقطہ نظر سے حل کیا جاتا۔ اسلامی مفاد سب سے پہلے اور ہر چیز سے زیادہ پیش نظر ہوتے نہ کہ بادشاہ کے ذاتی وقار اور ایک نسل کی دوسری پر تفوق کے خیال اور اس کے احساس کو دوسری تمام باتوں پر مقدم رکھا جاتا۔ اگر افغانوں تک خالص اسلامی مسائل و ذرائع سے رسائی کی جاتی تو روہ سلطنت کے غیر مسلم مخالفین کی سازشوں کے خلاف تیاریوں اور جوابی تدابیر کا بہترین مرکز ہو سکتا تھا۔ مگر سرکاری دستاویزات اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کبھی حکومت نے اسلامی زاویہ نگاہ سے حالات کو دیکھ کر انہیں سلجھانے کی کوشش کی ہو۔ اگر اورنگزیب کے نقاد اور معترضین جو اس کے تخت نشین ہوتے ہی اسے بےجا اس کے حصول طاقت کی غیر معمولی خواہشات اور احساس وقار افغانوں کے بارہ میں سخت جابرانہ پالیسی اختیار کر کے ان کے خلاف برسرپیکار ہوتا دکھاتے ہیں۔ اس موقع پر اورنگزیب کو مورد تنقید گردانتے تو ان کی تنقید زیر بحث مخصوص حالات کے پیش نظر بہت حد تک معقول و مقبول ہوتی ورنہ جہاں تک افغانوں کا تعلق ہے (جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں) اورنگزیب اور اس کے پیشروؤں کی پالیسی میں کوئی فرق نہ تھا۔

ان معروضات کے بعد ہم شجاعت خان کی مہم افاغنہ پر روانگی کے بعد واقعات کو بیان کرتے ہیں۔

خوشحال خان سے نامہ و پیام: جب خوشحال خان نوشہرہ سے واپس گھر پہنچا تو اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد شجاعت خان اور مہاراجہ جسونت سنگھ ہندوستان کے لشکر کے ہمراہ بڑے "کروفر کے ساتھ" اٹک پہنچے اور خوشحال خان کو خط بھیجا جس میں تسلی و تشفی بھی تھی اور دھمکیاں بھی۔ خوشحال خان نے بھی "خوب دلیرانہ جواب" دیا۔ شجاعت خان اور مہاراجہ جسونت سنگھ نے جہانگیر آباد میں قیام کیا اور اس کے بعد خوشحال خان کے مقابلے کے لیے لشکر بھیجا۔ خوشحال

خان نے بھی اپنا لشکر آراستہ کیا مگر مغل خوشحال خان نے لڑنے کا ارادہ ترک کر کے پشاور کو کوچ کر دیے۔ (۵۸)

خوشحال خان اور شیر محمد خان بنگش کی نوک جھونک: شیر محمد خان بنگش کوہاٹی بھی کافی عرصہ سال سے بوجہ عتاب بادشاہی ہندوستان میں نظر بند تھا۔ (۵۹) مذکورہ بالا بادشاہی لشکر کے ساتھ ہندوستان سے واپس آیا تھا۔ آفریدیوں نے خوشحال خان کو مشورہ دیا کہ اس سے نپٹ لینا ضروری ہے۔ مگر خوشحال خان نے ان کے مشورہ کو قبول نہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ افغان ہے اور اورنگزیب کے ہاتھوں سترہ اٹھارہ سال جلا بھنا وطن اور ہندوستان میں سرگردان پھرتا رہا ہے اب جو اتنے عرصہ بعد وطن واپس آیا ہے تو یہ مروت نہیں کہ میں اس کا سد راہ ہوں۔ کوہاٹ کے بنگش اور بعض خٹک بھی جو خوشحال خان کے مخالف تھے شیر محمد خان کے استقبال کے لیے گئے۔ کوہاٹ کے بنگشوں نے شیر محمد خان کو کوہاٹ پہنچا دیا۔ شیر محمد خان کوہاٹ پہنچ کر اسی تاک میں رہنے لگا کہ موقع ملے تو خوشحال خان پر حملہ آور ہو۔ خوشحال خان کا ایک خٹک مخالف شاہی موشک (۶۰) بھی اسے خوشحال خان کے ساتھ لڑنے کے لیے اکسا رہا تھا۔ چنانچہ جلد ہی شیر محمد خان بنگشوں کا لشکر اکٹھا کر کے شکار کے بہانے خوشحال خان پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ خوشحال خان راجگوے منڈوڑی واقع زیڑہ آیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ معدودے چند مہمندی تھے۔ شیر محمد خان کو بھی شاہی موشک کے ذریعہ اس بات کی اطلاع ہوئی اور حالات کو موزوں اور سازگار جان کر خوشحال خان کو گرفتار کرنے کے لیے اس پر یلغار کی۔ مگر شیر محمد خان کے پہنچنے سے پہلے ہی احمد اور جندل آفریدی حملے کی اطلاع پا کر اپنے ہمراہیوں سمیت جن کا علاقہ قریب ہی تھا خوشحال خان کی امداد کو آن پہنچے۔ خوشحال خان اور اس کے ساتھی شیر محمد خان کے مقابلہ کے لیے شیخ اللہ داد (جو منڈوڑی کے پاس ہی جنوب میں واقع ہے) کی طرف بڑھے۔ مگر شیر محمد خان خوشحال خان کو کمک پہنچنے کی اطلاع پا کر بلا مقابلہ واپس چلا گیا۔ خوشحال خان شاہی موشک کو سزا دینا چاہتا تھا مگر وہ زغے سے نکل بھاگا۔ اس کے بعد خوشحال خان چوترے چلا گیا وہاں احمد خان آفریدی سو سواروں کے ساتھ اسے ملنے گیا خوشحال نے اسے ہدایت کی کہ وہ جا کر آفریدیوں کا لشکر تیار کرے تاکہ ایک طرف سے خٹک اور دوسری طرف سے آفریدی کوہاٹ پر حملہ آور ہوں۔ بعض بنگشوں نے بھی خوشحال خان کو مطلع کیا تھا کہ وہ بھی اس مہم میں اس کا ساتھ دیں گے۔ انہی دنوں اطلاع پہنچی کہ شجاعت خان کثیر التعداد فوج کے ساتھ کنداب میں مارا گیا اور مہاراجہ جسونت سنگھ بھاگ گیا اور اسمٰعیل خان

نے عظیم الشان فتح حاصل کر لی۔ (۶۱)

جنگ کڑپہ: اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شجاعت خان نے پشاور پہنچ کر مختصر قیام کے بعد بمع اپنی فوج کے علاقہ مہمند کے راستے سے کابل کی طرف کوچ کیا اور جب پشاور کے شمال مغرب اور دریائے کابل کے شمال میں وادئ گنداب (واقع علاقہ مہمند) سے گزر کر ۱۸ ذی قعدہ (۶۲) ۱۰۸۴ھ (فروری ۱۶۷۴ء) کو کوتل کڑپہ (۴۴۳۵ فٹ) جو وادئ گنداب کے شمال مشرقی سرے پر واقع ہے کو عبور کر رہا تھا تو ایمل خان نے بادشاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب کڑاکے کا جاڑے میں ہندوستانی فوج کا بُرا حال ہو رہا تھا افغان اس پر بلندیوں سے پتھر اور گولیاں برسانے لگے۔ شجاعت خان نے بھی مردانہ وار مقابلہ کیا اور افغانوں کے حملہ کا جواب کمان و بندوق سے دیا مگر بادشاہی فوج کو افغانوں کے حملے سے بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اور وہ اس کی تلافی نہ کر سکی۔ اور آخر شکستہ و درماندہ بادشاہی فوج رات کا باقی ماندہ حصہ گزارنے کے لیے مقابلۃً ایک محفوظ مقام میں پیچھے ہٹ آئی۔ لیکن بہت سے سپاہی لقمۂ اجل بنے اور بہتوں کا سردی کی شدت سے برا حال ہو رہا تھا۔ علی الصبح افغانوں نے دوبارہ ہر طرف بادشاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ شجاعت خان داد شجاعت دیتا ہوا صف اول میں کام آیا اور بادشاہی فوج چاروں طرف سے افغان حملہ آوروں کے نرغہ میں آ گئی۔ مہاراجہ جسونت سنگھ نے یہ حالت دیکھ کر پانچ سوار راٹھوروں کو توپوں سمیت گھری ہوئی بادشاہی فوج کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ راجپوت توپخانہ کی امداد سے افغانوں کا گھیرا توڑنے میں تو کامیاب ہوئے لیکن پانچ سو سے صرف دو سو ہی باقی ماندہ مغل فوج کے ساتھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ بادشاہی فوج کے ہزاروں سپاہی اس لڑائی میں مارے گئے۔ (۶۳)

کوہاٹ پر دریا خان کا حملہ اور شکست: خوشحال خان اور دریا خان (۶۴) کے درمیان کوہاٹ پر حملہ کرنے کے متعلق نامہ و پیام ہو رہا تھا۔ اور احمد خان کو بھی چورہ سے خوشحال خان نے آفریدیوں کا لشکر تیار کرنے کے واسطے اسی مقصد کے لئے بھیجا تھا۔ دریا خان اور خوشحال خان کے درمیان یہ طے پایا۔ کہ عید (عید الاضحیٰ) کے موقع پر کوہاٹ کے قلعہ پر حملہ کیا جائے گا۔ لیکن خوشحال خان کے خیال کے مطابق کڑپہ میں ایمل خان کے ہاتھوں بادشاہی فوج کی تباہی کے بعد دریا خان کے دل میں کچھ رشک سا پیدا ہوا اور اس نے ارادہ کیا کہ جس طرح نوشہرہ میں خوشحال خان نے مغلوں کو شکست دی اور کڑپہ میں ایمل خان نے عظیم الشان فتح پائی میں بھی تنہا کوہاٹ کے قلعہ کو سر

کروں تاکہ میرے ساتھ کسی دوسرے کے سر اس فتح کا سہرا نہ ہو۔ چنانچہ اچھی طرح تیاری کر کے وقت موعود سے چند دن پہلے ہی آفریدیوں کے لشکر کے ساتھ کوہاٹ کے قلعے پر حملہ کر دیا۔ شیرو خان نے وطن دوستوں کا کامیاب مقابلہ کیا۔ آفریدیوں کو شکست ہوئی اور کم و بیش ان کے سو آدمی مارے گئے جن میں دریا خان کا بھائی تاتار خان بھی شامل تھا۔ (۶۵) اس کامیابی کی وجہ سے شیرو خان کی مغلوں نے بڑی توقیر کی۔ اور حکومت کی طرف سے اسے خلعت، ایک گھوڑا اور ایک ہزار روپے انعام ملے۔ خوشحال خان چوترہ میں فراہمی لشکر کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اسے اچانک دریا خان کی شکست کی خبر ملی۔ پہلے تو اسے اعتبار نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اسے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ دریا خان اس کی صلاح و مشورے کے بغیر اس اہم کام کا بیڑا اٹھائے گا۔ مگر جلد ہی اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔ اور اسے دریا خان کا خط بھی ملا کہ مجھے تو یہ حادثہ پیش آیا۔ آپ لشکر لے آیئے تاکہ پھر کوہاٹ پر حملہ کیا جائے۔ اگرچہ خوشحال خان کے خیال میں یہ بھی دریا خان کا ایک غلط تقاضا تھا مگر اس نے اپنے رفیق کار کے پاس خاطر اور شرم کی وجہ سے لشکر اکٹھا کیا۔ دشمن کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے چند سوار بھیجے جنہوں نے کوہاٹ کے قلعے کے قریب (۶۶) گدائی خیل بنگشوں کے چند گاؤں جلا دیے۔ اس کے بعد خوشحال خان نے کوشش کی کہ خٹکوں اور آفریدیوں کا لشکر اکٹھا کر کے کوہاٹ پر حملہ کیا جائے۔ مگر بعض مخالفین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اسے اپنے قبیلے کا کما حقہ تعاون حاصل نہ ہو سکا۔ جو تھوڑے بہت آفریدی جمع ہوئے تھے وہ بھی منتشر ہوگئے۔ اس لیے کوہاٹ پر حملہ نہ کیا جا سکا۔ بعد ازیں خوشحال خان دریا خان کے پاس گیا اور جنگ کوہاٹ میں آفریدی مقتولین کے حق میں فاتحہ خوانی کی۔ دوسرے دن جرگہ ہوا جس میں یہ طے پایا کہ خوشحال خان [illegible] چلا آئے۔ اس فیصلے کے بعد خوشحال خان خوڑہ چلا آیا۔ جہاں اس کے اہل و عیال بھی نظام پور میں [illegible] مگر خوشحال خان نظام پور نہ گیا بلکہ گوہر خان (فرزند خوشحال خان) کی والدہ کو اپنے پاس طلب کیا اور [illegible] میں چند دن قیام کیا۔ (۶۷)

شہنشاہ کا عزم حسن ابدال: شہنشاہ کو کرپہ میں بادشاہی فوج کی تباہی اور شجاعت خان جیسے نمک حلال اور با اخلاص ملازم کے مارے جانے کی وجہ سے بے حد صدمہ پہنچا اور اس نے خود افغانوں کے خلاف فوج کی کمان ہاتھ میں لینے کا مصمم ارادہ کیا۔ تاکہ باغی افغانوں کی پے بہ پے کامیابیوں سے بادشاہی وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا اس کا ازالہ کیا جا کر بادشاہی وقار کو بحال کیا جائے۔ چنانچہ گیارہ محرم ۱۰۸۵ھ (اپریل ۱۶۷۴ء) کو شہنشاہ نے پایۂ تخت سے حسن ابدال کی

(۶۸) خوشحال خان بھی آفریدیوں کے علاقے سے واپسی کے بعد خوژہ میں زیادہ نہ (۶۹) عمری
طرف کوچ کیا۔
ٹھہرا ایک جلدی سلخ محرم ۱۰۸۵ھ (اوائل مئی ۱۶۷۴ء) کو تیراہ کی طرف روانہ ہو گیا۔
پہنچ چکی تھی آفریدیوں نے بھی تیراہ کی طرف کوچ بول دیا تھا۔ آفریدی خصوصاً جندل، احمد اور حسن
ہر جگہ خوشحال خان کی خوب خاطر و مدارت کرتے تھے اور اسے خوش رکھنے اور آرام پہنچانے کی ہر
ممکن کوشش کرتے تھے۔ ۱۰۸۵ھ کا سارا ماہ صفر راستے میں پیادہ سفر کرتے کٹا۔ غرہ ربیع الاول
(جون ۱۶۷۴ء) کے ساتھ تیراہ میں ورود ہوا اور اسی ماہ میں خوشحال خان تند (ملک دین خیل
آفریدیوں کا علاقہ) میدان (۷۰) (قلب تیراہ) میں داخل ہوا۔ (۷۱) میدان ملک دین خیل،
ذکا خیل، قمبر خیل اور کمر خیل آفریدیوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔
جب خوشحال خان کو شہنشاہ کے لاہور پہنچنے کی اطلاع میدان میں ملی تو اس نے ان
جذبات کا اظہار کیا:

چې په خوا په خاطر نه هسې عيان شي	دنیا میں ایسے کام بھی رونما ہو جاتے ہیں
خپې څه چارې پيدا په دا جهان شي	جن کا کسی کو وہم و گمان تک بھی نہیں ہوتا
پس لاچې په چوتره وګرځېدلم	لاچی اور چوترہ کا دورہ کرنے کے بعد
اوس مې ګشت د افريديو په ميدان شي	اب میں آفریدیوں کے میدان میں گھوم رہا ہوں
لکه باز په بو غر ګرځي بل ته ګوري	جیسے باز ایک پہاڑ پر پرواز کرتے ہوئے دوسرے کو دیکھتا ہے
بيا زما نظر د سوات په کوهستان شي	میری نظر اب کوہستان سوات پر پڑ رہی ہے
د مغل منصب مې پرېښو هسې خوښ يم	مغل کا منصب چھوڑ کر ایسا خوش ہوں
لکه خلاص له لويه بنده بنديوان شي	جیسے کوئی لمبی قید سے چھٹکارا پائے
دا نادره عقيده لکه زما ده	یہ نادر عقیدہ جو میں رکھتا ہوں ایسا نادر عقیدہ رکھنے والا
لا عجب که بل پيدا هسې افغان شي	شاید ہی دوسرا کوئی افغان ہو
که مې جرې ننګيالي په لاسو کښېوځي	اگر مجھے ایسے ساتھی مل گئے جنہیں ننگ و ناموس کا خیال ہو
بيرې به لرې دا زما د زړه ارمان شي	تو میرے دل کے ارمان نکل جائیں گے
د مغل وته به هسې کار ښکاره کړم	مغل کو وہ کام کر کے دکھاؤں گا
چې راضي راځخه روح د فريد خان شي	کہ فرید خان (شیر شاہ سوری) کی روح مجھ سے خوش ہو جائے گی
اورنګزېب بادشاه زړه ډک په لاهور راغی	اورنگزیب بادشاہ غم و غصے سے بھرا ہوا دل لیے لاہور آ پہنچا ہے

ګوره کله به خوک وران خوک به ودان شي	دیکھئے کل کون برباد اور کون آباد ہوتا ہے
به جهان د ننګيالي دي دا دوه کاره	ایک غیرتمند انسان کے دنیا میں دو ہی کام ہوتے ہیں
يا به وخوري ککرى يا به کامران شي	یا تو وہ کامران ہوتا اور یا اپنا سر قربان کرتا ہے
د بازانو د قارغانو مصاف وينم	میں بازوں اور کوؤں کی لڑائی ہوتے دیکھ رہا ہوں
تر دا منځ به ئې د وينو رود روان شي	انکے درمیان خون کی ندیاں بہہ رہی ہوں گی
عاقبت به خداے ظفر کا د بازانو	آخر خدا بازوں کو فتح دے گا
تار په تار به آواره واړه قارغان شي	اور کوے تتر بتر ہو جائیں گے
چې د ګلز ئې حيران دي دا خو لږ دي	ابتک خوشحال کے کلام نے تھوڑوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے
ډير عالم به د خوشحال وته حيران شي	ابھی تو بہتوں کو اسے دیکھ کر حیرت ہوتا ہے
د مزريو مرتوب په لښکر نه دے	شیروں کی بہادری لشکر کے بل بوتے پر نہیں ہوتی
مت ئې هر کله بوازې په خپل خان شي	انکا عمل ہمیشہ اپنی قوت پر اعتماد کا نتیجہ ہوتا ہے
آزادي تر بادشاهي لا تيرې کا	آزادی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے
چې د بل تر حکم لاندې شي زندان شي	دوسرے کا تابع فرمان ہونا ہی تو زندان ہے (۷۲)

خوشحال خان جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ماہ ربیع الاول میں میدان میں داخل ہوا تو
شہنشاہ کے لاہور پہنچنے کی تاریخ تو مستعد خان نے نہیں لکھی البتہ اس کی عبارت کے سیاق و سباق
سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ ربیع الاول کے مہینہ میں لاہور پہنچا تھا۔ یا اس سے پہلے بھی پہنچا
تو اس مہینہ کا کچھ حصہ لاہور ہی میں گزارا۔ بہر صورت جیسا کہ مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہوتا ہے
خوشحال خان کو شہنشاہ کے لاہور پہنچنے کی اطلاع میدان میں ہوئی۔ یا وہاں جاتے ہوئے راستہ میں
ہو چکی تھی۔ شہنشاہ نے ۲ ربیع الثانی ۱۰۸۵ھ (اوائل جولائی ۱۶۷۴ء) کو ایک کثیر التعداد فوج اور
بے پناہ سامان حرب اور توپ خانہ کے ساتھ حسن ابدال پہنچ کر چھاؤنی ڈالی۔ (۷۳) حسن ابدال
جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ (۷۴) پنجاب میں راولپنڈی اور پشاور کے درمیان اول
الذکر مقام سے قریباً ۱۲ اور موخر الذکر مقام سے ۷۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

خوشحال کا عزم ولایت یوسف زئی اور مختلف علاقوں کا دورہ: خوشحال خان نے شروع ربیع الاول سے آخر جمادی الثانی تک
چار مہینے تیراہ میں گزارے اس اثناء میں اسے یوسف زئی ملکوں کے خطوط ملے جن میں اسے ان کی

علاقہ میں آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ شہنشاہ نے مہاراجہ جسونت سنگھ کے ذریعہ خوشحال خان کو پیغام
بھیجا کہ اگر حاضر خدمت ہو تو بہت زیادہ مورد عنایات ہوگا مگر اس وقت جیسا کہ واقعات اور فریقین
کے عملی اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے صلح کے امکانات بہت گھٹ چکے تھے۔ اور اس کے لیے ماحول
بہت خراب ہو چکا تھا۔ خوشحال خان نے ایمل خان اور دریا خان کو یوسف زئی سرداروں کے نامہ و
پیام سے آگاہ کیا اور آخر جمادی الثانی (ستمبر اکتوبر) کو تیراہ سے روانہ ہو کر بازار پہنچا۔ علاقہ بازار
لنڈی کوتل کے جنوب میں واقع اور زخہ خیل آفریدیوں کی ملکیت ہے۔ بازار میں خوشحال خان اور
ایمل خان (جو تیراہ جا رہا تھا) کی ملاقات ہوئی۔ ایمل خان نے خوشحال خان کو اس کے ساتھ
واپس (تیراہ) جانے کے لیے کہا۔ مگر خوشحال خان نے کہا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ تم آؤ گے تو
تمہارے آنے تک میں ٹھہرا رہتا مگر باوجود آفریدیوں کے اصرار کے میں اب چلا آیا ہوں۔
چنانچہ خوشحال خان نے آفریدیوں کو جو اس کے ساتھ چلے آرہے تھے خلعت و انعام دے کر
رخصت کیا اور بیسو بے [۷۵] جو بازار کے جانب شمال مغرب افغانستان میں ملا گوریوں کا علاقہ
ہے) کے راستہ سے ایمل خان کے ساتھ ڈکہ آیا۔ [۷۶] یہ مقام مہمندوں کے علاقہ میں شامل ہے
اور جیسا قبل ازیں [۷۷] عرض کیا جا چکا ہے تورخم (واقع بین پاک افغان سرحد) سے جانب
شمال حدود افغانستان میں واقع ہے۔ خوشحال خان نے رات ڈکے ہی میں گزاری۔ اور دوسرے
دن کشتی میں سوار ہوا اور دریائے کابل میں مہمندوں کے علاقہ (افغانستان و پاکستان) سے گزرتا
ہوا ڈکہ سے جنوب مشرق میں ملا گوریوں کے علاقہ (پاکستان) پہنچا۔ مہمندوں نے جا بجا خوشحال
خان کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور ہر جگہ بہ طریق احسن اس کی ضیافت کرتے رہے۔
خوشحال خان لکھتا ہے "مہمند مجھے بہت اچھے لوگ دکھائی دیے خصوصاً نظر مہمند اس کا بھائی کمال
خان تو عجیب جوان تھا۔ میں اس کا بہت دلدادہ ہوا۔ مرد غیرت مند دکھائی دیتا تھا۔" ملا گوریوں
نے بھی خوشحال خان کا پرتپاک استقبال کیا۔ ملا گوریوں کے علاقہ سے خوشحال خان جانب شمال
مشرق علاقہ تونے چلا گیا۔ یہاں کے لوگوں کا رویہ اسے پسند نہ آیا۔ چنانچہ ان سے ناراض ہو کر
لکھتا ہے۔ "یہاں اتمان خیل کرلانی تھے ہمیں ان سے اخلاص و تپاک کی بہت زیادہ توقع تھی مگر
یونہی بیگانے سے لوگ دکھائی دیے۔" علاقہ تونے سے خوشحال خان علاقہ خٹک چلا آیا۔ خٹکوں میں
بعض خوشحال خان کو اس طرح اچانک آتا دیکھ کر خوش ہوئے اور بعض حیران [۷۸] خوشحال خان
نے چندے اپنے علاقہ میں قیام کیا اور پھر جلد ہی یوسف زئیوں کے بلاوے پر ان کے ہاں چلا

گیا۔ (۷۹)

شہنشاہ کی فوجی وسیاسی کارروائیاں: شہنشاہ نے حسن ابدال پہنچتے ہی زبردست فوجی،
سیاسی کارروائیاں شروع کیں۔ ولایت افاغنہ کی مختلف سمتوں میں فوجی دستے بھیجے جانے لگے
آغر خان پیر محمد (۸۰) کو جو پہلے بھی شورش یوسف زئی کے دوران میں افغانوں کے خلاف کارہائے
نمایاں انجام دے چکا تھا۔ دکن سے طلب کیا گیا تھا۔ شہنشاہ ابھی حسن ابدال کے راستہ ہی میں تھا
کہ آغر خان تین چار مہینے کی راہ بقول خافی خان چالیس دن میں طے کر کے موکب بادشاہی سے
آن ملا۔ اور مورد تحسین وآفرین ہوا۔ (۸۱) شہنشاہ نے علاوہ سلاح جنگ کے سیاسی ہتھکنڈے بھی
افغانوں کے خلاف استعمال کرنے شروع کئے۔ ان میں روپیہ تقسیم کر کے اور جاگیریں اور
انعامات ومناصب دے کر بعض افغان قبائل اور سرکردہ آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جادو ناتھ
سرکار نے ان سربرآوردہ افغانوں میں جو حکومت کے ساتھ ملے یوسف زئی لیڈر بھاکو خان کے
بیٹے کا ذکر بھی کیا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ خوشحال خان کے بیٹے نے بھی ملازمت بادشاہی اختیار
کر لی تھی اور دریا خان آفریدی کے پیروکاروں نے بادشاہ سے وعدہ کیا کہ اگر ان کی سابقہ خطا
کاریاں معاف کر دی جائیں تو وہ شہنشاہ کے پاس ایمل خان کا سر کاٹ کر لے آئیں گے (۸۲)
اشرف خان کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ کہ اس نے ملازمت بادشاہی اختیار کر رکھی تھی۔
اور فدائی خان کا پیروکار تھا۔ جہاں تک دریا خان آفریدی کے آدمیوں کا ایمل خان کو قتل کر کے اس
کا سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس لانے کا تعلق ہے۔ سرکار نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ آیا خود
دریا خان بھی اس سازش میں شریک تھا یا نہ۔ مگر صفحات گزشتہ کی طرح صفحات آئندہ سے بھی اس
بات کی بخوبی وضاحت ہو جائے گی کہ دریا خان کے متعلق اس قسم کا شبہ ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

پشاور کے قریب افغانوں اور آغر خان کا مقابلہ: شہنشاہ نے آغر خان کو نصرت خان،
میرزا سلطان اور دیگر امراء کی جمعیت کے ہمراہ مناسب سازوسامان کے ساتھ جمرود اور خیبر کے
افغانوں کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ (۸۳) خافی خان کے بیان کے مطابق جب آغر خان رکاب
بادشاہی میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے چند کارزار دیدہ ملازموں اور چار پانچ ہزار دیگر سواروں کے
ہمراہ دولاکھ روپیہ نقد عطا کر کے اسے افغانوں کی تنبیہ کے لئے رخصت کیا۔ پشاور کے قریب قبیلہ
مہمند (۸۴) کے بعض سرداروں نے بطریق شبخون آغر خان پر حملہ کیا مگر وہ خبردار ہو کر افغانوں
کے مقابل ہوا اور ان میں سے کئی ایک کو قتل اور مجروح کر

شکست خوردہ افغانوں کا تعاقب کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اور یوں تین سو کے قریب افغان قتل اور دو ہزار کے قریب اسیر ہوئے اور مال غنیمت میں بہت سے مال مویشی بادشاہی سپاہیوں کے ہاتھ آئے۔ اس فتح نمایاں کے بعد آغر خان پشاور واپس ہوا اور بادشاہ نے اسے خلعت و اضافہ منصب سے سرفراز کیا۔ (۸۵)

بادشاہزادہ محمد اکبر کی کابل روانگی: شہنشاہ نے بادشاہزادہ محمد اکبر کو مہم افاغنہ پر متعین کر کے اسد خان کے ہمراہ کابل روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہنشاہ کی رائے یہ قرار پائی کہ بادشاہزادہ اور اسد خان کوہاٹ کی راہ سے عازم کابل ہوں۔ چنانچہ ۲۴ ماہ جمادی الآخر ۱۰۸۵ھ مطابق اواخر ستمبر ۱۶۷۴ء (خوشحال خان کی روانگی از تیراہ سے چھ دن پہلے) کو بادشاہزادہ مذکور کو خلعت خاصہ و رنگ کی کلغی و شمشیر و سپر مرصع اور پچاس عدد عراقی، عربی، ترکی و کوہی گھوڑے اور ان کے ساتھ نقرئی ساز و سامان والا ہاتھی مرحمت ہوا۔ اسد خان بھی خلعت خاصہ و شمشیر اور گھوڑے اور ہاتھی کے عطیہ سے سرفراز ہوا۔ اور دونوں حسب الحکم براہ کوہاٹ عازم کابل ہوئے۔ (۸۶)

خوشحال خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی ان دنوں کوہاٹ پر حملہ کرنے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ مگر بادشاہزادہ کے اس طرف سے کابل جانے کی وجہ سے وہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنا نہ سکے۔ چنانچہ خوشحال خان لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب بادشاہ حسن ابدال آیا۔ شاہزادہ بہت سے لشکر کے ساتھ بنگش آیا۔ ہمارا خیال تھا کہ موسم خزاں میں پھر کوہاٹ پر حملہ کریں۔ مگر لشکر بنگشوں میں آیا۔ اور وہ کام رہ گیا اور دوسرے کاموں کی فکر ہونے لگی۔ میں خواہ ناخواہ تیراہ سے روانہ ہوا۔" (۸۷) اس کے بعد علاقہ یوسف زئی کی طرف روانگی تک ہم خوشحال خان کے دورہ کے حالات بیان کر چکے ہیں۔

فدائی خان کی صوبہ داری کابل پر تقرری: ساتویں رجب ۱۰۸۵ھ (اکتوبر ۱۶۷۴ء) کو شہنشاہ نے فدائی خان کو بجائے مہابت خان (۸۸) کابل کا صوبہ دار مقرر کیا اور خلعت عطا کر کے بہترین فوج اور ساز و سامان کے ساتھ اس طرف روانہ کیا اور بختاور خان کے ذریعہ اسے ہدایت کی گئی کہ جب فوج کا ورود کوتل میں ہو تو سب سے پہلے فوج ہراول عبور کر کے اس جانب مقام کرے۔ دوسرے روز قلب کے سپاہی راستہ طے کریں اور عقب کا دستہ کوتل کے اسی جانب مقیم رہے۔ اگر میمنہ کے سپاہیوں کے لئے راہ نہ ہو تو یہ حصہ ہراول کے ساتھ رہے اور میسرہ عقب کے ساتھ عبور کرے۔ (۸۹)

خوشحال خان کے بیان کے مطابق فدائی خان نے چند مہینے جمرود اور ایلم گدر (پشاور سے جنوب مغرب میں قریباً ۷ میل کے فاصلہ پر سپائے آفریدیوں کا علاقہ) میں گزارے۔ اس اثنا میں خان مذکور نے خوشحال خان کے بڑے بیٹے اشرف خان کو خوڑے کے راستے مغل اور افغان (خٹک) لشکر کے ساتھ آدم خیل آفریدیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اشرف خان نے صوبہ دار کے حکم کی تعمیل کی مگر آفریدیوں کے ہاتھوں شکست فاش اٹھانی پڑی۔ کئی مغل اور خٹک مارے گئے۔ اور بنگوڑوں نے خیر آباد میں جا کر دم لیا۔ اسی روز وطن دوستوں نے مغلوں اور بنگشوں پر مشتمل ایک اور سرکاری لشکر کو بھی شکست دی۔ خوشحال آفریدیوں پر اپنے بیٹے کے حملہ اور شکست کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی چلا رہا تھا۔ ہماری شرم و عزت خدا نے رکھی تھی اور آفریدیوں نے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سات پشت تک ان کے احسان کو نہ بھلایا جاتا مگر یہ عاقبت نا اندیش ان پر حملہ آور ہوا اور شکست کھائی۔۔۔۔۔ حق تعالیٰ نے بڑا فضل کیا ورنہ کچھ حال نہ تھا۔ اور باقی عمر کے لئے آفریدیوں کے ساتھ میرے "السلام علیکم" کی جگہ نہ تھی۔۔۔۔ حق تعالیٰ نے ستر پوشی کی۔ اگر وہ شکست نہ ہوتی تو میرے نادان بیٹے نے تو اپنا کام اپنے ہاتھ سے بگاڑ دیا تھا۔" (۹۰)

افغانوں اور فدائی خان کے مقابلے: اس کے بعد فدائی خان ایلم گدر گیا اور وہاں سے شمال مغرب اور پشاور سے مغرب کی طرف قدرے جنوباً (دونوں جگہوں سے بالترتیب قریباً ۶۰ اور ۵۰ میل کے فاصلہ پر) دوہ توے (علاقہ کوکی خیل آفریدی) میں بادشاہی لشکر سمیت داخل ہوا۔ یہاں اورک زئی بھی اس سے آکر ملے۔ اور ان کے مشورہ سے یہ سمت چھوڑ کر جمرود کی طرف پلٹا۔ جمرود میں بادشاہ نے گرز بردار اس کے پاس بھیجا کہ یا تو خیبر میں داخل ہو اور یا مر جا۔ فدائی خان چار و ناچار خیبر میں داخل ہوا۔ مغل فوج کے علاوہ اس کے ساتھ افغانوں کا لشکر بھی تھا جو اوریہ خیلوں، خٹکوں، اورک زئیوں اور کچھ آفریدیوں پر مشتمل تھا۔ ایمل خان اور دریا خان بھی دونوں اپنی جمعیت کے ساتھ خیبر کا راستہ روکے ہوئے بادشاہی فوج کے مقابلے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ خوشحال خان کے بیان کے مطابق کارنامے کی لڑائی ہوئی۔ جس میں افغانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور فدائی خان مجبوراً بازار کے راستے سے روانہ ہوا۔ (۹۱) بازار اور سپسوبے کا راستہ جو فدائی خان نے اختیار کیا تھا۔ عام راستے کے جنوب میں مغرب کی طرف اور پھر شمال مغرب کی طرف گیا ہوا ہے برعکس اس کے خافی خان نہایت آب و تاب کے ساتھ خیبر میں مغلوں کی فتوحات کا ذکر کرتا

ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ فدائی خان کو بہ ہراولی آغر خان افغانوں کی گوشمالی کے لئے مقرر کیا گیا اور
جس طرف آغر خان رخ کرتا ان بدبختوں (یعنی افغانوں) کے کشتوں کے پشتے لگا دیتا۔ حتیٰ کہ
چالیس ہزار خیبری افغانوں نے اکٹھے ہو کر آغر خان پر منزل علی مسجد کے قریب شبخون مارا اور
مغلوں نے خبردار ہو کر مقابلہ کے لئے کمر باندھی۔ جنگ عظیم شروع ہوئی اور بڑے زور وشور کا
ہنگامہ زد و خورد آغاز ہوا اور طرفین کی ثابت قدمی سے لڑائی نے طول کھینچا اور دونوں طرف کے
بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہوئے۔ آغر خان کو بھی کاری زخم لگا۔ مگر باوجود اس کے آغر خان ان بد
باطنوں (یعنی افغانوں) پر بہادرانہ حملے کرتا رہا۔ اور آخر اقبال عالمگیری کی مدد اور مغلوں کی
یاوری کی وجہ سے افغانوں کی ایک جمعیت کا جو بھاگتے ہوئے دنبوں کی طرح دوڑے جا رہے
تھے پیچھا کیا اور مقتولوں کا اسلحہ لے کر اسے افغان قیدیوں کے سروں پر رکھا اور ان کے ہاتھ رسیوں
سے باندھ کر گھوڑوں کے آگے انہیں دوڑاتے۔ اور ہزار ہا افغان مغلوں کی تلواروں اور تیر وسنان
سے ہلاک ہوئے اور جو بچ رہے وہ دروں اور پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ آغر خان نے بے شمار
سروں اور کثیر التعداد قیدیوں کے ساتھ عرضداشت فتح حضور بادشاہی میں بھیجی اور بادشاہ نے
خلعت و اضافہ منصب سے خان مذکور کو سرفراز کیا۔ اور اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تعویذ اور مومیائی بھیجی۔
آغر خان کے کارہائے نمایاں اور بادشاہ کی نوازش کی وجہ سے خان مذکور کے ہمراہی خاص طور سے
ہندی نژاد اس کے ساتھ حسد کرنے لگے۔

اگرچہ خافی خان نے مغلوں کی فتح اور ان کی خصوصاً آغر خان کی بہادری کے بیان اور
تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے ہے۔ لیکن وہ غیر مبہم الفاظ میں اعتراف کرتا ہے کہ
باوجود آغر خان اور دوسرے بندہ ہائے بادشاہی کے تردد و جانفشانی کے فدائی خان خیبر سے نہ گزر
سکا اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ باوجود شکست کھا جانے کے بھی افغان مور و ملخ کی طرح اٹھتے
ہو کر فوج بادشاہی اور مسافروں کے سد راہ ہوتے تھے۔ اور اس کے ساتھ نفاق باہمی نے مشکلات
کو اور بھی بڑھا دیا۔ چنانچہ آغر خان نے فدائی خان کا ہراول بن کر براہ بازارک (بازار) و سہ
چوبہ (شخوبے۔ سیسوبے) "جا بجا جنگ کناں و سر افگناں" صوبہ دار کو پشاور سے جلال آباد
پہنچایا۔ (۹۲)

اب خیبر میں فدائی خان اور افغانوں کے مقابلوں کا نتیجہ جو کچھ ہوا ہو یہ بات واضح ہے
کہ اگر مغلوں نے افغانوں کے خلاف کچھ کامیابیاں حاصل بھی کیں۔ تو بہت زیادہ جانی نقصان

کے ساتھ اور باوجود اس کے وہ درۂ خیبر کو کھولنے میں ناکام رہے جسے اوائل ۱۰۸۳ھ سے افغانوں نے بند کر رکھا تھا۔ (۹۳)

خافی خان کے بیان کے مطابق فدائی خان نے جلال آباد پہنچ کر آغر خان کو مع اولیٰ سلطان کے ساتھ پانچ ہزار فوج دے کر جو راجپوتوں اور افغانوں پر مشتمل تھی، شاہراہ کے بندوبست اور ننگ بہار (ننگر ہار) (۹۴) کے ضبط کے لئے جسے "افغانان بدکردار" اپنے تصرف میں لا چکے تھے، مامور کیا اور خود کابل چلا گیا۔ ضلع مذکور (جلال آباد) (۹۵) میں آغر خان نے غلزئی افغانوں کے خلاف متعدد لڑائیوں میں کارہائے نمایاں کئے اور افغانان ننگر ہار نے بھی اس کی شمشیر کی ضرب سے پناہ مانگی۔ اور راہ چلگ (جگدلک جسے جگدلی بھی کہتے ہیں) "جوان بدنہادوں" کے فساد کی وجہ سے مسدود ہو گیا تھا۔ دوبارہ جاری ہو گیا۔ اس کے بعد آغر خان گندمک آیا اور وہاں اقامت گزیں ہوا۔ جگدلک جلال آباد اور کابل کے درمیان واقع ہے اور گندمک کا محل وقوع جگدلک سے جانب جنوب مشرق جگدلک اور جلال آباد کے درمیان ہے۔ اس کے بعد "افاغنہ دوزخ زاد" جو اس صفدر کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ تیس چالیس ہزار سوار و پیادہ کی تعداد میں اکٹھے ہوئے اور آغر خان پر شبخون مارا مگر مغلوں نے حوصلہ نہ ہارا اور اس "گروہ شقاوت پژدہ" کے شر کے دفعیہ اور مقابلہ میں سرگرم ہوئے۔ تین پہروں تک لڑائی کی آگ بڑے زور و شور سے بھڑکتی رہی۔ حتیٰ کہ گنتی سے زیادہ افغان قتل اور زخمی ہوئے اور جو بچ رہے انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ اور اس کے بعد فدائی خان نے چاہا کہ کابل سے پشاور جائے تو لا تعداد "افاغنہ بدنہاد" اکٹھے ہو کر سد راہ ہوئے۔ اور محاربہ عظیم رونما ہوا۔ فدائی خان نے آغر خان کے ہم چشموں اور حاسدوں کے کہنے سے ایک عرب سردار کو ہراول بنایا۔ وہ کوشش و مقابلہ نمایاں کے بعد کام آیا اور فوج ہراول نے ایسی شکست کھائی کہ سارے ہاتھی، توپ خانہ اور اموال و اسباب افغانوں کے ہاتھوں لٹ گئے۔ اور انتہائی کوشش سے فوج قول (قلب) کو بچا لیا گیا۔ ناچار آغر خان کے پاس قاصد دوڑائے گئے اور خان مذکور شہباز وار چند ہزار سواروں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا پہنچا۔ اور کوتل چلگ (جگدلک) کے سرے پر جو اپنے دشوار گزار دروں کے لئے مشہور ہے، بڑی زوردار لڑائی ہونے لگی اور اس قدر تیر، بندوق کے گولے اور پتھر پہاڑ پر سے برسنے لگے کہ بادشاہی فوج کا حال پتلا ہونے لگا۔ مگر آخرکار "اس رستم زماں کے تردد رستمانہ" سے افغانوں کو ہزیمت ہوئی۔ (۹۶)

جگدلک میں مغلوں کے ساتھ لڑائیوں میں غلزئیوں نے کارہائے نمایاں کئے۔ (۹۷)

خافی خان نے فدائی خان اور آغر خان کے افغانوں کے ساتھ متذکرہ بالا مقابلے اور رزم و پیکار بلا قید سال و تاریخ بیان کیے ہیں۔ اگرچہ صفحات متعلقہ کے اوپر سال ۱۰۸۰ھ درج ہے مگر در حقیقت جیسا کہ صفحات گزشتہ سے ظاہر ہے یہ سال مذکور کے واقعات نہیں۔ جادو ناتھ سرکار نے فدائی خان کی کابل سے پشاور کی طرف واپسی موسم بہار ۱۶۷۵ء (اواخر ۱۰۸۵ھ یا اوائل ۱۰۸۶ھ) لکھی ہے۔(۹۸) سرکاری مورخ مستعد خان نے جس طرح سے افغانوں کے ساتھ فدائی خان کی جنگ و جدال کا ذکر کیا ہے۔ ہم اسے اس ترتیب واقعات کے ساتھ اپنے محل پر بیان کریں گے۔

جنگ خاپش: وسط سال ہژدہم (رمضان ۱۰۸۵-۸۶ھ) یعنی ربیع الاول ۱۰۸۶ھ (جون ۱۶۷۵ء) میں بادشاہی فوج کو ایک حادثہ عظیم پیش آیا۔ مکرم خان میر محمد اسحق اور شمشیر خان میر محمد یعقوب پسران شیخ میر (برادرزادگان سید امیر خان خوافی) کو کیل کانٹے سے لیس ایک بڑی فوج کے ساتھ کوتل خاپش (خاپش بر ملک مہمند) کی سمت سے افغانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا گیا۔(۹۹) مکرم خان نے کڑپہ کی راہ سے خاپش کا رخ کیا۔ جو گنداب سے شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ خاپش میں ایمل خان اور دریا خان نے مکرم خان اور شمشیر خان کے ساتھ لڑائی کر کے انہیں شکست دی اور شمشیر خان دریا خان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مکرم خان کو بھی تین زخم آئے۔ اور راہیمہ باجوڑ کے عربوں کے پاس چل دیا۔ بادشاہی فوج کا معتد بہ حصہ تو لڑائی کے دوران میں خاپش ہی میں کام آیا۔ اور جو بچ رہا اس پر بھی افغانوں نے راستے میں حملے کر کے بہت کچھ ختم کر دیا۔ اس اتلاف جان کے علاوہ مغلوں کا بے شمار مالی نقصان بھی ہوا۔ اور افغانوں کے ہاتھ بہت زیادہ مال غنیمت آیا۔ اس لڑائی میں باجوڑ کے ترکلان افغان(۱۰۰) بھی مہمندوں اور آفریدیوں کی امداد کے لیے آئے ہوئے تھے اور خوشحال خان کے بیان کے مطابق خاپش میں بھی خوب لڑے اور بعد ازاں راستہ میں بھی شکست خوردہ مغل فوج کو بہت پریشان کیا۔(۱۰۱) جس طریقے سے ایمل خان نے خاپش میں بادشاہی فوج کو نرغہ میں لے کر تباہ و برباد کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے مستعد خان لکھتا ہے کہ "ستائیس ربیع الاول کو معلوم ہوا کہ مکرم خان نے مکرر غنیم پر حملے کیا اور ان کے اکثر گھروں کو تاراج اور بے شمار باشندوں کو نظر بند کیا۔ ایک روز فتنہ پردازوں کی ایک قلیل جماعت نمودار ہوئی۔ مکرم خان نے اس گروہ کو قلیل سمجھ کر اس پر حملہ کیا۔ حملہ کے بعد دو دستے [illegible] کر کوہ کے ہر دو جانب سے نکل کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ شمشیر خان و میر عزیز اللہ

دامادِ شیخ میر نے غیرت و مردانگی سے کام لیا اور مردانہ وار میدانِ جنگ میں کام آئے۔ سپاہیوں کی بھی بہت کثیر تعداد قتل ہوئی۔ اور ہر خورد و بزرگ مبتلائے مصیبت ہو رہا تھا۔ مکرم خان معہ چند سواروں کے ہمراہ اس سرزمین کے واقف کاروں کی رہنمائی سے عزت خان تھانہ دار باجوڑ کے پاس پناہ گزیں ہے۔ عزت خان جو ہمیشہ سے افغانوں کا سرکوب ہے اپنی برادری کے ہمراہ باجوڑ میں مقیم ہے۔ اس نے مکرم خان اور اس کے ہمراہیوں کو پناہ دے کر ہر طرح سے ان کی امداد اعانت کی ہے۔" (۱۰۲) جیسا کہ مندرجہ بالا سرکاری بیان سے ظاہر ہے شہنشاہ کو اس حادثہ کا علم ستائیس ربیع الاول ۱۰۸۶ھ (اواخر جون ۱۶۷۵ء) کو ہوا۔

افغانوں کے خلاف نئے فوجی تقرر: تیس ربیع الاول (اواخر جون) کو بخشی الملک سربلند خان کو ایک جرار فوج اور ساز و سامان کے ساتھ جو نو ہزار سواروں کے لیے کافی تھا "شورہ پشت افغانوں کی تنبیہ" کے لیے روانہ کیا گیا۔ آغر خان جلال آباد کی تھانہ داری پر مامور ہوا اور عزیز خان کو جگدلک کی تھانہ داری پر مقرر کیا گیا۔ فراق خان لمغانات (لمغان۔ جلال آباد کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی علاقہ جسے عام طور پر لغمان کہتے ہیں) اور اللہ داد خان غریب خانہ (لنڈی خانہ خیبر) کے تھانہ دار مقرر ہوئے اور خنجر خان کو بنگشات کی فوجداری دی گئی۔ (۱۰۳)

فدائی خان اور افغانوں کے مقابلے: فدائی خان اور افغانوں کے درمیان لڑائیوں کے متعلق مستعد خان لکھتا ہے کہ فوج فدائی خان کے واقعہ نویس نے اطلاع دی کہ خان مذکور سترہ ربیع الاول (۱۱ جولائی) کو پیش بولاک (۱۰۴) سے کابل روانہ ہوا۔ خان مذکور نے اپنے بہادر سپاہیوں کی مدد سے افغانوں کو بے حد پامال کیا۔ اور ان کے مکانوں اور ملک کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اور حریف کو برباد کرنے میں پوری جاں نثاری اور مردانگی سے کام لے کر ان کو نیست و نابود کیا۔ جہاں پناہ اس امیر کی کوشش و کارگزاری سے بے حد خوش ہوئے۔ اور بادشاہ خدام نواز نے خان مذکور کو اعظم خان کوکہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ (۱۰۵) اس سے قبل ہم فدائی خان صوبہ دار کابل اور اس کے جرنیل آغر خان کے افغانوں کے ساتھ مقابلوں کو خافی خان کے حسب بیان مفصل عرض کر چکے ہیں۔ ان واقعات میں جیسا کہ ہم قبل ازیں بھی لکھ چکے ہیں۔ فدائی خان کی کابل سے جو واپسی بیان ہوئی ہے اسے جادو ناتھ سرکار نے موسم بہار ۱۶۷۵ء (اواخر ۱۰۸۵ یا اوائل ۱۰۸۶ھ) میں لکھا ہے۔ اب اگر فدائی خان پیش بولاک (جو صوبے سے جانب شمال مغرب علاقہ ننگرہار میں واقع اور شنواریوں کی ملکیت ہے) سے سترہ ربیع الآخر ۱۰۸۶ھ (اوائل

جولائی ۱۶۷۵ء) کو کابل روانہ ہوا تو ہم یہ قیاس کریں گے کہ سرکار نے خان مذکور کی کابل سے واپسی کی تاریخ غلط دی ہے۔ اور یا یہ کہ مستعد خان نے فدائی خان کی کابل سے پشاور کو مراجعت اور اس میں پیش آمدہ واقعات کے ذکر کو حذف کر کے ربیع الآخر ۱۰۸۶ھ میں اس کی دوبارہ کابل کو واپسی کا اور ساتھ ہی افغانوں کے ساتھ لڑائیوں کا بالا جمال ذکر کر دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

افغانوں کے دو کامیاب حملے: چودہ جمادی الآخر ۱۰۸۶ھ (اوائل ستمبر ۱۶۷۵ء) کو حضور بادشاہی میں اطلاع پہنچی کہ ہزبر خان تھانہ دار جگدلک اور افغانوں میں مقابلہ ہوا اور ہزبر خان مع اپنے فرزند اور دیگر سواروں کے میدان جنگ میں کام آیا۔ اور عبداللہ خان خویشگی برنگ تھانہ (علاقہ اتمان خیل باجوڑ) کو چھوڑ کر فرار ہوا اور ایک گروہ کثیر اس کے ہمراہیوں کا قید اور قتل ہوا۔ (۱۰۶)

خوشحال خان کی سرگرمیاں: جگدلک اور برنگ میں ہزبر خان اور عبداللہ خان خویشگی کے ساتھ افغانوں کی لڑائیوں سے پہلے ہم خوشحال خان کو برسول (تحصیل وضلع مردان) میں پاتے ہیں جو مردان کے شمال میں ذرا مشرق کو تقریباً ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور کوہی نام گاؤں کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے بالعموم کوہی برسول کہلاتا ہے۔ اگر شہنشاہ حسن ابدال میں چھاؤنی ڈالے بہ نفس نفیس مغل افواج کی نگرانی کر رہا اور افغانوں کو مطیع کرنے کے لیے فوج پر فوج بھیج رہا تھا اور ان میں روپیہ اور جاگیریں تقسیم کر رہا تھا اور ایمل خان اور دریا خان اور ان کے ساتھی مغلوں کے خون سے اپنی سفید تلواریں گلگوں کر چکے اور دشمن کا خون بہا کر "اساڑھ کے مہینے میں لالہ زار کا سماں" پیدا کر چکے تھے تو خوشحال خان بھی تلوار اور زبان وقلم سے مغلوں کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ اور "مغلوں کے خون سے اپنا خمار اتار چکنے" کے بعد اپنی آتش بیانی سے افغانوں کو مغلوں کے خلاف جوش اور غیرت دلا دلا کر ان کے خون کو گرما رہا تھا۔ برسول میں یکم جمادی الاول (اواخر جولائی) کو خوشحال خان نے ایک طویل نظم لکھی جس میں ابتدائے شورش سے لے کر جنگ خاپش تک کے حالات بیان کرتا اور یوسف زئیوں اور دیگر افغان قبائل کی بے حسی اور غفلت وسہل انگاری کا ذکر کرتے ہوئے انہیں حس قومی کے فقدان اور تساہل وغفلت کے لیے کوستا ہے اور انہیں یہ کہہ کر کہ تمہارے ملک میں مغلوں کا برسر اقتدار رہنا تمہارے ذلیل وخوار ہونے کے مترادف ہے۔ اور بے عزتی کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ انہیں مغلوں کے خلاف فتح یا موت تک جنگ جاری رکھنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خوشحال خان کی یہ نظم زور بیان

رفعتِ خیالات، شدتِ جذبات اور تاریخی اعتبار سے اس کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ اس کا معتد بہ حصہ پیشِ قارئین کرام ہے:

بیا له کومه راپیدا شه دا بهار	پھر یہ بہار کہاں سے آئی
چي په هر لوري ئې ملک کړ بو گلزار	جس نے ہر طرف ملک کو ایک گلزار بنا دیا
ارغوان دي ضمیران سوسن ریحان دي	سوسن وریحان وارغوان
یاسمن دي نسترن نرگس گلنار	یاسمن ونسترن اور نرگس وگلنار
د سپرلي گلونه ډیر په هر هر رنگ شته	اور دوسرے کئی گلہائے رنگارنگ موسم بہار میں کھلے ہیں
ولې سره لاله دي لا پکښي اوښار	لیکن سرخ لالہ ان سب میں نمایاں ہے
جونه موټي موټي گل ږدي په گریوان کښي	لڑکیاں مٹھیاں بھر بھر کر پھول گریبانوں میں ڈال دیتی ہیں
د ځوانانو گلدستي دي په دستار	اور جوانوں نے اپنی پگڑیوں کو گلدستوں سے مزین کر لیا
مغني په چغانه لیندي کیږده	اے مغنی تو سارنگی پر کمانچہ رکھ
په نغمو په پردو وغږوه هر تار	اور ہر تار سے گوناگوں نغمے نکال
ساقي راشه ډکې ډکې پیالې راکړه	اے ساقی آ اور مجھے بھر بھر کر پیالے دے
چي د میو په مستي کښي شم سرشار	کہ میں مستیٔ مے میں سرشار ہو جاؤں
پښتنو ځلمیو بیا لاسونه سره کړل	افغان نوجوانوں نے پھر اپنے ہاتھوں کو سرخ کر لیا
لکه باز منگلي سري کړه په ښکار	جیسے باز اپنے شکار سے پنجے سرخ کیا کرتا ہے
سپینې توري ئې گلگونې کړې په وینو	سفید تلواریں انہوں نے خون سے گلگوں کر لیں
په اساړ کښي شگفته شو لاله زار	اور اساڑھ (کے مہینے) میں لالہ زار کھل گیا (۱۸)
ایمل خان دریا خان دواړه مرگ ئې مه وي	ایمل خان و دریا خان دونوں کو خدا موت سے بچائے
هیڅ تقصیر دواړو ونکړو وار په وار	انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی
د خیبر دره ئې سره کړله په وینو	خیبر کے درہ کو بھی لہو سے سرخ کر دیا
په کرپه ئې هم روان کړو ډندو کار	اور کڑپہ میں بھی گرج گرج کر [illegible]
تر کړپې تر باجوړه سمې غرونه	کڑپہ سے باجوڑ تک میدانوں اور پہاڑوں کو
په لړزه په زلزله شول بار په بار	لرزہ اور بھونچال نے آ لیا
په دغه لوري چي کیږي پنځم کال دے	پانچ سال ہونے کو آئے کہ اس طرف

هره ورځ د سپينو تورو خر بهار
هر روز برش شمشیر (۱۰۸) کی آوازیں سنائی دیتی ہیں

چې په دا لوري زه راغلم حبطه شوم
اس طرف آ کر میں نے اپنا وقت ضائع کیا

زه مردار یم که دا خلق دي مردار
یا تو میں اور یا یہ لوگ گندے اور نکمے ہیں (۱۰۹)

په لښکر لښکر ناري شوم ورته ستړے
میں فراہمی لشکر کے لیے چلا چلا کر تھک گیا

دا کاڼه راته نه مهېرک وائي نه خار
مگر یہ بہرے مجھے کچھ جواب نہیں دیتے (۱۱۰)

چې احوال د یوسف زیو را معلوم شو
یوسف زئیوں کا حال دیکھ کر میں نے جانا کہ

لوا غر وماته ښه وه نه د مغار
میرے لیے دمغار سے لوا غر اچھا تھا (۱۱۱)

د خټک سپي بهتر تر یوسف زیو
خٹکوں کے کتے یوسف زئیوں سے بہتر ہیں

که خټک دي هم په خوی تر سپي بیکار
اگرچہ خٹک خود کتوں سے بدتر ہیں

ورست پښتون تر قندهاره تر اټکه
سارے افغان قندھار سے لیکر اٹک تک

سره یو د ننګ په کار پټ او آشکار
عزت کے کام میں پوشیدہ و آشکارا ایک ہیں

ګوره څو جنګونه وشول په دا لوري
دیکھو ہر طرف کیا لڑائیاں ہوئیں

ولې هېڅ د یوسف زیو نشته عار
مگر یوسف زئیوں کو کچھ شرم نہیں آ رہی

اول جنګ د لوري شاه د تهتري وه
پہلی لڑائی تہتر کے اونچے پشتے کی تھی (۱۱۲)

چې خلوېښت زره مغل شول تار په تار
جس میں چالیس ہزار مغل تہس نہس ہوئے

خویندې لوڼه ئې بندي د پښتنو شوې
ان کی بہنیں اور بیٹیاں افغانوں کی اسیر ہوئیں

آس اوښان هاتيان اولجه قطار قطار
اور مال غنیمت میں گھوڑے اونٹ اور ہاتھی قطار قطار تھے۔

دویم جنګ میر حسیني په دوآبه وه
دوسری لڑائی میر حسینی کے ساتھ دوآبہ میں ہوئی

چې ئې سر وتکیده لکه د مار
جس کا سر سانپ کی طرح کچل دیا گیا

بیا پسه د نوښار د کوټ جنګ وه
اس کے بعد نوشہرہ کے قلعے کی لڑائی تھی

چې مې وکښو د مغلو خپل خمار
جس میں مغلوں کے خون سے میں نے اپنا خمار اتارا

بیا په جسونت سنګ شجاعت خان وه
اس کے بعد جسونت سنگھ اور شجاعت خان

چې اسمل ئې په ګنداب وویست دمار
کا کچومر اسمل نے گنداب میں نکالا

پنځم جنګ مکرم خان شمشیر خان دواړه
چھٹی (۱۱۳) لڑائی میں مکرم خان و شمشیر خان دونوں
ہمارے مدمقابل ہوئے۔

پښتو	اردو
چې ايمل کړل په خاپښ کښې تار په تار	جن کو ایمل نے خاپش میں تتر بتر کر دیا
چې زما په ياد دي لويې جنګونه دادي	میری یاد میں بڑی بڑی لڑائیاں یہ ہیں
د هلکو په هر لورې نښته شمار	اور چھوٹی موٹی لڑائیاں تو ہر طرف بیشمار ہوئی تھیں
همېشه فتح و نصرت دے لا تراوسه	اب تک تو ہماری فتح ہوتی چلی آ رہی ہے
پس له داده بيا تکيه په کردګار	اور اس کے بعد بھی خدا پر ہی بھروسہ ہے
اورنګزيب رته يو کال وشو چې پروت دے	حیران و پریشان اور دلفگار اورنگزیب
په صورت حيران پرېشان په زړهٔ افګار	ایک سال سے میرے مقابلے میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے
کال په کال امرا بان دي چې پرېوزي	سال بہ سال امراء مارے جا رہے ہیں
چې طوفان شولي لښکرې کوم يو شمار	اور بیشمار لشکر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ (۱۱۴)
خزانې د هندوستان دي راخورې شوې	ہندوستان کے خزانوں کے منہ کھل گئے ہیں
سرهٔ مهران دي نسرخي په کهسار	اور سونے کے مہر پہاڑوں میں چلے آ رہے ہیں
بله هيڅ ليدلے نهٔ شي په دا ملک کښې	اب تو یہی نظر آ رہا ہے کہ اس سرزمین سے مغلوں کا
يا مغل له منځه ورک يا پښتون خوار	نام و نشان مٹایا جائے یا افغان ذلیل و خوار ہیں۔
په داسې وخت چې وخت د نام و ننګ دے	اس وقت جو کہ ننگ و ناموس اور نیکنامی حاصل کرنے کا وقت ہے
دا بې ننګه پښتانهٔ کا څهٔ رفتار	یہ بے حمیت افغان کیا کر رہے ہیں
پښتانهٔ چې نور څهٔ فکر کا نابود دي	اگر افغان کچھ اور سوچیں گے تو مٹ جائیں گے
بې د تورې خلاصے نشته په بل کار	بغیر تلوار کے نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں
پښتانهٔ په توره ښهٔ دي تر مغلو	شمشیر زنی میں تو افغان مغلوں سے بہتر ہیں
کهٔ په پوهه پښتانهٔ وے څهٔ هوښيار	کاش اس کے ساتھ کچھ سمجھ بوجھ بھی رکھتے
اولسونه چې سند وبله وکا	جب قومیں آپس میں اتفاق و اتحاد کرتی ہیں
بادشاهان ورته سجود کاندي اختيار	تو بادشاہوں کو انکی اطاعت کرنی پڑتی ہے
کهٔ نفاق کهٔ اتفاق کهٔ جهل پوهه	نفاق و اتفاق اور جہل و علم میں سے ہر ایک چیز
د هر يو د خدائے په لاس ده هره چار	بلکہ ہر انسان کا ہر ایک کام اللہ کے ہاتھ میں ہے
آفريدي مهمند شنواري ګوره څهٔ کا	آہ دیکھو آفریدی، مہمند، شنواری کیا کر رہے ہیں
د مغلو لښکر پروت په ننګرهار	مغل لشکر ننگرہار میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے

زه نيها بكښې په غم د نام و ننګ يم
میں اکیلا ہی کوان میں (۱۱۵) نام و ننگ کی فکر ہے

يوسف زي دي فراغت په كښت و كار
یوسف زئی اپنی کھیتی باڑی میں خوش ہیں

وس چې هسې بې ننګي بې ناموسي كا
اسوقت جو ایسی بے حمیتی اور بے عزتی دکھا رہے ہیں

عاقبت به ورښكاره شي خپله چار
تو آخر کار اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے

مرګ زما په بوهه ښه تر دا ژوندون دے
میرے نزدیک موت اس زندگی سے بہتر ہے

د عزت سره چې نه وي زيست روزګار
جو عزت و آبرو کے ساتھ بسر نہ ہو

... به په جهان كښې ژوندے نه وي
خوشحال خٹک ہمیشہ دنیا میں نہ رہے گا

خوشحال خټک به پاتو شي يادګار
مگر اس کی یادگار دنیا میں باقی رہے گی

د ... اول كال د "غفو" وه
یکم جمادی الاول ۱۰۸۶ھ

... چې دے په برمول كښې دا اشعار
کہ میں برمول میں یہ اشعار کہہ رہا تھا (۱۱۶)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ خوشحال خان آخر جمادی الآخر ۱۰۸۵ھ (ستمبر۔اکتوبر ۱۶۷۴ء) کو نزاوے روانہ ہوا تھا۔ مختلف افغان قبائل کے علاقوں سے ہوتا ہوا اپنے علاقہ پہنچا تھا اور وہاں چند قیام کرنے کے بعد عازم علاقہ یوسف زئی ہوا تھا۔ اس حساب سے قصیدہ برمول کی تصنیف کے وقت اس کو یوسف زئیوں کے علاقہ میں کچھ کم ایک سال ہو چکا تھا۔ مگر جس مقصد کے لیے وہ یہاں آیا تھا اس میں اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی جس کی وجہ یوسف زئی ملکوں کی باہمی رقابتیں اور ناچاقیاں تھیں۔ چنانچہ اگر ایک فریق خوشحال خان کا ساتھ دیتا تو دوسرا جیسا کہ افغانوں کا قاعدہ ہے ہمیشہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہوتا جن لوگوں کے رویہ کی وجہ سے خوشحال خان کو یوسف زئیوں میں ملکوں کے خلاف فراہمیٔ لشکر میں ناکامی ہوئی ان میں اس کا سالہ ملک حمزہ خان بھی شامل تھا۔ ... جمادی الاول ۱۰۸۶ھ (اوائل اگست ۱۶۷۵ء) کو خوشحال خان لکھتا ہے کہ "سربلند خان فوج لے کر حضور بادشاہی سے آیا ہے یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ مکرم خان وغیرہ امرا کو جو باجوڑ میں ہیں ... آئیں۔ ایمل خان اور دریا خان بھی ان کی تاک میں بیٹھے ہیں مجھے بھی خط بھیجے ہیں۔ ملک ... اور اختر ے (۱۱۷) میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ ہم تمہارے سامنے حمزہ کی وجہ سے ... شرمندہ ہیں۔ اب جو تم کہو وہی کیا جائے گا۔ میں بھی ان کی مصلحت سے سوات جا رہا ہوں ... وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا۔ (۱۱۸)

وفات نظام خان: جمادی الاول ۱۰۸۶ھ میں خوشحال خان کو ایک سخت صدمہ برداشت کرنا

پڑا۔ اس کے لڑکے نظام خان نے عین عالم شباب میں زندگی کی ۲۶ منزلیں طے کر کے اس دنیا سے سفر کیا۔ اس وقت خوشحال خان برسول میں یا کہیں اور علاقہ یوسف زئی میں مغلوں کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ نظام ''تفرقہ اور جنگ کی غوغا'' کے دوران میں فوت ہوا اور ماہ سال مذکور میں اس کی وفات بیان کی ہے۔ ایک دوسرے مرثیہ میں نظام کی دس ماہ کی بیماری کے دوران میں اس کے پاس اپنی عدم موجودگی کا افسوس کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ (۱۱۹) نظام خان کے مرثیہ میں خوشحال خان نے اظہار غم واندوہ کے ساتھ جس انداز سے افغانیت کا اظہار کیا ہے وہ اس کے مغلوں کے خلاف آخری دم تک جنگ جاری رکھنے کے عزم بالجزم کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

کشکے خوانۂ پسے پہ ننگ کښې مړ وے — کاش عالم شباب میں افغانوں کی عزت کیلئے لڑتے ہوئے مارا جاتا

نہ چې ګور لہ روان شو لہ تولګه — بجائے اس کے کہ بستر سے قبر کو چل دیا

چې د قام پہ ننګ کښې ومړ هغه زویه — وہ بیٹا جو قوم کی عزت کے لیے مرتا ہے

پہ عالم کښې د بابا شي لوړ کالګه — وہ دنیا بھر میں باپ کی گردن کو اونچا کر دیتا ہے۔

اور اس طوفان خیز جذبہ کی ایک ہیجان انگیز اظہار رنج والم کے اس عالم میں ہوتا ہے

خو ژوندے پہ دنیا پایم خدایه دې نه کا — جب تک میں جیتا رہوں خدا نہ کرے

ستا څهره زما د زړه لہ تختې حکه — کہ تیرا چہرہ میرے لوح دل سے محو ہو

د نظام د غشي بو برابر نه دے — نظام کی موت کے تیر جیسا ایک بھی نہ تھا

کہ خوشحال پہ زړه خوړلي ډير ناوکه — اگرچہ خوشحال نے دل پر کئی تیر کھائے ہیں

بڑھاپے میں ایسا دلدوز تیر کھا کر بھی افغانیت کے اس بطل عظیم اور مرد میدان وغا کے ہاتھ سے تلوار نہیں چھوٹتی۔ چونسٹھ سال کی عمر میں ایسا صبر آزما اور دردناک صدمہ سہہ کر بھی اس کے پائے ثبات لڑکھڑانے نہیں پاتے۔ بیٹے کی موت کے غم سے اس بات کا ارمان کم نہ تھا کہ وہ قوم کی عزت وآبرو کے لیے لڑتا ہوا میدان جنگ میں نہیں مرا بلکہ بستر سے قبر کو چل دیا۔

خوشحال خان کا قیام سوات اور وہاں سے واپسی: یوسف زئیوں کے دوسرے علاقوں کی طرح سوات میں بھی خوشحال خان کو مغلوں کے خلاف لشکر فراہم کرنے میں بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ یوسف زئی بلحاظ شجاعت وتہور اور کثرت تعداد اور اپنے علاقہ کی وسعت وزرخیزی کی وجہ سے افغان قبائل میں بہت ممتاز حیثیت کے مالک چلے آئے ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے عہد

لے کر عہد عالمگیری تک برابر مغلوں سے برسرپیکار رہے اور بڑے استقلال سے ان کا مقابلہ کرتے اور ان کی پریشانی کا باعث بنتے رہے۔ ان وجوہات کی بنا پر خوشحال خان کو بھی یوسف زئیوں سے بہت زیادہ توقعات تھیں۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے وہ اپنے زمانہ قید میں ان کے ساتھ ایکا کر کے سلطنت مغلیہ کے خلاف برسرپیکار ہونے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ۱۰۷۷ھ کی بغاوت کے دوران میں اور اس کے بعد بھی بادشاہی افواج نے یوسف زئیوں اور ان کے ملک کو ایسا تاخت و تاراج اور انہیں خوفزدہ و ہراساں کیا کہ عرصہ تک ان میں پھر سر اٹھانے کی سکت نہ رہی تھی۔ (۱۴۰) اور غالباً کچھ قبائلی رقابت نے بھی ایک ایسی تحریک میں شامل ہونے سے روکا ہوگا جس کی قیادت خٹک، مہمند اور آفریدی سرداروں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے ساتھ ہی یوسف زئیوں کے سرداروں کا باہمی نفاق و شقاق اور حکومت کے ایجنٹوں کی ریشہ دوانیاں بھی خاطر خواہ نتائج کے برآمد ہونے میں مانع آئیں۔

متذکرہ اسباب و واقعات کے علاوہ سوات میں خوشحال خان کے دوران قیام میں ایک ایسا ناخوشگوار واقع پیش آیا جس سے حکومت کے ایجنٹوں کو خوشحال خان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا اور جس کا مخالف اثر فراہمی لشکر کے کام پر پڑنا لازمی تھا۔ سوات کے لوگ اخوند درویزہ (جو شہنشاہ اکبر کا ہمعصر اور روہ کے مشہور ولی اللہ حضرت سید علی ترمذی (۱۴۱) رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا) کا بہت زیادہ ادب و احترام کرتے تھے اور اس کی کتاب مخزن الاسلام کو عقائد میں سند مانتے تھے۔ خوشحال خان کے نزدیک اخوند درویزہ کے خیالات حادثہ کربلا کے متعلق قابل اعتراض اور حب اہل بیت کرام علیہم السلام کے منافی تھے۔ چنانچہ اس نے ایک دن برملا اخوند درویزہ اور اس کی تصنیف پر بڑی سخت نکتہ چینی کی۔ جب اس کا علم شیخ میاں نور کو ہوا جو یوسف زئیوں کا ایک پیر تھا۔ (۱۴۲) اور در پردہ مغلوں کے ساتھ وطن دوستوں کے خلاف ساز باز کرتا تھا تو کچھ اخوند درویزہ کے ساتھ عقیدت اور کچھ حکومت کی وجہ سے اس نے لوگوں کو خوشحال خان کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ سوات بھر میں خوشحال خان کے رفض اور کفر کی تشہیر کی گئی اور یہاں تک حالات نے نازک صورت اختیار کر لی کہ باہمی فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ اگر خوشحال خان کو کوئی گزند یا نقصان پہنچایا جاتا یا اس کی اہانت و کسر شان کی جاتی تو اس کا نتیجہ صرف یوسف زئیوں کی خٹکوں، مہمندوں، آفریدیوں اور شنواریوں کے ساتھ ہی دشمنی نہ ہوتی بلکہ خوشحال خان کے ساتھ الجھنا ان یوسف زئیوں کے ساتھ بھی دشمنی کے مترادف تھا جنہوں نے اسے سوات آنے کی دعوت دی تھی۔

ایسے حالات میں خوشحال خان کے رشتہ داروں کا بھی اس کی حمایت اور جو اس کے طرفدار تھے۔ ان حالات کے پیش نظر تین یوسف زئی ملک، ملک سنگر، میاں خان اور سائے کرنا غیر اغلب تھا۔ ان حالات کے پیش نظر تین یوسف زئی ملک، جہاں ایام زیر بحث میں اس کا قیام تھا، خوشحال خان کے پاس لنگر ٹنگ کے گاؤں میں آئے۔ جہاں خوشحال خان ایک توت کے درخت کے نیچے استراحت کر رہا تھا۔ ان ملکوں نے اسے جگایا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ سارے سوات میں ہنگامہ برپا کر کے تم سور ہے ہو اور کچھ فکر و تشویش نہیں۔ پھر انہوں نے خوشحال خان سے کہا کہ بحیثیت سرداران قوم ان کا یہ فرض ہے کہ وہ فریقین میں فسادنہ ہونے دیں۔ لہذا یا تو تم اخوند درویزہ کی کتاب مانو اور یا شیخ میاں نور کے اعتراضات کا جواب دو۔ خوشحال خان نے اخوند درویزہ کی کتاب ماننے سے صاف انکار کر دیا اور آخر کار شیخ میاں نور (جو خوشحال خان کے بیان کے مطابق ایک نیم خواندہ برخود غلط ملا تھا) اور خوشحال خان کے درمیان مناظرہ ہوا جس میں شیخ میاں نور کو بری طرح شکست ہوئی اور لوگوں نے دونوں کے درمیان صفائی کرا دی۔ خوشحال خان نے شیخ میاں نور سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ آئندہ مغلوں کے ساتھ ساز باز نہ کرے اور بظاہر تو شیخ میاں نور نے مغلوں کے ساتھ خط و کتابت نہ کرنے کا وعدہ کیا مگر اس کی نیت اچھی نہ تھی۔ اور وہ در پردہ برابر اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا۔ (۱۲۳)

آخر کار چند مہینے (۱۲۴) سوات میں رہنے کے بعد خوشحال خان وہاں سے مندڑوں کے علاقہ میں چلا آیا۔ سوات سے اس کی روانگی کے بعد یوسف زئیوں نے لشکر اکٹھا کیا اور اس کے پاس آئے اور مندڑوں نے بھی لشکر تیار کیا۔ شہباز گڑھی کے قریب افغانوں اور مغلوں کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں افغانوں کا پلہ بھاری رہا اور چالیس کے قریب مغل اور راجپوت لنگرکوٹ کے بخشی میر ہزارہ سمیت قتل ہوئے۔ اس طرح سے خوشحال خان نے علاقہ مندڑ یوسف زئی میں بھی مغلوں کو معمولی سی زک پہنچائی۔ (۱۲۵)

اس کے بعد خوشحال خان اپنے طرفداروں کا ایک لشکر لے کر غلہ ڈھیر کے قریب مخالف گوجروں کی ایک جمعیت پر حملہ آور ہوا۔ گوجروں نے بہت ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار خوشحال خان کے جوش دلانے سے وطن دوست افغانوں نے ایک زبردست حملہ کیا اور گوجر مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ گوجروں کے تین سو آدمی میدان جنگ میں کام آئے اور بہت سا مال غنیمت افغانوں کے ہاتھ آیا۔ (۱۲۶)

ملتفت خان اور خوشحال خان: اندریں ایام شہنشاہ نے گنج علی خان ولد علی مردان خان کی

چہ ملتفت خان میر ابراہیم حسین ولد اصالت خان میر عبدالہادی مرحوم کو لنگر کوٹ کی فوجداری تفویض کی۔ (۱۲۷) خوشحال خان نے اپنے بیٹے اشرف خان کو جو پہلے ہی ملازمت سرکار میں تھا کہ ملتفت خان کا ساتھ دے۔ یوسف زئی اور لڑنا نہ چاہتے تھے کیونکہ ان کے ایام فصل آن پہنچے تھے اور ان کے لشکر میں تفرقہ پڑ گیا تھا۔ کچھ تو یوسف زئیوں کی پہلو تہی کے سبب اور کچھ اصالت خان مرحوم کے بیٹے کی پاس خاطر کی وجہ سے خوشحال خان نے بھی کہیں اور میدان کارزار گرم کرنے کی ٹھانی چنانچہ ولایت یوسف زئی سے اس نے اپنے علاقہ جانے کا ارادہ کیا۔ حکومت کی طرف سے تو نقد روپیہ اور تحفے وغیرہ اسے بھیجے گئے تھے وہ اس نے قبول نہ کیے۔ اسکے الفاظ سے جو اس نے مغلوں کی پیشکش اور تحفے وغیرہ واپس کرتے ہوئے کہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے پیش نظر اپنے پرانے محسن و مربی کے بیٹے کی نیک نامی اور ترقی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چونکہ ولایت یوسف زئی کے پرامن رہنے میں جس کا انتظام اب ملتفت خان کو سونپا گیا تھا خان مذکور کی نیک نامی تھی اس لیے خوشحال خان نے اس سے نکل جانے کا ارادہ کیا نہ کہ ذاتی اغراض و مقاصد اس کے مد نظر تھے۔ ولایت یوسف زئی سے خوشحال خان اپنے علاقہ میں ڈنگ ڈنگ نام گاؤں چلا آیا جو سرائے اکوڑہ سے چند میل کے فاصلہ پر جانب جنوب واقع ہے۔ (۱۲۸)

شہنشاہ کی حسن ابدال سے پایہ تخت کو مراجعت: پندرہ شوال ۱۰۸۶ھ (آواخر دسمبر ۱۶۷۵ء) کو شہنشاہ نے حسن ابدال سے کوچ کیا اور چند دن باغ میں قیام کرنے کے بعد پندرہ ذیقعدہ (آخر جنوری ۱۶۷۶ء) کو لاہور پہنچا۔ اور ۱۹ ذی الحجہ (اوائل مارچ) کو لاہور سے روانہ ہو کر ۲۲ محرم ۱۰۸۷ھ (اوائل اپریل) کو پایہ تخت پہنچا۔

شہنشاہ کی واپسی کے وقت فریقین کی پوزیشن: مینوکی نے لکھا ہے کہ اورنگزیب نے افغانوں کے خلاف قطعاً کوئی کامیابی حاصل نہ کی تھی۔ (۱۲۹) خوشحال خان نے یکم جمادی الاول ۱۰۸۶ھ کو برسول میں لکھی ہوئی نظم میں کہا ہے کہ اس وقت تک اسے شہنشاہ کے خلاف کامیابی پر کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اور اورنگزیب حیران و پریشان اور دلفگار اس کے مقابلے میں حسن ابدال میں مقیم تھا۔ سوات نامہ میں جو شہنشاہ کی حسن ابدال سے مراجعت ہندوستان کے بعد لکھا گیا ہے خوشحال خان کہتا ہے کہ اورنگزیب خاک بہ سر ناکام چلا گیا۔ (۱۳۰) جادو ناتھ سرکار نے خوشحال خان کے بیان (۱۳۱) اور مینوکی کے رائے کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے برعکس یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اورنگزیب کی حسن ابدال سے پایہ تخت کو مراجعت کے وقت حکومت اور اس کے طرفداروں کا

اگرچہ شہنشاہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیابی حاصل نہ کر پایا تھا۔ حالات پلہ بھاری تھا۔ اور اگرچہ شہنشاہ اپنے مقصد کو قابو پالیا گیا تھا۔ (۱۳۲) خوشحال خان کی برمول والی نظم سے بہت حد تک سدھر چکے تھے اور ان پر قابو پالیا گیا تھا۔ کہ پانسہ مغلوں کے حق میں پلٹ چکا تھا۔ اور افغان غفلت اور بھی کسی قدر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پانسہ مغلوں کے حق میں پلٹ چکا تھا۔ اور افغان غفلت اور سیل انکاری کرنے لگے تھے۔ خوشحال خان یوسف زئیوں کے علاوہ آفریدیوں، مہمندوں اور شنواریوں کو بھی ملامت کرتا ہے۔ کہ مغل فوج ننگرہار میں پڑی ہوئی ہے اور یہ قبائل کچھ نہیں کر رہے۔ تاہم ابھی وطن دوستوں کی جمعیت کافی مضبوط تھی۔ فوجی نقطہ نظر سے انہیں کوئی خاص زک (نقصان) نہیں پہنچایا گیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ خوشحال خان قصیدہ برمول میں کہتا ہے افغان اپنے آپ کو مغلوں سے اچھے شمشیر زن ثابت کر چکے تھے۔ میدان جنگ میں اگر ان کی کامیابیاں مغلوں سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں کہی جا سکتیں۔ بہرکیف حکومت کو ابھی پوری طرح کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خوشحال خان علاقہ یوسف زئی کو چھوڑ کر اپنے علاقہ چلا آیا تھا کہ ملتفت خان کی نیک نامی ہو تو کیا اس کو افغانوں کی شکست نظر نہیں آرہی تھی؟ اگر اس کو اپنی فتح کی کوئی امید ہوتی تو ملتفت خان کو ترقی اور نیکنامی خارج از بحث تھی۔ اس کے جواب میں عرض کر دینا بجا ہوگا کہ خوشحال خان کا مقابلہ مغلوں کے ساتھ درحقیقت رزم میں تھا۔ (۱۳۳) اور اگر خوشحال خان کامیاب بھی ہو جاتا اور افغان جنگ میں مقابلہ اور مغل سیاستدانوں اور فوجی قائدوں کے ملتفت خان زیادہ کامیاب ثابت ہوتا تو یہ امر مملکت میں کہیں اور اس کے لیے باعث ترقی و عظمت ہو سکتا تھا۔

ایک اور سوال بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر خوشحال خان اس وقت پر امید تھا تو اس نے یوسف زئی علاقہ کو بالکل کیوں چھوڑ دیا؟ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اگرچہ یوسف زئیوں کا علاقہ ہر لحاظ سے اہم تھا اور اس سے بالکل قطع توجہ و تعلق نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن افغانوں کی کامیابی کا دارومدار صرف اسی علاقہ میں جدوجہد پر نہ تھا۔ یہاں اپنے دورہ کے آخری مرحلہ میں وہ مغلوں کو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچا چکا تھا۔ اور دوسرے علاقوں کی طرف توجہ کرنا بھی ضروری تھا۔ اس کے علاوہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں یوسف زئی پہلو تہی کرنے لگے تھے اور ان کے لشکر میں تفرقہ پڑنے لگا تھا۔ اس وجہ سے بھی علاقہ یوسف زئی کو چھوڑنا پڑا تھا۔

بادشاہ اور خوشحال خان

ملتفت خان، بادشاہ اور خوشحال خان کے درمیان نامہ و پیام: جب خوشحال خان یوسف زئیوں کے علاقہ چلا آیا تو ملتفت خان نے اپنی کارگزاری جتانے کے لیے بادشاہ کو لکھا کہ میں خوشحال خان کو علاقہ یوسف زئی سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ بادشاہ نے اسے اچھا نہ جانا اس کا خیال تھا کہ خوشحال خان کا اپنے قبیلے سے دور رہنا ہی اچھا ہے۔ چنانچہ اس نے ملتفت خان کو جواب میں لکھا کہ علاقہ یوسف زئی سے نکال کر خوشحال خان کو اپنے کوہستان اور قبیلہ کی طرف متوجہ کر کے وہاں بھیجنا کہاں کی مصلحت ہے۔ خوشحال خان کو لکھو کہ وہ پھر یوسف زئیوں کے علاقے میں آ جائے۔ چنانچہ ملتفت خان نے خوشحال خان کو یوسف زئیوں کے علاقہ میں پھر چلے آنے کی دعوت دی۔ مگر خوشحال خان نے جواب میں لکھا کہ "میں لڑکا تھوڑا ہی ہوں کہ کبھی وہاں اور کبھی یہاں پھرتا رہوں گا۔" یعنی میں بچہ نہیں جو کسی کے بہکانے اور ورغلانے سے یونہی ادھر ادھر چلتا پھروں گا۔ (۱۳۴)

جنگ گمبت: شیر محمد خان بنگش جو حکومت مغلیہ کا حامی و وفادار تھا کے اثر و رسوخ کی وجہ سے قبیلہ بنگش بھی بالعموم حکومت مغلیہ کا طرفدار اور ممد و معاون تھا۔ خوشحال خان نے خیال کیا کہ بنگشوں کے علاقہ میں حکومت کے وقار اور اقتدار کو کم کرنے اور بنگشوں کو انکی حمایت سے باز رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ قبیلہ مذکور کے علاقہ پر حملہ کر کے اس کی قوت اور طاقت کو توڑا جائے۔ اس کے علاوہ کرپہ کی لڑائی میں وطن دوست افغانوں کی مغلوں پر شاندار فتح کے بعد شیر محمد خان نے کوہاٹ میں وطن دوستوں کو جو شکست دی تھی۔ اس کا انتقام لینا بھی ضروری تھا۔ نیز وطن دوستوں کی یہ شکست بھی بہت حد تک علاقہ زیر بحث میں شیر محمد خان کے اثر و رسوخ اور حکومت کے وقار و اقتدار کے بڑھانے اور وطن دوستوں کی تحریک کو کمزور کرنے کا سبب تھی۔ اس لیے سوات سے واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد شیر محمد خان کے ساتھ نبرد آزمائی کے لیے خوشحال خان فراہمی لشکر میں مصروف ہوا۔ اور جلد ہی اپنے قبیلے کا لشکر تیار کر کے کنڈیالہ سے گزر کر علاقہ کوہاٹ میں وارد ہوا۔ شیر محمد خان نے بھی اپنے لشکر کو لیے مقابلہ کے لیے آگے بڑھا خٹکوں میں بھی موشک اور سینی شاخوں کے کچھ لوگ شیر محمد خان کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان ہی کے بھروسہ پر شیر محمد خان خٹکوں کی حدود میں بڑھ آیا تھا۔ اور کوہاٹ سے قریباً چودہ میل کے فاصلہ پر جانب مشرق (جنوباً) گمبت کے مقام پر جو خٹکوں کے علاقہ تحصیل ٹیری میں واقع اور علاقہ بنگش کی حدود کے قریب ہی ہے۔ وطن دوستوں اور طرفداران حکومت کا مقابلہ ہوا۔ اس وقت "مینہ برس رہا تھا۔ زمین کیچڑ ہو رہی تھی

اور آدمی بھاگ رہے تھے۔ "خوشحال خان نے یہ غلطی کی تھی کہ صف آرائی کے وقت اچھے سواروں کا محافظ دستہ اپنے سامنے نہیں رکھا تھا نیز اس کے ساتھی حسن خیل بھی اس کے جلو میں بڑھتے میں سستی کر رہے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دشمن نے اس جگہ جہاں خوشحال خان تھا حملہ کیا۔ تو اسے مجروح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ خوشحال خان کے بیٹے عابد خان نے شیر محمد خان کو زخمی (۱۳۵) کر کے گھوڑے سے گرا دیا اور دشمن پر حملہ کر کے خوب جوہر مردانگی دکھائے اور جلد ہی ان سے باپ کے زخمی ہونے کا انتقام لیا۔ عابد خان جب باپ کے پاس لوٹ کر آیا تو "اس کا چہرہ لہو سے اٹا ہوا تھا۔" ان خٹکوں کے علاوہ جو شیر محمد خان کے ساتھ ساز باز کیے ہوئے تھے خوشحال خان کے ساتھیوں نے بھی اپنی بدنظمی اور عدم استقلال سے دشمن کی مدد کی۔ شیر محمد خان کے گھوڑے سے گر جانے کے بعد بجائے اس کے کہ خٹک زیادہ ثابت قدمی اور بڑھتے ہوئے حوصلوں کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتے انہوں نے میدان کو چھوڑنا شروع کیا۔ (۱۳۶) خٹکوں کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ جس سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور ان پر حملہ کر کے انہیں قتل اور زخمی کرنا شروع کیا۔ خوشحال خان کا زخم بھی جیسا کہ اس کے بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے شدید قسم کا تھا۔ اور وہ اس کی وجہ سے میدان میں جم کر لڑنے سے قاصر تھا اور مجبوراً اسے میدان چھوڑنا پڑا۔ باقی خٹک بھی جو موت سے بچ رہے تھے اور جان بچا کر نکل بھاگنے کی طاقت رکھتے تھے میدان سے نکل بھاگے یوں ہارا ہوا میدان ہنگشوں کے ہاتھ رہا۔ خٹکوں کے ایک سو چالیس آدمی اس لڑائی میں کام آئے۔ زخمیوں میں خوشحال خان کے علاوہ اس کا بیٹا عبدالقادر خان (۱۳۷) بھی شامل تھا۔ عابد خان کی طرح عبدالقادر خان نے بھی اس لڑائی میں خوب مردانگی کے جوہر دکھائے۔ اس نے اپنے ایک حریف کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر خوب کشتی کی۔

خوشحال خان نے جنگ گگبت کا حال لکھتے ہوئے خٹکوں کی بے وفائی، بدنظمی اور عدم استقلال کی بہت مذمت کی ہے البتہ مہمندیوں نے جو قبیلہ خٹک میں شروع سے خوشحال خان کے بہت زیادہ وفادار چلے آ رہے تھے اس لڑائی میں بھی حسب معمول استقلال اور ثابت قدمی سے خوشحال خان کا ساتھ دیتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا۔ خوشحال خان کہتا ہے کہ "مہمندیوں کے دستے پر سیکڑوں رحمتیں ہوں کہ ان کی رفاقت میرے ساتھ دل و جان سے تھی۔" (۱۳۸)

اپنے زخمی ہونے کا ذکر اور میدان جنگ سے بھاگ نکلنے کا عذر اس طرح کرتا ہے:

کہ زہ روغ بہ خائے ولاڑ وے علیم څہ وہ

اگر میں تندرست اپنی جگہ کھڑا رہتا تو دشمن کی کیا حقیقت تھی

پشتو	اردو
د بېرهار به کار مې درسته وېراني وه	مگر زخم نے میرا سارا کام بگاڑ دیا
چې مې زخمه له میدانه ځي نامرد وي	جو بغیر زخم کھائے میدان سے جائے نامرد ہے
زه زخمي لاړم د خان نگهباني وه	میں نے زخم کھا کر میدان کو چھوڑا کہ جان بچانا شرط تھی
بېره تېښته نامردي بله مردي ده	ایک بھاگنا بزدلی کا اور دوسرا مردانگی کا ہوتا ہے
د دانا ورته دا دواړه عیاني وه	دانا دونوں کے فرق کو بخوبی جانتا ہے
انتقام وته مې تېښت وه له میدانه	میں انتقام لینے کیلئے میدان جنگ سے بھاگا تھا
نه مې یاده د دنیا زندگاني وه	نہ کہ مجھے دنیا میں جینے کی آرزو تھی
تل خوني زمري هم جنگ کا هم خان ژغوري	خونی شیر ہمیشہ لڑتے بھی ہیں اور جان بھی بچاتے ہیں
د زمري د تېښتې څه بدگماني وه	بھلا شیر کے بھاگنے سے کیوں بدگمانی پیدا ہو
که ظفر که هزیمت یا مې میدان دے	خواہ فتح ہو یا شکست میری جگہ پھر بھی میدان ہی ہے
چې د پلار نیکه مې پر څه میداني وه	کہ یہی میرے باپ دادا کی میراث ہے
که ژوندے به دنیا پایم خود به گوري	اگر میں زندہ رہا تو دیکھ لو گے
چې به تیغ مې څه وراني څه وداني وه	کہ میری تلوار سے کیا بربادی و آبادی ہوتی ہے
د خوشحال اختیار تر واړه بنگش تیر دے	اگر خٹک وکرلانی[139] میں کچھ غیرت ہوئی
که څه ننگه د خټک د کرلاني وه	تو (آملیں گے) کہ خوشحال سارے بنگشوں سے کہیں زیادہ صاحب قوت و اختیار ہے۔[140]

کبت کی لڑائی حسن ابدال سے شہنشاہ کے سفر واپسی کے دوران میں لاہور سے روانگی سے دس دن پہلے ۹ ذی الحجہ ۱۰۸۶ھ کو ہوئی تھی۔[141] اس لڑائی کے بعد خوشحال خان چوترہ چلا گیا۔[142]

بادشاہزادہ محمد معظم کا مہم افاغنہ پر تعین: جنگ کبت کے سات مہینے آٹھ دن بعد یعنی سترہ شعبان ۱۰۸۷ھ (۲۵ اکتوبر ۱۶۷۶ء) کو شہنشاہ نے اپنے بڑے لڑکے محمد معظم کو شاہ عالم بہادر کا خطاب دے کر مہم افاغنہ پر متعین کیا اور خلعت فاخرہ اور انواع و اقسام کے انعامات و اکرامات سے سرفراز کر کے بڑے امیروں کے ہمراہ ایک زبردست توپخانہ، بے شمار خزانہ اور ساز و سامان جنگ کے ساتھ کابل روانہ کیا۔[143] میر خان ولد خلیل اللہ خان جو سترہویں سال جلوس (رمضان ۱۰۸۴۔۸۵ھ) کے اواسط میں منصب سے برطرف کیا گیا تھا۔[144] اور پھر جلد ہی اٹھارہویں سال جلوس (رمضان ۱۰۸۵۔۸۶ھ) کے اوائل میں امیر خان کا خطاب پا کر چار

ہزاری ذات تین ہزار سوار کا منصب دار مقرر کیا گیا تھا۔(۱۳۵) محرم ۱۰۸۸ھ (مارچ ۱۶۷۷ء) میں شاہ عالم بہادر کی سفارش سے اعظم خان کوکہ (فدائی خان مظفر حسین) کی جگہ کابل کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ شہنشاہ نے دیگر امرا سمیت امیر خان کو بھی بادشاہزادہ کے ساتھ ہندوستان سے رخصت کیا تھا۔ جب یہ اٹک پہنچے تو خوشحال خان کے پاس دوستی کا پیغام بھیج کر اسے طلب کیا۔ قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ امیر خان خوشحال خان کے محسن و مربی اصالت خان میر عبدالہادی کا بھتیجا تھا اور خوشحال خان کے ایام حبس میں اپنے خاندان کے ساتھ اس کے تعلقات کا حق بجا لاتے ہوئے حتی المقدور خوشحال خان کی رہائی کے لیے محمد امین خان کے ساتھ مل کر کوشش کی تھی۔ خوشحال خان نے اصالت خان اور خلیل اللہ خان کے احسانات دیرینہ اور امیر خان کے احسان کے پیش نظر جو اس نے خوشحال خان کے ساتھ اس کی قید کے دوران میں کیا تھا۔(۱۳۶) جواب میں کہلا بھیجا

"ما په گوشه کښې پرېږدئ کۀ پخوا مې بد کړه د تاسو سره نۀ کړم" یعنی "مجھے ایک کونے میں چھوڑ دیجیے اگرچہ میں پہلے دشمنی کرتا تھا مگر آپ کے ساتھ نہیں کروں گا"۔(۱۳۷)

خوشحال خان کا یہ فقرہ جو افضل خان نے واقعات پیش نظر لکھتے ہوئے نقل کیا ہے۔ جذبہ انتقام اور احساس احسان و امتنان کی جس کشمکش کے درمیان لکھا گیا ہے وہ اس سے بخوبی عیاں ہے۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ تیس پینتیس سال پہلے کے واقعات جب کہ ہندوستان اور بلخ و بدخشان میں امیر خان کے چچا کے ماتحت عالم شباب میں خوشحال خان نہایت جوش اور ولولہ کے ساتھ سلطنت مغلیہ کی شاندار خدمات انجام دے رہا تھا اور دل میں گوناگوں امنگیں لیے ہوئے گھوڑے کے لیے سونے کی رکابیں اور چاندی کے نعل بنانے کی امیدیں رکھتا تھا۔(۱۳۸) ان کی آنکھوں کے سامنے آ گئے تھے اور پھر جب ان امیدوں کے بر لائے جانے کی جگہ اسے پاؤں میں [illegible] بیڑیاں پہنائی گئیں اور ہندوستان لے جایا گیا تو اس وقت اپنے مرحوم محسن کے بھتیجے نے جو احسان [illegible] بھی یاد آ گیا تھا۔ سو اس نے بے اختیار کہہ دیا کہ "کۀ پخوا مې بد کړه د تاسو سره نۀ کړم" یعنی "اگرچہ پہلے میں دشمنی کرتا تھا مگر آپ کے ساتھ نہیں کروں گا"۔

ان باتوں کے ساتھ چند خارجی اسباب بھی تھے جو خوشحال خان کے لیے دشمنی اور مخالفانہ سرگرمیوں کو جاری رکھنا مشکل سے مشکل تر بنا رہے تھے۔ افغان اور اس کا اپنا قبیلہ اور بیٹے بھی غافل اور اس سے روگرداں ہو رہے تھے۔ خصوصاً اس کا بیٹا بہرام خان تو علی الاعلان اس کے خلاف شمشیر بکف اور لشکرکش رہا تھا۔ اگرچہ کچھ عرصے سے وہ خاموش اور بظاہر باپ کا فرمان بردار

ہو گیا تھا مگر وہ اپنی نا اہلی اور بد طینتی سے باپ کو کافی پریشان کر چکا تھا۔ اور آئندہ کے لیے بھی اس سے بھلائی کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ اشرف خان بھی اگرچہ باپ کے مقابلے میں نہ آتا تھا مگر وہ مغلوں کا ملازم تھا اور حسب الحکم باپ کے ساتھیوں کے خلاف لڑنے سے دریغ نہ کرتا تھا۔

مگر ان سب باتوں یعنی امیر خان کے ساتھ تعلقات اور متذکرہ مشکلات کے ہوتے ہوئے خوشحال خان کے سامنے وہ عہد بھی تھا جو وہ اپنے دل کے ساتھ کر چکا تھا کہ آئندہ وہ ہمیشہ مغلوں کے ساتھ اکڑ تن کر باتیں کرے گا اور ان کے سامنے کبھی سر نہ جھکائے گا۔ چنانچہ اس نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اگر میں نے پھر مغلوں کے سامنے سر جھکایا تو میرا سر گر جائے۔ اور یہ دعا بھی مانگی کہ ''جب اس سفید داڑھی کے ساتھ میں افغان ہو گیا ہوں تو اس کے بعد خدا مجھے مغل نہ ہونے دے۔''(۱۴۹) اس لیے اگر اس نے بادشاہزادہ اور امیر خان کو یقین دلایا کہ وہ آئندہ حکومت کے ساتھ دشمنی نہیں کرے گا تو ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ ''ما پہ کوٹی کښې پرېږدئ'' یعنی ''مجھے ایک کونے میں چھوڑ دیجئے۔'' مگر امیر خان اسے چھوڑنے والا نہ تھا وہ صرف اسی کو کافی نہ سمجھتا تھا کہ خوشحال خان نے اسے حکومت کے ساتھ دشمنی نہ کرنے کا یقین دلایا چنانچہ اس نے خوشحال خان کو جواب میں لکھا کہ ہم تو افغانوں کے ساتھ صلح کرنے کے لیے آئے ہیں اگر آپ میرے پاس آ جائیں تو اور افغان بھی سب آ جائیں گے۔ اور میری صوبہ داری کا نقش اچھی طرح بیٹھ جائے گا۔(۱۵۰)

عارضی صلح: جب خوشحال خان کو امیر خان کا خط ملا تو چار و ناچار پشاور جا کر شاہ عالم بہادر کی ملازمت اختیار کر لی۔ امیر خان بادشاہزادہ سے آگے خیبر روانہ ہو گیا تھا اس کے بعد بادشاہزادہ نے کوچ کیا۔ خوشحال خان بھی اس کے ساتھ تھا۔ امیر خان نے غریب خانہ (لنڈی خانہ) کے مقام پر بادشاہزادہ کا استقبال کیا۔ امیر خان نے خوشحال خان کو دیکھ کر بڑی خوشی اور محبت کا اظہار کیا اس سے بغل گیر ہوا اور دو ہزار روپے خرچ کے لیے دیے۔ جب شہنشاہ کو معلوم ہوا کہ خوشحال خان نے شاہ عالم بہادر کے پاس جا کر اس کی ملازمت اختیار کر لی ہے تو شہنشاہ نے بادشاہزادہ اور امیر خان کو لکھا کہ خوشحال خان کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور جس طرح اور جس منصب سے وہ خوش ہوتا ہے اسے راضی کریں۔ جب بادشاہ کی یہ ہدایت شاہ عالم بہادر اور امیر خان کو ملی تو بادشاہزادہ نے سیف خان کے ذریعہ خوشحال خان کو کہلا بھیجا کہ بادشاہ نے آپ کو ہزاری دو ہزاری تک منصب عطا کرنا منظور کیا ہے آپ اسے قبول کیجئے۔ خوشحال خان نے اس کے

جواب میں عرض کیا کہ "بادشاہ کی طرف سے مجھ پر ستم ہوا ہے میں بادشاہ کی نوکری کی خواہش نہیں رکھتا اگر خدا نے آپ کو بادشاہت دی تو بڑھاپے میں بھی آپ کی نوکری کروں گا۔"

امیر خان نے خوشحال خان کو رخصت کرنے سے پہلے اس سے خواہش کی تھی کہ وہ امیر خان کے ساتھ کابل تک جائے تاکہ اس کے ذریعے دوسرے افغانوں کے ساتھ بھی صلح ہو جائے مگر خوشحال خان اس پر آمادہ نہ ہوا اور جواب دیا کہ میرا مقصد آپ کی ملاقات تھی سو وہ ہو گئی رہی صلح تو اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ امیر خان نے خوشحال خان کو فتح آباد (۱۵۱) سے رخصت کیا اور خوشحال خان کے بیٹے سکندر خان کو اپنے ساتھ کابل تک لے گیا۔ رخصت کے وقت خوشحال خان کو ایک گھوڑا سروپا (خلعت) اور ایک خنجر مرصع شاہ عالم بہادر نے دیا تھا۔ ایک گھوڑا اور سروپا مہاراجہ جسونت سنگھ نے اور دو ہزار روپے بمع سروپا امیر خان نے دیے تھے اور ایک سروپا رام سنگھ نے دیا تھا۔ (۱۵۲)

اس صلح سے پہلے ہی بوجہ چھ سات مہینے متواتر بارش نہ ہونے اور قحط کے یوں بھی فریقین کے درمیان لڑائی بند ہو چکی تھی۔ قحط اور خشک سالی اور اس کے بعد افغانوں اور مغلوں کے درمیان صلح کا ذکر کرتے ہوئے خوشحال خان اپنی ایک نظم میں کہتا ہے:

"چھ سات مہینے ہندوستان و خراسان میں میدانوں اور پہاڑوں میں کہیں بارش نہ ہوئی۔ پانی اور گھاس کی کمی اور ہر جگہ اناج کی مہنگائی ہوئی۔ جب یاس و نومیدی کے بعد مینہ برسا تو یہ فتح الباب (برسات کا آغاز) تحویل سرطان (تیر ماہ ۲۲ جون۔ ۲۲ جولائی) میں ہوا۔ اسد (ماہ امرداد ۲۳ جولائی۔ ۲۲ اگست) کی انیسویں (۱۵۳) تک ہر روز بارش ہو رہی ہے۔ اور ساری دنیا اس سے تر و تازہ ہو گئی ہے۔ اس سال جو شاہ عالم ہندوستان سے آیا تو مغلوں اور افغانوں کی صلح ہو گئی۔ یہ سال جس کی تاریخ "رحمت تم" (۱۰۸۸ھ) ہے ہر لحاظ سے لوگوں کے لیے مبارک ہے۔" (۱۵۴)

اس قطعہ میں خوشحال خان قلت باراں اور قحط کے بعد وبا کا ذکر کرتا ہے۔ گزشتہ واقعات کی روشنی میں اس صلح کی چند وجوہات جو ہم قیاس کر سکتے ہیں وہ پانچ چھ سال کی پیہم لڑائی سے فریقین کا نقصان، حکومت کے سامنے سلطنت کے دیگر حصوں میں اہم معاملات و مشکلات اور بادشاہ کے حسن ابدال آنے کے بعد جنگ کے رخ کا حکومت کے حق میں بدلتے جانا اور اس کی مراجعت کے وقت بحیثیت مجموعی حکومت کا غلبہ ہونا اور شاہ عالم بہادر اور امیر خان کے (؟)

(ولایت افاغنہ) میں ورود کے وقت فریقین کا خشک سالی اور قحط کے اثرات سے پریشان ہونا ہیں۔ علاوہ بریں جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ کر چکے ہیں امیر خان کے والد خلیل اللہ خان اور چچا امانت خان کے ساتھ خوشحال خان کے دیرینہ تعلقات اور امیر خان کے اپنے احسانات بھی جو اس نے خوشحال خان کے ساتھ کیے تھے اس صلح کے محرک ہوئے۔ مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے صلح کا سبب زیادہ تر افغانوں کی بے حسی اور خصوصاً خوشحال خان کے اپنے قبیلے اور بیٹوں کی مغلیت تھی۔

اس صلح کا جو حشر ہونا تھا اس کا اندازہ خوشحال خان کے ان الفاظ سے اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے جو اس نے امیر خان کی اس خواہش کے جواب میں کہے تھے کہ وہ بھی اس کے ساتھ کابل جائے تاکہ اس کے ذریعے اور افغانوں کے ساتھ بھی صلح ہو جائے۔ یہ ہیں وہ الفاظ: "د تا لہ دل د ما مطلب وه و شو نور په صلح د ما مطلب غرض نشته." یعنی "میرا مطلب تو آپ کو ملنا تھا وہ پورا ہو گیا رہی صلح تو اس کے ساتھ میرا سروکار نہیں۔"(155) اور وہ غیر فانی نظم بھی ملاحظہ فرما لیجیے جو اس نے جترہ سے بادشاہزادہ اور امیر خان کے پاس روانگی کے بعد لکھی تھی۔(156)

دیې ننګه پښتنو له غمه ما	بے غیرت افغانوں کے غم سے
لوړه پریښوه ونیوله کمه ما	میں نے اونچائی چھوڑ کر نیچائی اختیار کر لی
داهم به ښه په دا کار کښې هومره کار وي	خیر اگر اس [illegible] (ظالم) سے انتقام لینے میں نکل آئے
چې که واخست انتقام له ګرمه ما	تو اچھا ہی ہے
چې د ننګ ګوهر مې مات شو دواړه سترګې	جب میرا گوہر حیت ٹوٹ گیا
په ژړا نه کړې یو دم بې نمه ما	تو میں نے روتے روتے دم بھر کے لیے آنکھوں کو بے نم ہونے دیا۔
[illegible] ډر مې په لاس نه راغې بېړۍ	گوہر مقصود میرے ہاتھ نہیں آ رہا
[illegible]ستاده کړه په ساحل له یمه ما	سو میں نے کشتی سمندر سے لا ساحل پر کھڑی کر دی
[illegible]لا مې چې په هود سره لوے غروه	آہ میری وہ کمر جو قوت اور عزم و استقلال کے سے ایک کوہ عظیم تھی
[illegible] ناکام کړه و مغل ته خمه ما	چار و ناچار میں نے مغل کے سامنے خم کر دی

هم د بخت و ماته شا شوه هم د خلقو	بخت نے بھی اور لوگوں نے بھی مجھ سے منہ موڑا
په مغل کړو خکه مخ له همه ما	اس لیے غم والم سے میں نے منہ مغل کی طرف کرلیا
كه مې لاس وے په رضا به مې كښې نيول	اگر میرے بس میں ہوتا تو طوعاً
د مغل په لوري دوه قدمه ما	مغل کی طرف دو قدم بھی نہ چلتا
د هغو له خلې كړې خبرې اورم	اب ان کی منہ سے تیز بھی باتیں سن رہا ہوں
جې خبره ورته نه کړه سمه ما	جن سے میں نے کبھی سیدھی بات نہ کی تھی
دم د [illegible]لو د پردیو را معلوم شو	اگرچہ میں اپنے آپ کو مذمت سے بچاتا تھا
كه هر څو ساتهٔ خپل خان له ذمه ما	مگر جان گیا کہ اپنے پرائے میری مذمت کررہے ہیں
په هغو لويو خبرو شرمسار يم	ان بڑے بولوں کے سبب شرمسار ہوں
جې هر چا ورته اوكړې له فمه ما	جو ہر ایک کے سامنے منہ سے نکالا کرتا تھا
سل غندنې پېغورونه رادرخار شول	مجھ پر سینکڑوں طرح کی لعن طعن ہونے لگی
جې به خان ساته هميش له ذمه ما	حالانکہ میں ہمیشہ اپنے آپکو ملامت سے بچاتا تھا
دا الم مې هيڅ الم سره سم نه دے	اگرچہ میں نے ہزاروں آلام دیکھے ہیں
كه ليدلي دي هزار المه ما	مگر یہ الم سب سے بڑھ کر ہے
مگر بخت راسره بيا مدد آغاز كا	شاید بخت پھر سے میری یاوری کرے
جې فارغ كا د اندوه له سمه ما	اور مجھے اس غم سے نجات دے (۱۵۷)

جہاں یہ نظم صلح کے انجام کا پتہ دیتی ہے۔ وہاں اس سے صلح کے اصل سبب کا اندازہ بھی اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں یہ نظم خوشحال خان کے اس رنج قلبی اور ذہنی کوفت اور جذبہ انتقام کی بھی آئینہ دار ہے۔ جو شاہ عالم بہادر اور امیر خان کے پاس صلح کے لئے جاتے ہوئے اس کے قلب میں موجزن تھا اور صلح کی ناپائیداری کو ظاہر کر رہا تھا۔

امیر خان اور افغان: شاہ عالم بہادر ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۸۸ھ (۲۵_اگست ۱۶۷۷ء) کو کابل پہنچا۔ (۱۵۸) کابل میں چند مہینے قیام کرنے کے بعد ۶ ذی الحجہ ۱۰۸۸ھ (۳۰ جنوری ۱۶۷۸ء) کو واپس دہلی پہنچا۔ (۱۵۹) اور امیر خان نے مندرجہ بالا واقعات کے بعد ۲۷ ربیع الآخر ۱۰۸۹ھ (۱۸ جون ۱۶۷۸ء) کو اپنے محال پر پہنچ کر اپنے فرائض کا چارج لیا۔ (۱۶۰)

خافی خان کے بیان کے مطابق جب حسب الحکم بادشاہی بادشاہزادہ محمد معظم (شاہ عالم)

بہادر) متوجہ لاہور ہوا تو آغر خان نے ننگر ہار میں قلعہ آغر آباد کی بنیاد رکھی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جب افغانوں میں اس قلعے کی تعمیر کی خبر مشہور ہوئی۔ تو انہوں نے آغر خان پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر بے کران و بے پایاں اکٹھا کیا اور سرزمین لمغان پہنچے۔ (۱۶۱)

خافی خان ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے آغر نامہ کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کرتا ہے:-

"حصارے دراں عرصہ بنیاد کرد — باندک توجہ قلعہ آباد کرد
چو آں قلعہ گردید آنجا تمام — شدش زاں سبب آغر آباد نام
افاغنہ زہر سو برانگیخت سر — ہمہ بستہ بر خون آغر کمر
زحد اٹک تا حد قندہار — پدیدہ آمدہ لشکر بے شمار
ہمہ جمع گشتند بہر مصاف — تو لشکر مگو بلکہ یک کوہ قاف
مسلح ہمہ گشتہ از بہر کیں — رسید بر حد لمغان زمیں" (۱۶۲)

جب امیر خان کو آغر خان پر حملہ کرنے کی نیت سے افغانوں کے اجتماع کی خبر ملی تو اس نے اپنے داروغہ توپ خانہ مسمی محمد رضا کو قریباً ایک ہزار سوار اور توپ خانہ بادشاہی کے ساتھ آغر خان کی کمک کے لئے روانہ کیا۔ آغر خان نے بھی افغانوں کے حملے کی خبر پا کر فوج کی ترتیب شروع اور محمد رضا کو مع توپ خانہ اور اس کے ساتھ اپنے کارزار دیدہ بھائیوں میں سے بھی ایک کو ہراول بنایا اور ایک طرف اپنے سگے بھائی تنگری وردی خان کو بہت سے آزمودہ کار سپاہیوں سمیت متعین کیا اور دوسری جانب (حکومت کے طرف دار) افغانوں اور راجپوتوں کو سلطان نزاد اوائے گکھڑ کی سرداری میں (روہ کے وطن دوست) افغانوں کے مقابلہ کے لئے مقرر کیا۔ دوسری طرف ایمل خان نے بھی فوج کو مرتب کیا اور بڑے زور و شور کی لڑائی چھڑی۔ افغانوں کے پے بہ پے حملوں سے بادشاہی فوج کا حال پتلا ہونے لگا۔ اور قریب تھا کہ اسے صدمہ عظیم پہنچا مگر آغر خان کی استقامت و شجاعت کی وجہ سے افغانوں کے لشکر میں تزلزل برپا ہوا۔ آغر خان اپنے بیٹے اور بھائی اور دوسرے دلاوروں سمیت جس طرف رخ کرتا کشتوں کے پشتے لگا دیتا۔ دوسری دفعہ قریب تھا کہ بادشاہی فوج نقصان عظیم اٹھاتی مگر آغر خان قلب لشکر سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ اور افغانوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ چند سواروں کے مارے جانے کے بعد باقی ماندہ افغانوں نے بھی

راہ فرار اختیار کی۔

اس کے بعد خافی خان لکھتا ہے کہ نقل کرتے ہیں کہ تمام افغانان خیبر ولمغان کی شکست کے بعد ایمل خان مردانہ وار اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔ آغر خان دشمنوں کو قتل کرتا ہوا اس تک جا پہنچا قریب تھا کہ ایمل خان اس کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ کیونکہ وہ بھی مرنے کے لئے مستعد تھا مگر جو افغان جو اس کے پاس رہ گئے تھے۔ اسے میدان جنگ سے نکال لے گئے۔ (۱۶۴) افغانوں نے دروں اور پہاڑوں کے غاروں میں چھپ کر پناہ لی۔ اور ان پر ایسا خوف و ہراس غالب ہوا کہ جب مغل ان کا تعاقب کر کے انہیں اپنی جائے پناہ سے نکالتے تھے تو ان کی مردہ صورتوں میں جان دکھائی نہ دیتی تھی۔ آغر خان نے اس فتح نمایاں کی عرضداشت بہت سے قیدیوں اور ستر سو سروں سمیت بادشاہ کے پاس بھیجی۔ اور مورد عنایات بے پایاں ہوا اور اصل و اضافہ سے چہار ہزاری ذات ہزار سوار کا منصبدار ہوا اور اس کی تلوار کی دھاک اور افغان کشی کی شہرت اس حد تک زبان زد خاص و عام ہوئی کہ افغان مائیں اپنے بچوں کو سلانے کے لئے انہیں آغر خان کے نام سے ڈرایا کرتی تھیں۔ (۱۶۵)

خافی خان جس مبالغہ آمیز پیرایہ میں افغانوں کے خلاف مغلوں کی کامیابیوں کا حال بیان کرتا ہے اس سے بہت حد تک حقیقت حال فوت ہو جاتی ہے۔ سرکار نے دوران صوبہ داری امیر خان میں بادشاہی فوج اور افغانوں کے درمیان لڑائیوں کی تفصیل نہیں کی۔ اور صرف اسی قدر لکھا ہے کہ جب ضلع جلال آباد میں ایمل خان کی فوجوں پر امیر خان کا پہلا حملہ ناکام ہوا۔ (۱۶۶) تو امیر خان نے افغانوں کے خلاف سیاسی حربے استعمال کرنا شروع کئے۔ (۱۶۷) اگر ہم خافی خان کے بیان کو تسلیم بھی کر لیں تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے مغلوں کی کامیابیوں کو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جائے گا۔ مغلوں نے افغانوں کے خلاف فتح میدان جنگ میں نہیں بلکہ بساط سیاست پر حاصل کی۔

جنگ ڈوڈہ: اس سے پہلے کہ ہم افغانوں پر مغلوں کی آخری اور مکمل فتح کا جو بجائے زور شمشیر قوت تدبیر سے حاصل کی گئی تھی کا ذکر کریں مغلوں اور ان کے طرفداروں کے خلاف وطن دوست افغانوں کی آخری فتح اور چند دیگر واقعات کا حال بیان کرتے ہیں۔ کہت میں بنگشوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد خٹکوں نے چند مرتبہ بنگشوں پر حملے کر کے ان کے آدمیوں کو قتل کیا مگر پوری طرح انتقام نہ لیا تھا۔ ۱۰۹۱ھ میں خوشحال خان نے چھ سات ہزار خٹکوں کا لشکر تیار کر کے بنگشوں

کے علاقہ پر تاخت کی۔ ایک دستہ کی کمان اس کے نوعمر پوتے افضل خان بن اشرف خان کے ہاتھ میں تھی۔ افضل خان نے پہلے موضع شادی پور میں جو کوہاٹ کے شمال مشرق میں خٹکوں کے علاقہ میں واقع ہے، قیام کیا۔ اور پھر بنگشوں کے علاقہ کی طرف پیش قدمی کر کے بنگشوں کے گاؤں شادی خیل (جو کوہاٹ سے جانب جنوب مشرق قریباً ۱۱-۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) کے قریب بنگشوں کے تین قلعوں کو مسمار کیا۔ اور ان کے اکثر افراد قتل اور اسیر ہوئے۔ جو بچ رہے وہ ڈوڈہ کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ڈوڈہ شادی خیل کے قریب ہی جانب شمال مغرب کوہاٹ کے جنوب میں قدرے شرقاً کوئی ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ڈوڈہ کا قلعہ بہت مستحکم اور محفوظ جگہ پر واقع تھا۔ خٹکوں نے دو طرف سے قلعے پر حملہ کیا۔ اور محصورین نے آخرکار تنگ آ کر پناہ مانگی۔ اور اس مقصد کے واسطے خٹک لشکر کی طرف آدمی روانہ کئے۔ اس اثنا میں خٹک لشکر کے سوار اور پیادے قلعے کے قریب پہنچے تو ان پر اہل قلعہ نے بندوقوں سے گولیاں چلائیں۔ خٹکوں نے بھی یورش کی اور بزور قلعہ میں داخل ہو کر محصورین کا قتل عام شروع کیا۔ ایک سو ساٹھ آدمی تہ تیغ کئے گئے۔ جو بچ رہے انہیں امان دی گئی اور قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ خٹکوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا۔ اس لڑائی میں خوشحال خان کے بیٹے عابد خان نے حسب معمول خوب داد شجاعت دی اور صدر خان نے بھی جس نے اس سے پہلے لڑائی نہ دیکھی تھی، اپنے نیزہ کو دشمن کے لہو سے سرخ کیا۔ فتح ڈوڈہ کی خوشی میں خوشحال خان نے چھتر اشعار پر مشتمل جو قصیدہ لکھا ہے اس کے چند منتخب اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:۔

"په آسمان کښې له هیبته یو لرزه شوه	"آسمان پر مارے ہیبت کے لرزہ طاری ہوگیا
له هیبته په آسمان کښې په لرزه شو	مارے ہیبت کے آسمان میں لرزنے لگا
چه د تورو ترپا واوریده بهرام	جب بہرام (مریخ) نے تلواروں کی کاٹ کی آواز سنی (۱۶۸)
د ټوپکو د ویشتلو په لوګیو	بندوقوں کے چلنے سے وہ دھوئیں اٹھے
بل انم آسمان پیدا شو کبود فام	کہ ایک نیلگوں آسمان پیدا ہوگیا۔ (۱۶۹)
د خټکو نیزې هسې تلې په زغره	خٹکوں کے نیزے زرہ بکتروں میں سے یوں گزر رہے تھے
لکه ستن په خیمه درومي د خیام	جیسے خیمہ دوز کی سوئی خیمے سے گزرتی ہے
د خټکو نیزه بازو سورو توې کړو	خٹک نیزہ باز سواروں نے
د بنګښو د سورو فوج ی تمام	سارے بنگش رسالہ کو مار گرایا

که مې پښه په ګنبت وښوئیده څه شو
په همت مې ثابتي وه د اقدام
شپږ اووه زره خټک وو په دا جنګ کښې
په اولجه سره خوشحال شو هر کدام
د ګنبت جنګ مې په ننګ د پښتانه وه
بل غرض مې پکښې نه وه نه مرام
د دې جنګ ناري به درومي په ملکونو
بري خبيري به همه پښتون په نام
چې د دې سوبې آواز وشي په هند کښې
بيا به زغ شي د باچاه په خاص و عام

چې په نام پښتون غوغېري بري خبيري
اورنګ زيب هسې بادشاه دے د اسلام
دا سنه تحويل زر يو نوي رجب وه
په دريم د جنګ آغاز شو دا کلام"

اگر گنبت میں میرا پاؤں لڑکھڑا گیا تو کیا ہوا
میں پھر بھی اپنی ہمت کی وجہ سے ثابت قدم رہا
اس لڑائی میں چھ سات ہزار خٹک تھے
سب کے سب مال غنیمت پا کر خوش ہوئے
میں گنبت کی لڑائی افغانوں کی عزت کے لئے لڑا تھا
میرا کوئی اور مطلب ومقصد نہ تھا۔
اس لڑائی کے آوازے دور دور ملکوں میں پہنچیں گے
اور انہیں سن کر افغان ہر جگہ خوش ہوں گے
جب اس فتح کی خبر ہندوستان پہنچے گی
تو بادشاہ کے دیوان ہائے خاص وعام میں ہنگامہ بپا ہو جائے گا

جہاں کہیں افغان کلتے ہیں تو یہ خوش ہوتا ہے
واہ اورنگ زیب بھی کیسا بادشاہ اسلام ہے۔
اس کی تحویل ۱۰۹۱ھ میں رجب کا مہینہ تھا (۱۷۰)
لڑائی کے تیسرے دن اس کلام کا آغاز ہوا"۔ (۱۷۱)

خوشحال خان اور اشرف خان کی آویزش: ڈوڈہ کی لڑائی سے کچھ عرصہ پہلے خوشحال خان اور اشرف خان کے درمیان غلط فہمی سی پیدا ہوگئی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ خوشحال خان اپنے چند بیٹوں سمیت اشرف خان کے صلاح ومشورہ کے بغیر محال تری و بولاق چلا آیا اور یہ مقام یوٹ (۱۷۲) ڈیرے ڈال کر اس جگہ کی 'خاربندی' کی۔ ڈوڈہ کی لڑائی کے بعد باپ بیٹے کے تعلقات کچھ اور بھی خراب ہوگئے۔ اور کچھ فوجی نقل وحرکت اور چپقلشیں بھی ہوئیں۔ مگر اشرف خان خود باپ کے مقابلے میں نہ آیا۔ خوشحال خان نے قلعہ لاچی میں اشرف خان کے آدمیوں کو محصور کیا۔ اشرف خان نے افضل خان کو کہا کہ وہ لشکر لے کر محصورین کی امداد کے لئے جائے، انہیں چھڑائے اور یا خوشحال خان سے مصالحت کرے۔ محصورین نے امان طلب کی اور خوشحال خان نے قلعہ مسمار کر ڈالا۔ اشرف خان کے آدمیوں نے بھی بعض دیہات پر تاخت کی اور لاچی میں تھانہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور محال تری و بولاق کے اکثر لوگوں نے بھی اس کی

دنوں خوشحال خان اور مغلوں کی صلح ہورہی تھی ان دنوں بہرام خان بظاہر باپ کا مطیع و فرمانبردار تھا۔ اس سے پہلے جب خوشحال خان علاقہ یوسف زئی میں اس قبیلہ کا لشکر فراہم کرنے کی غرض سے مقیم تھا۔ ان دنوں بہرام خان پر جلبئی (تحصیل صوابی ضلع مردان) میں سرائے اکوڑے اشرف خان کے آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ بہرام خان بھاگ کر باپ کے پاس چلا گیا۔ اور اس کے پاؤں پڑ کر معافی مانگی۔ چنانچہ خوشحال خان نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ (۱۷۴) جب خوشحال خان یوسف زئیوں کے علاقہ سے اپنے علاقہ آنے لگا تو بہرام کو بھی ساتھ لے آیا۔ اور اشرف خان سے اس کی سفارش کی۔ بہرام خان بڑے بھائی کے بھی پاؤں پڑا۔ اور اشرف خان نے بھی اس کا قصور معاف کر دیا جب امیر خان کابل کا صوبہ دار ہوا تو اشرف خان نے اس سے بہرام خان کی سفارش کر کے اسے منصب بھی دلوا دیا۔ بہرام خان بظاہر تو باپ اور بڑے بھائی کا فرمانبردار تھا۔ مگر درپردہ برادران کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا۔ اور اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اشرف خان کا منصب و جاگیر اسے مل جائیں۔ بلکہ ۱۰۹۰۔۹۱ ھ میں تو ہم اسے کھلم کھلا باپ کے خلاف برسر پیکار پاتے ہیں۔ (۱۷۵) امیر خان بھی دو تین باتوں کی وجہ سے اشرف خان سے ناراض ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک اشرف خان کے خویش آزاد تلکیانی کی امیر خان سے سرکشی۔ اور دوسری اشرف خان کی صوبہ دار کی خواہش کے مطابق اس کے ساتھ کابل جانے سے پہلو تہی تھی۔ آزاد تلکیانی کو اشرف خان نے سوات بھیج دیا تھا اور اس کے اہل و عیال کو اپنے پاس رہنے دیا۔ آزاد تلکیانی نے سوات سے دوآبہ پر تاخت کر کے کچھ ابتری پھیلائی اور پھر ابراہیم خان ولد علی مردان خان کے ساتھ ہندوستان چلا گیا۔ امیر خان نے بہت کوشش کی کہ ابراہیم خان سے جدا ہو کر اس کی طرف رجوع کرے مگر آزاد کو اس پر اعتبار نہ تھا۔ چنانچہ بادشاہ سے اجازت حاصل کر کے امیر خان نے راجہ رام سنگھ کے پاس جمرود حکم بھیجا کہ وہ اشرف خان کو گرفتار کرے۔ راجہ رام سنگھ نے جو ایک زمیندار تھا اس بات کو قبول نہ کیا اور کہا کہ یہ میرا کام نہیں۔ چنانچہ امیر خان نے اشرف خان کے دوست سید بھولا ولد شہامت خان کو بہ حیلہ و فن اشرف خان کی گرفتاری کے لیے کہا۔ ۱۰۹۲ھ میں ثور کی آخری (۲۱ مئی) یا جوزا کی پہلی تاریخ (۲۲ مئی) (۱۷۶) کو اشرف خان راجہ رام سنگھ سے اس کے حسب الطلب جمرود میں ملا۔ راجہ رام سنگھ اس سے بہت عزت سے پیش آیا اور ایک سروپا اور ایک دھدھگی (گلے میں پہننے کا زیور جو سینے تک لٹکا ہوا ہوتا ہے) بھی دی اور رخصت کرتے وقت اشارۃً کہہ دیا تھا کہ پشاور میں سے گزر کر نہ جائے بلکہ بیرون شہر سے گزر

ہوا گھر جائے۔ مگر اشرف خان دولت خواہی پر نازاں تھا اور چونکہ اس کے دل میں حکومت کے خلاف کچھ نہ تھا اس لیے وہ رعبہ کے اشارہ کو نہ سمجھا اور پشاور میں داخل ہو کر اپنے دوست سید بھولا کے ہاں اترا۔ سید بھولا بھی خدا سے یہی چاہتا تھا۔ اشرف خان کو کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں کھانے کا انتظام کر کے آتا ہوں۔ کھانا کھا کے جانا۔ سید بھولا کے جانے کے تھوڑی دیر بعد اشرف خان نے اپنے آپ کو شاہی سپاہیوں میں گھرا ہوا پایا۔ جنہوں نے اسے امیر خان کا پروانہ دکھا کر گرفتار کر لیا۔ اشرف خان کو گرفتاری کے بعد ہندوستان بھیج دیا گیا جہاں اسے پہلے گوالیار اور پھر بیجاپور دکن میں قید کیا گیا۔ (۱۷۷)

جس دن اشرف خان پشاور میں گرفتار ہوا اس دن افضل خان جیسا کہ وہ خود ہمیں بتاتا ہے شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ دور سے اسے اپنی طرف ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ پہلے تو اس نے خیال کیا کہ اس کے رفقا میں سے کوئی ہو گا لیکن جب وہ سوار قریب آیا۔ تو افضل خان نے اسے پہچان لیا کہ اشرف خان کا ملازم ہے جو اس کے ساتھ پشاور گیا تھا۔ افضل خان سمجھ گیا کہ ضرور اس کے باپ کو کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق اس وقت وہ سولہ سترہ سال کا تھا۔ (۱۷۸)

بلا تمام گھوڑا دوڑاتا ہوا گاؤں پہنچا۔ گاؤں میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ملا عثمان جو خوشحال خان اور اشرف خان دونوں کا دیرینہ اور وفادار ملازم اور رفیق تھا محل کے دروازہ میں مسلح کھڑا تھا۔ افضل خان کو دیکھ کر کہا کہ فوراً اہل محل کو لے آؤ کہ پہاڑوں کی طرف چلا جائے۔ خوشحال خان اس وقت نظام پور میں تھا۔ افضل خان اہل محل کو لے کر ملا عثمان کی معیت میں خوشحال خان کے پاس نظام پور گیا۔ خوشحال خان نے افضل خان کو عابد خان کے ہمراہ سرور میلہ نام جگہ بھیج دیا اور خود خوشحال خان بھی ان کے پیچھے سرور میلہ چلا گیا۔ وہاں کچھ جرگے ہوئے اور خوشحال خان نے بہرام خان کو زیارت کاکا صاحب کے مقام پر جرگہ کے لیے طلب کیا۔ خوشحال خان تو بمع قبیلے کے لوگوں کے اس طرف چل دیا اور افضل خان سرور میلہ ہی میں رہا۔ چونکہ افضل خان اس وقت کم عمر اور ناتجربہ کار تھا اور بہرام خان کا مغلوں میں رسوخ بھی تھا اس لیے زیارت کاکا صاحب کے جرگہ میں یہ قرار پایا کہ خانی بہرام خان کو سونپی جائے اور وہ اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے حکومت سے کہے کہ اشرف خان کو رہا کر کے منصب عطا کیا جائے۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ اشرف خان بادشاہ کے حضور ہی میں رہے گا۔ اس فیصلہ کے بعد خوشحال خان سرور میلہ گیا اور پھر افضل خان اور خوشحال خان دونوں یکے بعد دیگرے نظام پور چلے آئے۔ خوشحال خان نے محال ترکی و

بولاق بھی بہرام خان کو سونپ دیا۔ کچھ عرصہ بعد افضل خان دادا کے پاس اس امید سے رہا کہ وہ اس کی امداد کرے گا۔ اسی اثنا میں خبر پہنچی کہ اشرف خان کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا ہے۔ افضل خان نے خوشحال خان اور عابد خان کی معیت میں کم و بیش سو آدمیوں کا لشکر تیار کر کے اٹک کے قریب شاہراہ پر تاخت کر کے اسے لوٹا۔ اس کے بعد بہرام خان کے ساتھ چند لڑائیاں ہوئیں۔ اور بہرام خان چراٹ کے قریب جانب جنوب لاشوڑہ میں شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد کچھ غوریہ خیلوں اور یوسف زئیوں پر مشتمل ایک وفد خوشحال خان کے پاس بھیجا کہ افضل خان آپ کا پوتا ہے اور میں آپ کا بیٹا آپ جسے چاہیں سرداری دے دیں۔ خوشحال خان نے وفد کو جواب دیا کہ اس وقت سوال سرداری کا نہیں بلکہ وجہ عداوت یہ ہے کہ آخر اشرف خان کو کس گناہ اور جرم کی پاداش میں قید کیا گیا ہے۔ خوشحال خان نے وفد کو مغلوں کا وعدہ یاد دلایا جو پچھلے جرگہ میں انہوں نے بہرام خان کی زبانی کیا تھا۔ کہ اشرف خان کو قید سے رہائی دی جائے گی اور اسے منصب دیا جا کر حضور بادشاہی میں رہنے دیا جائے گا اور کہا کہ ان سب وعدوں کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد جرگہ برخواست ہوا۔ اور خوشحال خان اور افضل خان لاشوڑہ آئے۔ افضل خان نے خوشحال خان سے کہا کہ فی الحال میرا امن و امان سرداری کا متقاضی نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا یہ باپ کی رہائی کے لیے تھا۔ جو سعی آپ نے کی وہ بالکل بجا تھی میں اس سے خوش ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ آپ کے زیر سایہ تربیت حاصل کروں اور آپ کی کفش برداری و کوزہ برداری کروں۔ رہی سرداری تو اس کا بہرام خان سے لے لینا بفضل خدا میرے لیے آسان ہے۔ محرم ۱۰۹۵ھ (۱۷۹) میں لکھی ہوئی ایک طویل نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت پریشان اور سخت مشکلات سے دوچار تھا۔ اس نظم کی بنا پر ہم قیاس اور اندازہ کر سکتے ہیں کہ سال ۱۰۸۴ھ (۱۸۰) بھی اسے کافی مصائب اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ اس نظم میں وہ کہتا ہے کہ اتنے بڑے قبیلے کا سردار ہوتے ہوئے میرا یہ حال ہے کہ میں مارا مارا بھاگتا پھر رہا ہوں۔ تاہم وہ ہمت نہیں ہار چکا اور ہمیں بتاتا ہے کہ وہ اس حالت میں بھی دشمن کے استیصال کی فکر میں مصروف ہے بلکہ یہ سوچتا رہا ہے کہ اس کے جھنڈے کے نیچے ہزار یگانہ جوان جمع ہو جائیں تو وہ پنجاب کو بھی تاخت کرے۔ ۱۰۹۶ھ (۱۸۱) میں ہم افضل خان کو راجہ رام سنگھ جو اس زمانہ میں کوہاٹ کا فوجدار تھا کے آدمیوں کے ساتھ چپقلشوں میں مصروف پاتے ہیں۔ (۱۸۲)

جمعیت افاغنہ کا انتشار: جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ امیر خان کو اگر افغانوں کے خلاف

میدان جنگ میں کچھ کامیابی ہوئی بھی تھی تو وہ فیصلہ کن نہ تھی۔ اس لیے وہ اسے حاصل کر کے آرام واطمینان سے نہیں بیٹھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں سلاح جنگ سے زیادہ کارگر سیاسی حربوں کا استعمال تھا چنانچہ اس نے افغانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کا اعتماد حاصل کر کے دوستی کی آڑ میں انہیں اپنا شکار بنائے۔ اور اپنی اس چال میں اتنا کامیاب ہوا کہ بقول نواب شاہنواز خان مؤلف مآثر الامراان وحشی نژادوں کو اخلاص ودوستی کا ایسا شکار بنایا کہ انہوں نے اپنے آپ کو فتراک اطاعت میں باندھ لیا۔ اب امیر خان نے اپنے دوستوں کے درمیان بساط منازعت بچھائی اور وہ بجائے حکومت کے ساتھ لڑنے کے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ہر ایک گروہ صلاح ومشورہ کے لیے امیر خان ہی کی طرف رجوع کرتا تھا۔

لیکن ایمل خان ایک بار پھر افغانوں کو مغلوں کے خلاف اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کی جمعیت اتنی کثیر التعداد اور مضبوط ہوگئی کہ امیر خان کے لیے صوبائی فوج کے ساتھ اس کی مدافعت قرین مصلحت نہ تھی۔ لیکن اس نے عبداللہ خان خویشگی کے ساتھ مشورہ کر کے اپنی بات وتدبر سے افغانوں کو ایسا منتشر کیا کہ وہ پھر مجتمع نہ ہوسکے۔ اس نے قبائلی سرداروں کے نام خطوط لکھوادیے۔ کہ ہمیں عرصہ سے انتظار تھا کہ افغانوں کی سلطنت قائم ہو اور الحمدللہ کہ دیرینہ امید برآئی۔ مگر چونکہ آپ کے بادشاہ (ایمل خان) کے طور طریقوں سے واقفیت نہیں اس لیے اگر وہ فی الواقع بادشاہت کے قابل ہو تو ہمیں بھی اطلاع دیجیے کہ ہم بھی آپ تک پہنچیں۔ ہم مغلوں کی نوکری بہ وجہ مجبوری اختیار کیے ہوئے ہیں۔ افغانوں نے جواب میں ایمل خان کی تعریف کی اور دولت مغلیہ کے ان امیروں کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ عبداللہ خان خویشگی نے اس کے جواب میں لکھا کہ جو کچھ آپ نے لکھا وہ درست مگر حکومت کے لیے عدل وانصاف اور مساوات ضروری ہیں۔ اور ان باتوں کا اندازہ کرنے کے لیے آپ اس (ایمل خان) سے مطالبہ کیجیے کہ وہ حصہ ملک جو اس کی تصرف میں آچکا ہے آپ میں تقسیم کردے۔ چنانچہ ان قبائلی سرداروں نے اس دام فریب میں پھنس کر ایمل خان سے مطالبہ کیا کہ وہ علاقہ جو افغانوں نے مغلوں سے لڑ کر فتح کیا تھا ان میں تقسیم کردے ایمل خان نے پہلے تو انکار کیا اور کہا کہ اس قدر محدود علاقہ کس طرح اتنے لوگوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مگر قبائلی سرداروں کے اصرار پر اس نے چاروناچار علاقہ تقسیم کردیا اور بقول صاحب مآثر الامرا چونکہ ایمل خان نے اپنے قبیلہ اور خویش واقارب سے رعایت برتی تھی اس لیے افغانوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور سرداران قبائل بحالت

ناراضگی اٹھ کر اپنے اپنے علاقوں کو چل دیے۔ (۱۸۳) دریا خان کے ساتھی بھی اس سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ مغلوں نے تیراہ پر حملہ کیا۔ دریا خان نے ان کا مقابلہ کیا جس میں وہ مجروح ہوا۔ اس کے حامی اسے اٹھا کر تیراہ کے مغرب میں علاقہ خوست لے گئے۔ جو افغانستان میں واقع ہے۔ (۱۸۴) اس طرح وہ جمعیت جس نے اورنگزیب کو سالہا سال پریشان کر رکھا تھا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ اگرچہ ولایت افاغنہ میں حالات بالکل پرامن نہیں ہو گئے تھے مگر ایک مقابلۃً منظم جمعیت جس کی قیادت قابل، بہادر اور آزمودہ کار آدمیوں کے ہاتھ میں تھی کے ساتھ مقابلہ میں جن مشکلات کا سامنا تھا وہ جاتے رہے۔ مینوکی نے افغانوں کی جمعیت کے مندرجہ بالا طریقہ سے منتشر ہونے کے بجائے یہ لکھا ہے کہ قسم خان (قاسم خان) کے فریب سے پٹھان سردار مغلوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اور یوں پٹھانوں کی بغاوت ختم ہوئی۔ مینوکی کے قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قاسم خان نے پٹھانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر کے ان کا اعتماد حاصل کرلیا اور پٹھان سرداروں کو جن کی تعداد باون تھی اپنے بیٹے کے ختنہ کی تقریب پر دعوت دی جب تمام افغان سردار اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو قاسم خان نے ایک خربوزہ منگوایا اور اس کو کاٹنے لگا۔ مجمع میں سے نکل جانے کا بہانہ پانے کے لیے اس نے جان بوجھ کر اپنا ہاتھ کسی قدر زخمی کرلیا اور اٹھ کر ایک کمرہ میں چلا گیا۔ جب وہ مجمع سے نکل گیا تو اس کے سپاہیوں نے پٹھان سرداروں پر گولیوں اور تیروں کی بوچھاڑ کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ (۱۸۵)

سٹوریا کا مترجم قسم خان (قاسم خان) پر حاشیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے اس نام کا کوئی آدمی معلوم نہیں ہو سکا جس کا تعلق مندرجہ بالا واقعات سے ہو۔ مترجم مذکور کے خیال میں مینوکی نے اعظم خان کی جگہ قاسم خان لکھا ہے۔ اگرچہ افغانوں کی جمعیت نہ تو قاسم خان اور نہ ہی اعظم خان کوکہ نے منتشر کی تھی بلکہ امیر خان ہی جیسا کہ عرض کیا گیا ہے اسے منتشر کرنے والا تھا۔ اور مینوکی کا بیان کردہ واقع جسے اس نے حسب عادت بہت مبالغہ آمیز طریقہ سے لکھا ہے جمعیت افاغنہ کے انتشار سے بہت پہلے ہوا تھا نیز اس کا شورش افاغنہ پر کوئی خاص اثر بھی نہ پڑا تھا۔ تاہم اس کا تعلق جیسا کہ افضل خان ہمیں بتاتا ہے قاسم خان ہی سے ہے۔ افضل خان کے بیان کے مطابق جب امیر خان شروع میں صوبہ کابل آیا تو قاسم خان نامی ایک شخص اس کے توپ خانہ کا داروغہ تھا۔ جسے دوآبہ کا تھانیدار مقرر کیا گیا۔ اس قاسم خان نے ایک افغان سردار ملک تتر نامی کو مدعو کیا ملک تتر جب آیا تو قاسم خان نے اس کے آگے خربوزہ رکھا جب ملک تتر خربوزہ [illegible] تو

قاسم خان اٹھا اور تلوار کا کاری وار کر کے ملک تیز کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر کابل لے گیا۔ (۱۸۶)

امیر خان کی حکمت عملی (جس سے بادشاہ بہت مطمئن تھا اور جس کی اس نے بہت تعریف کی ہے) میں جیسا کہ عرض کیا گیا ہے عبداللہ خان خویشگی اس کا مشیر تھا علاوہ اس کے امیر خان کی بیوی صاحب جی دختر علی مردان خان بھی جو ایک باتدبیر اور بہادر خاتون تھی بہت حد تک اپنے شوہر کی اس پالیسی اور انجام دہی فرائض منصبی میں ممد و معاون تھی۔ (۱۸۷)

حواشی

۱. ت۔م (ق)۔
۲. م۔ع ص ص ۴۳، ۴۷۔
۳. مآثر الامراء جلد ۳ ص ۶۱۷۔
۴. ت۔م (ق)۔
۵. ستوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ۱۹۹۔
۶. کلیات ص ۵۹۲ دیوان حصہ ا ص ۸۱۔
۷. ستوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ۱۹۹۔
۸. خویشگی کو مہمند زئی سے قرابت قریبہ حاصل ہے۔ خویشگی اور مہمند زئی، یوسف زئی و مندڑ کے مورث تھے اور غوریہ خیل کے مورث غری کے ایک دوسرے بھائی زمند کی اولاد ہیں۔ خویشگی اصدراز ہی سے زیادہ تر ہندوستان میں آباد ہو گئے ہیں۔ مگر اب بھی خویشگی زمند کے دو گاؤں خویشگی بالا اور خویشگی پایاں ایک دوسرے سے بالکل قریب دریائے کابل کے شمالی کنارے ضلع پشاور تحصیل نوشہرہ میں قصبہ نوشہرہ سے جانب شمال مغرب قریباً ۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ خویشگی بالا ذرا زیادہ شمال مغرب کی طرف ہے۔
۹. مآثر الامراء میں مبارز خان نام کے جن امرا کا ذکر ہے ان میں سے ایک مبارز خان بزرگ ہے جس کی امارت کا زمانہ عہد ہائے شاہجہانی و عالمگیری دونوں میں ہے۔ اس کے حالات میں سانوں اور دیگر افغانوں کے خلاف خدمات کا ذکر ہے مگر انہیں اواخر عہد شاہجہانی میں بیان کیا گیا ہے۔ واقعات زیر بحث سال پانزدہم عہد عالمگیری کے ہیں۔ اور میر کل کا سال سیزدہم

رمضان ۱۰۸۰ـ۸۱ھ میں صوبہ ملتان جانا اور بعد ازاں فوجداری متھرا پر مامور ہونا اور انہیں کے سال رمضان ۱۰۸۶ـ۸۷ھ میں وہاں سے معزول ہونا لکھا ہے۔ لہٰذا زمانہ زیرِ غور میں اس کا ولایت افاغنہ میں موجود ہونا ثابت نہیں۔ مآثر الامرا جلد ۳ سوانح عمری مبارز خان میر کل ص ۵۹۵ـ۵۹۷۔

۱۰۔ ت۔م (ق) کے الفاظ یہ ہیں ”تمامہ توپخانہ لہ مبارز خان امرا سرہ ہو حکم کرہ“ یعنی ”تمام توپ خانہ کو مبارز خان امرا (امیر) کے ماتحت حملہ کا حکم ہوا“ میجر راورٹی (این۔اے ص ۳۲) لکھتا ہے کہ مورخ افضل خان نے بندوقچیوں کے لئے توپ خانہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ محمد امین خان کے پاس توپ خانہ نہ تھا۔ اگرچہ توپچی کا لفظ استعمال ہوا ہوتا تو میجر راورٹی کا خیال قابل قبول ہوتا۔ جو دلیل فاضل مستشرق نے دی ہے اس کے لئے کوئی سند پیش نہیں کی۔ مغلوں کے پاس توپخانہ یقیناً تھا۔ اور محمد امین خان کے ہمراہ اگر توپوں کا ہونا یقینی نہیں تو بعید از قیاس بھی نہیں۔

۱۱۔ ت۔م (ق) کی عبارت اسی طرح ہے لیکن میجر راورٹی نے جہاں باقی افغانوں کا علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔ وہاں خوشحال خان کی سعی و کوشش کا ذکر نہیں کیا۔

۱۲۔ شلمانی اور ملاگوری دونوں قبیلہ مہمند کی شاخیں ہیں ملاگوری خیبر میں جمرود اور علی مسجد سے جانب شمال تیز لنڈی کوتل خیبر سے جنوب مغرب کی طرف شخوبے (بیسوبے) واقع افغانستان میں آباد ہیں شلمانیوں کا علاقہ خیبر کے ملاگوریوں سے کچھ جانب شمال واقع اور خیبر میں شامل ہے۔

۱۳۔ تجزہ کا پہاڑ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ ملاگوریوں کا ہے اس کے آس پاس شلمانی شنواری اور آفریدی بھی آباد ہیں۔

۱۴۔ م۔ع (ص ۷۸) اور مآثر الامرا جلد ۳ (ص ۶۱۷) میں سوئم محرم تاریخ لکھی ہے۔ سٹوریا ڈو موگور (ص ۲۰۰ حاشیہ) کے مترجم نے بحوالہ تاریخ محمدی ۷ محرم تاریخ جنگ لکھی ہے۔ مگر خوشحال خان نے (کلیات ص ۱۰۵۱ دیوان حصہ ۲ ص ۳۳۶) دوم محرم اور ہفتہ بالترتیب لڑائی کی تاریخ اور دن لکھا ہے۔ مسٹر سٹینلے لین پول کے کیمبرج ٹیبل کے مطابق ۱۰۸۳ھ میں محرم ۳۰ اپریل اور ۳ محرم کو یکم مئی تاریخ ہوگی۔ سرکار نے ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ (ص ص ۲۲۱، ۲۲۰) میں محمد امین خان کی فوج کی تباہی اولڈ ساکل کے مطابق ۲۱ اپریل کو لکھی ہے۔

ہسٹری آف اورنگ زیب میں بھی یہی تاریخ ہے۔ پھر اسی مورخ نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۴ (ص ۲۴۸) میں یکم مئی تاریخ لکھی ہے۔ یہ تاریخ نیو سٹائل کے مطابق ہے۔ اور بعد ازاں مآثر عالمگیری کے انگریزی ترجمہ (ص ۷۲) میں سوامی کنو پلائے کے انڈین ایفمرس کی بنا پر تین قوم کو اتوار اور اکیس اپریل روز اور تاریخ لکھی ہے یہ تاریخ اولڈ سٹائل کے مطابق ہوگی۔ جس کے ساتھ دس یا گیارہ جمع کرنے سے یہ نیو سٹائل میں منتقل ہو جائے گی اس طرح ۲ محرم کو ۲۰ اپریل مطابق اولڈ سٹائل اور ۳۰ اپریل مطابق نیو سٹائل (بہ ایزادی دس) تاریخ اور ہفتہ کا دن ہوگا۔

۱۵۔ ۱۰۸۳ھ کے اوائل میں خیبر کے حادثہ عظیم کے حال کے لئے ت۔م (ق) کلیات و دیوان۔م۔ل اردو ترجمہ ص ص ۷۷، ۸۰ و انگریزی ترجمہ ص ۲۷ سٹوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ص ۱۹۹، ۲۰۱ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۲۳۲، ۲۳۳ مآثر الامرا جلد ۳ ص ص ۶۱۶، ۶۱۷ (جو م۔ع پر مبنی ہے) ای۔اے ص ص ۳۰-۳۲ جو زیادہ تر ت۔م (ق) پر مبنی ہے۔ بعض اختلافات اور فروگزاشتوں کو میں نے واضح کر دیا ہے۔ خافی خان نے لڑائی کا حال ۱۶۶۸-۶۹-۷۰-۷۱ء/۱۰۷۹-۱۰۸۰ھ کے تحت لکھا ہے۔ الفنسٹن (ہسٹری آف انڈیا) نے خافی خان کے تتبع میں ۱۶۷۰ء اور ڈاکٹر برجس (کرانولوجی آف انڈیا ص ۱۱۴) نے بھی غالباً الفنسٹن کی پیروی کرتے ہوئے ۱۰۸۰ھ لڑائی کا سال لکھا ہے۔

۱۶۔ "یوہ زمان" (ایک آن) میں "یوہ" (ایک) کی واؤ کو پشتو کی مخصوص حرکت سے پڑھئے۔

۱۷۔ اس مصرع کا ترجمہ دو طرح پر کیا جا سکتا ہے:۔ (۱) "چند شنواری، چند مہمند اور چند آفریدی تھے" اور (۲) "کیا شنواری، کیا مہمند اور کیا آفریدی تھے" الخ۔ پہلی صورت میں مصرع ثانیہ کا ترجمہ یوں ہوگا "جنہوں نے سارے صوبائی لشکر کو درہم برہم کر دیا" اور دوسری صورت میں "جو انہوں نے ۔۔۔۔ الخ" ہوگا۔ میں نے ترجمہ میں دونوں معنوں کو سمو دیا ہے۔

۱۸۔ کلیات ص ص ۵۹۰، ۵۹۱ دیوان حصہ ا ص ص ۴۳، ۴۴۔

۱۹۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم سال ۱۰۸۳ھ گزر چکا تھا۔

۲۰۔ کلیات میں دوسرے مصرع میں لفظ "بند" کی جگہ "بندی" ہے۔ دونوں لفظوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ مگر بندی کی صورت میں "مغل" میں غ یا ل ساکن ہو جاتا ہے اور یوں دونوں مصرعوں میں نقص واقع ہوتا ہے۔

۲۱۔ "غنو" (چند) کا لفظ آفریدی سے پہلے استعمال ہوا ہے۔ ت۔م (ق) کی تشریح بھی اسی طرح ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان لشکر کا زیادہ حصہ مہمندوں اور شنواریوں پر مشتمل تھا۔ کچھ آفریدی بھی ان کے ساتھ تھے۔

۲۲۔ م۔ ع ص ص ۷۸، ۷۹ مآثر الامرا جلد ا ص ۲۵۰۔

۲۳۔ یہ مقام تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں وادیٔ خوڑہ میں نوشہرہ سے جانب جنوب اور چھاؤنی سے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ خوشحال خان مغلوں کے ساتھ بگاڑ کے بعد کو یہیں قیام کرتا تھا۔

۲۴۔ ت۔م (ق)۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ سرکار نے اٹیرواس ناگر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مستجاب یکے از عمائد پشاور کو محمد امین خان نے افغانوں سے شکست کھا کر پشاور پہنچنے کے بعد قتل کیا۔ خوشحال خان نے اپنی ایک نظم (کلیات ص ۹۷۱ دیوان حصہ ۲ ص ۳۷۶) میں مستجاب خان کے قتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسے اورنگ زیب نے ظلم کے ساتھ قتل کیا۔ مگر ت۔م (ق) میں خوشحال خان کے بیان سے دو جگہ واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ مستجاب خان کو فدائی خان نے قتل کیا تھا۔ اور نگ زیب کا نام غالباً اس لئے لیا گیا کہ فدائی خان اس کا مختار تھا۔

۲۷۔ ت۔م (ق)۔

۲۸۔ قوسین میں الفاظ میرے بڑھائے ہوئے ہیں۔ اصل پشتو الفاظ یہ ہیں "د خیبر په تللو مې هم دا نصیحت کاوه" یعنی "خیبر کی طرف جانے کے وقت بھی یہی نصیحت کرتا تھا۔" مطلب یہ ہے کہ جب میں اسے افغانوں کیساتھ لڑنے سے منع کرتا تھا تو اس وقت بھی اس کی خیر خواہی مد نظر تھی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا۔

۲۹۔ ت۔م (ق)۔

۳۰۔ مآثر الامرا ص ص ۵۹۲، ۵۹۳۔ م۔ع ص ۸۵۔ سٹوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ۲۰۲۔

۳۱۔ م۔ع ص ۸۱ مآثر الامرا جلد ۳ ص ص ۶۱۸، ۶۱۹ سٹوریا ڈو موگور ص ۲۰۲ حاشیہ۔

۳۲۔ ت۔م (ق)۔

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ یہ غزل کلیات ص ۳۶۱ اور دیوان حصہ ۲ ص ص ۲۸۸۔۲۸۹ پر ہے جس میں بڑے سخت الفاظ میں اورنگ زیب کی ہجو کی گئی ہے۔ ت۔م(ق) کے مندرجہ بالا اقتباس میں ان وجوہات کا ذکر ہے۔ جن کی بنا پر ایک عرصہ تک خوشحال خان مغلوں کے خلاف عملی اقدام کرنے سے باز رہا۔ اور اس کی طرف قبل ازیں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۱۶۹ کتاب ہذا۔

۳۵۔ اس نام کی ایک جگہ مراجی کے شمال مشرق میں زیارت کا کا صاحبؒ کے بالکل قریب بھی واقع ہے۔ لیکن یہاں وہ مقام مراد نہیں۔

۳۶۔ ت۔م(ق) نیز ملاحظہ ہو این۔اے ص ص ۴۳۱۔۴۳۳ میجر راورٹی نے خوشحال خان اور امیر خان کے مقابلوں کے ذکر کا آغاز محرم ۱۰۸۴ھ سے کر کے اختتام پر لکھا ہے کہ یہ واقعات محمد امین خان کی خیبر میں شکست سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوئے۔ جیسا کہ سلسلۂ واقعات گزشتہ سے ظاہر ہے یہ فاضل مستشرق کی بھول ہے۔

۳۷۔ ت۔م(ق)۔

۳۸۔ پہلے مصرع میں ملک (ل پشتو کی مخصوص حرکت کے ساتھ) کے معنی قبائلی سردار یا خان کے ہیں اور دوسرے مصرعے میں ملک کو اگر بکسر لام پڑھا جائے تو اسکے معنی بادشاہ اور اگر لام کو مفتوح پڑھا جائے تو معنی فرشتہ ہوں گے۔ اگرچہ دیگر قوافی کے پیش نظر لام مفتوح ہونا چاہیے۔ لیکن خان اور بادشاہ کی رعایت سے اگر اسے مکسور بھی سمجھا جائے تو قوافی میں اتنے معمولی اختلاف کا کوئی مضائقہ نہیں۔ کلیات کے محشی اور بڈلف نے اسے فرشتہ ہی سمجھا ہے (کلیات ص ۶۱۳ (اردو ترجمہ بڈلف ص ۶۳)۔

۳۹۔ "هر یوه" (ہر ایک) میں 'یوہ' کی واو کو پشتو کی مخصوص حرکت کے ساتھ پڑھیں۔

۴۰۔ کلیات ص ص ۶۳۱۔۶۳۴ دیوان حصہ ا ص ص ۴۱۔۴۳

۴۱۔ ت۔م(ق)۔

۴۲۔ میجر راورٹی (این۔اے ص ۴۰۸) نے اس جرگہ اور متعلقہ واقعات کا سال ۱۰۸۶ھ لکھا ہے جو غلط ہے۔ یہ ۱۰۸۴ھ کے نصف آخر میں منعقد ہوا۔

۴۳۔ آدم خیل آفریدی پشاور سے جنوب کی طرف درہ کوہاٹ میں پشاور کے جانب جنوب شرق پہاڑوں میں اور پشاور کے جانب جنوب مغرب تیراہ میں آباد ہیں۔

۴۴۔ اکا خیل پشاور سے جانب جنوب مغرب آباد ہیں۔

۴۵۔ راجگل نام کا ایک درہ تیراہ میں واقع ہے۔ جس میں کوکی خیل آفریدی رہتے ہیں۔ مگر پیش نظر راجگو یا راجگل کوئی دوسری جگہ ہے جس کی تحقیق میں نہیں کر سکا۔

۴۶۔ ت۔م(ق)۔ نیز ملاحظہ ہو این۔اے ص ص ۳۰۸ و ۳۰۹۔

۴۷۔ جو آدم خیل کی شاخ ہیں۔

۴۸۔ حسن خیل بھی آدم خیلوں کی شاخ ہیں۔

۴۹۔ اضا خیل پایاں، اضا خیل بالا کے قریب ہی جنوب مشرق میں واقع ہے۔

۵۰۔ میجر راورٹی (این۔اے ص ۴۳۵) اصل عبارت کے بالکل خلاف لکھتا ہے کہ مغلوں اور [illegible] افاغنہ باقی لوگوں کا بھی قتل عام کیا گیا۔ البتہ خٹکوں کو چھوڑ دیا گیا۔ خوشحال خان کے الفاظ یہ ہیں۔ "په کوټ کښې هغه خليل تهانه دار يو څو مهمن زئي باره خيل په خان شوي وو لاس پښې ئې وهلې چه پېژند گلي وشوه چه پښتانه دي ترحم م پرې وکړ وله مرګه پاتو [illegible]" یعنی "قلعہ میں خلیل تھانہ دار اور چند مہمن زئی بارہ خیل تھے جنہیں جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ جب ان کی شناخت ہوئی کہ افغان ہیں تو میں نے ان پر رحم کیا اور ان کی جان بخشی کی۔" اس عبارت میں خلیل آدمی کا نام بھی ہو سکتا ہے اور قبیلے کا بھی۔

۵۱۔ ت۔م(ق)۔

۵۲۔ م۔ع ص ۸۵ سٹوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ۲۰۲۔

۵۳۔ م۔ع ص ۸۶ مآثر الامرا جلد ۳ ص ۵۹۳۔

۵۴۔ ت۔م(ق) کلیات ص ۵۹۳ دیوان حصہ ا ص ۸۸۔ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ ص ۲۶۷۔

۵۵۔ م۔ع ص ص ۷۶ و ۷۷۔

۵۶۔ م۔ع ۸۶ و ۸۷۔

۵۷۔ مآثر الامرا جلد ۲ ص ۵۵۔

۵۸۔ ت۔م(ق)

۵۹۔ ملاحظہ ہوں واقعات ۱۰۷۰ھ۔

۶۰۔ اس کا پورا نام شاہی بیگ تھا۔ موشک ساغری شاخ کے بولاق خٹک ہیں۔ یہ [illegible]

یہ جس نے خوشحال خان کو کوہاٹ پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی ایک نہیں۔

ت۔م(ق)۔

۶۱۔ م۔ع اردو ترجمہ میں سترہ ذیقعدہ ہے۔ اور انگریزی ترجمہ میں ۱۸ ذی قعدہ تاریخ

۶۲۔ لکھی ہے۔ سٹوریا ڈو موگور جلد ۲ حاشیہ ص ۱۹۴ میں بھی بحوالہ تاریخ محمدی ۱۸ ذیقعدہ ۱۰۸۳ھ (۲۴ اردی ۱۶۷۳ء) کو افغانوں کے ساتھ لڑائی میں شجاعت خان کا مارا جانا لکھا ہے۔

۶۳۔ ت۔م(ق) ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ ص ص ۲۶۷ ۔ ۲۷۱ ۔ م۔ع ص ۸۸ ماثر الامرا جلد ۲ ص ۶۸۱۔

۶۴۔ میجر راورٹی نے این۔ اے میں جنگ کوہاٹ کا ذکر کرتے ہوئے دریا خان اور ایمل خان کو بھائی لکھا ہے۔ جو جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں غلط ہے۔

۶۵۔ میجر راورٹی نے کوہاٹ پر حملہ کرنے کے لئے آفریدیوں اور بنگشوں کے ساتھ جرگہ کا سال ۱۰۸۶ھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۷۶ کتاب ہذا کوہاٹ کا حادثہ جنگ کڑپہ (۱۸ ذیقعدہ ۱۰۸۳ھ) کے جلد بعد عید الاضحیٰ کے قریب قریب ہوا۔ تاتار خان اس میں قتل ہوا۔ اگر جرگہ مذکور اس کے بعد ہوا تو تاتار خان پھر کس طرح اس میں حصہ لے سکتا تھا بلحاظ ترتیب واقعات بھی خوشحال خان نے جرگہ مذکور کا ذکر پہلے کیا ہے۔

۶۶۔ اصل پشتو الفاظ اسی طرح ہیں۔ کوہاٹ شہر یا قلعہ کے بہت قریب گداخیلوں یا گدائی خیلوں کے گاؤں نہیں۔ موضع گداخیل کوہاٹ سے قریباً ۹ میل کے فاصلے پر جانب جنوب واقع ہے اور اس کے قریب مچھنہ میں ایک قلعہ تھا یہ بنگشوں کے گاؤں ہیں۔

۶۷۔ ت۔م(ق)

۶۸۔ م۔ع ص ۸۸ ۔ م۔ل حصہ ۲ ص ۲۳۷ ۔ اگرچہ م۔ل کے صفحہ کے اوپر سال (۱۰۸۰ھ) تاریخ نہیں۔ مگر متن میں صحیح سال ہفدہم ۱۰۸۴ ۔ ۸۵ھ درج ہے۔ خافی خان نے حسن ابدال کی طرف کوچ کا زمانہ اوائل سنہ ہفدہم جلوس لکھا ہے۔ کوچ اس سال جلوس کے پانچویں مہینے ہوا اور ۱۰۸۵ھ کا پہلا مہینہ تھا۔ خافی خان نے اس سے پہلے غلط زمانہ کوچ آواخر سال شانزدہم (۱۰۸۳ ۔ ۱۰۸۴ھ) لکھا ہے (ص ۲۳۳)۔

۶۹۔ جب خوشحال خان دریا خان کے پاس تعزیت کے لئے پہنچا تھا تو اس کے اپنے بیان کے مطابق ثوری کی تحویل تھی (اردی بہشت ۲۱ اپریل ۔ ۲۱ مئی)۔ ۱۰۸۵ھ میں ثوری کی تحویل (۲۱

اپریل ۱۶۷۲ء) ۱۵ محرم کو تھی۔ اس سے چار دن پہلے (۱۱ محرم) شہنشاہ حسن ابدال کی طرف
چکا تھا۔ سوامی کنوپلائے کے انڈین ایفمرس کی رو سے ۱۱ محرم (روانگی شہنشاہ کی تاریخ) کو
اپریل (اولڈ سٹائل) تاریخ تھی۔ نیو سٹائل کی رو سے ۱۱ محرم سترہ اپریل کو ہوگا۔ اور ۱۵ محرم
کو۔

۷۰۔ انتخاب ت۔م (ق) وای۔ اے میں سیدان ہے۔ نسخہ ہوتی میں سیدانو ہے
کی غلطیوں کا نتیجہ ہے یہ مقام میدان ہی ہے دیوان وکلیات میں بھی دو جگہ میدان ہی
ذکر ہے۔

۷۱۔ ت۔م (ق) کلیات ص ۶۸۶ دیوان حصہ ا ص ۳۳ و کلیات ص ۱۰۲۶ او دیوان حصہ
۳۱۶۔

۷۲۔ کلیات ص ۶۸۶۔ ۶۸۸۔ دیوان حصہ ا ص ۳۳ و ۳۴۔

۷۳۔ م۔ ع ص ۸۹۔

۷۴۔ ملاحظہ ہو ص ۸۵ کتاب ہذا۔

۷۵۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۲ باب ہذا۔

۷۶۔ اس سے ہم یہی اندازہ کریں گے کہ ... خان خوشحال خان کے ساتھ واپس ہو
تھا۔ یا تیراہ کی طرف جا کر جلد ہی لوٹ کر خوشحال خان سے آ مل گیا تھا۔

۷۷۔ ملاحظہ ہو ص ۹۵ کتاب ہذا۔

۷۸۔ خوشحال خان خٹکوں کی خوشی اور تحیر کا ذکر کر کے لکھتا ہے۔

"خوروي چې بنه وشول چې راغـې — یعنی "بعض نے کہا کہ اچھا ہوا جو آ گیا۔
خوروي چې لکه شجاع یو مغل به وریسې شي — بعض نے کہا کہ شجاع کی طرح ایک مغل اس کے
پیچھے آ جائے گا۔"

پچھلا فقرہ غور طلب ہے شاید اس کا یہ مطلب ہو کہ پہلے ایک شجاع آیا تھا اور اب بھی شاید اس
ہنگامے سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک مغل آ جائے گا۔ اگر مغل سے پہلے "یو" (ایک)
نہ ہوتا تو یہ معنی قرین قیاس ہوتے کہ جس طرح شجاع کے مقابلے میں مغل آئے تھے تو اس
لڑنے کے لئے بھی مغل آ جائیں گے۔ بہر صورت اس عبارت سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ
خوشحال خان نے بھی جعلی شجاع ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ کیونکہ ایک تو کسی مورخ نے اس قسم

میں اس کے متعلق ظاہر نہیں کیا اور دوئم خوشحال خان جیسے مشہور و معروف آدمی کے لئے جو افغانوں کے حلقوں میں یکساں روشناس تھا اس قسم کا دعویٰ اگر نا ممکن نہ تھا تو بہت غیر اغلب تھا۔

۷۹۔ ت۔م (ق)

۸۰۔ اس لفظ کے ہجے مآثر الامرا اور م۔ل حصہ ۲ میں آغر (آ غ ر) ہیں۔ مآثر الامرا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قوم یا قبیلہ کا نام ہے۔ جو یافث ابن نوح کی نسل سے ہے۔ نیز ملاحظہ ہو پڑیہ میں ۵م۔ل حصہ ا جس میں اوغوز کسی بادشاہ اور آغر ترکوں کے قبیلے کا نام لکھا ہے۔ قبیلے کے لئے "آغر یا اُوغز" بعض کتابوں میں آیا ہے (ملاحظہ ہو م۔ل حصہ ا ص ۵ حاشیہ۔ این۔ ای ۱)۔ آغر کے معنی ترکی میں بھاری وزن دار کے ہیں۔

۸۱۔ م۔ل حصہ ۲ ص ۲۳۷۔

۸۲۔ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ ص ص ۲۷۱ و ۲۷۲۔

۸۳۔ م۔ع ص ۹۲۔

۸۴۔ خیبر میں جیسا کہ اوراق گزشتہ سے ظاہر ہے آفریدی مہمند (ملا گوری اور شلمانی) اور شنواری آباد ہیں۔ جمرود (جو درۂ خیبر کے جنوب مشرقی سرے پر واقع ہے) میں اور اس کے قرب و جوار میں کوکی خیل آفریدی بستے ہیں۔ یہ واضح نہیں کہ یہ حملہ جو خافی خان کے بیان کے مطابق پشاور کے قریب ہوا تھا۔ کس جگہ کے مہمندوں نے کیا تھا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے پشاور کے جنوب میں بھی مہمند آباد ہیں جن کے علاقہ کے حدود حوالی پشاور سے ملے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ہو سکتا ہے کہ ان مہمندوں میں بھی وطن دوستوں کے حامی ہوں۔ لیکن جیسا کہ کہا جا چکا ہے ایمل کی شورش میں کوہستانی مہمند شامل تھے۔ ہم خیبر اور جمرود کو بھی پشاور کا قرب و جوار کہہ سکتے ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ جس علاقے میں کوئی واقعہ ہوا ہو۔ وہ اسی جگہ کے لوگوں نے کیا ہو۔

۸۵۔ م۔ل حصہ ۲ ص ص ۲۳۷۔۲۳۸

۸۶۔ م۔ع۔ ص۔ ۹۲

۸۷۔ ت۔م (ق)

۸۸۔ اردو ترجمہ م۔ع ص ۹۲ میں لکھا ہے کہ فدائی خان مہابت خان کا بھائی صوبہ دار کابل مقرر فرمایا گیا۔ ظاہر ہے کہ "مہابت خان کا بھائی" بجائے "مہابت خان کی بجائے" غلط چھپ گیا ہے۔ فدائی خان مہابت خان کا بھائی نہ تھا۔

۸۹۔ م۔ سا ص ۹۲۔

۹۰۔ ت۔ م (ق)

۹۱۔ ت۔ م (ق)

۹۲۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ۲۳۸۔۲۴۰۔

۹۳۔ جیسا کہ صفحات گزشتہ سے ظاہر ہے۔ افغانوں اور مغلوں کے خراب تعلقات نے اوائل ۱۰۸۲ھ میں شدید صورت اختیار کر لی تھی۔ محمد امین خان ۱۰۸۳ھ کے پہلے ہفتہ میں لنڈی خانہ (درہ خیبر کی شمال مغربی حد) تک گیا۔ اور وہاں افغانوں سے شکست کھائی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ درہ خیبر اس لڑائی کے بعد بند ہوا۔

۹۴۔ ننگر ہار (وادی) خیبر کی شمال مغربی حد اور جلال آباد کے درمیان ہے۔ اس کا طول تقریباً ۶۰ میل اور عرض ۱۵ میل ہے۔ اس میں مختلف قبائل شنواری، مہمند اور خوگیانی آباد ہیں۔

۹۵۔ چونکہ چند لفظ آگے چل کر افغان ننگ بہار (ننگر ہار) کا ذکر بھی آتا ہے۔ لہٰذا ضلع "مذکور" سے مراد جلال آباد ہے۔ جہاں سے فدائی خان نے آغر خان کو رخصت کیا تھا۔

۹۶۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ۲۳۰ و ۲۳۱ ماثر الامرا جلد اول ص ۲۵۰ و ۲۵۱۔

۹۷۔ سوات نامہ شعرا ۱۰۱۔

۹۸۔ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ ص ۲۷۲

۹۹۔ م۔ سا ص ۹۷

۱۰۰۔ ترکلانی افغان قسمت سربن سے ہے۔

۱۰۱۔ ت۔ م (ق)

۱۰۲۔ م۔ سا ص ۹۷ و ۹۸۔ میجر راورٹی نے این۔ اے (ص ۴۳۵) میں غلطی سے جنگ خاپش میں مغل فوج کے جرنیل جسونت سنگھ اور شجاعت خان (جو جیسا کہ عرض ہو چکا ہے کڑپہ میں افغانوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔) کو بتایا ہے۔ مگر ص ۱۱۵ و ۴۰۸ پر صحیح طور سے مغل فوج کے جرنیل مکرم خان و شمشیر خان لکھے ہیں۔ ص ۴۳۵ پر میجر راورٹی نے جنگ خاپش کا سال ۱۰۸۵ھ (۷۵۔۱۶۷۴ء) دیا ہے جو صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ ص ۴۰۷ پر بربنائے بیاض خوشحال خان فدائی خان کا خیبر میں افغانوں کے ساتھ مقابلے اور بعد ازاں براہ بازار کابل کی طرف روانگی کا ذکر کر کے ص ۴۰۸ پر میجر راورٹی لکھتا ہے۔ کہ ان واقعات سے بہت تھوڑا عرصہ پہلے خاپش کی

جنگ ہوئی یہ بات واقعات اور خوشحال خان کے بیان کے خلاف ہے۔ فدائی خان کے افغانوں کے ساتھ کئی مقابلے ہوئے جن میں خیبر کی لڑائیاں اور ان کے بعد کابل جانے کے لئے بازارکا راستہ اختیار کرنا جنگ خاپش سے پہلے کے واقعات ہیں۔

۱۰۳۔ م۔ع ص ۹۸

۱۰۴۔ م۔ع اردو ترجمہ میں "ربیع الآخر کو کابل روانہ ہوا" لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقام جس سے روانہ ہوا کا نام حذف ہو گیا۔ اس مقام کا نام انگریزی ترجمہ میں پیش بولاک درج ہے۔ اردو ترجمہ م۔ع۔ ص ۱۹۸ انگریزی ترجمہ ص ۹۰۔

۱۰۵۔ م۔ع۔ ص ص ۹۸و۹۹

۱۰۶۔ م۔ع۔ ص ۹۹

۱۰۷۔ غالباً جنگ خاپش کی طرف اشارہ ہے جو جون ۱۶۷۵ء (تحویل جوزا مطابق ۲۲ مئی تا ۲۱ جون) ربیع الاول ۱۰۸۶ھ میں ہوئی۔

۱۰۸۔ خرپہار پشتو میں تلوار یا کسی اور تیز دھار والے آلہ کی کاٹ کی آواز کو کہتے ہیں۔

۱۰۹۔ اس طرف (یعنی جہاں ایمل خان اور دریا خان مصروف کار ہیں) تو برابر پانچ سال سے تلواریں چل رہی ہیں۔ اور اس طرف (یوسف زئیوں کے علاقہ میں) آ کر میں نے مفت میں بے وقت گنوایا۔

۱۱۰۔ یہ مصرعہ کلیات و دیوان دونوں میں حسب بالا دیا ہوا ہے۔ گلشن روہ (انتخاب دیوان خوشحال خان ص ۴۱) میں اس طرح ہے:۔ "دا کانہ راتہ نہ مرگ وتلی نہ خار" یوں مصرعہ زیادہ روان اور چست ہے۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

۱۱۱۔ لواغر خٹکوں کا پہاڑ ہے جو کوہ بہادر خیل اور وادی چوترہ کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔ وادی چوترہ انہی دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ) کانجو اور دمغار سوات میں ماتکی خیل یوسف زئیوں کے دو گاؤں ہیں۔

۱۱۲۔ چونکہ لنڈی خانہ اور تہترہ کی لڑائیاں ایک ہی واقعہ کے دو حصے تھے۔ جسے ہم نے خیبر کے حادثۂ عظیم سے موسوم کیا ہے۔ اور یہ حادثہ تہترہ میں اپنی انتہا کو پہنچا تھا۔ غالباً اسی لئے اسے جنگ تہترہ کے نام سے یہاں یاد کیا گیا ہے۔

۱۱۳۔ اس ترتیب سے یہ "پینخم جنگ" (پانچویں لڑائی) ہونی چاہیے۔ مگر کلیات

دیوان دونوں میں "شہیم جنگ" (چھٹی لڑائی) ہے۔ اگر حادثہ خیبر کی دونوں لڑائیوں کو شمار کیا جائے تو پھر چھٹی لڑائی ہو گی۔

۱۱۴۔ سوات نامہ (جو اس قصیدہ سے تھوڑا عرصہ بعد لکھا گیا) کے مندرجہ ذیل شعر بھی ملاحظہ ہوں:

ورځ به ورځ فتح و نصرت تازه تازه شي	ہر روز تازہ بتازہ دو بدو فتح و ظفر حاصل ہوتی ہے
کال په کال د هسو مغلو جنازه شي	ہر سال بڑے بڑے مغلوں کے جنازے نکلتے ہیں
تر کابله تر اټکه په سم په غرونو	کابل سے اٹک تک پہاڑوں اور میدانوں میں
انباري دي د مغلو د سرونو	مغلوں کے سروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں" (ص ۸۱، ۸۲)

۱۱۵۔ چونکہ یہ نظم یوسف زئیوں کے علاقہ میں لکھی گئی تھی۔ اس لئے شاعر اپنے آپ کو ان میں شمار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان میں میرے سوا کسی کو ننگ و نام کی فکر نہیں۔

۱۱۶۔ کلیات ص ص ۵۹۱-۵۹۲، دیوان حصہ اول ص ص ۸۷-۸۹

۱۱۷۔ یوسف زئی ملکوں کے نام ہیں۔

۱۱۸۔ ت۔م آپ قبل ازیں ملاحظہ فرما چکے ہیں (ص ۱۹۶ کتاب ہذا) کہ تیس ربیع الاول کو بخشی الملک سربلند خان کو افغانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ خوشحال خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تقرری کے ایک مہینہ سات دن بعد ۷ جمادی الاول تک کرم خان اور دیگر امرا باجوڑ ہی میں تھے۔ سرکاری اور دیگر ذرائع سے بھی اس بیان کے خلاف کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کرم خان کی واپسی کی تفصیل تو معلوم نہیں۔ اور نہ ہی کہیں افغانوں اور سربلند خان کے کسی مقابلہ کا حال مذکور ہے۔ مگر کرم خان باجوڑ سے صحیح و سالم حضور بادشاہی میں پہنچ گیا تھا۔ مآثر الامرا جلد ص ۶۹۶ پر مذکور ہے کہ عزت خان نے حسب الحکم اس کو حضور میں روانہ کر دیا۔ اور م۔ع سے بھی اس کا عہد عالمگیری میں بعد کے واقعات میں حصہ لینا ظاہر ہے۔

۱۱۹۔ کلیات ص ص ۷۰۲، ۹۸۷، دیوان حصہ اول ص ۶۳ حصہ دوم ص ۳۸۸

۱۲۰۔ ملاحظہ ہو ص ص ۱۲۷، ۱۲۸ کتاب ہذا۔

۱۲۱۔ آپ نے علاقہ بحیر ولایت یوسف زئی میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور وہیں رحلت فرمائی۔ جہاں آپ کا مزار ہے۔ آپ [illegible] بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

ورنہ ان دونوں میں "شیہم جنگ" (چھٹی لڑائی) ہے۔ اگر حادثۂ خیبر کی دونوں لڑائیوں کو ایک کیا جائے تو پھر چھٹی لڑائی ہوگی۔

۱۱۴۔ سوات نامہ (جو اس قصیدہ سے تھوڑا عرصہ بعد لکھا گیا) کے مندرجہ ذیل شعر بھی ملاحظہ ہوں:

ورځ په ورځ فتح و نصرت تازه تازه شي	ہر روز تازہ بتازہ ہم کو فتح و ظفر حاصل ہوتی ہے
کال په کال د ښو مغلو جنازه شي	ہر سال بڑے بڑے مغلوں کے جنازے نکلتے ہیں
تر کابله تر اټکه په سم په غرونو	کابل سے اٹک تک پہاڑوں اور میدانوں میں
انباري دي د مغلو د سرونو	مغلوں کے سروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں" (ص ۸۱، ۸۲)

۱۱۵۔ چونکہ یہ نظم یوسف زئیوں کے علاقہ میں لکھی گئی تھی۔ اس لئے شاعر اپنے آپ کو ان میں شمار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان میں میرے سوا کسی کو ننگ و نام کی فکر نہیں۔

۱۱۶۔ کلیات ص ص ۵۹۱۔۵۹۳ دیوان حصہ ا ص ص ۸۷۔۸۹

۱۱۷۔ یوسف زئی ملکوں کے نام ہیں۔

۱۱۸۔ ت۔م آپ قبل ازیں ملاحظہ فرما چکے ہیں (ص ۱۹۶ کتاب ہذا) کہ تیس ربیع الاول کو بخشی الملک سربلند خان کو افغانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ خوشحال خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تقرری کے ایک مہینہ سات دن بعد ۷ جمادی الاول تک مکرم خان اور دیگر امرا باجوڑ ہی میں تھے۔ سرکاری اور دیگر ذرائع سے بھی اس بیان کے خلاف کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ مکرم خان کی واپسی کی تفصیل تو معلوم نہیں۔ اور نہ ہی کہیں افغانوں اور سربلند خان کے کسی مقابلے کا حال مذکور ہے۔ مگر مکرم خان باجوڑ سے صحیح و سالم حضور بادشاہی میں پہنچ گیا تھا۔ مآثر الامرا جلد ۳ ص ۶۹۶ پر مذکور ہے کہ عزت خان نے حسب الحکم اس کو حضور میں روانہ کر دیا۔ اور م۔ع سے بھی اس کا عہد عالمگیری میں بعد کے واقعات میں حصہ لینا ظاہر ہے۔

۱۱۹۔ کلیات ص ص ۶۰۲، ۶۰۷، ۹۸ دیوان حصہ ا ص ۶۳ حصہ ۲ ص ۳۸۸

۱۲۰۔ ملاحظہ ہو ص ص ۱۴۷، ۱۴۸ کتاب ہذا۔

۱۲۱۔ آپ نے علاقہ ہمہ ولایت یوسف زئی میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور وہیں رحلت فرمائی۔ جہاں آپ کا مزار ہے آپ ... بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

کلیات ص ۹۶۲ دیوان حصہ ۲ ص ۳۷۰ "سوات میں اخوند درویزہ کے مخزن میاں نور کی

۱۲۰۔ مشیخت اور پیری اور حمزہ کی خانی اور سرداری کی بہت قدر و منزلت ہے"۔

۱۲۲۔ سوات نامہ اشعار ۲۱۳۔۳۵۰

۱۲۴۔ سوات نامہ شعر ۸۸ کی رو سے خوشحال خان نے سوات میں سات مہینے دورہ کیا۔ جیسا کہ قارئین آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ خوشحال خان بعض اہم واقعات کے بعد جن میں خوشحال خان نے حصہ لیا ۹ ذی الحجہ ۱۰۸۶ھ کو ضلع کوہاٹ میں بنگشوں سے لڑتا دکھائی دے رہا ہے۔ خوشحال خان جیسا کہ اوراق گزشتہ سے ظاہر ہے، ۷ جمادی الاول ۱۰۸۶ھ گویا اس کے بعد سوات روانہ ہوا ۷ جمادی الاول سے ۷ ذی قعدہ تک چھ مہینے ہوتے ہیں۔ اور ۷ ذی الحجہ تک سات مہینے خوشحال خان سوات سے آکر فوراً علاقہ کوہاٹ نہیں گیا۔ بلکہ بعض واقعات میں مصروف کار رہا۔ جن میں پہنچ نہیں تو پندرہ بیس دن تو لگے ہوں گے۔ اس لئے خوشحال خان کے قیام سوات کا زمانہ ہم زیادہ سے زیادہ چھ مہینے یا چھ سات مہینوں کے درمیان سمجھیں گے۔ خوشحال خان سوات کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اس دورہ کے سلسلہ میں ایک سال کے قریب دیگر علاقہ ہائے مندڑ و یوسف زئی میں گزار چکا تھا۔

۱۲۵۔ ت۔م (ق)

۱۲۶۔ ت۔م (ق)

۱۲۷۔ یہاں م۔ع۔ مآثر الامرا اور ت۔م (ق) کے بیانات قابل غور ہیں۔ میں نے اوپر ت۔م (ق) کا تتبع کیا ہے۔ م۔ع اور مآثر الامرا کے مطابق ملتفت خان میر ابراہیم حسین سال یازدہم (رمضان ۱۰۸۲۔۸۳ھ) میں داروغہ منصبداران جلو اور بعد میں فوجدار لنگر کوٹ مقرر ہوا تھا اور ذی الحجہ ۱۰۸۵ھ (اٹھارہ سال جلوس رمضان ۱۰۸۵۔۸۶ھ) تک اسی عہدہ پر مامور رہا۔ جبکہ اس کی جگہ مختشم خان میر ابراہیم پسر کلان شیخ میر خوافی لنگر کوٹ کا فوجدار مقرر ہوا اور سال جلوس مذکور میں ۹ ربیع الاول (۱۰۸۶ھ) کو صف شکن خان محمد طاہر کی وفات پر ملتفت خان کو غائبانہ داروغہ توپخانہ مقرر کیا گیا۔ اور انیسویں سال جلوس (رمضان ۱۰۸۶۔۸۷ھ) میں ۱۰۸۷ کے ... تک داروغگی توپ خانہ پر مامور رہا۔ اور بعد ازاں کچھ عرصہ منصب سے برطرف رہنے کے بعد انیسویں سال جلوس (رمضان ۱۰۹۰۔۹۱ھ) میں ربیع الثانی ۱۰۹۱ھ میں سہ ہزاری ذات ایک ہزار سوار کے منصب پر بحال ہو کر غازی پور زمانیہ کا فوجدار مقرر ہوا۔ مختشم خان انیسویں سال جلوس

(رمضان ۱۰۸۶۔۱۰۸۷ھ) میں سہارن پور کا فوجدار مقرر ہوا۔ (م۔ع اردو اور انگریزی دونوں ترجموں میں سہارنپور ہے اور مآثر الامرا میں سارنگپور ہے۔ اول الذکر مقام مشرقی پنجاب اور یو۔پی کی حدود کے قریب یو۔پی میں اور موخر الذکر مقام بھوپال کے قریب جانب شمال مغرب واقع ہے) شاید محتشم خان کی فوجداری لنگرکوٹ سے برطرفی کے بعد ملتفت خان کو دوبارہ (برطرفی سے قبل) لنگرکوٹ کا فوجدار مقرر کیا گیا ہو۔ محتشم خان کی فوجداری لنگرکوٹ سے برطرفی کی صحیح تاریخ معلوم نہیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر اس کے بعد گنج علی خان کچھ عرصہ (ملتفت خان سے پہلے) لنگرکوٹ کا فوجدار رہا ہو تو کتنی دیر؟ مآثر الامرا میں محتشم خان کا فوجداری سارنگپور پر رخصت ہونا مراجعت حسن ابدال (۱۵ شوال ۱۰۸۶ھ) کے بعد لکھا ہے لیکن م۔ع کی رو سے ملتفت خان اوائل ۱۰۸۷ھ تک داروغہ توپ خانہ تھا اور محتشم خان بھی کہیں ۱۰۸۷ھ (اواخر نوزدہم) میں فوجداری لنگرکوٹ سے برطرف ہوا تھا۔ مآثر الامرا میں گنج علی خان کا نویں سال جلوس (رمضان ۱۰۷۶۔۱۰۷۷ھ) میں صوبہ کابل میں متعین ہوا اور پھر افاغنہ خیبر کی لڑائی میں حصہ لینا مذکور ہے اور بعد ازاں اس کے حالات کو نامعلوم بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ت۔م (ق)) م۔ع سال ۱۹،۱۸۔۲۲۔ مآثر الامرا جلد ۳ سوانح عمری محتشم خان، ملتفت خان و گنج علی خان۔

۱۲۸۔ ت۔م (ق)

۱۲۹۔ ہسٹوریا ڈو موگور جلد ۲ ص ۲۰۵

۱۳۰۔ سوات نامہ شعر ۸۳،۸۴

۱۳۱۔ خوشحال خان کے بیان کی طرف سرکار کا حوالہ قصیدہ بر موں کی بنا پر ہے۔ جو مطبوعہ ہے اور جس کے ترجمے انگریزی زبان میں ہو چکے ہیں۔

۱۳۲۔ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ ص ۲۷۶

۱۳۳۔ ملاحظہ ہو شعر ۹۰ سوات نامہ:

"د مغل وته به دن کرم اتک پوله — آج اٹک کو مغلوں کے لئے حد فاصل بناؤں گا
ملک به خلاص کرم د مغل له غلاغوله — اور ملک کو ان کے شور و شر سے نجات دوں گا

۱۳۴۔ ت۔م (ق)

۱۳۵۔ اس لڑائی کے متعلق خوشحال خان نے جو نظم لکھی ہے اس میں عابد خان کے ہاتھوں شیر محمد خان کا گھوڑے سے گرنے کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہ عابد خان کی پہلوانی تھی کہ اس نے "تور"

(تلوار یا بہادری) سے شیر خان کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ غالباً شیر محمد خان مارا گیا تھا۔ مگر کلیات و دیوان سے بھی اور ت۔م (ق) سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیر محمد خان جنگ گنبت میں قتل نہیں ہوا تھا۔ جنگ ڈوڈہ (جو گنبت کی لڑائی کے بہت عرصہ بعد ہوئی) کے متعلق لکھی ہوئی نظم میں خوشحال خان ایک مخالف خٹک شاہی بیگ ساغری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شیرا (شیر محمد خان) سے پہلے اس کا کام تمام کرنا چاہیے۔ (کلیات ص ۶۲۶ دیوان حصہ اص ۹۵)۔ ت۔م (ق) میں بھی بعد کے بعض واقعات میں شیر محمد خان کا ذکر آتا ہے۔ سرکاری تاریخ سے بھی میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چوبیس سال جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲ھ) میں رجب ۱۰۹۲ھ میں شیر محمد خان کو سرکاری طور سے شیر خان کا خطاب عطا ہوا۔ متعلق اندراج ۲۲ رجب (انگریزی ترجمہ میں غلطی سے محرم لکھا گیا ہے) کے ایک اہم واقع کے ذکر کے بعد اس طرح سے ہے "شیر محمد کو ہاٹی کو شیر خان کا خطاب عطا ہوا" (م۔ع۔ اردو ترجمہ ص ۱۲۹ انگریزی ترجمہ ۱۳۰)

۱۳۶۔ متعلقہ شعر جیسا کہ کلیات میں درج ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ "تعجب تو اس بات کا ہے کہ جب بنگشوں کا سردار گر پڑا تو خٹک بھاگنے لگے" مگر دیوان میں جس طرح یہ شعر درج ہے اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ "تعجب تو اس بات کا ہے کہ جب خٹکوں کا سردار گر پڑا تو بنگش بھاگنے لگے"۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ دیوان میں شعر غلط درج ہے۔

۱۳۷۔ متعلقہ نظم میں عبدالقادر خان کو عبدل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

۱۳۸۔ بڈلف نے اس لڑائی کے متعلق لکھی ہوئی نظم کے ترجمہ میں ایک اور جگہ بھی بھنڈی کو بھمند لکھا ہے۔

۱۳۹۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں بنگش بھی کرلانی افغانوں میں شامل ہیں۔

۱۴۰۔ کلیات ص ص ۹۸۰۔۹۸۲ دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۸۳۔۳۸۵ و ت۔م (ق)

۱۴۱۔ "عرفہ" (۹ ذی الحجہ) "د هجرت د کال غفو" (۱۰۸۶ھ)

۱۴۲۔ ت۔م (ق)

۱۴۳۔ م۔ع ص ص ۱۰۳ و ۱۰۴

۱۴۴۔ ایضاً ص ۸۹

۱۴۵۔ م۔ع اردو ترجمہ (ص ۹۴) میں لکھا ہے کہ چار ہزار پانصد سوار کا منصب دار کیا گیا۔

(تلوار یا بہادری) سے شیر خان کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ غالباً شیر محمد خان مارا گیا تھا۔ مگر کلیات و دیوان سے بھی اور ت۔م (ق) سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیر محمد خان جنگ گنبت میں قتل نہیں ہوا تھا۔ جنگ ڈوڈہ (جو گنبت کی لڑائی کے بہت عرصہ بعد ہوئی) کے متعلق لکھی ہوئی نظم میں خوشحال خان ایک مخالف خٹک شاہی بیگ ساغری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شیرا (شیر محمد خان) سے پہلے اس کا کام تمام کرنا چاہیے۔ (کلیات ص ۶۲۶ دیوان حصہ اص ۲۷)۔ ت۔م (ق) میں بھی بعد کے بعض واقعات میں شیر محمد خان کا ذکر آتا ہے۔ سرکاری تاریخ سے بھی میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چوبیس سال جلوس عالمگیری (رمضان ۱۰۹۱۔ ۹۲ھ) میں رجب ۱۰۹۲ھ میں شیر محمد خان کو سرکاری طور سے شیر خان کا خطاب عطا ہوا۔ متعلقہ اندراج ۲۲ رجب (انگریزی ترجمہ میں غلطی سے محرم لکھا گیا ہے) کے ایک اہم واقع کے ذکر کے بعد اس طرح سے ہے "شیر محمد کو ہائی کو شیر خان کا خطاب عطا ہوا" (م۔ع۔ اردو ترجمہ ص ۱۴۹ انگریزی ترجمہ ۱۳۰)

۱۳۶۔ متعلقہ شعر جیسا کہ کلیات میں درج ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ "تعجب تو اس بات کا ہے کہ جب بنگشوں کا سردار گر پڑا تو خٹک بھاگنے لگے" مگر دیوان میں جس طرح یہ شعر درج ہے اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ "تعجب تو اس بات کا ہے کہ جب خٹکوں کا سردار گر پڑا تو بنگش بھاگنے لگے"۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ دیوان میں شعر غلط درج ہے۔

۱۳۷۔ متعلقہ نظم میں عبدالقادر خان کو عبدل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

۱۳۸۔ بڈلف نے اس لڑائی کے متعلق لکھی ہوئی نظم کے ترجمہ میں کئی اور ایک اور جگہ بھی بھنڈی کو بھمنڈ لکھا ہے۔

۱۳۹۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں بنگش بھی کرلانی افغانوں میں شامل ہیں۔

۱۴۰۔ کلیات ص ص ۹۸۰۔۹۸۲ دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۸۳۔۳۸۵ و ت۔م (ق)

۱۴۱۔ "عرفہ" (۹ ذی الحجہ) "د هجرت د کال غفو" (۱۰۸۶ھ)

۱۴۲۔ ت۔م (ق)

۱۴۳۔ م۔ع ص ص ۱۰۳ و ۱۰۴

۱۴۴۔ ایضاً ص ۸۹

۱۴۵۔ م۔ع اردو ترجمہ (ص ۹۴) میں لکھا ہے کہ چار ہزار پانصد سوار کا منصب دار کیا گیا۔

مگر انگریزی ترجمہ (ص ۸۶) کی رو سے چار ہزاری ذات تین ہزار سوار کا منصبدار مقرر کیا گیا اور یہی صحیح ہے۔

۱۴۶۔ یہاں افضل خان کی عبارت اسی طرح ہے جیسے کہ میں نے اوپر اس کا مطلب لکھا ہے بلکہ ترجمہ کیا ہے۔ لیکن راورٹی نے پیش نظر واقعات لکھتے ہوئے افضل خان کی عبارت اور حقیقت سے بہت زیادہ انحراف کیا ہے۔ میجر راورٹی لکھتا ہے کہ چونکہ خوشحال خان کی ہندوستان کی جلاوطنی کے دوران میں خلیل اللہ اور اس کے بیٹوں اصالت خان اور امیر خان نے اس کے ساتھ بہت مہربانی کی تھی۔۔۔۔۔'' (این۔ اے ص ص ۴۰۹ و ۴۱۰) جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے۔ امیر خان خلیل اللہ خان کا بیٹا تھا مگر خلیل اللہ خان اور اصالت خان آپس میں بھائی تھے۔ اور اصالت خان خوشحال خان کی قید اور نظر بندی سے کئی سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ افضل خان کے اصل پشتو الفاظ یہ ہیں "نظر بہ سابقہ احسان د خلیل اللہ خان او اصالت خان او د امیر خان چې د قید پہ وخت ئې ډیر بکار شوي وه" (ت۔م(ق))۔ "چې د قید پہ وخت ئې ډیر بکار شوي وه" (جو قید میں بہت کام آیا تھا) کے الفاظ صرف موخر الذکر شخص (امیر خان) کے لئے ہیں۔ خلیل اللہ خان کا انتقال بھی اواخر سال چہارم رمضان ۱۰۷۱۔۷۲ء میں (خوشحال خان کی قید سے قریباً دو سال پہلے) ہوا تھا۔ میر میران کے علاوہ اس کے دو اور بیٹے روح اللہ اور عزیز اللہ تھے (م۔ ع)

۱۴۷۔ ت۔م (ق)

۱۴۸۔ ملاحظہ ہو ص ۱۰۸، ۱۰۹ کتاب ہذا

۱۴۹۔ سوات نامہ "د مغل تہ بہ خبري پہ اوربوز کړم۔ سر مې پرېږدم کہ بہ سرور تہ بیا کوز کړم" شعر ۷۷ اور "چې پښتون شوم پہ دا هسې سپینه ږیره نو رم خدائے مہ کړه مغل وایم پہ خیره" شعر ۶۹

۱۵۰۔ ت۔م (ق)

۱۵۱۔ شہنشاہ کے حکم کے مطابق بازار کا نام بھی فتح آباد رکھا گیا تھا (م۔ ع ص ۹۸) مگر اوپر کا فتح آباد جلال آباد کے قریب جانب جنوب مغرب میں واقع ہے۔

۱۵۲۔ ت۔م (ق)

۱۵۳۔ ۱۲۹ اسد یعنی ۲۱ اگست (۱۶۷۷ء) اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اسی تاریخ کو یہ نظم

لکھی گئی۔

۱۵۴۔ کلیات ص ۹۶۴ دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۷۱، ۳۷۲

۱۵۵۔ ت ۔ م (ق)

۱۵۶۔ ایضاً

۱۵۷۔ کلیات ص ص ۲۲، ۲۳ دیوان حصہ ۲ ص ۱۴

۱۵۸۔ م ۔ ع ص ۱۱۰

۱۵۹۔ م ۔ ع ص ۱۱۴

۱۶۰۔ ایضاً ص ۱۱۷

۱۶۱۔ لمغان عام طور سے افغانوں میں لغمان کے نام سے مشہور ہے یہ جلال آباد کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی علاقہ ہے۔

۱۶۲۔ م ۔ ل حصہ ۲ ص ۲۳۲۔ اگرچہ آغر خان کے کارناموں کے متعلق منتخب اللباب کے بیانات اور اس میں درج آغر نامہ کے اشعار بالعموم حد درجہ مبالغہ آمیز ہوتے ہیں مگر مندرجہ بالا اشعار سے باوجود مبالغہ آمیزی کے ایمل خان کی شورش کے اثرات کی وسعت کا صحیح اندازہ دیگر تاریخی دستاویزات کی روشنی میں لگایا جا سکتا ہے۔ خوشحال خان ہمیں قصیدہ برسول میں بتاتا ہے کہ "سارے افغان قندھار سے لے کر اٹک تک عزت کے نام کے لیے پوشیدہ و آشکارا ایک ہیں" اور یہی بات ان اشعار میں بھی کہا گیا ہے۔ اور جتنے وسیع علاقہ کو اس شورش نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا وہ واقعات سے بھی ظاہر ہے۔

۱۶۳۔ جیسا کہ صفحات گزشتہ سے ظاہر ہے مغل فوج میں ہندوستانی افغانوں کے علاوہ روہ کے افغان بھی تھے۔

۱۶۴۔ نواب شاہنواز خان مؤلف مآثر الامرا آغر خان اور ایمل خان کے مقابلے کے متعلق لکھتا ہے "آغر خان در آں نواحی افغانان کشی زیادہ نمودہ با ایمل خان (کہ بشاہ شہرت یافتہ در آں کوہستان سکہ بنامش میزدند) کار بہ مشت و گریبان رسانید و از جسارت و پردلی دریں حالت (کہ مردمش راہ ہزیمت سپردہ بودند) قدم ثبات افشرد۔ نزدیک بود کہ از پائے در آید۔ برخے ہوا خواہان و جان نثاری ہا نمودہ عنانش گرفتہ از آں مہلکہ برآوردند"۔ اس عبارت میں 'کار بہ مشت و گریبان رسانید' کا فاعل آغر خان ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ "مردمش" میں ضمیر بھی آغر ہی کی

طرف راجع ہوگی۔ اور ''از پائے درآید'' (مارا جاتا) کا تعلق بھی اسی سے ہوگا علاوہ بریں ''برآوردند'' (باہر نکال لائے) میں 'لانا' افغان کے متعلق استعمال ہونا بھی قرین قیاس نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایمل خان کا مہلکہ میں سے نکالا جانا مقصود ہوتا تو بجائے ''نکال لائے'' کے ''نکال لے گئے'' لکھا ہوتا۔ جس طرح خافی خان نے لکھا ہے کہ ''و اعنان کشاں از رزمگاہ بدر بردند'' مگر آغر خان کی افغان کشی کے سبب ''مردمش راہ ہزیمت سپردہ بودند'' کا تعلق ایمل خان سے ہونا چاہیے۔ اور ''از پائے درآید'' الخ کا تعلق بھی اسی سے ہوگا۔ دراصل نواب شاہنواز خان کا بیان خافی کی صدائے بازگشت ہے۔

۱۶۵۔ م۔ ل حصہ ۲ ص ۴۴۴۔۴۴۵

۱۶۶۔ اس ادیب سرکار نے کسی سند کا حوالہ نہیں دیا۔

۱۶۷۔ ہسٹری آف اورنگزیب جلد ۳ ص ۲۷۸، ۲۷۹

۱۶۸۔ بڈلف کے انتخاب میں یہ شعر یوں ہے:

''لہ ہیبتہ پہ آسمان کښې ئې لرزہ شوہ

جې د تورو خرپا وا وریدہ بہرام''

اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ ''جب مریخ نے تلواروں کی کاٹ کی آواز سنی تو مارے ہیبت کے اس کے آسمان میں لرزہ پڑ گیا''۔ بڈلف نے ترجمہ یوں کیا ہے ''مارے ہیبت کے آسمان کانپنے لگا جب بہرام کی تلوار کی جھنکار سنی گئی۔'' دوسرے مصرعے کا ترجمہ صریحاً غلط ہے۔ یہاں بہرام کسی آدمی کا نام نہیں بلکہ مریخ ستارہ مراد ہے۔ ''واوریدہ'' کا ترجمہ کسی صورت میں سنی گئی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ''سنی'' ہوگا اور اس کا فاعل خود بہرام ہے۔ ''خرپا'' (برش شمشیر کی آواز) کا ترجمہ جھنکار کرنے سے تو مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں آتا البتہ ''تورو'' (تلواروں) کا ترجمہ بصیغہ واحد ''تلوار'' کرنا صحیح نہیں۔

۱۶۹۔ اس شعر کا تو بڈلف نے ستیاناس کر دیا ہے۔ کہتا ہے ''بندوقوں سے مرے ہوؤں کے دھوئیں سے ایک اور آتھواں کبود فام آسمان پیدا ہو گیا۔'' ''د توپکو د ویشتلو پہ لوګیو'' میں ویشتلو سے مراد جیسا کہ بڈلف کو غلط فہمی ہوئی بندوقوں کی گولیوں سے لگے ہوئے یا لگ کر مرے ہوئے نہیں بلکہ اس سے مراد بندوقوں کا چلنا چلانا ہے۔ اگر مردے مراد ہوتے تو خٹکوں کے بولی کے مطابق ''ویشتلو'' (آخری واؤ سے پہلے 'ی' کے ساتھ) جیسا ''لوګیو'' ہونا چاہیے

تھا۔

۱۷۰۔ ۱۰۹۱ھ میں رجب کا مہینہ آواخر جولائی تا آواخر اگست ۱۶۸۰ء کے مطابق ہے۔ اسد کی تحویل ۲۲ جولائی تا ۲۳ اگست ہوتی ہے۔

۱۷۱۔ ت۔م (ق) کلیات ص ۶۲۲۔۶۲۷ دیوان حصہ ا ص ص ۴۲۔۴۶

۱۷۲۔ اس مقام کے محل وقوع کی تحقیق میں نہیں کر سکا اب اس نام کی کوئی جگہ نہیں۔

۱۷۳۔ بہرکیف خوشحال خان اشرف خان کی سرداری پر رضامند تھا۔ گزشتہ واقعات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

۱۷۴۔ بہرام خان کا خوشحال خان سے معافی مانگنے کا ذکر دو جگہ کرتے ہوئے ایک جگہ (نسخہ ہوتی ت۔م (ق) ص ۹۳۹) افضل خان لکھتا ہے کہ خوشحال خان اسے معاف کرنے پر آمادہ نہ ہوا مگر دوسری جگہ (ص ۱۳۰۶) خوشحال خان کا اسے معاف کرنے کا ذکر بمع دیگر واقعات جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے تفصیل سے کیا ہے۔

۱۷۵۔ کلیات ص ۵۸۷ (آخری شعر) اور اسی قصیدہ کا مقطع۔ دیوان حصہ ا ص ۳۱ کلیات ص ۹۲۶۔ دیوان حصہ ۲ ص ۳۵۸

۱۷۶۔ ۱۰۹۲ھ میں ۲۱، ۲۲ مئی (۱۶۸۱ء) اوائل جمادی الاول میں ہوگی۔ راورٹی نے ایس۔ پی۔ اے میں اشرف خان کی سرداری اور گرفتاری کے سال اشرف خان کے حال کے تحت بالترتیب ۱۰۹۳ھ اور ۱۰۹۵ھ دیے ہیں۔ مگر خوشحال خان کے حالات میں گرفتاری اشرف خان کا سال ۱۰۹۳ھ دیا ہے۔ ت۔م (ق) میں سال گرفتاری حسب بالا ۱۰۹۲ھ ہے اور میجر راورٹی نے بھی این۔ اے (ص ص ۳۱۱، ۳۱۲) میں اشرف خان کی گرفتاری کا حال بیان کرتے ہوئے یہی سال لکھا ہے۔ جہاں تک قبیلہ کی سرداری کا تعلق ہے اشرف خان جیسا کہ صفحات گزشتہ سے ظاہر ہے اس سے بہت پہلے عملاً سردار ہو چکا تھا۔

۱۷۷۔ حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان کے مؤلفوں نے اشرف خان کی گرفتاری کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اس نے ضیاء الدین پسر شیخ رحمکار کو قید کیا تھا اس لیے بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا تھا یہ صحیح ہے کہ ضیاء الدین بہرام خان کا طرفدار تھا لیکن حیات افغانی اور خورشید جہان کے مؤلفوں نے گرفتاری اشرف خان کا جو سبب بیان کیا ہے اس کے ثبوت میں کوئی سند پیش نہیں کی۔ ہم نے جو کچھ اوپر عرض کیا ہے ت۔م (ق) پر مبنی ہے۔

۱۷۸۔ افضل خان کا ذکر اس مثنوی میں ہے جو خوشحال خان نے سنگاؤ کے پناہ گزینوں کی یاد میں لکھی تھی۔ اس کے آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ رنتھمبور میں لکھی گئی جہاں خوشحال خان دہلی سے رجب ۱۰۷۵ھ میں آیا تھا۔ اگر ہم افضل خان کا زمانہ ولادت اوائل ۱۰۷۵ھ (دوران قید خوشحال خان) میں فرض کریں تو جمادی الاول ۱۰۹۲ھ میں (یعنی باپ کی گرفتاری کے وقت) اس کی عمر قریباً ساڑھے سترہ سال ہوگی۔

۱۷۹۔ ۲۰ دسمبر ۱۶۸۳ء۔ ۷ دسمبر ۱۶۸۴ء

۱۸۰۔ ۳۱ دسمبر ۱۶۸۲ء۔ ۱۹ دسمبر ۱۶۸۳ء

۱۸۱۔ ۸ دسمبر ۱۶۸۴ء۔ ۲۷ نومبر ۱۶۸۵ء

۱۸۲۔ ت۔م (ق) این۔ اے ۔ ص ۴۱۱۔۴۱۳ و کلیات ص ۶۱۲ و دیوان حصہ اص ۲۱

۱۸۳۔ مآثرالامرا جلد اص ص ۲۸۱۔۲۸۴

۱۸۴۔ ت۔م (ق)

۱۸۵۔ سٹوریا ڈوموگور جلد ۲ص ص ۲۲۰۔۲۲۲

۱۸۶۔ اگرچہ افضل خان زیر بحث واقع کو امیر خان کی صوبہ داری کے زمانہ میں صوبہ کابل کی بغاوت قبیلہ غلزئے کے بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے مگر جیسا کہ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے اس نے مذکورہ بغاوت کے واقعات میں اس واقعہ کو ضمناً بیان کیا ہے۔ دراصل زیر بحث واقع بہت پہلے کا ہے۔ افضل خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ کابل میں قبیلہ غلزئے کی بغاوت کے دوران میں ملک تتر کا بیٹا کوئی اہم کردار ادا کر رہا تھا اس وقت قاسم خان حضور بادشاہی میں تھا۔ بادشاہ نے قاسم خان سے ملک تتر کے بیٹے کے متعلق پوچھا تو قاسم خان نے اسے جواب دیا کہ یہ اسی شخص کا بیٹا ہے جس کا کام میں نے خربوزہ کھلاتے ہوئے تمام کیا تھا۔ قاسم خان کے جواب کی تشریح کے لیے افضل خان مندرجہ بالا واقعہ بیان کرتا ہے۔

۱۸۷۔ مآثرالامرا جلد اص ۲۸۴

(۸)

آخری دورِ حیات اور وفات

تلخیوں اور ناکامیوں کا دور: خوشحال خان کی داستان حیات از اول تا آخر ساری کی ساری مصائب و تکالیف، آزمائشوں اور امتحانوں کے بیان سے لبریز ہے۔ گو مصیبتوں کی ان تاریکیوں میں ہمیں کامرانیوں کی روشنیاں اور تکلیفوں کے اندھیروں میں کامیابیوں کے اجالے دکھائی دیتے ہیں لیکن خوشحال خان کی زندگی کا آخری دور تو جو قریباً ایک عشرے پر مشتمل ہے بالکل ہی تلخیوں اور ناکامیوں، غموم و آلام کا زمانہ ہے۔ مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں جن کے ساتھ کامیابی و کامرانی کی خوشیاں اور راحتیں نام کو بھی نہیں۔ وفادار اور جان نثار دوستوں کی جدائی، خانگی مصائب، افغانوں کی سہل انگاری و پست ہمتی، باہمی نفاق و شقاق اور مغلوں کے مناصب و القاب کے لیے تگ و دو اور رشک و حسد اور ان سب سے زیادہ بہرام کی ناہنجاری کی وجہ سے اس کے لیے جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ اگر ہم وغم کے اس اندھیرے میں ہمیں کوئی اجالا نظر آتا ہے تو وہ اس کے جوہر شخصیت کی چمک دمک ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مصیبتوں کے اس ہجوم میں بھی اس نے مغلوں کی اطاعت قبول نہ کی بلکہ جیسا کہ باب گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے ۱۰۹۵ھ میں بھی جب کہ اس کی عمر تہتر سال ہو چکی تھی اور حالات بہت ناسازگار ہو گئے تھے وہ دشمن کے علاقوں پر حملہ آور ہونے اور غنیم کے استیصال کے منصوبے باندھتا رہا۔ اور افغانوں کو برابر مغلوں کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے کے لیے سرگرم عمل تھا۔

ایمل خان اور دریا خان کا انجام: جمعیت افاغنہ کے انتشار اور حکومت کی کامیابی کے بعد ایمل خان اور دریا خان کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ اور اگرچہ خوشحال خان کے کلام سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ زیور افغانیت کے وہ دونوں جوہر آب دار اور خوشحال خان کے وفادار رفیق اس سے پہلے اس دنیا سے چل بسے تھے۔ مگر ان کی موت کا صحیح زمانہ اور دیگر تفصیلات معلوم نہیں۔(۱) اپنے ان صداقت شعار اور غیرت مند دوستوں کو ان کی موت کے بعد افغانوں کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے یاد کر کے کہتا ہے:

مغلو تہ چې گورم هغه هسې مغل نشته

جب مغلوں کو دیکھتا ہوں تو وہ (پرانے) مغل نہیں رہے

د تورې وارې تېرې شوې اوس ورپاتې يو قلم دے

ان کا تلواروں کا دور گزر چکا ہے اور اب صرف قلم ہی انکے پاس رہ گیا ہے

پښتون په زرو نيسي په فريب په تيتالونو

افغانوں کو روپیہ اور مکرو فریب سے پھانس رہے ہیں

په ما ئ اثر نشي لا په ما د خدائے کرم دے

البتہ مجھ پر ان کا اثر نہیں کہ مجھ پر اللہ کا فضل ہے

نه مچ يم نه قارغه يم چه په کرومرو گرزم

میں نہ مکھی ہوں اور نہ کوا جو گندگی پر منڈلاتا پھروں گا

يا باز يم يا شاهين يم په خپل ښکار مې زړه خرم دے

میں باز یا شاہین ہوں اور اپنے شکار سے میرا دل خوش ہے

که ما غوندې نور هم وے په دا کار به ډير خوشحال وم

اگر میری طرح کوئی اور بھی ہوتا تو اس بات سے میں بہت خوش ہوتا

چه ما غوندې څوک نشته خکه پروت راباندې غم دے

مگر میں زیر بار الم تو اس لئے ہوں کہ میری طرح اور کوئی نہیں

ايمل خان، دريا خان دواړه په ښه رنګ تير شول په ننګ کښې

ایمل خان، دریا خان دونوں اچھی طرح عزت و آبرو کے ساتھ گزر گے

د دواړو په فراق کښې خما تل آه و ماتم دے"

ان دونوں کے فراق میں ہمیشہ آہ و ماتم کر رہا ہوں"(۲)

ایک اور جگہ کہتا ہے:۔

پښتانه لکه مګس وربانديې ګرځي	مغلوں نے افغانوں کے آگے حلوے کا تھال رکھا ہوا ہے
ورته ايښے د مغل د حلوا تال دے	جس پر وہ مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے ہیں
نورې واړه تکيې تار په تار خورې شوې	باقی سب آسرے ادھر ادھر بکھر گے
اوس په مينځ کښې يو کرم د ذوالجلال دے	اب تو صرف ذوالجلال کے کرم پر ہی بھروسہ ہے
ايمل خان دريا خان دواړه خوردبين ولاړل	ایمل خان دریا خان دونوں نکتہ رس مردان دانا چلے گے (۲)
اوس خو باتې و مغل ته يو خوشحال دے	اب تو خوشحال اکیلا مغلوں کے لئے رہ گیا ہے۔

ان اشعار میں جہاں ہمیں خوشحال خان کی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے وہاں وہ اس کے ثبات و استقلال اور عزم بالجزم کے بھی آئینہ دار ہیں۔

بہرام خان کی فتنہ انگیزی: ہم اس سے پہلے بہرام خان کا خوشحال خان اور اشرف خان سے معافی مانگنے اور پھر آمادہ و مصروف فساد ہونے کا ذکر کر چکے ہیں۔ اشرف خان کی گرفتاری (۱۰۹۲ھ) سے پہلے ہی ۱۰۹۱ھ میں ہم اسے خوشحال خان کے خلاف لشکر کش اور آمادۂ جنگ پاتے ہیں۔(۲) اشرف خان کی گرفتاری کے بعد اگرچہ خوشحال خان کی دلی خواہش یہی تھی کہ اشرف خان کے فرزند رشید افضل خان کو اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ مگر نوجوان اور ناتجربہ کار افضل خان کے لئے اپنے غدار چچا جسے حکومت کی امداد بھی حاصل تھی کی مفسدانہ چالوں کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ خوشحال خان نے کچھ بہرام خان کی مخالفانہ کارروائیوں کے خوف سے اور کچھ قبیلے کے رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے افضل خان کو سرداری سے دستبردار ہونے کے لئے کہا۔ جس نے بہ جبر و اکراہ اپنے دادا کا فیصلہ منظور کر لیا۔ ان واقعات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے سیم و زر نے خوشحال خان کے اپنے قبیلہ کو کس حد تک رام کر لیا تھا۔ بہرام خان اور خوشحال خان کے طرز عمل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خٹکوں کی ایک معقول تعداد بہرام خان کی حامی تھی۔ اور بہرام خان کی پارٹی کے علاوہ دوسرے خٹک بھی اپنے واجب التعظیم اور عظیم المرتبت سردار جس کی ذات اور علمی و ادبی اور سپاہیانہ و شجاعانہ کارناموں پر آج ساری افغان قوم کو بجا طور سے فخر اور ناز ہے کے لئے وہ کچھ کرنے کو تیار نہ تھے۔ جس کی ان سے توقع ہو سکتی تھی۔ خوشحال خان کا خیال تھا کہ خانی و سرداری مل جانے سے بہرام اپنی ذلیل حرکتوں سے باز آ جائے گا اور قبیلہ خانہ جنگی اور کشت و خون سے بچ جائے گا۔ افضل خان نے بھی بر بنائے مصلحت سرداری کے لئے کوششوں کو ایک وقت تک ملتوی کر کے دادا کی خدمت گزاری اور حصول تربیت ہی کو مناسب سمجھا مگر بہرام خان نے اپنی اسی کامیابی کو کافی نہ سمجھا اور اپنے بوڑھے بدنصیب باپ کی تلخ زندگی کو تلخ تر بنانے کے لئے اور بھی زیادہ تیزی سے اس کے خلاف سرگرم عمل ہوا خصوصاً خوشحال خان کی زندگی کے آخری سال دو سال کے دوران میں تو بہرام خان کی ناخلفی و ناہنجاری انتہا تک پہنچ گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے مکرم خان کو بیڑیاں دے کر ایک مسلح جمعیت کے ساتھ خوشحال خان کی قیامگاہ کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ اس کو پابجولاں گرفتار کر کے لائے۔ خوشحال خان کے پاس اس وقت اس کے بیٹے گوہر خان و نصرت خان بھی موجود تھے۔ جب انہوں نے مکرم خان اور اس کے ساتھیوں کو آتے

دیکھا تو تینوں بندوقیں لے کر پہاڑی کی طرف گئے اور مورچہ پکڑا اور خوشحال خان نے بکرم خان اور
اس کے ساتھیوں کو للکار کر کہا کہ جو تم میں مرد ہوں وہ میرے مقابلے کو آئیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ
باوجود اخلاقی گراوٹ کے بکرم خان اور اس کے ساتھیوں میں حیا و شرم کی کچھ رمق رہ گئی تھی۔ اور ان
میں سے کسی نے بوجہ بوڑھے سردار کے ادب و احترام کے اس قسم کے اقدام کی جرأت نہ کی۔ اور
بکرم خان بغیر اپنے باپ کا مقصد حاصل کیے اس کے پاس واپس آ گیا۔ بہرام بد فرجام بیٹے کے
اس ناکام واپسی کی وجہ سے اس پر سخت ناراض ہوا اور دوبارہ خوشحال خان کی جائے پناہ کی طرف
بھی لشکر کے یہ اخلاق سوز حکم دے کر بھیجا کہ جس طرح بھی ہو اپنے دادا کو گرفتار کر کے لائے۔ ان
دنوں افضل خان بوڑی (۵) میں تھا اور خوشحال خان نے گوہر خان کو اس کے پاس بھیج رکھا تھا
نصرت خان بھی ان کے پاس موجود نہ تھا۔ چنانچہ اس کو تن تنہا دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بکرم خان
اور اسکے ساتھیوں نے خوشحال خان کو اپنے نرغے میں پا کر یہ فیصلہ کیا کہ جب خوشحال خان غافل
ہو جائے تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔ مگر خوشحال خان ہر وقت شمشیر بدست چوکنا رہتا۔ باوجود یہ کہ
بعض بے حیا سخت سست کہنے سے دریغ نہ کرتے تھے مگر شرم و حیا کے سبب سے اس پر دست تشدد
دراز کرنے سے سب گریز کرتے تھے۔ افضل خان ان حالات کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جا
بہ جا لشکر نے قیام کیا اور چوکیاں بٹھائیں کہ جونہی غافل ہو اسے گرفتار کر لیں۔ خان علیین مکان کا
عالم پیری تھا۔ تین کم اسی سال کی عمر تھی۔ جب نماز کا وقت آیا تو لشکریوں کو آواز دیتا کہ اے نااہلو
اتنی مہلت تو دو کہ میں وضو کروں اور نماز پڑھوں الغرض اسے بہت تکلیف پیش آئی۔ سبحان اللہ اس
دنیا میں ایسے کام بھی ہوتے ہیں یزید نے جو کچھ امام حسین کے ساتھ کیا تو دنیاوی مقاصد پیش نظر
ہونگے مگر یہاں تو ایسا باپ تھا جس نے جوانی ہی میں حکومت کی کرسی بیٹوں کے لئے خالی کر دی
تھی اور بیٹوں اور ہر ایک کی تربیت کرتا اور نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آتا تھا۔ اس پیرانہ
سالی میں ان لوگوں کے ہاتھوں جن پر وہ ناز کرتا تھا۔ اس کے ساتھ کیا ہوا؟" مگر اس دفعہ بھی دشمن
خوشحال خان کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور وہ ان کے نرغہ سے نکل گیا۔ بہرام خان
نے اس اثنا میں امیر خان کو لکھ رکھا تھا کہ خوشحال خان اس کے نرغہ میں ہے اور اس کی امداد کے لئے
آدمی بھیجے تا کہ خوشحال خان کو گرفتار کر لیا جائے۔ خوشحال خان تھوڑے عرصہ بعد تونگی (جو چراٹ
کے جنوب میں چند میل کے فاصلہ پر خٹکوں اور آفریدیوں کی سرحد پر واقع ہے) آیا۔ یہاں افضل
خان بوڑی سے اسے ملنے آیا اور اس کی بہت دلجوئی کی۔ تونگی سے خوشحال خان اپنے بیٹوں گوہر

بیٹا اور صدر خان وغیرہ کے ہمراہ وزیرہ آیا۔ یہاں بہرام خان کے آدمیوں نے سرائے اکوڑہ سے
اس پر حملہ کیا۔ خوشحال خان تو ہاتھ نہ آیا مگر اس کے چند رفقاء بہرام خان کے آدمیوں نے جوان
کے ہاتھ آئے قتل کر دیا۔ خوشحال خان آفریدیوں کی ولایت کی طرف بھاگ نکلنے میں کامیاب
ہوگیا۔ اور وہاں تونگی سے تھوڑی دور جانب جنوب حسن خیل آفریدیوں کے علاقہ میں موئی درہ
کے قریب ڈبرہ پہاڑ میں پناہ گزین ہوا۔ اس وقت افضل خان بوڑی سے یوسف زئیوں کے علاقہ
میں گیا تھا۔ (۶) عاق بہرام کی ہجو و مذمت میں خوشحال خان نے متعدد شعر اور نظمیں کہی ہیں۔
وقت طور پر اس سے چند شعر درج ذیل ہیں:-

کہ بہرام غوندی منحوس بلبخت بخیل شي
پہ شامت ئې خیل خانه شي تار په تار

"کوئی بہرام جیسا منحوس بد بخت اور بخیل ہو جاتا ہے
جس کی شامت سے سارا خاندان پریشان ہو جاتا اور بکھر
جاتا ہے۔

د بہرام لښکرې پروتې په تیرې کښې
بہ دے چې خدائے ئې زر کا شرمسار

بہرام کی فوجیں تیری میں پڑی ہوئی ہیں
امید ہے کہ خدا اسے جلد شرمندہ کرے گا۔

داهم خائے د تعجب دے که ئې وینے
چې لښکرې په خوشحال کا بهرام خان

اور دیکھو تو یہ بھی تعجب کا مقام ہے
کہ بہرام خان (بیٹا) خوشحال (باپ) کے خلاف ہیم
لشکر کشی کر رہا ہے۔

نوم بهرام مې د خان غم شو
زه هم غم د ده د خان شوم
نه دا بو عیب خما نه سل هنره
چې بهرام زما پسر زه ئې پدر یم
ورد ئې نوم د ما په زویو کښې یاد مشه
د خوشحال خټک وینا په دا تمام

منحوس بہرام میرے لئے
اور میں اس کے لئے وبال جان ہو گیا
میرا ایک عیب میری سو خوبیوں کے مٹانے کو کافی ہے
کہ بہرام میرا بیٹا اور میں اس کا باپ ہوں۔
یہ خوشحال خٹک کا اٹل فیصلہ ہے
کہ آئندہ تیرا نام اس کے بیٹوں میں شمار نہ ہو۔

خانگی صدمات: بہرام کی فتنہ پردازیوں کے دوران میں ۱۰۹۷ھ (اواخر نومبر ۱۶۸۵ء تا
اواسط نومبر ۱۶۸۶ء) میں قحط پڑا۔ اور پھر وبا آئی جس میں خوشحال خان کا بیٹا بخت ناک خان فوت
ہوا اور اس کے جلد ہی بعد ہی بخت ناک خان کی والدہ اور اس (بخت ناک) کا بیٹا بھی راہی ملک
عدم ہوا۔ خوشحال خان کے ایک دوسرے پوتے سرفراز خان ولد سعادت خان کو بادلے کتے نے

کاٹ کھایا اور وہ بھی انتقال کر گیا۔ [7] ۱۰۹۸ھ (اواسط نومبر ۱۶۸۶ء تا اوائل نومبر ۱۶۸۷ء) میں بہرام خان کا بیٹا معظم خان فوت ہوا۔ خوشحال خان نے اس کا مرثیہ لکھا۔ [8] "بے بدل معظم" اس کا مادۂ تاریخ وفات ہے۔ [9] اسی سال خوشحال خان کا بیٹا عابد خان بھی بد اطوار ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ خوشحال خان کے ساتھ گستاخی کرنے سے نہ شرماتا تھا۔ کبھی بہرام خان کے ساتھ ساز باز اور کبھی افضل خان کے ساتھ خط و کتابت کرتا۔ اور کبھی خوشحال خان کے پاس آ جاتا۔ ایام زیر بحث میں خوشحال خان کے پاس نظام پور میں مقیم تھا۔ عابد خان نے مہمندیوں کو پریشان کرنا شروع کیا اور ان کے خرمنوں میں گھوڑے اور ٹٹو چھوڑ کر انہیں تاخت و تاراج کرتا۔ مہمندیوں نے تنگ آ کر بہرام خان کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس نے انہیں کہا کہ پھر تمہارے خرمنوں میں گھوڑے یا ٹٹو چھوڑے تو انہیں زخمی کر دو اور اگر خود آیا تو اسے بھی نہ چھوڑو۔ چنانچہ مہمندیوں نے موقع پا کر عابد خان کے بعض گھوڑے زخمی کر دیئے۔ عابد خان نے اپنے خاندان کے بعض نوجوانوں کو اشتعال دلایا۔ جنہوں نے جا کر مہمندیوں کے خرمنوں کو آگ لگا دی۔ انہوں نے حملہ آوروں کا جن میں خوشحال خان کا ایک بیٹا طاہر خان بھی تھا تعاقب کیا۔ طاہر خان کو ایک تیر لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ یوں اس نوجوان کی جان عابد خان اور بہرام خان کی فتنہ پردازی کی نذر ہوئی خوشحال خان نے طاہر خان کا بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے "طاہر و مرد (پہ) شباب کښې" [10] (طاہر عالم شباب میں فوت ہوا) اس کا مادہ تاریخ وفات ہے۔

۱۰۹۸ھ

وفات خوشحال خان: ڈمبرہ میں پناہ گزینی کے بعد خوشحال خان زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا اور وہیں سرزمین روہ کا یہ مایۂ ناز فرزند تلوار اور قلم کا دھنی سنسنی خیز اور حیرت انگیز کامیابیوں کے بعد جن سے اس نے "خاطر اور رنگ کو داغدار کر رکھا تھا" ۲۸ ربیع الثانی شمسی مہینہ حوت (اسفندارمذ) کی پہلی تاریخ کو بروز جمعہ ۱۱۰۰ھ (۲۰ فروری ۱۶۸۹ء) میں بصد یاس و حرمان و حسرت و ارمان اٹھہتر سال کی عمر میں داغ ناکامی لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ وہ یہ سب کچھ پہلے ہی سے دیکھ رہا تھا چنانچہ مرنے سے بہت پہلے اپنے حسرتناک انجام کے متعلق یہ پیش گوئی کی تھی۔

پښتانهٔ چې بې ننګي کا خوک ی خهٔ کا — افغان جب بے حمیتی پر تلے ہوئے ہیں تو کیا کیا جائے

ګورستان لره به درومو له ارمانه — آخر حسرت و ارمان کیساتھ ہمیں گورستان جانا ہوگا۔

خان علیین مکان کے فرزند گوہر خان نے اس کی وفات کی مندرجہ ذیل تاریخ فارسی میں کہی ہے:۔

خان خانان و قدوۂ افغاں   آں علیے بر خرد مندان
چوں بہ ہفتاد و ہشت سال شدہ   چو الف بود ہیچو دال شدہ
روز آدینہ بود چوں ز جہاں   رفت و ماندیم ما بہ آہ و فغاں
غرۂ ماہ مہر بود آں حوت   کہ بہ لب می نہاد مہر سکوت
بست و ہشتم ربیع آخر بود   کہ امین جان پاک او بہ بود
چوں ز تاریخ فوت خان خرم   شد "زما رفت زین جہان پدرم"(۱۱)

۱۱۰۰ھ

خان علیین مکان کے بڑے فرزند اشرف خان ہجری نے قید خانہ میں باپ کی وفات کی خبر سن کر مندرجہ ذیل تاریخ اس کی وفات کے متعلق کہا:۔

"رفت آں میر رود شاہ خٹک   کہ بہ خوبی امیر افغاں بود
یک افغان ہمہ چو [illegible] بودہ   اندروں او بہ رتبۂ جاں بود
ماہ و تاریخ فوت او بہ [illegible]   خرم زیں قبل سخن رواں بود
روز آدینہ از ربیع دویم   بیست و ہشتم اوان اذاں بود
سال ہجران او اگر خواہی   "موطن خیر، مجد و احساں بود"(۱۲)

۱۱۰۰ھ

سبحان اللہ "خیر عالمیانی" مادۂ تاریخ ولادت تھا۔ اور "موطن خیر مجد و احسان بود" مادہ تاریخ وفات ہوا۔(۱۳) اور یہ چند شعر بھی اشرف خان ہجری کے لکھے ہوئے ۱۳۹ اشعار کے مرثیہ سے منتخب کر کے پیش کئے جاتے ہیں:۔

زما زړه ګواهي نه لي په دروغه   میرا دل جھوٹی گواہی نہیں دیتا
په دا قول ئې را کړے نن فتوي ده   اس نے مجھے اس بات کا فتویٰ دیا ہے
غافل ولې په ویل غوږ باسه زیرکه   اے ہوشیار کان کھول کر سن کہ اس نے مجھے کیا کہا؟
چې خبره ئې په ما کړے واقعا ده   اس نے مجھے امر واقعہ کی اطلاع دی
یعني نن هغه امام د ننګیالو   یہ کہ آج وہ غیرت مندوں کا امام
په ډیره غریب لاړ که ئې خوا ده   ڈیرہ میں حسرت و ارمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا
مسافر شه هغه شیر د جبالونو   پہاڑوں کے اس شیر نے عزم سفر کیا
چې زهره ځني اوبه داورنګ شاه ده   جس سے اورنگ شاہ کا زہرہ پانی پانی تھا

نه ئ زوبه پرې حاضر نه برادر وه
نہ ہی اس کے پاس بیٹا اور نہ ہی بھائی موجود تھا

ساه ئ قبضه له غمونو په صحرا ده
ہجوم غم میں تنہا اس نے بیابان میں جان دی

نهٔ ئ مخ د خپلو ولیدو په سترګو
نہ ہی اس نے خویش واقارب کا منہ دیکھا

نهٔ ئ کړے چا په رنځ کښ دلاسا ده
اور نہ ہی بیماری میں اسے کسی نے تسلی دی

یا ئ رب په حال خبر یا زهٔ پوهیږم
یارب عالم ہے اور یا اس کا حال میں جانتا ہوں

چې له خپلو ئ لیدلے څهٔ جفا ده
کہ اپنوں سے اس نے کیا کیا جفائیں دیکھیں

د جبال غرڅے ئ ژاړي په زاریو
پہاڑی بکرے اس پہ روتے اور آہ و بکا کرتے ہیں

د سړیو ساندې هاے نهٔ ئ صدا ده
آدمیوں کی نہ ہائے ہے اور نہ آواز ہے۔

ما وې وایه حقیقت له هغې ملکه
میں نے (دل سے) کہا کہ اس ملک کا حال کہو

چې دا سخته حادثه پکښې برپا ده
جس میں یہ حادثہ عظیم پیش آیا ہے

وې ئ څهٔ پوښتنه کړې له هغې ملکه
اس نے کہا اس ملک کا کیا پوچھتے ہو

چې جثه ئ تشه توره له ارواه ده
جس کی حالت جسد بے روح کی سی ہے

د ختکو عزت هاله چې دے روغ وه
خٹکوں کی عزت اس کے دم قدم سے تھی

حیاتي ئ پس له دهٔ بادو هوا ده
اس کے بعد ان کی زندگی ہوا کا جھونکا ہے

هغه خلهٔ چې درافشان وه په وګړي
وہ منہ جو [illegible] پر درافشاں تھا

نن ئ ګونګه په لحد ژبه ګویا ده
آج اس کی زبان لحد میں گونگی ہے

چې چراغ د هنر زمکې پوشیده کړو
جب زمین نے ہنر کے چراغ کو چھپایا

کهٔ ئ زهٔ په ژړا ډوبه کړم سزا ده
تو چاہیے کہ میں اسے دریائے اشک میں ڈبو دوں

په حرمت د محمد واحده خدایه
اے خدائے واحد حرمت محمد کے لئے

چې پایه ئ په مرسلو کښ اولیٰ ده
جن کا پایہ رسولوں میں سب سے اول ہے

په عزت د هغو پاکو لا شریکه
اے لاشریک ان پاک لوگوں کی عزت کے لئے

چې پرې تیره څهٔ بلا ده کربلا ده
جن پر کربلا کی کڑی آزمائش گزری ہے

په وقار د هغو خاصو کردګاره
ان خاصان بارگاہ کے وقار کیلئے اے ہمارے کردگار

چې ئ ستا په در قبوله تل دعا ده
جن کی دعا ہمیشہ تیرے در پر قبول ہوتی ہے

به عدل جګړې جګړې	اس کے معاملہ کو عدل کے سپرد نہ کر
کاری مه سپاره په کرم ستا ده	میرے قبلہ گاہ کا معاملہ تیرے کرم کے حوالے ہو
حواله د قبله چار په کرم ستا ده	ہر چند اس کی خطائیں زیادہ ہوں کچھ غم نہیں
که هر څو ئې خطا ډیره غم ئې نشته	جب اس کی خطا تیری عطا کے حوالے ہے
چې خطا ئې حواله ستا په عطا ده	اپنے کرم کی شفا سے اسے شاد و خرم کر
په شفا ئې د کرم شاد و خرم کړه	کہ اس کا زخمی سینہ مصیبتوں سے داغ داغ ہے
خوږ سینه ئې په څو داغه مبتلا ده	دل کا جوش طول کلام سے ختم ہونے کا نہیں
د زړه جوش به تمام نه شي په وئیلو	یہ طولانی قصیدہ اس بات پر ختم ہے
طولانی قصیده تم په دا وینا ده	کہ اگر ہجری کے دل میں اس کی سچی محبت تھی
نور به ستر که په مخ وا د بنادي نه کا	تو اس کی آنکھ آ سکندہ خوشی کے چہرے پہ نہ کھلے گی۔
که په ده د هجري سینه په رښتیا ده	

انتقال سے پہلے خان علیین مکان نے حسب ذیل وصیت کی:۔

"میری قبر ایسی جگہ بنانا جہاں میری خاک پر مغلوں کا سایہ تک نہ پڑ سکے اور مغل شہسواروں کی گرد سمند میری قبر تک نہ پہنچ پائے۔ اور چونکہ مغلوں کی بہترین فوجوں کو میں نے خس و خاشاک کی طرح اڑایا ہے۔ اس لئے میری قبر کو پوشیدہ رکھا جائے تاکہ اس کی بے حرمتی نہ کرنے پائیں۔"

یہی وہ غیر فانی وصیت ہے جس کو علامہ اقبالؒ نے افغان کی عزت و عظمت نفس اور خود داری جان کر بہ نظر استحسان دیکھا۔ اور یوں اردو نظم کا جامہ پہنایا:۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم	کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے	ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں	کہستاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات	وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند (۱۴)
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ	مغل شہسواروں کی گرد سمند

خان علیین مکان کی لاش کو آفریدیوں کی ولایت سے لایا جا کر سرائے اکوڑہ سے چند میل دور جانب جنوب قدرے شرقاً بمقام اسوڑی بالا (جو اسوڑی کوز سے جانب جنوب قدرے فرو ہے) سپرد خاک کیا گیا۔ اور کافی عرصہ تک اس کی قبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔

میں نے خان علیین مکان کے انجام کو ناکام و حسرتناک کہا ہے بہ الفاظ دیگر اسے بد قسمت و بدنصیب کہا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ مقصد جس کے لئے خان نے آخری دم تک جدوجہد کی حاصل نہ ہوا۔ اور وہ گوہر مقصود جس کے لئے اس نے دریائے خون میں شناوری کی، ہاتھ نہ آیا۔ اسلئے کہ خان کے اپنے خیال میں وہ خوش قسمت نہ تھا اور ارمانوں سے بھرا ہوا دل لئے قبر جا رہا تھا مگر ظلم و زیادتی اور اس حکومت کے خلاف جس میں جور و تعدی کو روا رکھا جاتا ہو۔ جس میں صوبیدار کا ایک لفظ ایک انسان کو بے جرم و قصور اس کی آزادی سے محروم کرنے کے لئے کافی ہو، تلوار اٹھانا اس سے برسرپیکار ہونا، نسلی برتری کے احساس اور اس کے نتائج کو مٹانے کے لئے سرگرم عمل ہونا، اپنی اور اپنی قوم کی عزت و شان کے تحفظ اور حصول آزادی کے لئے لڑنا ایک ایسا اولوالعزمانہ کارنامہ ہے جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

وہ ایک مسلمان بادشاہ سے اس لئے برسرپیکار ہوا تھا کہ اس کی مملکت میں بعض ظالم صوبہ داروں نے اندھیر مچا رکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کی مملکت میں عدل، اسلام کی روشنی دیکھنا چاہتا تھا چنانچہ کہتا ہے کہ:۔

دا د ننګ دپاره ګرزم	میں عزت و آبرو کے لئے
په دا هسې ګر ننګونه	نشیب و فراز میں پھر رہا ہوں
نه دین شته نه آئین شته	نہ دین ہے اور نہ آئین
شرم لاړ به فرسنګونه	شرم و حیا کوسوں دور ہیں
مختورن ظالمان ډیر دي	سیاہ رو ظالم بہت ہیں
چې اخلي قلنګونه	جو خراج وصول کر رہے ہیں
د عدل توره واخله	عدل کی تلوار لو
ملک اسلام کړه په جنګونه	اور جہاد سے ملک میں اسلام کی روشنی پھیلاؤ۔

خوشحال بدنصیب و ناکام نہ تھا بلکہ فائز المرام خوش بخت اور بلند اقبال تھا۔

بد بخت گفتمت بخطا عذر من پذیر
خوش بخت زیر سایۂ چون ہمائے تو

خوشحال اپنے سپاہیانہ اور شجاعانہ اور علمی و ادبی کارناموں کی وجہ سے زندہ جاوید رہے گا۔ جب تک ایک حریت پسند ذی نفس روئے زمین پر باقی ہے خوشحال کا نام باقی رہے گا۔

رحمة الله عليه رحمة واسعة.

حواشی

۱۔ دریا خان کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ مغلوں کے ساتھ مقابلہ میں وہ زخمی ہوا تھا اور اسے خوست لے جایا گیا تھا افضل خان ہمیں بتاتا ہے کہ اس کا انتقال وہیں ہوا تھا۔

کلیات ص ص ۳۰۵ و ۳۰۶۔ دیوان حصہ ۲ ص ص ۶۴۸ و ۶۴۹۔

۲۔ کلیات ص ۵۴۲ دیوان حصہ ۲ ص ۳۴۲۔

۳۔ ت۔م میں خوشحال خان کی وفات کے بعد کے بعض واقعات بھی افضل خان ایمل کا ذکر کرتا ہے مگر یہ ایمل افغان مغل جنگ کا ہیرو نہیں۔ افضل خان اسے آفریدی بیان کرتا ہے اور جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں افغان مغل جنگ کا ہیرو خوشحال خان کے بیان کے مطابق مہمند تھا۔ علاوہ بریں خوشحال خان کے مندرجہ بالا اشعار کی موجودگی میں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے دونوں رفیق کار افغان مغل جنگ کے ہیرو ایمل خان مہمند اور دریا خان آفریدی اس سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

۴۔ کلیات ص ص ۵۸۷، ۵۸۸۔ دیوان ص ۳۱۔ ان ص ص سے معلوم ہوگا کہ ۱۰۹۱ھ (د
هجرت زر سل کالونه نهه تری کم) میں بہرام خان کا لشکر تیری میں خوشحال خان کے
خلاف پڑا ہوا تھا۔

۵۔ ملاحظہ ہو ص ۱۷۷ کتاب ہذا

۶۔ تاریخ مرصع (انتخاب مندرجہ گلشن روہ) ص ۴۸، ۴۹_۵۲

۷۔ کلیات ص ص ۵۷۰_۵۷۲ و دیوان حصہ ا ص ص ۹۰، ۹۱

۸۔ ت۔م (ق)

۹۔ کلیات ص ص ۳۰۸_۳۱۰۔ دیوان حصہ ۲ ص ص ۱۸۴ و ۱۸۵

۱۰۔ ت۔م (ق) کلیات ص ۵۶۶ دیوان حصہ ۲ ص ۲۷۷۔ دیوان و کلیات دونوں میں مصرعہ تاریخ میں 'پ' عام رسم الخط کے مطابق 'پ' لکھا ہے۔ چنانچہ حبیبی صاحب نے مادہ کے اعداد ۱۰۳ نکالے ہیں۔ حالانکہ خود مقدمہ میں خان علیین مکان کی تاریخ وفات ۱۱۰۰ھ لکھی ہے۔ قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ رہائی کی تاریخ میں بھی خان نے بجائے 'پ' کے 'پ' ہی لکھا ہے۔ اور یہاں 'ؤ' کا کام صرف فتح سے لیا ہے۔

۱۱۔ ت۔م (ق)

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ میجر راورٹی نے این۔ بی۔ ص ۲۱۳ میں وفات ۱۰۹۹ھ کے چوتھے مہینہ (ربیع الثانی) مطابق جنوری ۱۶۸۸ء میں لکھی ہے۔ میجر راورٹی مندرجہ بالا تاریخ وفات کی روشنی میں صریحا غلطی پر ہے۔ اس کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ افضل خان نے حسب بالا خوشحال خان کا ذکر کر کے ۱۰۹۹ھ کے بعض واقعات کو بیان کیا ہے۔

۱۴۔ بال جبریل ص ۲۰۶۔

(۹)

عقائد اور اخلاق و عادات

خان علیین مکان ایک راسخ الاعتقاد حنفی مسلمان تھا۔ اس نے اپنے مذہبی خیالات و عقائد کا اظہار جا بجا اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔ ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

''میں پشت بہ پشت مسلمان محمدی اور چہار یار کو ماننے والا ہوں۔ چاروں[1] مذاہب کو برحق سمجھتے ہوئے میں مذہب حنفی کا محکم دعویٰ رکھتا ہوں۔''[2]

خان صرف ائمہ اہل السنّت والجماعت ہی کو برحق نہ سمجھتا تھا بلکہ ایک سچے محب اہل بیت عظام علیہم السلام ہونے کی حیثیت سے سارے ائمہ اثنا عشر کو بھی صاحبان ارشاد و ہدایت سمجھتا اور اپنے تئیں ان کا خادم تصور کرتا تھا۔[3] حب اولاد رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ آل علی رضی اللہ عنہ کی محبت و دوستی کو ایمان کی دل سمجھتا تھا۔[4] خان کے کلام میں بعض ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو بعض شیعی عقائد کے مظہر ہیں۔ مثلاً امام مہدی کا غار میں مقیم ہونا اور وقت موعود پر غار سے نکلنا۔[5] اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کی ایک منقبت میں بعض ایسے اشارات ہیں جو تشیع کے آئینہ دار اور خلاف تسنن ہیں۔[6] مگر خان کے اپنے متعدد واضح اور غیر مبہم بیانات کے ہوتے ہوئے ہم اسے سوائے سنی کے اور کچھ خیال نہیں کر سکتے۔ محولہ بالا اشعار کو ہم اس کی (سنی ہوتے ہوئے) غلط فہمیوں یا غلطیوں کا نتیجہ کہیں گے۔ یا ان اشعار کو اس کی شاعرانہ (سنی نقطہ نظر سے) بے احتیاطیوں پر محمول کریں گے۔ مجھے اپنے احباب کی باتوں سے محسوس ہوا ہے کہ وہ خان کو تفضیلی شیعہ خیال کرتے ہیں۔ مگر اس کے لیے کوئی واضح اور صریح ثبوت نہیں برعکس اس کے خان نے واضح طور سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چہار یار میں سب سے افضل کہا ہے۔[7]

خان علیین مکان نے اخوند درویزہ کے متعلق جو بعض جگہ درشت کلامی کی ہے اور بعض جگہ حد اعتدال سے بھی تجاوز کیا ہے تو اس کا اصلی سبب یہی تھا کہ خان اخوند درویزہ کے عقائد کو حب اہل بیت کے منافی سمجھتا تھا اور پھر خان کے سفر سوات کے دوران میں اختلاف عقائد کی وجہ سے اخوند درویزہ کے مریدوں سے جو چپقلش ہوئی اس نے اخوند درویزہ کے متعلق خان کی تنقید کو اور بھی سخت اور تلخ کر دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہ نکالنا چاہیے کہ خان علیین مکان اخوند درویزہ کے حریف مقابل بایزید بن عبداللہ ارمڑ کا طرفدار تھا۔ جسے بعض تو مدعی نبوت اور کافر بعض ایک

افراطی صوفی اور بعض افغانوں کا قومی لیڈر خیال کرتے ہیں۔ اور جو اپنے مریدوں میں پیر روشن اور مخالفین میں زیادہ تر پیر تاریک کے نام سے مشہور تھا۔ اور اب تک افغانوں میں اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مقام پیر تاریک کے عقائد پر بحث کا نہیں البتہ اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ خان علیین مکان نے اخوند درویزہ، پیر تاریک اور شہنشاہ اکبر (جو تینوں ہمعصر تھے) کے عقائد پر نکتہ چینی کی ہے۔ اخوند درویزہ کے ساتھ اختلافات کا سبب عرض کیا جا چکا ہے۔ جہاں تک پیر تاریک اور شہنشاہ اکبر کا تعلق ہے وہ دونوں کو کفر اور گمراہی کا علمبردار سمجھتا ہے۔ پیر تاریک کے مقابلے میں اخوند درویزہ کی مساعی کی ستائش کرتے ہوئے اخوند درویزہ کو مبلغ ایمان اور پیر تاریک کو معلم کفر کہتا ہے:

زه د درویزه غوندې ایمان جنیم و دۀ ته — میں اسے (اپنے نفس) کو درویزہ کی طرح ایمان سکھاتا ہوں
دے د پیر روښان غوندې د کفر کا تلقین — اور یہ (نفس) پیر روشن کی طرح مجھے کفر کی تلقین کرتا ہے (۸)

دیوان میں درویزہ کی جگہ پیغمبر اور روښان (روشن) کی جگہ شیطان کے الفاظ ہیں۔ (۹) اس اختلاف کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ شعر پیر تاریک کی مذمت اور اس کے مقابلے میں اخوند درویزہ کی ستائش کرنے کے ثبوت میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ مگر سوات نامہ میں پیر تاریک کی واضح طور سے مذمت کی ہے۔ چنانچہ اس کی تصنیف خیر البیان (جو تاریکیوں کی مقدس کتاب تھی) کے متعلق کہتا ہے:

د روښان خیر البیان ئې وه لیدلے — اس (درویزہ نے) روشن کی کتاب خیر البیان دیکھی تھی
هغه هم مجهول بیان وه ناپسندلے — وہ (خیر البیان) بھی مجہول اور ناپسندیدہ بیان تھا۔ (۱۰)

شہنشاہ اکبر کے متعلق حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے:

په هغه اوان اکبر بادشاه بادشاه وه — اس وقت اکبر بادشاہ کی حکومت تھی
واړه خلق د بادشاه سره ګمراه وه — اور تمام لوگ بادشاہ کے ساتھ گمراہ تھے۔ (۱۱)

جہاں مذہب کا سوال سامنے ہوتا تھا خان علیین مکان بڑے سے بڑے مصالح کی پروا نہیں کرتا تھا۔ سوات میں جب مغلوں کے خلاف لشکر فراہم کرنے گیا تھا ان عقائد و خیالات کی شدید مذمت کر کے جنہیں وہ خارجیت کے مترادف سمجھتا تھا اس نے اپنے خلاف زبردست مخالفت برپا کی اور سیاسی مصالح کی اس وقت تک پروانہ کی جب تک اس نے مناظرہ میں شیخ میاں نور کو شکست نہ دے دی۔ مناظرہ سے پہلے جب یوسف زئیوں کے ملکوں نے اس کے پاس

آ کر کہا کہ یا تو شیخ میاں نور کو جا کر جواب دے اور یا اخوند درویزہ کی کتاب مخزن الاسلام کی صداقت کو قبول کرے تو خان علیین مکان نے یہ جواب دیا:

ما دے دین د محمد دے منلے — میں نے جواب دیا میں نے محمد ﷺ کا دین قبول کیا ہے

بی قرآنه بل کتاب دے چا منلے — بغیر قرآن کے دوسری کتاب کوئی کیوں مانے

درویزه نه مجتهد دے نه امام دے — درویزہ نہ مجتہد اور نہ امام ہے

دے هم خام تاسو هم خام مخزن هم خام دے — وہ بھی، تم بھی اور مخزن بھی خام ہے۔ (۱۳)

شیخ میاں نور کی شکست کے بعد ملکوں نے باہمی صفائی کرا دی۔ اور اس وقت خوشحال خان نے بھی یا ہمی مصالح کے پیش نظر یہی مناسب سمجھا کہ اس کے ساتھ صلح کر لی جائے۔

خان علیین مکان وحی ہی کو سرچشمۂ حق و صداقت و رشد و ہدایت خیال کرتا اور عقل کو اس کے تابع سمجھتا تھا چنانچہ کہتا ہے:

ما قرآن منلے چې نازل دے له اسمانه — میں نے قرآن کو مانا ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے۔

نورو ته بخښلي چې خبرې یوناني دي — اور مقالات یونانی کو اوروں کے حوالے کر دیا ہے (۱۳)

ایک اور نظم کا شعر ہے:

فلسفه معتزله واړه ګمراه دي — فلسفی اور معتزلی سب گمراہ ہیں

چې بې شرعې په خپل رای کاندې ترغیب — جو خلاف شرع اپنی رائے کی پیروی کرتے ہیں (۱۳)

خان وحی الٰہی اور شریعت کی پیروی کے لیے سنت نبوی ﷺ کو ضروری سمجھتا ہے اور کسی کو خواہ وہ عوام سے ہے یا خواص سے خواہ وہ فاسق ہے یا پارسا اور ولی اس اصول اور قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں سمجھتا۔

شرع منلوه د نبي ده چې ولي دے — حضور ﷺ کا نقش قدم ہی شریعت ہے۔

بو قدم به بل سر نه دروي بې منلوي — جو ولی ہے وہ اس سے سر مو منحرف نہ ہوگا

بلحاظ اخلاق خان علیین مکان ایک مرد صالح عالم باعمل غیر متزلزل ارادہ کا مالک، بہت شجاع و بہادر خوددار اور سخی اور فیاض انسان تھا۔ جب بہرام بدفرجام کے آدمی اسے گرفتار کرنے کی تاک میں تھے تو اس وقت بھی یہی کوشش رہتی تھی کہ کہیں نماز قضا نہ ہو جائے۔ مہمان نوازی اور جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ باوجود تونگر ہونے کے بھی صاحب نصاب نہ ہوتا تھا۔ ایک جگہ فخریہ اپنی سخاوت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

سخاوت مې په تقلید په رسم نه دے — میری سخاوت پابند رسم ورواج نہیں

زه له خاپه د سخي بابا پسر یم — میں سخی باپ کا بیٹا ہوں اور یہی میری سرشت میں ہے (۱۵)

باوجود خانی و سرداری کے وضع قطع فقیرانہ تھی باوجودیکہ بادشاہوں اور ان کے درباروں سے تعلق رہا لیکن کبھی کسی کی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی نہیں کی۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

دهغې شاعر مخ تور شه چې په طمع — اس شاعر کا منہ کالا ہو جو لالچ کی وجہ سے

وهر در و هر دربار وته ولاړ دے — ہر در و دربار کے سامنے کھڑا ہو

کلام اور واقعات زندگی کے مطالعہ سے گفتار و کردار میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ صاف گو اور گفتگو میں آزاد و بیباک تھا۔ طبیعت میں درشتی اور سختی بھی تھی۔ جو بعض اوقات امور سرداری کے سرانجام دینے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ تاہم خان کے واقعات زندگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس کا ظہور بے موقع و محل بھی ہوا ہے۔

خان کے سوانح حیات سے بخوبی ظاہر ہے کہ اسے حق احسان کا کتنا پاس تھا یہاں تک کہ وہ اسے دشمنی میں بھی فراموش نہ کرتا تھا۔ کتب بینی، شکار، باز اور گھوڑے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ پرلے درجہ کا عاشق مزاج تھا۔ صنف نازک کی محبت اور اس کی طرف رغبت کا مجسمہ تھا۔ قوت بھی غضب کی پائی تھی۔ بایں ہمہ حدود شریعت سے تجاوز اور سماجی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ حرم میں کنیزیں بھی تھیں۔ مگر اس کے لیے اس زمانے کے سماج کے رسم و رواج ذمہ دار تھے۔ یہ سارے شوق پیرانہ سالی میں بھی دامن گیر رہے۔ چنانچہ خود کہتا ہے:

دا یم راغلم په دا عمر چې مې وینې — جیسا کہ دیکھ رہے ہو اس عمر کو آ پہنچا ہوں

خلمیتوب راځخه یوړو ږیرې سپینې — سفید داڑھی نے جوانی مجھ سے چھین لی ہے

پـر د ښکار بل د کتاب بل د دلبرو — مگر تین شغل بلاکم و کاست ویسے کے ویسے ہیں

په جهان کښې نورې نه شوې دا درې مینې — شکار، کتاب اور عشق بازی (۱۶)

اور ایک اور شعر ہے:

غاښ وتـلـې ږیره سپینه لا تراوسه — دانت گر پڑے اور داڑھی سفید ہو گئی مگر اب بھی

باز په لاس ګرځم په غرونو په جبال — باز بدست پہاڑوں اور کہساروں میں پھر رہا ہوں (۱۷)

ساز و آواز سے بھی بہت شغف تھا چنانچہ ایک قطعہ میں کہتا ہے کہ:

مجلس زینت په نغمه دے	زینت بزم
په نغمه او په شراب	نغمہ وشراب سے ہے
له شرابو مې توبه ده	شراب سے میری توبہ
زه ماهي يم نغمه آب	ہاں میں ماہی ہوں اور نغمہ آب (۱۸)

حواشی

۱۔ چار مذاہب اہل السنت والجماعت حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی

۲۔ کلیات ص ۶۲۵ دیوان حصہ ۱ ص ۷۱

۳۔ کلیات ص ۶۲۵ دیوان حصہ ۱ ص ۱۵

۴۔ کلیات ص ۵۱۲ دیوان حصہ ۲ ص ۳۲۳

۵۔ کلیات ص ۲۵۷ دیوان حصہ ۲ ص ۱۵۱ سنی عقیدہ کے مطابق امام مہدی ہنوز پیدا نہیں ہوئے بلکہ اپنے وقت پر پیدا ہوں گے۔ جائے ظہور مکہ ہوگا مگر امامیہ عقیدہ کے مطابق مہدی فرقہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام ہیں جو غائب اور زندہ ہیں اور اپنے وقت موعود پر مقام سامرہ میں سر من رائے کے غار سے ظاہر ہوں گے۔

۶۔ کلیات ص ۵۱۱ دیوان حصہ ۲ ص ۳۲۲

۷۔ کلیات ص ۳۵۲ دیوان حصہ ۲ ص ۲۱۱

۸۔ کلیات ص ۲۷۳ دیوان حصہ ۲ ص ۱۶۲

۹۔ یعنی میں تو پیغمبر کی پیروی میں نفس کو ایمان سمجھتا ہوں اور یہ شیطان کی پیروی میں مجھے کافر بناتا ہے۔

۱۰۔ سوات نامہ شعر ۳۶۲ علاوہ بریں دیوان اور کلیات کے متعلقہ شعر کا دو قلمی نسخوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ شعر جیسا کہ کلیات میں دیا ہے، صحیح ہے۔

۱۱۔ ایضاً شعر ۳۷

۱۲۔ سوات نامہ شعر ۲۶۸، ۲۶۹

۱۳۔ کلیات ص ۶۸ دیوان حصہ ۱ ص ۸

... ص ۹۶

۱۵۔ کلیات ص ۶۴۰ دیوان حصہ ا ص ۴۷

۱۶۔ کلیات ص ص ۲۱۴، ۲۹۵ دیوان حصہ ۲ ص ۱۵۶

۱۷۔ کلیات ص ۶۰۷ دیوان حصہ ا ص ۱۰

۱۸۔ کلیات ص ۱۰۵۳ دیوان حصہ ۲ ص ۴۳۹

(۱۰)

تصانیف

خان علیین مکان نہ صرف اپنے عہد کا سب سے بڑا مصنف تھا بلکہ پشتو ادب کی ساری تاریخ میں شاید ہی کوئی دوسرا ادیب ہو جس نے اس زبان میں مختلف و متنوع مضامین پر نظم و نثر کی اتنی متعدد و بلند پایہ تصنیفات و تالیفات چھوڑی ہوں جتنی کہ خان علیین مکان نے۔ اسے دور حاضر کے ادبا نے صحیح طور سے 'د پښتو پلار' (پشتو کا باپ) تسلیم کیا ہے۔ اور خود اس کا بھی دعویٰ ہے کہ جو نظم و نثر کو آب و تاب بخشنے اور اس کے رسم الخط کو ترتیب و ترقی دینے کی وجہ سے پشتو زبان پر اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ مندرجہ ذیل قطعہ اس دعویٰ کا حامل ہے:

کهٔ د نظم کهٔ د نثر کهٔ د خط دے	نظم و نثر اور خط کی وجہ سے
په پښتو ژبه مې حق دے بې حسابه	میرا پشتو زبان پر بے حساب احسان ہے۔
نه ئې وو پکښې کتاب و نه ئې خط وه	مجھ سے پہلے اس میں نہ تو کتاب تھی اور نہ ہی خط
دا دي ما پکښې تصنيف كړل څو كتابه	یہ لو میں نے اس میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ (۱)

خان علیین مکان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد کے متعلق اگرچہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور بعض نے اس کی علمی و ادبی آثار کی تعداد ۲۰۰ اور بعض نے ۳۵۰ تک بیان کی ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ خان متعدد کتابوں کا مصنف و مؤلف تھا۔ جن میں سے مندرجہ ذیل بلا شک و شبہ اس کی فکر کا نتیجہ ہیں:

(۱) **دیوان یا کلیات خوشحال خان**: ایک قصیدہ میں جو محرم ۱۰۹۵ھ (۱۰ نومبر ۱۶۸۳ء۔ ۷ دسمبر ۱۶۸۴ء) میں لکھا گیا تھا کی رو سے اس وقت دیوان کے اشعار کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ انتقال کے وقت دیوان کے اشعار کی تعداد ہم ۴۰۔ ۴۵ ہزار کے درمیان قیاس کر سکتے ہیں۔ مگر مطبوعہ مجموعہ کلام کے اشعار اس تعداد سے بہت کم ہیں۔ دیوان زیادہ تر پشتو، بعض فارسی اور چند ذوالسانین (پشتو فارسی و پشتو ہندی مرکب) نظموں پر مشتمل ہے۔ اصناف سخن جن میں خان نے طبع آزمائی کی حسب ذیل ہیں:

غزل، قصیدہ، رباعی (۲)، قطعہ، مثنوی، مربع، مخمس، مسدس، معشر، ترکیب بند (جن میں ایک ذوالقافتین بھی ہے) اور ترجیع بند۔

دیوان پشتو ادب کا بہترین اور سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔ جناب حبیبی صاحب کے خیال میں یہ پشتو کا بلند ترین ادبی اثر ہے اور پیر محمد کاکڑ کے خیال میں یہ ایک بحر مواج ہے جس میں شعر و سخن کے ہر قسم کے گوہر آبدار دستیاب ہیں۔ دیوان کے مطالعہ سے فارسی ادب کے اثر اور اساتذہ فارسی سے خوشہ چینی کا کافی پتہ چلتا ہے۔ مگر باوجود اس کے خوشحال خان کی قومی اور ذاتی شان پوری آب و تاب سے جلوہ نما ہے۔ دیوان طبع زاد افکار و خیالات اور اچھوتے انداز بیان کے بیش بہا نمونوں سے لبریز ہے۔ علاوہ ایک ادبی شہکار ہونے کے دیوان ایک بہت ہی قیمتی تاریخی دستاویز ہے۔ جس سے نہ صرف خوشحال خان کی زندگی کے اہم واقعات معلوم ہوتے ہیں بلکہ اس کے عہد کے بعض دیگر اہم معلومات پر بھی کسی حد تک اس سے روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں دیوان میں [illegible] ایک مختصر منظوم تاریخ بھی ہے۔

(۲) باز نامہ: (شکاری) بازوں کے امراض اور ان کے علاج اور شکار کے متعلق ہے۔ (دیوان میں بھی اس مضمون پر نظمیں موجود ہیں) شورش ایمل کے دوران میں جب خوشحال خان علاقہ یوسف زئی کا دورہ کر رہا تھا تو فرصت کے چند دنوں میں باز نامہ تصنیف کیا۔ دستار نامہ(۳) میں مذکور باز نامہ کوئی دوسری کتاب ہے۔

(۳) صحت البدن: یہ کتاب حفظان صحت اور طب کے متعلق ہے غالباً یہی طب منظوم ہے (دیوان میں بھی اس مضمون پر چند ایک نظمیں ہیں)

(۴) ہدایہ: فقہ اسلامی کی مشہور کتاب ہدایہ کا عربی سے پشتو میں ترجمہ ہے۔

(۵) آئینہ: فقہ کی کتاب ہے عربی سے پشتو میں ترجمہ ہوئی۔

(۶) فضل نامہ: چھوٹی بحر کی مثنوی میں مذہبی و فقہی مسائل ہیں۔ سال تصنیف ۱۰۸۹ھ (۱۶۷۸-۷۹ء) ہے۔ اس کتاب میں خان علیین مکان نے عقائد و اعمال کے متعلق کثیر التعداد مسائل کو نہایت آسان اور قریب الفہم طریقہ سے بیان کر دیا ہے۔ کتاب کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم آسانی سے ضروری احکام و مسائل کو جان لے اور اگر چاہے تو نظم کی صورت میں یاد بھی کر لے۔

(۷) سوات نامہ: قریباً چار سو اشعار پر مشتمل مثنوی ہے جس میں سوات اور سفر سوات کے حالات درج ہیں۔ سوات کے بعض جغرافیائی خدوخال کو بھی اختصار مگر نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں یوسف زئی قبیلہ کے تمدن و معاشرت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی چند

تاریخی اور قومی جدو جہد کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ جو کچھ یوسف زئیوں کی سوسائٹی کے متعلق کہا گیا ہے وہ اس وقت کی افغان سوسائٹی پر عام طور سے صادق نظر آتا ہے۔ سوات نامہ میں کسی قدر عقائد کی بحث بھی آجاتی ہے اور کچھ تھوڑی سی علمی و ادبی تنقید بھی ہے۔ اعتقادی نقطہ نظر کے علاوہ اخوند درویزہ کی تصنیفات پر خالص ادبی زاویہ خیال سے بھی نکتہ چینی کی گئی ہے خان بعض جگہ بہت شدت سے کام لیتا ہے۔

مثنوی سوات نامہ کے اشعار چھوٹی بحر میں اور بڑے چست و روان اور برجستہ ہیں۔ افکار و مضامین زبان اور انداز بیان ہر لحاظ سے سوات نامہ ایک بلند پایہ ادبی اثر اور خان علیین مکان کی بہتری تصانیف میں سے ہے۔ سوات نامہ تمام و کمال تاریخ مرصع کے قلمی نسخہ میں درج ہے۔

(۸) فرخنامہ: مناظرہ شمشیر و قلم

(۹) فراق نامہ: خوشحال خان کی حبسیات کا مجموعہ ہے جو غزلوں اور مثنویات پر مشتمل ہے۔ رنتھمبور میں دوران حبس میں ختم ہوا۔ یہ مجموعہ جامع نہیں۔ بعض بہت اہم حبسیہ نظمیں اس میں موجود نہیں البتہ اس کی بعض غزلیں دیوان اور کلیات میں موجود ہیں۔

(۱۰) دستار نامہ: خان علیین مکان کی ایک بہت ہی اہم تصنیف ہے۔ جو اس کے متفرق نثری مضامین متعلق سیاست، تہذیب، اخلاق، شکار، فنون سپہ گری، لعب اور فنون لطیفہ کا مجموعہ ہے۔ دستار نامہ کے متعلق میجر راورٹی کے نوٹ مندرجہ مقدمہ گرامر سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ مستشرق موصوف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کتاب پگڑی اسے سر پر باندھنے کے مختلف طریقوں اور دعاؤں کے متعلق ہے جو ان مواقع پر پڑھی جاتی ہیں۔[۴] کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے باب اول ہنروں اور باب دوم خصائل کے متعلق ہے۔ کتاب کے شروع میں حسب ذیل ابیات دستار کے متعلق ہے:

جې دستار تړي هزار دي — پگڑی باندھنے والوں ہزاروں ہیں
د دستار سړي په شمار دي — مگر پگڑی کے اہل معدودے چند ہیں

مذکورہ بالا ابواب میں مندرجہ ذیل مضامین زیر بحث آئے ہیں:

باب اول:

اول هنر د خان د معرفت — یعنی اول ہنر خود شناسی

کسب کمال بالله شي

دویم هنر د علم چې کسب کمال دے

یعنی دوئم ہنر علم جو کسب کمال کہلاتا ہے

دریم هنر د خط چې لازم ملزوم د کسب کمال دے

یعنی تیسرا ہنر خط کا جو کسب کمال کے لیے لازمی ہے

څلورم هنر د شعر چې پیرو د علم دے

یعنی چوتھا ہنر شعر کا جو علم کا پیرو ہے

پنځم هنر د تیر اندازی دے

یعنی پانچواں ہنر تیر اندازی کا ہے

شپږم هنر آب بازي

یعنی چھٹا ہنر تیراکی

اووم هنر اسپ تازي دے

یعنی چھٹا ہنر گھوڑ دوڑ ہے

اتم هنر د ښکار دے

یعنی آٹھواں ہنر شکار کا ہے

نهم هنر شجاعت دے

یعنی نواں ہنر شجاعت ہے

لسم هنر سخاوت دے

یعنی دسواں ہنر سخاوت ہے

یولسم هنر د ازدواج د معاشرت دے

یعنی گیارہواں ہنر ازدواج و معاشرت کا ہے

دولسم هنر د اولاد د تربیت دے

یعنی بارہواں ہنر تربیت اولاد ہے

دیارلسم هنر تادیب د خدم و حشم دے

یعنی تیرہواں ہنر نوکروں چاکروں کی تادیب

څوارلسم هنر د اسباب معیشت دے

یعنی چودھواں ہنر اسباب معیشت کا ہے

پنځلسم هنر د زراعت د دهقانت دے

یعنی پندرہواں ہنر زراعت و دہقانی ہے

شپاړسم هنر د تجارت دے

یعنی سولہواں ہنر تجارت ہے

اوولسم هنر د تحقیق د نسب دے

یعنی سترہواں ہنر تحقیق نسب ہے

اتلسم هنر د علم موسیقي دے

یعنی اٹھارہواں ہنر علم موسیقی کا ہے

نولسم هنر د نرد د شطرنج دے

یعنی انیسواں ہنر نرد و شطرنج کا ہے

شلم هنر د تصویر د نقاشي دے

یعنی بیسواں ہنر مصوری و نقاشی ہے

باب دوم: خصائل:

پہلی خصلت مشورت، دوسری خصلت عزیمت، تیسری خاموشی، چوتھی راستی، پانچویں شرم و حیا، چھٹی خصلت خلق نیک اور خلق خوش خوئی، ساتویں خصلت مروت، آٹھویں خصلت عفو کرم، نویں خصلت تمیز، دسویں خصلت عدل و انصاف، گیارہویں خصلت توکل، بارہویں خصلت شرم اپنی مہربانی کی (۵) تیرہویں خصلت خوف و رجا کی۔ چودھویں خصلت ملک کا انتظام، پندرہویں خصلت ہمت، سولہویں خصلت علم، سترہویں خصلت غیرت، اٹھارویں خصلت حزم،

احتیاط، انیسویں خصلت طاعت و ورع بیسویں خصلت استغفار۔

دستار نامہ بھی رنتھمبور میں ۱۷ ماہ ربیع الاول ۱۰۷۶ھ (ستمبر ۱۶۶۵ء) کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ خوشحال خان نے اس کی تاریخ یوں کہی ہے:

"وایم دا بس دے محنت د بیلتانہ" یعنی غم جدائی ختم ہوا
۱۰۷۶ھ

(۱۱) بیاض: خان علیین مکان کے ذاتی و خاندانی حالات اور قومی جدوجہد کے واقعات جو اس نے وقتاً فوقتاً لکھے۔ یہ کتاب بھی نثر میں ہے اور اس کے اہم ترین ادبی آثار میں سے ہے۔ جو ایک بہت ہی قیمتی تاریخی دستاویز ہے۔ بیاض کا مکمل نسخہ تو اس وقت ناپید ہے البتہ خوش قسمتی سے افضل خان نے تاریخ مرصع میں اس کے متعدد طویل اقتباسات لفظ بہ لفظ شامل کیے ہیں۔

(۱۲) زنجیری: خان علیین مکان نے ایک قسم کا شارٹ ہینڈ ایجاد کیا تھا۔ جس کا نام زنجیری تھا۔

بعض ایسی کتابیں بھی خان علیین مکان کی طرف منسوب کی گئی ہیں جو یا تو اس کی تصنیفات نہیں یا جن کا اس کی تصانیف میں سے ہونا مشکوک ہے اور یا اگر ان میں سے کسی کا اسے مؤلف و مصنف کہا بھی جا سکتا ہے تو وہ کلیۃً اس کی کاوش و کوشش کا نتیجہ نہیں۔ الفنسٹن نے افغانوں کی تاریخ عہد قدیم سے خوشحال خان کے اپنے زمانے تک اس کی طرف منسوب کی ہے۔ اسی طرح انوار سہیلی کے پشتو ترجمہ عیار دانش کو بھی خوشحال خان کی طرف منسوب کیا گیا ہے[۶] میجر راورٹی کا خیال ہے کہ ان دونوں کتابوں میں سے ایک بھی خان علیین مکان کے قلم کا نتیجہ نہیں۔ اس کے خیال میں الفنسٹن نے جس تاریخ کا ذکر کیا ہے وہ افضل خان کی تاریخ مرصع ہی ہے۔ عیار دانش کے متعلق بھی میجر راورٹی کا خیال ہے کہ یہ افضل خان ہی کا کیا ہوا ترجمہ ہے۔ جو ابوالفضل کے خلاصہ انوار سہیلی پر مبنی ہے۔ افضل خان نے اپنے ترجمے کا نام پہلے عیار دانش رکھا ہوگا۔ مگر جیسا کہ وہ دیباچہ میں کہتا ہے نظر ثانی پر اس نے اس کا نام علم خانہ دانش رکھا۔[۷]

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ اگرچہ تاریخ مرصع جو ایک ضخیم کتاب ہے اور کئی حصوں پر مشتمل ہے کلیۃً خان علیین مکان کی کوشش و کاوش کا نتیجہ نہیں۔ اس کتاب کا مؤلف افضل خان ہے مگر اس کے بہت سے حصے یا تو خان علیین مکان کے لکھے ہوئے ہیں جو بیاض سے اقتباسات پر مشتمل ہیں اور یا ان معلومات پر مبنی ہیں جو خان کلاں سے مؤلف کتاب کو حاصل ہوئے۔ تاریخ مرصع میں خان کلاں کی موت کے بعد بھی بہت سے اہم واقعات کا ذکر ہے جو افضل خان کے لکھے ہوئے ہیں۔ علاوہ بریں کتاب کا ایک حصہ نعمت اللہ ہروی کی مخزن افغانی کا ترجمہ

اولاد

خان علیین مکان نے کئی شادیاں کی تھیں۔ منکوحہ بیویوں کے علاوہ حرم میں کنیزیں بھی تھیں۔ بیویوں اور کنیزوں سے ساٹھ کے قریب بیٹے اور اکتیس لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) **اشرف خان ہجری:** جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اشرف خان ہجری سترہ[1] یا نو رمضان ۱۰۴۴ھ مطابق مارچ ۱۶۳۵ء، یا ۱۰۴۹ھ مطابق جنوری ۱۶۴۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کے بعض واقعات خان علیین مکان کے سوانح حیات کے بیان میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اشرف خان بھی باپ کی طرح خان و سردار اور شاعر و ادیب تھا۔ اور پشتو کے چوٹی کے شعرا میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کا دیوان خوش قسمتی سے زمانے کی دستبرد سے بچ رہا ہے۔ چند غزلیات کا مجموعہ چھپ بھی چکا ہے۔ جس سے اس کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کلام میں وطنی، اخلاق اور خفیہ مضامین پائے جاتے ہیں۔ فارسی و پشتو نمونہ کلام تاریخ مرصع کے قلمی نسخہ سے پیش کیا جا چکا ہے۔ اشرف خان کی وہ نظمیں جو مغلوں کی قید میں لکھی گئیں۔ سوز و گداز سے لبریز ہیں۔ ہجری کو وطن واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ اور ۱۴ سال کی قید (جو گوالیار اور بیجاپور میں گزاری) کے بعد بیجاپور کے قید خانہ میں قفس عنصری کی قید سے آزاد ہوا۔ آزاد خان نے اس کی مندرجہ ذیل تاریخ وفات لکھی ہے:۔

"د هجرت ئ زر سل شپږ وو	"ہجرت کے ہزار سو اور چھ (سال) تھے
اشرف خان چې فوت شو یاره	جب اشرف خان فوت ہوا
غم اندوه' د دۀ تاریخ دے	'غم اندوہ' اس کی تاریخ ہے
کړه حساب کړے وۀ ئ شماره	بروئے حساب گن کر دیکھ لو"

(۲) **سعادت خان:** یہ محرم ۱۰۵۲ھ (مطابق ۷ اپریل ۱۶۴۲ء) کو پیدا ہوا۔ اس کا مادہ سال ولادت "غازی دل" ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ خان علیین مکان کے دوران قید میں اس نے میر باز خان اور باقی خان کے ہمراہ اہم کردار ادا کیا تھا۔

(۳) **بہرام خان:** ماہ ربیع الاول ۱۰۵۳ھ (مئی جون ۱۶۴۳ء) میں پیدا ہوا۔ 'بخت بابا آمد'

اس کا مادۂ سال ولادت ہے۔ اس کی شہرت کا باعث وہ بدنامی ہے جو اس نے اپنے عظیم القدر باپ کے خلاف شیوۂ تمرد و ناخلفی اختیار کرنے کی وجہ سے حاصل کی۔ خان علیین مکان نے 'بخت بابا آمد' اس بدبخت کی پیدائش کا سال لکھا تھا اور خدا کی شان دیکھئے کہ باپ کا بخت بد ثابت ہوا۔ خان علیین مکان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرام خان کو فن انشا و املا میں خوب مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ خان کلاں کا ایک شعر ہے:-

عطارد دي نور قلم له لاسه کیږدي   "اب عطارد قلم ہاتھ سے رکھ دے

چې په دا خوبي بهرام انشا املا کا"   جب بہرام اس خوبی سے انشا و املا لکھتا ہے"

(۴) نظام خان: ۲۴ محرم ۱۰۶۰ھ (۸ جنوری ۱۶۵۰ء) کو پیدا ہوا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ جمادی الاول ۱۰۸۶ھ (جولائی اگست ۱۶۷۵ء) میں دس ماہ کی طویل علالت کے بعد انتقال کیا۔

(۵) یحییٰ خان (۶) شہباز خان (یا آزاد خان؟) [۳] دونوں کا مادۂ سال ولادت "گل باغ زاد آزاد خان" سے نکلتا ہے۔

یہ چھ بھائی ایک ماں سے تھے جو عینی خٹکوں کی شاخ الک خیل سے تھی اور الف ولد ملک سرور ولد میرک کی بیٹی تھی۔

(۷) عابد خان: ۲ ماہ صفر ۱۰۵۸ھ (اواخر فروری ۱۶۴۸ء) میں پیدا ہوا۔ نوشہرہ، گنبت اور ڈوڈہ کی لڑائیوں میں اس نے کارہائے نمایاں کئے۔ خان علیین مکان کے اواخر عمر میں یہ بھی اس کی پریشانی کا سبب بنا۔

(۸) خالد خان: ان دونوں کی والدہ دولت خان ولد علی شاہ ولد شہباز [illegible] کی بیٹی تھی جو اپنے آپ کو اپنے قبیلہ کا "مقدم" خیال کرتا تھا۔

(۹) عبدالعزیز خان: ۵ ذی الحجہ ۱۰۶۳ھ (اواخر اکتوبر ۱۶۵۳ء) میں پیدا ہوا اور بچپن ہی میں وفات پائی۔

(۱۰) عبدالقادر خان: ۲۵ ذی الحجہ ۱۰۶۳ھ (نومبر ۱۶۵۳ء) میں پیدا ہوا۔ عبدالقادر خان ہی سے سال ولادت عیاں ہے۔ [۴]

(۱۱) شہباز خان: (۱۲) بخت ناک خان۔ جن کی ماں نوشہرہ کے صاحب خان ولد بوچہ خان ولد ملک بارہ [illegible] [۵] کی بیٹی تھی۔ صاحب خان کی بیٹی یا تو عبدالقادر خان، شہباز خان اور بخت ناک خان کی ماں تھی اور یا موخرالذکر دو کی۔ اگر عبدالعزیز خان بھی اسی کا بیٹا تھا تو پھر یہ عبدالقادر

خان کی ماں نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ عبدالعزیز خان کے ۴۰ دن بعد ایک ہی سال میں عبدالقادر خان کی ولادت ہوئی ہے۔

عبدالقادر خان بھی باپ کی طرح تلوار اور قلم دونوں کا دھنی تھا۔ وہ پشتو زبان کے درجہ اول کے ادباء میں نمایاں مقام کا مالک ہے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے علاوہ بہت عمدہ نثر نگار بھی تھا اور ساتھ کتب نظم و نثر کا مولف بیان ہوتا ہے۔ (۶) میجر راورٹی نے مقدمہ گرامر میں اس کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے:۔

(۱) دیوان۔ (۲) رومان آدم خان درخانی (افغانوں کے قبیلہ یوسف زئی کا مشہور و معروف رومان)۔ (۳) پشتو منظوم ترجمہ یوسف زلیخائے جامی۔ (۴) گلدستہ یعنی پشتو ترجمہ گلستان سعدی۔ (۵) معمات پر ایک چھوٹی سی کتاب۔ علاوہ ان کے بقول محمد ہوتک نصیحت نامہ اور چہل حدیث بھی اس کی تالیفات میں سے ہیں۔ دیوان، یوسف زلیخا اور گلدستہ کے انتخابات میجر راورٹی نے اپنی کتاب گلشن روہ میں بھی دیئے ہیں۔ عبدالحی حبیبی صاحب نے مکمل دیوان قندہار میں چھپوا کر شائع کیا ہے جو قریباً ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ عبدالقادر خان کے کلام میں عشقیہ اخلاقی اور صوفیانہ مضامین و افکار کے علاوہ مناظر فطرت کی عکاسی بھی موجود ہے۔ جدت حسن بیان اور خوبی زبان، ندرت خیال و تشبیہ اور دلنواز انداز کے ساتھ شوخی بھی عبدالقادر خان کے کلام کی خصوصیات میں سے ہے۔

یوسف زلیخا کا ترجمہ عبدالقادر خان نے ۱۱۱۲ھ (۱۷۰۰ء) میں کیا ہے۔ اصل کی طرح یہ ترجمہ بھی چھوٹی بحر کی مثنوی میں ہے۔ گلدستہ یعنی گلستان کے ترجمہ میں یہ خوبی ہے کہ نثر کا نثر اور نظم کا نظم میں نہایت موزوں ترجمہ کیا گیا ہے۔ عبدالقادر خان کی نثر عام طور سے رواں و برجستہ اور تکلف و تصنع سے پاک ہے۔ (۷)

عبدالقادر خان کے جنگی کارناموں کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ نوشہرہ کے کوٹ (قلعہ) پر یلغار میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور گنبت کی لڑائی میں بھی زخمی ہوا۔ میجر راورٹی کے بیان کے مطابق عبدالقادر خان کو اس کے بھتیجے افضل خان بن اشرف خان نے قتل کرایا تھا۔ کیونکہ عبدالقادر خان اس کی سرداری قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ (۸)

(۱۳) صدر خان: اس کی والدہ ملک ملو خان ولد ملک اسماعیل خان یوسف زئی کی بیٹی اور ملک نزو خان کی بہن تھی۔ اس نے ایک دیوان چھوڑا۔ اور اس کے علاوہ اس نے بھی رومان آدم خان و

درخانی پر ایک کتاب لکھی اور نظامی کی خسرو شیریں کا فارسی سے پشتو زبان میں ترجمہ بھی کیا۔(۹)
صدر خان جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ڈوڈہ کی لڑائی میں باپ کے ساتھ
تھا۔

(۱۴) ظفر خان: متولد ۱۳ صفر ۱۰۶۱ھ (مطابق فروری ۱۶۵۱ء) "گل ریاض" مادہ سال
ولادت ہے۔

(۱۵) سکندر خان: یہ بھی شاعر تھا (۱۶) کمال خان اس کی تاریخ پیدائش ۲۵ ماہ حمل یعنی
فروردیں (وسط اپریل) ۱۰۶۲ھ ہے (قمری مہینہ اوائل جمادی الاول اور سال عیسوی ۱۶۵۲ء
ہوا)

ان تینوں کی مائیں کنیزیں تھیں۔

(۱۷) گوہر خان: یہ بھی شاعر تھا اس کی لکھی ہوئی خان علیین مکان کی تاریخ وفات آپ پڑھ
چکے ہیں۔

(۱۸) نصرت خان: جب مکرم خان نے خوشحال خان پر بہرام خان کے حکم کے مطابق پہلی بار
حملہ کیا تھا تو جیسا عرض کیا جا چکا ہے۔ گوہر خان و نصرت خان دونوں باپ کے ساتھ تھے۔

(۱۹) جلال خان (۲۰) عادل خان۔ (۲۱) جعفر خان

عادل خان کا مادہ سال ولادت 'بفرخندہ فال زلال' (۱۰۶۴ھ) ہے۔ ماہ ولادت جمادی
الثانی ہے۔ عیسوی حساب سے ماہ و سال ولادت مارچ۔ اپریل ۱۶۵۴ء ہوئے۔

عادل خان کی ولادت کے اکیس روز بعد جعفر خان کی پیدائش بیان ہوئی ہے۔

(۲۲) عجب خان۔ (۲۳) عبدالرحمن خان۔ (۲۴) ابوالخیر خان۔ (۲۵) نجابت خان۔
(۲۶) شاکر خان۔ (۲۷) طاہر خان۔ (۲۸) فرحت خان۔ (۲۹) امان اللہ خان۔
(۳۰) کامران خان۔ (۳۱) شادمان خان۔ (۳۲) پیر خان۔

یہ سب خوشحال خان کے داشتہ زادہ بیٹے تھے۔

اور خوشحال خان کے وہ بیٹے جو ایام طفولیت میں فوت ہوئے حسب ذیل ہیں:۔

(۳۳) اکبر خان۔ اشرف خان سے بڑا تھا۔ سات دن کا تھا جب فوت ہوا۔(۱۰)

(۳۴) مومن خان اڑھائی سال زندہ رہا۔ (۳۵) زین خان ۲ سال کی عمر پائی۔ (۳۶) غضنفر خان
اڑھائی سال جیا۔

(۳۷) فوت خان توام تھا۔ (۱۱) سات دن کا فوت ہوا۔ (۳۸) منصور خان۔ یہ سب اشرف خان
کے سگے بھائی تھے۔

(۳۹) زاہد خان۔ (۴۰) حامد خان۔ (۴۱) عادل خان۔ (۴۲) بشیر خان۔ یہ
چاروں عابد خان کے بھائی تھے۔

(۴۰) اور (۴۱) دونوں کے نام عادل خان ہیں اور علیحدہ ہیں کیونکہ (۴۰) کی والدہ
[illegible]) تھی اور (۴۱) عابد خان کا بھائی بیان ہوا ہے۔

(۴۳) اسمٰعیل خان۔ (۴۴) یوسف خان۔ توام تھے۔ ایک سات دن اور دوسرا ایک سال زندہ
رہا۔ (۴۵) ان کا ایک اور بھائی بھی تھا۔ یہ تینوں صدر خان کے بھائی تھے۔

(۴۶) عبدالقادر خان کا ایک بھائی جو سات دن کا فوت ہوا تھا۔

(۴۷)۔(۴۸)۔(۴۹) کمال خان کے تین بھائی تھے۔ اکٹھے پیدا ہوئے تھے۔
افضل خان نے 'بغر گون' (دوہرے) کا لفظ لکھا ہے۔ لیکن اگر یہ تینوں اکٹھے پیدا
ہوئے ہوں۔ تو 'بغر گون' کا لفظ موزوں نہ ہوگا۔

(۵۰) علاء الدین خان۔ (۵۱) محبت خان۔ (۵۲) فتح خان۔ (۵۳) نوروز خان نو نو سال کے
فوت ہوئے۔ (۵۴) عزیز خان پانچ سال کا فوت ہوا۔ (۵۵) شاہ علی خان۔ (۵۶) فتح خان
ثانی آٹھ سال کا فوت ہوا۔ (۵۷) جنگی خان اور (۵۸) عبداللہ خان سگے بھائی تھے۔ (۵۹) بشیر
خان ثانی۔ (۶۰) شکراللہ خان۔ یہ سب بھی داشتہ زادہ بیٹے تھے۔ (۱۲)

سات بیٹے سات آٹھ مہینے کے پیدا ہو کر فوت ہوئے۔

افضل خان نے اولاد کے ذکر کے آغاز میں لکھا ہے کہ خان علیین مکان کو حق تعالیٰ نے
پچپن فرزندان نرینہ عطا کیے تھے۔ میں نے تفصیل ہو بہو تاریخ مرصع کے قلمی نسخوں کے مطابق لکھی
ہے۔

بغیر مؤخر الذکر سات بیٹوں کے اولاد نرینہ کی تعداد ساٹھ ہے اور ان سمیت سڑسٹھ ہے۔
خوشحال خان نے بھی اپنی ایک رباعی (۱۳) میں بیٹوں کی تعداد ساٹھ سے زیادہ بیان کی ہے۔
تاریخ مرصع میں بیٹیوں کی تعداد اکتیس بیان ہوئی ہے۔ مگر فراق نامہ کی ایک نظم میں
خوشحال خان نے اپنی بیٹیوں کی تعداد بتیس لکھی ہے۔ (۱۴) افضل خان نے لکھا ہے کہ اکتیس چھوٹی
بڑی بیٹیاں فوت ہوئی ہیں۔ یہ وضاحت نہیں کی کہ یہی بیٹیوں کی مجموعی تعداد تھی یا اس سے زیادہ

تھی۔

خان علیین مکان کی بیٹیوں میں سے تاج بی بی اور بی بی حلیمہ ہی کے نام مجھے معلوم ہوئے ہیں۔

(۱۵) تاج بی بی کا انتقال ایمل خان کی شورش کے ابتدائی دور میں ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ دوسری کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ خان علیین مکان اس کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "میری نیک بخت بیٹی تھی۔ قرآن اور دوسری کتابیں پڑھی تھیں، طاعت و عبادت میں مشغول رہتی تھی۔"

بی بی حلیمہ صوفی مشرب شاعرہ اور قرآن کی حافظ تھی۔ محمد ہوتک اس کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی عبدالقادر خان کے ذریعہ شیخ سعدی لاہوری کی بیعت کی تھی۔ شادی نہیں کی تھی اور اپنے بھائی عبدالقادر کے گھر میں عورتوں کو درس دیا کرتی تھی۔ حافظہ قرآن کریم تھی۔ اور مثنوی مولانا روم" اور مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے حقائق و دقائق بیان اور حل کرتی تھی۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

"وھر چا وته جي گورم ولاړه ښيي دے — "جسے دیکھتی ہوں وہی دکھائی دیتا ہے

د جمال په ننداروي شادمان شوم — اس کے نظارہ ہائے جمال سے میں مسرت اندوز ہوں

غیر فکر مي له زړه نه را بهر شو — جب سے میں نے ماسوا کا خیال دل سے نکالا ہے

په خلیل او په عدو باندې یکسان شوم" — میں دوست اور دشمن کیلئے یکساں ہوگئی ہوں۔ (۱۶)

حواشی

۱۔ ت۔م (ق)

۲۔ فراق نامہ کی مثنوی جو پناہ گزینان سنگاؤ کی یاد میں لکھی گئی۔ اس میں سعادت، بہرام اور نظام کے بعد جٹ ہے۔ یوں جٹ (۴) ہے۔ اور اگر اشرف سے شمار کیا جائے تو (۵) ہے۔ اشرف خان کا ذکر اس مثنوی میں غالباً اس لئے نہیں کیا گیا کہ وہ سنگاؤ میں مقیم نہ تھا۔ چنانچہ ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ جٹ یحیٰی خان کا پیار کا نام تھا۔

۳۔ میرے پیش نظر قلمی نسخہ ہائے ت۔م میں شہباز خان لکھا ہے مگر مادہ تاریخ میں آزاد خان کی بجائے یحیٰی خان یا شہباز خان لکھا ہے۔ شہباز خان جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے (۱۱) تھا اگر (۱۱) شہباز خان نام کا دوسرا بیٹا ہوتا تو افضل خان اس کی وضاحت کر دیتا۔ غالباً (۶) آزاد خان ہے۔ جس نے اشرف خان کی تاریخ وفات لکھی۔ سال ولادت اگر گل باغ زاد"

ہوتو ۱۰۱۵ھ (۱۶۵۴-۵۵ء) ہوگا۔ صرف گل باغ ۱۰۵۳ھ ہوگا۔ فراقنامہ کی محولہ مثنوی میں بھی
... کے بعد آزاد کا ذکر ہے۔ نمبر (۵) و (۶) کی تاریخ ولادت ۱۰۵۳ھ قرین قیاس نہیں۔

محمد ہوتک مولف پٹہ خزانہ نے اسکی تاریخ وسال پیدائش ۲۳ جمادی الثانی ۱۰۶۱ھ لکھا ... جو بیعت۔ م (ق) کے خلاف ہونے کے قابل نہیں۔

مہمزئی جن کا اصل وطن ہشتنگر تحصیل چارسدہ ہے۔ قصبہ نوشہرہ میں کافی تعداد میں آباد ہیں۔

ایس۔ پی۔ اے ص ۲۷۰۔

مقدمہ گرامر ص ۲۹ و پٹہ خزانہ حالات عبدالقادر خان۔

محمد ہوتک مولف پٹہ خزانہ عبدالقادر خان کے حالات میں لکھتا ہے کہ ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱-۲ء) میں علاقہ بنگش کے راستہ کاروانوں کے گزرنے کے بارے میں گفت و شنید کرنے آیا تھا عبدالقادر خان صاحب طریقت بھی تھا۔ شیخ سعدی رحمانی لاہوری کا مرید اور خلیفہ تھا۔

۹۔ مقدمہ گرامر ص ۲۹۔

۱۰۔ اس طرح اکبر خان خوشحال خان کا سب سے بڑا بیٹا ہوا۔ مگر چونکہ وہ بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا اس لئے اشرف خان ہی کو خوشحال خان کا سب سے بڑا بیٹا کہا گیا ہے۔

۱۱۔ افضل خان نے یہ نہیں لکھا کہ کس کے ساتھ توام تھا۔

۱۲۔ افضل خان نے لکھا ہے کہ یہ تیرہ صورتی بیٹے (داشتہ زادے) تھے۔ مگر (۷۴-۶۰) (شمول ہر دو) چودہ ہوتے ہیں اگر ہم (۵۴) کو (۹) کی تکرار سمجھتے ہوئے حذف کر دیں تو تیرہ رہ جائیں گے مگر (۹) صورتی کا بیٹا بیان نہیں ہوا۔

۱۳۔ کلیات ص ص ۸۴۷ و ۸۴۸۔ دیوان حصہ ۲ ص ۵۵۷۔

۱۴۔ فراقنامہ کی مثنوی میں بیٹوں کی تعداد بتیس بیان ہوئی ہے اور (زندہ) بیٹوں کی ستائیس۔

۱۵۔ محولہ بالا مثنوی میں بیٹیوں اور بہنوں کے ذکر کے بعد چند نام بیان ہوئے ہیں۔ لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کن کے نام ہیں۔ علاوہ بریں چند مردانہ نام بھی بیان ہوئے ہیں جو افضل خان کی فہرست اولاد میں نہیں۔ شاید یہ ان بیٹوں میں سے بعض کے نام ہوں جن کے نام افضل خان نے بیان نہیں کئے۔ یہ نام نجم اللہ، عتیق اللہ اور نجیب اللہ ہیں۔

۱۶۔ پٹہ خزانہ۔

حصہ اول تمام شد

حصہ دوم

شاعری اور متفرقات

(۱)

تمہید

اگرچہ خان علیین مکان کی شاعری کا مابہ الامتیاز اس کا قومی، وطنی اور حماسی (شجاعانہ) پہلو ہے اور زیادہ تر وہ افغانوں کے قومی شاعر کی حیثیت ہی سے جانا اور پہچانا گیا ہے مگر جیسا کہ کتاب کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاعر کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے ہم عرض کر چکے ہیں خان علیین مکان کی شاعری جامع ہے اور حیات و فکر انسانی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس کی اس میں عکاسی نہ کی گئی ہو حضرت مولینا عبدالمجید صاحب سعدی افغانی دیوان کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "ایک سردار اور شاعر ہونے کے علاوہ وہ ایک زبردست فلسفی اور حکیم تھا جسے اپنی قوم کے تمام رشتے، خوبیاں اور ساری اخلاقی کمزوریاں اچھی طرح معلوم تھیں اور جیسا مرض تھا ویسا ہی علاج تجویز کیا۔" یہاں مولینا ممدوح کے سامنے زیادہ تر خوشحالیات کا افغانی پہلو تھا اور اس کے واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ مگر اس سے پہلے ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس کی ساری عمر سرداری میں گزری اور شب و روز لڑائیوں میں مصروف رہتا مگر اس کے باوجود ایسا کوئی خیال نہیں جو اس کے دیوان میں نہ ہو۔" اور آخر میں خوشحال خان کو اس کی عمومیت کی وجہ سے شیخ سعدی شیرازی سے تشبیہ دی ہے۔ (۱)

علامہ اقبال کی نظر میں بھی خوشحال خان محض ایک شاعر ہی نہ تھا بلکہ وہ اسے شاعر افغان شناس ملت افغان کا حکیم اور افغانوں کے قومی امراض کا معالج سمجھتے ہیں۔ (۲) یعنی خان علیین مکان علامہ اقبال کی نظر میں ایک شاعر اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک مفکر اور فلسفی بھی تھا۔

میجر راورٹی خوشحال خان کی شاعری کی جامعیت اور تنوع کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"بہ مقابلہ دیگر افغان شعراء کے جن کا ذکر اس کتاب (۳) میں کیا گیا ہے خوشحال خان کے کلام میں زیادہ تنوع دکھائی دے گا کیونکہ مغرب کے شعراء کی طرح ایسا کوئی مضمون نہیں جو اس کے لیے بیگانہ ہو۔ علاوہ اور چیزوں کے وہ اپنے ہم وطنوں کی خامیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جو اسے آج سے دو صدیاں پیشتر نظر آئیں (۴)---

بڑلف کے نزدیک بھی خوشحال خان ایک جامع ادیب ہے جس کی شاعری اس کے

قومی کیریکٹر اور اس کی زندگی کے احوال وکوائف کی آئینہ دار ہے۔ جس میں جنگجویانہ جذبات کے ساتھ فلسفیانہ، مذہبی اور وجدانی افکار وخیالات کا ایک غیر معمولی امتزاج ہے۔ (۵)

عبدالحئی خان حبیبی خوشحال خان کی شاعرانہ اور ادبی عظمت اور اس کے شعر کی جامعیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''خوشحال خان کا شعر معنی اور مضمون کی رو سے اس قدر جامع ہے کہ ہم اسے ایک جامع ادب کا استاد کامل اور پیشوا کہہ سکتے ہیں۔ خوشحال خان عشقیہ اور بزمیہ اشعار میں استاد اور پختہ خیال فیلسوف ہے۔ اس کے وطنی اشعار اس قدر شیرین ہیں کہ افغانی ذات اور سرشت کے ساتھ گوندھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جن سے وطن کی محبت اور عشق آشکارا ہے۔ اس کے اخلاقی، حیاتی اور اجتماعی اشعار بھی بہت بلند ہیں۔ رزمیہ اور حماسی شعر میں بھی ہمارے پاس اس کے ہم پایہ کہنے والا دوسرا نہیں۔'' (۶)

صدیق اللہ خان رشتین بھی خوشحال خان کی جامعیت کے متعلق اس کے دیگر طلبا کے ہم نوا ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''(اس نے) افغانیت کی بلند عادات، پاک اخلاق اور زندگی کا دستور العمل سکھایا۔ حیات اجتماعی کی لذت سے لوگوں کو آشنا کیا۔ افغانوں کو قوم وملت کی خدمت کے لیے پکارا اور تصوف وسلوک اور علم وفلسفہ میں بھی گویا ہوا۔ مختصر یہ کہ اس نے کوئی مضمون بھی نہ چھوڑا۔ عشقیہ، اخلاقی، اجتماعی، وطنی، فلسفیانہ، صوفیانہ، رزمیہ، بزمیہ اور ہر قسم کے مضامین کو شعر کا لباس پہنایا۔ ہر ایک کے ذوق کے لیے اپنے باغ میں رنگارنگ پھول اگائے اور سادہ اور آسان شعر کہے۔ ملک سخن کو فتح کیا اور پشتو ادب کے استاد اور نامور ادیب کی حیثیت سے پہچانا گیا۔ اس کے شعر سے پشتو زبان باآب وتاب ہوئی اور اس نے بلبلوں کے چہکنے کے لیے شعر وسخن کا باغ تیار کیا۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے:

ما خوشحال چې په پښتو شعر بیان کړو	جب مجھ خوشحال نے پشتو میں شعر بیان کیا
د پښتو ژبه به اوس په آب و تاب شي	تو اب پشتو زبان باآب وتاب ہو جائے گی۔

اور

همیشه به پرې نارې وي د بلبلو	اس باغ سخن میں جو خوشحال نے آج تیار کیا
دا چې ساز کړو نن خوشحال د ویل باغ	ہے سدا بلبل چہکتے رہیں گے۔ (۷)

خان علیین مکان کے ادبی آثار کے ان مشرقی اور مغربی نقادوں کی آراء سے بخوبی

قومی کیریکٹر اور اس کی زندگی کے احوال وکوائف کی آئینہ دار ہے۔ جس میں جنگجویانہ جذبات کے ساتھ فلسفیانہ، مذہبی اور وجدانی افکار وخیالات کا ایک غیر معمولی امتزاج ہے۔ (۵)

عبدالحئی خان حبیبی خوشحال خان کی شاعرانہ اور ادبی عظمت اور اس کے شعر کی جامعیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "خوشحال خان کا شعر معنی اور مضمون کی رو سے اس قدر جامع ہے کہ ہم اسے ایک جامع ادب کا استاد کامل اور پیشوا کہہ سکتے ہیں۔ خوشحال خان عشقیہ اور بزمیہ اشعار میں استاد اور پختہ خیال فیلسوف ہے۔ اس کے وطنی اشعار اس قدر شیرین ہیں کہ افغانی ذات اور غیرت کے ساتھ گوندھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جن سے وطن کی محبت اور عشق آشکارا ہے۔ اس کے اخلاقی، حیاتی اور اجتماعی اشعار بھی بہت بلند ہیں۔ رزمیہ اور حماسی شعر میں بھی ہمارے پاس اس سے بلند پایہ کہنے والا دوسرا نہیں۔" (۶)

صدیق اللہ خان رشتین بھی خوشحال خان کی جامعیت کے متعلق اس کے دیگر طلبا کے ہم نوا ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "(اس نے) افغانیت کی بلند عادات، پاک اخلاق اور زندگی کا دستور العمل سکھایا۔ حیات اجتماعی کی لذت سے لوگوں کو آشنا کیا۔ افغانوں کو قوم وملت کی خدمت کے لیے پکارا اور تصوف وسلوک اور علم وفلسفہ میں بھی نام پیدا کیا۔ مختصر یہ کہ اس نے کوئی مضمون بھی نہ چھوڑا۔ عشقیہ، اخلاقی، اجتماعی، وطنی، فلسفیانہ، صوفیانہ، رزمیہ، مذہبی اور ہر قسم کے مضامین کو شعر کا لباس پہنایا۔ ہر ایک کے ذوق کے لیے اپنے باغ میں رنگارنگ پھول لگائے اور سادہ اور آسان شعر کہے۔ ملک سخن کو فتح کیا اور پشتو ادب کے استاد اور نامور ادیب کی حیثیت سے پہچانا گیا۔ اس کے شعر سے پشتو زبان باآب وتاب ہوئی اور اس نے بلبلوں کے چہکنے کے لیے شعر وسخن کا باغ تیار کیا۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے:

ما خوشحال چې په پښتو شعر بیان کړو	جب مجھ خوشحال نے پشتو میں شعر بیان کیا
د پښتو ژبه به اوس په آب و تاب شي	تو اب پشتو زبان باآب وتاب ہو جائے گی۔

اور

همېشه به پرې ښارې وي د بلبلو	اس باغ سخن میں جو خوشحال نے آج تیار کیا
دا چې ساز کړو نن خوشحال د وئیل باغ	ہے سدا بلبل چہکتے رہیں گے۔ (۷)

خان علیین مکان کے ادبی آثار کے ان مشرقی اور مغربی نقادوں کی آراء سے بخوبی

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں نے خوشحالیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہے وہ سب خوشحالیات کی جامعیت کے بارہ میں متفق و یک زبان ہیں۔

ان معروضات کے بعد خان علیین مکان کے کلام کے مختلف پہلو اور کلام کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

حواشی

۱۔ مقدمہ دیوان ص ص ۷، ۸

۲۔ جاوید نامہ ص ۲۰۷

۳۔ ایس۔ پی۔ اے

۴۔ مقدمہ ایس۔ پی۔ اے

۵۔ مقدمہ (بزبان انگریزی) انتخاب بڈلف ص ۱۶

۶۔ پښتانۀ شعرا (افغان شعرا) حصہ ۲ ص ۱۵۷

۷۔ د پښتو ادب تاریخ (تاریخ ادب پشتو) ص ۴۶

(۲)

حمد و نعت اور مناقب

افضل الذکر اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ التحیۃ والسلام کا ذکر ہے۔ اور خود خان علیین مکان کا بھی بحیثیت ایک مسلمان یہی عقیدہ اور ایمان ہے کہ ''شب و روز اور ماہ و سال میں وہی وقت، وقت کہلانے کے قابل ہے جو یاد خدا میں گزرے۔'' اور چونکہ اللہ جل شانہ کی پہچان اس کے رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ لہٰذا اللہ عز و جل کے ذکر کے ساتھ اس کے ہادیٔ برحق کا ذکر بھی لازمی ہے اور خان نے خود اس کی تصریح کی ہے۔ ''عرفان خدا مجھے عرفان محمد ﷺ کے ذریعے حاصل ہوا۔'' اور کہ ''حمد خدا کے بعد نعت محمد ﷺ ہی بہترین اشتغال ہے۔'' اور ہر گاہ حُبِ رسول ﷺ کا لازمی نتیجہ ان کے اہل بیت عظام اور اصحاب کرام کی محبت ہے۔ لہٰذا خان کی شاعری کے بیان کا آغاز اس حصہ کلام سے کیا جاتا ہے جو حمد و نعت اور مناقب پر مشتمل ہے:

حمد و مناجات:

پہلے ایک رباعی پیش کی جاتی ہے جس میں کہ صفات الٰہی کے بیان اور اس کی ثنائے جمیل کے ساتھ ہی سلامتی ایمان کے لیے بھی دعا کی گئی ہے:

رباعي	ترجمہ
زما دائمہ خدایہ موجودہ	اے میرے ازلی ابدی موجود خدا
وجود دھر چا دے دي تا لہ جودہ	ہر ایک کا وجود تیرے جود سے ہے
معبود بل نہ لرم معبود مي تہ ئې	میں دوسرا معبود نہیں رکھتا تو ہی میرا معبود ہے
معبود مي بل مہ کړہ زما معبودہ	اے میرے معبود کسی اور کو میرا معبود نہ ہونے دیجیو۔

رباعی اختصار کلام، جامعیت، کثرت معانی، خوبی زبان اور حسن بیان کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ ہستی ذات باری اس کے ازلی و ابدی ہونے، اس کی صفت خالقیت اور اس صفت کے ہمہ گیر ہونے، اور ساتھ ہی عنایات الٰہی (لفظ جود کے استعمال سے) اور توحید کو بہت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی نہایت خوبی سے معبود حقیقی، معبود واحد لاشریک سے دعا کی ہے کہ اپنے بندے کو جادۂ توحید سے منحرف نہ ہونے دے۔ اپنے بندے کی گردن کو ہمیشہ اپنے

ہی سامنے خم رہنے دے۔ اور معبودانِ باطل کے سامنے جھکنے سے بچائے۔" ہر ایک کا وجود
تیرے جود سے ہے۔ "موجودات کا اللہ عزوجل کی مخلوق ہونا بھی ثابت ہوگیا اور ہر لحظہ و ہر آن
اپنے وجود اور اس کی ضروریات کے لئے اللہ کی بارگاہ میں محتاج ہونا اور اللہ جل شانہ کا بے نیاز
ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

غرض یہ کہ اس رباعی کا شمار اپنے محاسن کی وجہ سے خان علیین مکان کے شہپاروں
میں ہونا چاہیے اس کے بعد دوسری رباعی بھی خان کی فصاحت و بلاغت کی آئینہ دار اور حقائق و
معارف سے لبریز ہے۔ اس میں بھی حمد و ثنا کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں سلامتی ایمان کی دعا کی گئی
ہے:

رباعي	ترجمہ
زما دائمہ قائمہ خدایہ	اے میرے دائم و قائم خدا
پہ جل صفت کښې قدرت نمایہ	تُو اپنی صفات قیام و دوام میں اپنی قدرت کے جلوے دکھاتا ہے
نامسلمان کړم تازہ کامران کړم	تُو نے مجھے مسلمان اور (مسلمان کرکے) کامران کیا
عزیز دې راوستم عزیز مې بیایہ	تُو مجھے 'عزیز' لایا اور 'عزیز' ہی لے چل۔

شاعر کہتا ہے کہ اے ذاتِ باری تیرے صفاتِ قیام و دوام تیری قدرت کو آشکارا
کرتی ہیں۔ قیام و دوام تیرے ہی ہیں۔ وہ تیری ہی صفات میں سے ہیں۔ وہ تیری بے حد
حساب قوت و قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں، وہ بتا رہے ہیں کہ تُو "قائم و دائم" ہی صاحبِ اختیار و
اقتدار ہے۔ تیرے سوا جو کوئی اور جو کچھ ہے وہ حادث، فانی اور ہالک ہے۔ اس لئے نہ تو وہ کسی
قوت و طاقت اور نہ ہی قیام و بقا کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ وہ خود بھی اور ان کا جو کچھ ہے وہ تجھی سے
ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اقرار و اظہار کرکے شاعر اس کا شکر ادا کرتے
ہوئے اس کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے۔ کہ اے قادرِ مطلق تُو نے مجھے دولتِ اسلام سے مالا مال
کرکے عزیز و کامران کیا میری اس عزت و شان کو برقرار رکھیو۔

مندرجہ ذیل رباعی میں کارگاہِ فطرت کی سیر اور اس میں غور و خوض کی دعوت دیتا
ہے۔ صانعِ ازل کی صفت اور قدرتِ کاملہ کی تعریف کرکے خود بھی اس کی حمد و ثنا کرتا ہے اور

ہمیں بھی اس کی تعلیم دیتا ہے:

رباعي

کار د ہې جون او ہې جګون ګوره
د مرګ مرګ ګوره بیا ئې ژوندون ګوره
په سر د پاسه د اسمان سیحون ګوره
پکښې د ستورو د ماهیو بون ګوره

ترجمہ

بے چون وبچگون (ہستی) کا کام دیکھ
زمین کا مرنا اور پھر اس کا جی اٹھنا بھی دیکھ
دیکھ اپنے سر کے اوپر اس نیلے سمندر کو بھی دیکھ
اور اس میں ستارہ مچھلیوں کے تیرنے کو بھی دیکھ۔

کائنات و موجودات اور مناظر قدرت کو قرآن حکیم نے بھی کئی جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات، اسکی وحدت اور قدرت کاملہ پر شاہد ٹھہرایا ہے۔ جو باوجود اپنی وسعت اور گوناگوں مشکلات و تغیرات اپنے اندر یکسانیت لئے ہوئے اور ایک نظام کے تحت کام کرتے اور واقع ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان لاتعداد تغیرات میں سے ایک زمین کا موت کے بعد زندگی پاتا ہے۔ جس کا ذکر خان نے اپنی رباعی میں کیا ہے۔ خان زمینی مناظر کی سیر کے بعد سیر افلاک کی بھی دعوت دیتا ہے۔ آسمان کو نیلا سمندر اور اس میں ستاروں کو مچھلیاں کہنا بڑا نادر اور عجیب شاعرانہ تخیل اور حسین و جمیل تشبیہ ہے۔

مندرجہ ذیل رباعی میں خدائے واحد جل شانہ کی بے شمار نعمتوں کو یاد کرتا ہے اور سر تا پا شکر و سپاس اور حمد و ثنا بن کر ہمیں بھی ان کی تلقین کرتا ہے۔

رباعي

څو نعمتونه تر سر تر پایه
تا مونده لي له یوه خدایه
په هره ساه ئې شکر وکاړه
که غافل نه ئې لنا ئې وایه

ترجمہ

دیکھ سر تا پا کتنی نعمتیں
تجھے خدائے واحد (۱) سے ملی ہیں
اگر تو غافل نہیں تو ہر سانس کے ساتھ
اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا کر۔

اور یہ دو رباعیاں مولا طلبی میں ہیں:

رباعی

دا فاني جهان په فاني دی واره
یوه باقي ده، باقي وغواړه

ترجمہ

ان فانی کاموں کو فنا ہو جانا ہے
ایک (کام) باقی ہے اور وہ باقی کی چاہ ہے

(۱) د خدای عرفان مې وشو په عرفان د محمدؐ

عرفان الٰہی مجھے عرفان محمد ﷺ ہی کے ذریعے حاصل ہوا

پاک دے محمدؐ پاک دے سبحان د محمدؐ

محمد ﷺ کا سبحان بھی پاک ہے اور محمد ﷺ بھی پاک ہے

واته نظر وکړه په طٰهٰ په یٰس باندې

آ اور طٰہٰ و یٰس کو غور سے پڑھ

خدای دې صفت کړې په قرآن د محمدؐ

اور خود خدا کو محمد ﷺ کا ثنا خوان دیکھ (۵)

ډېر خلق پیدا دي انبیاء که اولیاء دي

اس بیشمار مخلوق پیدا کی ہے جس میں انبیاء و اولیاء بھی ہیں

نشته په خلقت کښې بل په شان د محمدؐ

دوسرا کوئی بھی محمد ﷺ کی شان والا نہیں

درست خلق که یو کړې انس و جن دواړه جهانه

اگر خدا کی ساری مخلوق انس و جن اور دونوں جہانوں کو اکٹھا کرو

لاتر واړو به دې ګورې خان د محمدؐ

تو ان سب سے ذات محمدی ﷺ تنہا بدرجہا افضل ہے

ورځ چې د قیامت وي مرسلان به په هیبت وي

جب قیامت برپا ہوگی اور باقی سب انبیاء پر بھی ہیبت طاری ہوگی

هورته به جولان وي په میدان د محمدؐ

وہاں میدان حشر میں جولان محمدی ﷺ کا نظارہ قابل دید ہوگا (۶)

لاس دې لګولے ما خوشحال په دواړه کونه

میں خوشحال دونوں جہانوں میں غم واندوہ سے آزاد ہوں

غم اندوه مې نشته په دامان د محمدؐ

کیونکہ میں نے محمد ﷺ کا دامن تھام رکھا ہے۔

انبیاء تر محمدﷺ پورې معلوم دي
انبیاء محمد ﷺ تک ہی معلوم ہیں

لکه ستوري تر آفتاب پورې معدوم دي
جیسے آفتاب کے سامنے ستارے معدوم ہیں (۷)

مرتبه ئې تر آسمانه ده بلنده
آپ ﷺ کا مرتبہ آسمان سے بلند تر ہے

د براق ئې د سما دپاسه سوم دے
آسمان تو آپ ﷺ کے براق کے سموں تلے ہے

که تورات دے که انجیل دے که زبور دے
تورات، انجیل اور زبور

دا همه د ده په نام سره مرقوم دي
سب آپ ﷺ کے نام کے ساتھ لکھی گئی ہیں (۸)

محمدﷺ ئې د غبرا خلقه بولي
ساکنان خاک آپ کو محمد ﷺ کے نام سے یاد کرتے ہیں

کروبي ئې ذاکران د احمدﷺ نوم دے
اور فرشتے اسم احمد ﷺ کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے ہیں (۹)

په طفیل ئې پیدا شوي دوه جهانه
دونوں جہان آپ ﷺ کے طفیل پیدا ہوئے

په "مازاغ" ئې و بصر وته مذموم دي
مگر شان 'مازاغ' کی وجہ سے آپ ﷺ کی نظروں میں نہیں جچتے (۱۰)

یک تنها ئې د جهان مهم آغاز کړو
آپ ﷺ نے تن تنہا سارے جہان کی مہم آغاز کی

د دښمنو فکر ئې نه وه چې هجوم دي
اور اس بات کا خیال تک نہ تھا کہ ہر طرف دشمنوں کا ہجوم ہے

بادشاهان ئې واړه خان کښې مريونه

بادشاہان عالم خواہ چین، ہند یا روم کے ہیں

که د چين دي که د هند دي که د روم دي

سب اپنے تئیں آپ ﷺ کا غلام سمجھتے ہیں (۱۱)

به افلاس کښې به د جهل خوار و زار شي

وہ لوگ جہالت کے افلاس میں بھٹکتے رہیں گے

چې د شرعې له دولته ئې محروم دي

جو آپ ﷺ کی شریعت کی دولت سے محروم ہوئے۔

فضل ہادی نعت رسول مقبول ﷺ اس طرح شروع اور ختم کرتا ہے:

مشک گلاب دواړه سره کړه — مشک وگلاب کو ملا کر

خوله صفا په غرغره کړه — ان سے منہ کو دھو کر پاک وصاف کرو

په هر شان محمدؐ ستايه — سوائے اس کے کہ اسے خدا نہ کہو

خو بو خدائے ورته مه وايه — ہر طرح سے محمد ﷺ کی تعریف کرو (۱۲)

منقبت:

(۱)

که په مينه د صديقؓ ولاړ صادق يم — جیسا کہ میں صدیقؓ کا عاشق صادق ہوں

هسې مې کښه په مهر د عمرؓ — ویسا ہی میں عمرؓ کا محب ہوں

په عثمانؓ بانلدې به څه وايم چې څه يم — کیا کہوں کہ عثمانؓ سے مجھے کتنی عقیدت ہے

په هزار رنګه مئين يم په حيدرؓ — حیدرؓ کا ہزار رنگ سے شیدائی ہوں

محبت د خاندان لرم په زړه کښې — خاندان رسول ﷺ کی محبت دل میں رکھتا ہوں

دولس واړه امامان مې دي بصر — اور بارہ امام سب میری آنکھوں کے تارے ہیں

پاکيزه سني مذهب يم نور څه نه يم — میں پاکیزہ سنی مذہب کا ماننے والا ہوں

چې مې نور څه ګڼي خاورې ئې په سر — جو کوئی مجھے کچھ اور سمجھے اس کے سر پر خاک

زه خوشحال چهارياري يم خوښ له خدايه — میں خوشحال چہار یاری ہوں اور اپنے خدا سے خوش ہوں

چې سني راغلم په دين د پيغمبر — کہ میں نے پیغمبر کا دین قبول کرکے سنی مذہب اختیار کیا

(۲)

له اوله تر آخره كـه گـروهي دي	سنو! از اول تا آخر
د بتول اولاد مې واړه نور بصر دي	اولاد بتولؓ سب میری آنکھوں کے تارے ہیں
چې دوستي ئې د سيد نه وي په زړه کښې	وہ لوگ ہمیشہ خاک بسر ہوں گے
همه سر به تل خاورې په سر دي	جن کے دل میں سید کی دوستی نہیں
تر هلالؓ او تر بلالؓ ئې صدقه شم	میں ہلالؓ اور بلالؓ کے صدقے جاؤں
لا رانه مې د پله خاورې د بوذرؓ دي	اور ابوذرؓ کی خاکپا تو میرے لیے توتیائے چشم ہے
په سره زر کښې کمے د قدر نشته	سونے میں قدر و قیمت کی کمی اور فرق کہاں
صحابيؓ د پيغمبر واړه سره زر دي	اصحابؓ رسول ﷺ سب خالص سونا ہیں
زه خوشحال ختک هغه سني مذهب يم	میں خوشحال خٹک وہ سنی ہوں
چې ياران را بـانـدې واړه برابر دي	جس کے نزدیک سارے یاران رسولؐ برابر ہیں۔

حواشی

۱۔ 'واحد' کے لئے 'يـوه' پشتو میں استعمال ہوتا ہے۔ 'يـوه' کی 'واؤ' کو پشتو کی مخصوص حرکت سے پڑھا جائے گا۔ اس صورت میں یہ لفظ 'يـو' (ایک بصیغہ مذکر) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ واو کی فتح کے ساتھ بصیغہ مونث استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ یہ صنعت فانی اور باقی کے علاوہ دل کو خوش رکھنے اور رونے میں بھی ہے۔

۳۔ یہ صنعت پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں ہے جس کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا "ایک باقی ہے باقی کو مانگ" پہلے لفظ باقی سے مراد کام ہے جو 'يوه' (عدد ایک بصیغہ مونث ہے۔ واو پر فتح کی صورت میں۔ تانیث کے لئے ہے) اور 'ده' (ہے بصیغہ مونث) سے ظاہر ہے۔ یہ دونوں لفظ 'چـاره' (کام بصیغہ مونث) کے لئے ہیں۔ پشتو میں مصرع پیش نظر کا مطلب یوں بیان ہوگا۔ 'يوه چاره باقي ده هغه دا چې باقي وغواړې' اردو میں اس طرح: ایک کام باقی ہے وہ یہ کہ تو باقی کی طلب کرے۔ 'چـاره' مصرع زیر بحث میں محذوف ہے مگر پہلے مصرع میں بصیغہ جمع مذکور ہے۔ دوسرا لفظ باقی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات باقی کے لئے ہے۔

۴۔ جہاں شاعر نے صنعت ترصیع پیدا کی ہے۔ وہاں میں نے اصل رباعی میں اس

طرح کے نشان لگا دیئے ہیں۔(۰)
۵۔ سورہ طٰہٰ (۲۰ قرآن کریم) کے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ "طٰہٰ! مَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُراٰنَ لِتَشقٰی" یعنی "طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت (یا زحمت) اٹھائیں" بعض نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اے مرد کامل ہم نے قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ناکام رہیں" اور اس طرح حضور کو جو انسان کامل تھے۔ اس عظیم الشان کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ جو مصلحین عالم میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ سورہ یٰس (قرآن کریم ۳۶) کی ابتداء میں اللہ جل شانہٗ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ یٰس۔ وَالقُراٰنِ الحَکِیمِ o اِنَّکَ لَمِنَ المُرسَلِینَ o عَلٰی صِرَاطٍ مُستَقِیمٍ "یعنی یٰس۔ قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہے۔ (اے محمدؐ) بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔ سیدھے راستے پر" بعض نے یٰس کا ترجمہ انسان کامل کیا ہے۔ نبوت بلاشبہ انتہائے کمال انسانی ہے۔ حضور ﷺ کی رسالت ونبوت کی گواہی دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کی قسم کھا کر جو آپ کا منشور رسالت ونبوت ہے۔ آپ کے منصب رسالت ونبوت کے کمال عظمت کو ظاہر کیا ہے۔ اور اس عظیم الشان انقلاب کی بشارت دی ہے۔ جو صاحب قرآن حکیم کے ذریعہ انسانی فوز وفلاح کے لئے وجود میں آچکا۔ اور روز افزوں ترقی پذیر تھا۔ اور جسے ابدالآباد تک آپ ہی کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ وابستہ رہنا تھا اور ہے۔

۶۔ علامہ اقبالؒ نے چوتھے لیکچر میں قرآن سورہ ۳۹۔ آیت ۶۸ "وَنُفِخَ فِی الصُّورِ" الخ یعنی "اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ مگر وہ جس کو خدا چاہے" کی تفسیر کرتے ہوئے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جنہیں مستثنےٰ کیا جائے گا۔ اور خود جواب دیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی خودی۔ روح (EGO) قوت کے بلند ترین نقطہ تک پہنچ چکی ہو۔ زیر نظر شعر میں آنحضرت ﷺ کی شخصیت کی عظیم الشان قوت اور عروج وارتقا کے انتہائی مقامات کے حاصل کرنے کو خان نے اپنے مخصوص ومرغوب انداز میں بیان کیا ہے۔ جس سے اس کا عاشقانہ مذاق عیاں ہے۔

۷۔ ختم نبوت محمدیہ ﷺ کو نہایت لطیف اور دلپذیر پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

۸۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق پیش گوئیوں کی طرف اشارہ ہے۔

۹۔ اس شعر میں بھی عجیب لطیفہ ہے آنحضرت ﷺ نے چونکہ سب سے زیادہ اللہ جل شانہٗ کی ہر طرح سے حمد و ثنا کی اس لئے آپ کا نام احمدؐ ہوا اس کے صلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو محمد ﷺ (بہت زیادہ تعریف کیا گیا) اور صاحب شان "رفعنا لک ذکرک" کیا۔ یہ صرف روئے زمین پر محمد ﷺ کی تعریف و ستائش ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے کے نام کا ذکر از فرش تا بہ عرش ہو رہا ہے۔ انسان اسم محمد ﷺ اور فرشتے اسم احمد ﷺ کا ذکر کر کے اس کی تعریف و ستائش کرتے ہیں۔

۱۰۔ اس شعر کے مصرع اولیٰ میں حدیث لولاک اور مصرع ثانیہ میں قرآن کی سورہ نجم (۵۳) کی آیات ۱۳۔۱۷ " وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى . عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى . عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى . اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى . مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ." "اور انہوں (آنحضرت ﷺ) نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے پرلی حد بیری کے پاس۔ اس کے پاس رہنے کی بہشت ہے۔ تجلی اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا اس کی آنکھ نہ اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی" کی طرف تلمیح ہے۔ اس ہستی کے متعلق جس کو آنحضرت ﷺ کا یہاں دیکھنا بیان ہوا ہے۔ مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک معراج میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کو دیکھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جن کے دیکھے جانے کا یہاں ذکر ہے۔ خان معراج میں آنحضرت ﷺ کو رویت الٰہی حاصل ہونے کا قائل ہے۔ ایک غزل کا ایک شعر ہے:

موسیٰ پہ کوہ طور د تجلي طاقت رانهٔ ورړ   تا ولید د سر پہ ستر گو خپل مولا بهتر

یعنی "حضرت موسیٰ کوہ طور پر تاب تجلی نہ لا سکے اور آپ نے "بہ دیدۂ سر" اپنے مولا کو دیکھا"۔ "بہ دیدۂ سر دیکھنے سے یہ مراد ہے کہ معراج اور اس میں حاصل شدہ مشاہدات اور تجربات محض روحانی اور عالم خواب کے کوائف نہ تھے۔ بلکہ یہ آپ کو جسم و روح کے ساتھ حاصل ہوئے تھے۔ یوں خان کا خیال ان لوگوں سے مختلف ہے جو معراج نبوی کو صرف روحانی کیفیت یا رویا مانتے ہیں۔ پیش نظر شعر میں خان کہتا ہے کہ باوجودیکہ دونوں جہان آپ ﷺ ہی کے طفیل اور آپ ﷺ ہی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ مگر آپ ﷺ اپنے اللہ میں اس قدر محو اور منہمک تھے کہ دونوں جہانوں کی خوشیوں اور لذت کی آپ کو قطعاً کوئی پرواہ نہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی عالمگیر نوعیت
۱۱۔ ان شعروں میں خان نے کمال خوبی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی عالمگیر نوعیت اس کی عظمت و اہمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات اور ہر طرف مخالفت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم وثبات اور صبر و استقلال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم المثال کامیابی کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ اس مضمون میں خان کے ایک بڑے ادبی جانشین ملا عبدالرحمن مہمند کا شعر ہے:۔

"خدای ئ مهٔ گڼه بیشکه چې بنده دے — "انہیں (محمدؐ) کو خدا نہ سمجھو کہ بیشک اس کا بندہ ہے

نور ئ کل واړه صفات دي په ربنتیا" — باقی ان کی سب صفات برحق ہیں"

(۳)

صوفیانہ کلام

اگر چہ خان علیین مکان صوفی اور صاحب حال شخص نہ تھا مگر وہ ایک عالم شخص تھا اور نہ صرف اس کے کلام سے صوفی ادب کے مطالعہ اور اس سے اچھی خاصی واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہم اس کے حالات میں پڑھ چکے ہیں اسے صوفیا واولیا سے عقیدت کے علاوہ وہ کے ایک بہت بڑے ولی اللہ حضرت شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق اور ان کا شرف صحبت بھی حاصل رہا۔ اس کے چھوٹے بھائی جمیل بیگ عرف فقیر صاحب شیخ رحمکارؒ کے مریدان ومقربان خاص میں سے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اتنا کمال حاصل کیا تھا کہ اٹک کے شیخ یحیٰی عرف حضرت جی ان کے حلقہ مریدی میں داخل تھے۔ حضرت شیخ رحمکارؒ کے علاوہ اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار عالم ومصنف حضرت مولینا عبدالحکیم کا شرف صحبت اور حضرت شاہ اویس صدیقی ملتانی سے شرف تلمذ بھی خوشحال خان کو حاصل تھا۔ چنانچہ کچھ تو تبحر علمی اور وسعت مطالعہ اور کچھ ان تعلقات کی وجہ سے ہمیں خان کے کلام میں صوفیانہ مذاق کی بہت سی بلند پایہ نظمیں اور اشعار کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ جن کے نمونے ذیل میں ہدیہ قارئین کرام کیے جاتے ہیں۔ پہلے ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

(۱)

درویش تر زړہ بہ نہ رسي دا دوارہ
آینہ د سکندر کہ جام د جم

آئینہ سکندر ہو کہ جام جم
درویش کے دل کو نہیں پہنچتے

درویش وتہ سر کوز د بادشاہ نہ دے
د آسمان ورمیږ لا ھم دے ورتہ خم

درویش کے آگے بادشاہ کا سر ہی نیچا نہیں
آسمان کی گردن بھی اس کے آگے جھکی ہوئی ہے

درویش علم پہ درس پہ مکتب نہ دے
تل نظر لري پہ لوح او پہ قلم

درویش کا علم درس اور مکتب کا نہیں
اس کی نظر ہمیشہ لوح وقلم پر ہوتی ہے

ما رتا وتہ دیوار شہ غارې غرونہ
پہ درویش تر شرقہ غربہ دے یو سم

میرے اور تیرے لیے دیواریں نشیب وفراز اور پہاڑ ہیں
مگر درویش کیلئے مشرق ومغرب تک ایک جیسا ہموار میدان ہے

نه په نوم دے نه په میم دے نه په جیم دے — نہ نون پہ، نہ میم اور جیم پہ
کامل پاس په لام وهلے دے علم — بلکہ کامل لام کے اوپر علم نصب کیے ہوئے ہے (۱)
چې ذره طلب د نمر کاندې خوشحاله — اے خوشحال جب ذرہ طالب آفتاب ہے
په همت مه شه تـه هم تر ذرې کم — تو تو ذرے سے تو ہمت میں کمتر نہ ہو۔ (۲)

(۲)

راشه وغړوه سترګې — آ آنکھیں کھول
د جهان ننداره ګوره — اور اس جہان کی سیر اور
چې ښائست لري په ستوريو — یہ جسے تاروں سے حسن بخشا گیا ہے
د آسمان ننداره ګوره — اس آسمان کا نظارہ کر
د دې خپل وجود په باغ کښې — اپنے اس وجود کے باغ میں
په هر شان ننداره ګوره — طرح طرح کی سیر کر
چې هر ګل وته نظر کړې — اور ہر پھول کو دیکھتے ہوئے
د باغوان ننداره ګوره — باغبان کے جلوے بھی دیکھ۔

(۲)

جهان نه څه لږ نه دي — جہان کوئی تھوڑے نہیں ہیں
تـه ئې نـه وينې نادانه — مگر اے نادان تو انہیں دیکھ نہیں رہا
ګوره څو دي هسې زمکې — دیکھ ایسی کئی زمینیں ہیں
ګوره څو هسې آسمانه — اور ایسے کئی آسمان
واړه ځاے دي ستا په زړه کښې — جو سب تیرے دل میں سمائے ہوئے ہیں
اے تر عرشه لوے انسانه — اے عرش سے بزرگ تر انسان
آئينه د زړه صيقل کړه — آئینہ دل کو صیقل کر
چې ئې ووينې اے خانه — تا کہ انہیں دیکھ لے
کـه دې دا ننداره وشي — اگر یہ نظارہ دیکھ لیا
جدا نـه ئې لـه سبحانه — تو پھر تو خدا سے جدا نہیں

اس قطعہ میں صوفیانہ نظریہ علم و عرفان کے علاوہ کائنات، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی کثرت

ازدیاد اور وسعت کے ساتھ ہی انسان جو زبدۂ مخلوقات ہے کے قلب کی وسعت اور اس کی شخصیت کی عظمت و بزرگی کو بہت شاندار طریقے سے بیان کیا ہے۔

(۲) اور ایک مسلسل غزل ہے جس میں دل کی تعریف کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کس کے بننے کے لیے ہے:

سر کتې ستا غوږونې زړه	تمہاری آنکھوں کو دل کھولتا ہے
سر کتې ستا پټوي زړه	اور وہی بند کرتا ہے
چې دې خله خوزوي دے	جنبش دہان
ژبه ستا وبوي زړه	اور گفتار زبان بھی دل ہی سے ہے
چې څه کار په لاس او پښو کړې	ہاتھ پاؤں سے جو کام کرتے ہو
دا هم ستا چلوي زړه	تو نہیں دل ہی حرکت دیتا ہے
ژړیده په دواړو غوږو	دونوں کانوں کی شنوائی
هم په تا آوروي زړه	یہ دل ہی سے تو ہے
چې نیکي کړې یا بدي کړې	جو نیکی یا بدی کرتے ہو
واړه تا ښودوي زړه	اس کی سمجھ دل ہی دیتا ہے
چې خندا کړې یا ژړا کړې	یہ جو ہنستے اور روتے ہو
خندوي ژړوي زړه	تو دل ہی ہنساتا اور رلاتا ہے
واړه کور لکه تن دي	کونین کی مثال تن کی سی ہے
کار د تن جوړوي زړه	تن کا کام دل ہی سے بنا رہتا ہے
زړه بیچون او بیچګون دے	دل بے چون اور بے چگون ہے
څوک دا غوښه ګڼي زړه	بھلا اسے کون گوشت سمجھتا ہے؟
د خوشحال په زړه ګڼې بو دے	خوشحال کے دل میں ایک ہی ہے
څوک یې څه لټوي زړه	اس کے دل کو کیا ٹٹولتے ہو؟

اب چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

(۱) هر تنده چې د وحدت په سیند سیراب شه	جو پیاسا بھی دریائے وحدت سے سیراب ہو جاتا ہے
نور همه جهان و ده وته سراب شه	اسکے بعد وہ ساری دنیا کو سراب سمجھتا ہے

پشتو	اردو
(۲) کۀ مسجد ګورې کۀ دیر	مسجد و دیر
وارہ یو دے نشته غیر	سب میں ایک ہی ہے
یو مې پیاموند په هر څۀ کښې	میں نے ہر چیز میں ایک ہی کو پایا
چې مې وکړو د زړۀ سیر	جب میں نے اپنے دل کی سیر کی۔
(۳) عاشق هر زمان غزا کا	عاشق لا کی شمشیر براں لیے
په تیرۀ توره د لا	ہر وقت مصروف جہاد ہوتا ہے
(۴) درویشان د لا په توره	درویش لا کی تلوار سے
همیش لو د ما سوا کا	ہمیشہ ما سوا کا لو[۳] کرتے ہیں
(۵) په هر څۀ کښې نندارہ د هغه مخ کړم	میں ہر چیز میں اس رخ زیبا کا نظارہ کر رہا ہوں
چې له ډیرې پیدایې ناپدید شه	جو کثرت شہود کی وجہ سے نا مشہود ہو گیا ہے
(۶) زۀ حیران یم په دا خلق نۀ پوهیږم	میری سمجھ میں ان لوگوں کی حالت نہیں آ رہی
تږي مري ولاړ تر حلقه په دریا کښې	کہ حلق تک دریا میں کھڑے پیاسے مر رہے ہیں
(۷) شیخ د کنج د صومعې زۀ به ګلګشت کړم	شیخ صومعے کا کونا اور میں گلگشت اختیار کروں گا
د بهار ګلونه ماته هدایت کا	[illegible] مجھے بہار کے پھولوں سے ہدایت حاصل کرنی ہے
(۸) هر ویښته چې په صورت بانديې لیدۀ شي	ہر بال جو [illegible] جسم پر نظر آ رہا ہے
کۀ پرې خبر شے د شناخت ور به درته واز کا	اگر اسکی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ تو معرفت کے دروازے تم پر کھول دے گا
خاص بنده د خدائے هغه ګڼه خوشحاله	اے خوشحال اسے خدا کا خاص بندہ سمجھو[۲]
چې د خان په معرفت ئې سرفراز کا	جسے وہ اپنی معرفت سے سرفراز کرے
(۹) د درویش په زړۀ کښې درست کتاب مرقوم دے	درویش کے لوح دل پر ساری کتاب لکھی ہوئی ہے
کۀ په خلۀ ئې د عربو لغت نۀ زده	اگر چہ زبان سے اس نے عربی لغات نہیں سیکھے
(۱۰) د هوښیار و مجالس به ورته هیڅ شي	اگر ایک بار کسی کو عشق کے دیوانوں کی صحبت نصیب ہو
کۀ د عشق د لیونیو په صحبت شي	تو داناؤں کی مجلسوں کو ہیچ سمجھنے لگے گا
(۱۱) عشق خوشحال ورته یو هسې سبق ورکړ	عشق نے خوشحال کو ایک ایسا سبق پڑھایا
چې ئې زړۀ د قال و قیل له درسه ستون شۀ	کہ اسکا دل قال و قیل کے درس سے برگشتہ ہو گیا

(۱۴) هیڅ مکتب له یوه فیضه خالي نهٔ دے	کوئی مکتب کسی فیض سے خالی نہیں (۵)
که مې خامے د سر زنګون شهٔ بنهٔ چې شهٔ	اگر میرے سر کی جگہ میرے گھٹنے ہوئے تو اچھا ہوا
(۱۳) عشق بو څهٔ عظیم بادشاه دے که ئې ګورې	اگر دیکھو تو عشق وہ عظیم بادشاہ ہے
چې ګدای ئې له سلطانه محتشم دي	کہ اس کے بھکاری سلاطین سے بھی زیادہ محتشم ہیں
نهٔ د عشق سورو ته سهل نظر مهٔ کړه	شہسواران عشق کو حقیر نظروں سے نہ دیکھو
چې بې زرو بې لښکرو لکه جم دي	کہ وہ بے زرو لشکر جاہ جمشید رکھتے ہیں
(۱۴) د مسجد محراب د چا دے د عابد دے	مسجد کی محراب عابد کے لیے ہے
په محراب ئې د آبرو نماز زما	میری نماز تو اس کے محراب آبرو میں ہوتی ہے

حواشی

۱۔ نون، میم، جیم اور لام سے ناسوت، ملکوت اور جبروت و لاہوت مراد ہیں۔ جو اصطلاحات صوفیہ میں مختلف عالموں کے نام ہیں۔ انہیں مختصراً بالترتیب عالم اجسام، عالم ارواح اور عالم وحدت و عالم فنافی اللہ کہیں گے۔

۲۔ بآفتاب ازاں ذرہ را در اندازند ‏ ‏ ‏ ‏ کہ عذر مردم ناکس بہ کاہلی نہ نہند

۳۔ "لَو" پشتو میں فصل کی کٹائی کو کہتے ہیں۔ 'لا' کی تلوار سے ماسوا کا لَو کرنے یعنی اسے کاٹنے سے نفی ماسوا مراد ہے۔

۴۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ فرمودہ سیدنا علیؓ مندرجہ نثر اللآ مالی۔

۵۔ یعنی ہر ایک مکتب میں ہر ایک فیض موجود ہے۔ دوسرے مصرع میں سر کو گھٹنوں میں دینے سے عالم جذب و استغراق کی طرف اشارہ ہے۔

(۴)

قومی اور وطنی شاعری

اگرچہ خان علیین مکان کے سوانح حیات بیان کرتے ہوئے ہم تاریخی پس منظر کے ساتھ اس کے وطنی اور جنگ آزادی سے متعلق تاریخی اور حماسی (شجاعانہ) کلام کے بہت سے اقتباسات ہدیہ قارئین کرام کر چکے ہیں۔ لیکن خان کی قومی شاعری صرف وطن کی محبت میں گائے ہوئے پرسوز اور جنگ آزادی کے متعلق پر جوش و ولولہ انگیز نغمات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں وطن سے محبت حریت آمیز جذبات اور افغانوں کی مغلوں کے ساتھ فوجی و سیاسی کش مکش کی تاریخ کے ایک باب کے علاوہ افغانوں کے تمدنی اور معاشرتی حالات کا ذکر اور بیان اور ان پر تنقید و تبصرہ بھی ملتا ہے۔ یہاں خان کے قومی، وطنی اور حماسی اشعار کے چند اور نمونے اور ان کے ساتھ ہی افغانوں سے متعلق اس کے تنقیدی اور اصلاحی کلام کے چند اقتباسات بھی درج کیے جاتے ہیں۔

خان علیین مکان کی ملی شاعری محبت قومی، حب الوطنی، اولوالعزمی اور جذبات حریت و حمیت و شجاعت اور اصلاحی رجحانات سے لبریز ہے۔ قوم کی محبت اس پر شاعر کو نکتہ چینی کرنے سے نہیں روکتی بلکہ یہی محبت اپنی قوم پر سخت سے سخت تنقید کا سبب ہوتی ہے۔ وہ اس کے اچھے اوصاف کے ساتھ اس کی برائیاں بھی بیان کرتا ہے۔ اس نے افغان قوم اور سوسائٹی کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تھا اور افغانوں کی اخلاقی کمزوریوں اور علمی، تمدنی اور معاشی پسماندگی سے بخوبی آگاہ تھا جن کا اس نے اپنے کلام میں جا بجا نقشہ کھینچا ہے۔ اور ان کی مذمت کر کے اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔

خوشحال خان کی ملی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود اس کے تین بڑے ہیروز میں سے ایک ہے۔ وہ افغانوں کا صرف فردوسی ہی نہیں بلکہ وہ افغانوں کی تاریخ میں رستم و فردوسی کا دوہرا کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری میں جذبات کے بے پناہ زور اور ہیجان و طوفان نظر آتا ہے۔ اور جب خان افغانوں کو بے نقط سنانے پر اتر آتا ہے تو ان صلواتوں کو بھی پڑھنے اور سننے میں ایک خاص لطف محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح اس کی ساری ملی شاعری خلوص اور واقعیت سے لبریز ہے اسی طرح یہ سخت سست اور لعن وطعن بھی اس کے خلوص کے آئینہ دار ہیں جو جذبات کی شدت کی وجہ سے گالیوں کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ خان افغانوں میں کھو کر ان کو برا بھلا کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہا ہوں۔ مجھے حق ہے کہ جو

ہوں اپنے آپ کو کہوں مجھے کوئی دوسرا اردو کنے والا کون؟ اس لئے بعض اوقات اس کے منہ پر جو
بات کہہ جاتا ہے۔

پیجئے سب سے پہلے ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ جس میں اپنی قوم پر تنقید
کرتے ہوئے اسے اپنی تاریخ اور گزشتہ عظمت و شوکت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور اس سے سبق
لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ جو چیز افغانوں میں مفقود ہے۔ جس کا فقدان انہیں سخت نقصان پہنچا رہا
ہے۔ اور جس کا وجود قومی زندگی کیلئے بہت ضروری ہے اس چیز کیلئے اس انداز اور ایسے الفاظ میں
زور دیا کرتا ہے کہ سامع یا قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا:۔

ښه سړي لعل و یاقوت دي موندهٔ نشي — اچھے آدمی لعل و یاقوت کی طرح نایاب ہیں
کنه نور کاڼي لښتي نهٔ دي ناکسان — اور بقیے لوگوں کی دوسرے پتھروں کی طرح کمی نہیں
که په نور خلقو کښې ښه سړي موندهٔ شي — اگر اور قوموں میں اچھے آدمی ہوں تو ہوں
الې ښه سړي به لږ وي افغانان — افغانوں میں اچھے آدمی بہت کم ہوں گے
که هر څو ورته د پند خبرې وایم — ہر چند انہیں نصیحت کی باتیں کھولا حاصل
د پلار پندي هم ښهٔ نهٔ لږي په خان — نصیحت تو انہیں باپ کی بھی اچھی نہیں لگتی
هر کار د پښتانهٔ تر مغل ښهٔ دهٔ — یوں تو مغلوں سے اور ہر کام افغانوں کا اچھا ہے
اتفاق ورځنه نشته ډیر ارمان — مگر افسوس ان میں اتفاق پیدا نہ ہوا
د بهلول او د شیر شاه خبرې آورم — بہلول اور شیر شاہ کے قصے سنتا ہوں (۱)
چې په هند کښې پښتانهٔ وو بادشاهان — جو ہند میں افغان بادشاہ تھے
شپږ اووهٔ پیړۍ ئې هسې بادشاهي وه — چھ سات پشت ان کی ایسی حکومت تھی
چې ټول خلق وو په دوي پورې حیران — کہ سارے لوگ انہیں دیکھ کر محو حیرت تھے
یا هغه پښتانهٔ نور وو داځهٔ نور شول — یا وہ افغان اور تھے اور یہ آج کچھ اور ہو گئے
یا د خدائے دے اوس داهسې شان فرمان — یا اب خدا کا حکم یہی ہے کہ افغانوں کا برا حال ہو
که توفیق د اتفاق پښتانهٔ مومي — اگر افغان اتفاق کی توفیق پائیں
زوړ خوشحال به دوباره شي په دا ځوان — تو بوڑھا خوشحال دوبارہ جوان ہو جائے گا۔

خان نے ان اشعار میں افغانوں کی بے اتفاقی کا خاص طور سے رونا رویا ہے۔ کہتا ہے
کہ افغان مغلوں سے اور تو سب باتوں میں اچھے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان میں اتفاق پیدا نہ

ہوا ہے وہ ان کی کامیابی اور ترقی کے لئے ازبس ضروری سمجھتا ہے۔ چونکہ بے اتفاقی کی وجہ سے وہ اپنے لئے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں باعث بربادی بنے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کی برائی اپنے لئے اور اپنی قوم اور وطن ہی کے لیے تھی انہی معنوں میں خان کہتا ہے کہ افغانوں میں اچھے آدمی بہت کم ہیں۔

افغان میدان جنگ میں مغلوں کو کئی بار بری طرح شکست دے چکے تھے اور یوں اپنے آپ کو مغلوں سے بہتر شمشیر زن ثابت کر چکے تھے۔ وہ شجاعت و بہادری میں مغلوں سے کم نہ تھے بلکہ بڑھ کر ہی تھے لیکن جس طرح خان یکم جمادی الاول ۱۰۸۶ھ میں برمول میں لکھے ہوئے قصیدہ میں کہتا ہے افغانوں کی کامیابی کے لیے یہی کافی نہ تھا کہ وہ مغلوں سے بہتر شمشیر زن اور زیادہ مرد میدان ہوں ان کے ساتھ ہی عقل وفہم اور تدبر کی بھی ضرورت تھی۔ اتفاق بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ ''جب قومیں آپس میں متحد و متفق ہوتی ہیں تو بادشاہ ان کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔'' شیر شاہ سوری نے جس کا شمار ہندوستان کے قابل ترین مسلمان بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ مغلوں کے ہاتھوں افغانوں کی شکست کا باعث باہمی نزاع و نفاق بتایا تھا۔ جہاں تک سپاہیانہ اوصاف کا تعلق تھا۔ وہ افغانوں کو مغلوں سے بہتر خیال کرتا تھا۔(۲)

اب ایک قطعہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں خان علیین مکان کہتا ہے کہ میں نے مغلوں کے خلاف کمر سے تلوار باندھ کر افغانوں کو اکٹھا کیا اور مغلوں ہی کو نہیں بلکہ دنیا بھر کو افغانی شان دکھا دی۔ مگر افسوس کہ افغانوں میں مستقل طور سے یک جہتی اور اتفاق پیدا نہ ہوا۔ اور انہوں نے نفاق اور آپس کی پھوٹ سے سب کیا کرایا ضائع کر دیا:۔

جې مغل وته مې وتړله توره
جب میں نے مغلوں کے خلاف کمر سے تلوار باندھی

درست پښتون مې عالم وته ښکاره کړو
تو سارے افغانوں کی شان دنیا پر آشکارا کر دی

اتفاق په پښتنه کښې پیدا نه شو
افسوس ہے کہ افغانوں میں اتفاق پیدا نہ ہوا

کنه ما به د مغل ګریوان پاره کړو
ورنہ میں مغل کے گریبان کو پارہ پارہ کر دیتا۔

اور اسی قطعہ میں اپنے بیٹوں کی بے اتفاقی اور مغلوں کے مناصب پر اترانے کا ذکر کر کے کہتا ہے۔

ما دولت ورته ګټلے وو په توره
میں نے بزور شمشیر ان کے لئے بادشاہی حاصل کی تھی

دا خما د تورې نقش ئې آواره کړو
مگر انہوں نے میری تلوار کے نقش کو مٹا دیا۔

ایک اور جگہ کہتا ہے:۔

پښتانه واړه بد خوی دي	افغان سب بدخو ہیں
کور په کور کاندي غورزي	گھر گھر دنگا فساد مچا رکھا ہے
یو چې سر کاندي په پورته	جب ان میں ایک سر اٹھاتا ہے
بل ئې ووهي مغزي	تو دوسرا اس کا مغز پھوڑ دیتا ہے۔

ولایت افاغنہ میں مغلوں نے افغانوں کی آتش نفاق وشقاق اور بغض وعناد کو ہوا دینے کے لئے ان میں جاگیروں اور عطیات وانعامات کے تقسیم کرنے اور انہیں القاب ومناصب دینے کا سلسلہ جاری رکھا اور جب ضرورت پڑی تو الطاف واکرام نہایت فراخدلی سے اور بڑے وسیع پیمانے پر ہونے لگے۔ حکومت کے عہدوں اور خطابات اور ان سے متعلق منافع کے لئے افغانوں کے باہمی رشک ورقابت کی تہہ ڈھونڈتے وقت ان کی اس عام اقتصادی بدحالی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جس میں وہ مبتلا تھے اور جس کے برقرار رکھنے میں حکومت کے مفاد مضمر تھے۔ لیکن خان علیین مکان کے نزدیک القاب ومناصب کے لئے دوڑ دھوپ کا اصل سبب کم ہمتی اور جہل یا علمی پسماندگی تھا۔ قصیدہ برمول میں جہاں اس نے مغلوں کو اپنے سامنے جھکانے کے لئے قوموں میں اتفاق واتحاد کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ وہاں افغانوں میں علم وفہم کی کمی کا بھی اس کو احساس تھا۔ اسے ڈر تھا کہ یہ جہل کہیں انہیں نہ لے ڈوبے۔ چنانچہ عین اس وقت جب افغان مغلوں کے خلاف زبردست فتوحات حاصل کر چکے تھے۔ اور جبکہ بہ الفاظ خان علیین مکان اورنگ زیب حیران و پریشان صورت اور دل شکستہ حسن ابدال میں پڑا تھا۔ خان افغانوں کی فتوحات کا بڑے فخر سے ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے کہ "تلوار چلانے میں تو افغان مغلوں سے بہتر ہیں کاش اس کے ساتھ کچھ ہوشیار بھی ہوتے" یہ جہل اور نادانی افغانوں میں نفاق وافتراق کو برابر بڑھا رہی تھی۔ خان نفاق واتفاق اور جہل وعلم کے گہرے تعلق کو محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ قصیدہ برمول میں مندرجہ بالا اظہار فخر کرنے کے بعد اتفاق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ "نفاق واتفاق اور جہل وعلم میں سے ایک چیز بلکہ ہر انسان کا ہر ایک کام اللہ کے ہاتھ ہے۔" اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ امیر خان میر بہران اور عبداللہ خان خویشگی نے کس طرح افغانوں کو بے وقوف بنا کر ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ مختصر یہ کہ مغلوں کے مناصب والقاب کے لئے دوڑ دھوپ اور باہمی رشک ورقابت جس کا نتیجہ انتشار اور بے اتفاقی تھا۔ اقتصادی بدحالی کے علاوہ افغانوں کی علمی پسماندگی اور پست ہمتی کی

وجہ سے تھی۔ ورنہ جو چیز انہیں مغلوں کے القاب ومناصب سے حاصل ہوتی تھی اس سے چند
چند زیادہ آزادی سے ملتی تھی اور بے شمار دولت اور کثیر التعداد مال غنیمت تو مغلوں کے خلاف
جنگ میں ان کے ہاتھ لگ بھی چکا تھا۔

ایک غزل کے تین شعر ملاحظہ ہوں جن میں افغانوں کو گالیاں دیتے ہوئے کہتا ہے کہ
ان دوں ہمت جاہلوں کی جو مغلوں سے رشوتیں لیتے ہیں۔ مثال کم ذات کتوں کی ہے۔ جن کی ہر
اوقات قصائیوں کے چھچھڑوں پر ہوتی ہے۔ یا ان بے وقوف لوگوں کی جن کے ہاں ہر قسم کے
اموال واسباب سے لدا ہوا اونٹ آئے اور وہ اسے چھوڑ کر اس کے گلے کی گھنٹی ہی کو مال غنیمت
سمجھ کر اس کے لئے آپس میں مشت وگریبان ہو جائیں۔ کیونکہ میں تو انہیں آزاد کرا کے بادشاہی
دلا رہا ہوں اور یہ آزادی کی نعمت اور بادشاہی کو مغلوں کے سیم وزر کے عوض بیچ رہے ہیں اور ان
کے انعاموں اور خطابوں کے لئے تگ ودو کرتے ہوئے ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے
ہیں:۔

پښتانه په عقل پوهه چې نا کس دي	افغان کتنے جاہل، بے وقوف اور کمینے ہیں
کوته سپي د قصابانو د جوش دي	یہ بوچڑ خانے کے ذلیل کتے ہیں
بادشاهي ئې د مغل په زرو بائلله	مغل کے سیم وزر کے لئے بادشاہی ہار بیٹھے
د مغل د منصبونو په هوس دي	مغل کے منصبوں کے ہوس ان کی راہگیر ہے
اوښ له باره سره کورته ورغلے	اموال واسباب سے لدا ہوا اونٹ ان کے گھر آیا
په اولجه د اوښ د غاړے د جرس دي	مگر یہ اس کے گلے کی گھنٹی کو مال غنیمت سمجھ کر اسے آپس میں لڑنے لگے۔

علامہ اقبالؒ نے آخری شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے خان کے متعلق لکھا ہے:۔

”خوش سرود آں شاعر افغان شناس	ہر چہ بیند باز گوید بے ہراس
آں حکیم ملت افغانیاں	آں طبیب علت افغانیاں
راز قومے دید و بے باکانہ گفت	حرف حق با شوخی رندانہ گفت“

اور شعر کا ترجمہ یوں فرمایا ہے:۔

”اشترے یابد اگر افغان حر	با یراق و ساز و با انبار در
ہمت دونش ازاں انبار در	می شود خوشنود باز نگ شتر“

خان ایک قصیدہ میں اپنے کارہائے نمایاں اور افغانوں کی دوں ہمتی اور جہالت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

دا ھمہ زما د توري صدقہ دہ	یہ سب میری تلوار کی برکت ہے
پښتانہ چې بر کښے خوري سیورغال	کہ افغانوں کو گاؤں کے گاؤں (۳) بطور انعام (سیورغال) (۴) ملے ہوئے ہیں
ن بہ درست د ھندوستان دولت د دوي وہ	اگر افغان جاہل اور پست ہمت نہ ہوتے
پښتانہ کہ کم ھمت نہ وے جھال	تو آج ہندوستان کی ساری دولت انہی کی ہوتی۔

ایک اور قصیدہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

زہ ئې چا لرہ وھم قدر ئې چا زرہ	میں انہیں جلاکس کیلئے رہا ہوں اور ان کی قدر کون جانتا ہے
پہ اور وسیزہ دا توري قلمونہ	آگ لگے ان تلواروں اور قلموں کو
څہ بہ راخي ننگ پہ ما راغلے نہ دیے	غیرت وحمیت مجھا کیلئے ہی کے لئے نہیں آئی
پښتانہ ډیر دي پہ غرونہ پہ سمونہ	پہاڑوں اور میدانوں میں افغان اور بھی بہت بس رہے ہیں۔
یا بہ وارہ د مغلو درم پریږدي	یا تو سب مغلوں کے درم چھوڑ دیں گے
یا بہ زہ ھم پہ لاس واخلم درمونہ	یا میں بھی ان کے درموں کے لئے ہاتھ پھیلاؤں گا
چې بورورا خوزي د مغلو وارہ سپي دي	وہ جو مغلوں کا شور با چاٹ رہے ہیں سب کتے ہیں
دسگانو بہ خلہ څہ اخلم نومونہ	کیا لوں ان کتوں کے نام۔

کہتا ہے کہ یا تو مغلوں کے درم لینے سے افغان باز آئیں گے یا پھر میں بھی انہیں قبول کروں گا۔ بہ الفاظ دیگر چونکہ میرے لئے مغلوں کے درم قبول کرنے ناممکن ہیں اس لئے افغان انہیں خواہ مخواہ چھوڑ دیں گے۔ مزید وضاحت کے لئے کہتا ہے کہ ان سے رشوت لے کر ان کا ہو جانا کتا ہو جانے کے مترادف ہے۔

ایک رباعی ہے:۔

دا منصبونہ دا انعامونہ	یہ مناصب اور انعامات
وارہ زندي دي وارہ دامونہ	سب جال اور پھندے ہیں

پښتون مغل به سره دوستان نه شي — افغان اور مغل دوست نہیں ہونے کے

خوشحال ئې مه وينه دا اکرامونه — خوشحال خان ان کی مہربانیاں نہ دیکھے

اپنے بیٹوں کے متعلق ایک قصیدہ میں کہتا ہے:-

نه ئې ننګ شته نه ئې شرم — نہ ان میں غیرت ہے اور نہ شرم

څه نابود دي دا سګان — کیا ہی نکمے ہیں یہ کتے

زه غلیم د اورنګ زیب یم — میں اورنگ زیب کا دشمن ہوں

سر به غره بیابان — اور کوہ و بیابان میں مارا مارا پھر رہا ہوں

زه به ننګ د پښتانه یم — مجھے افغانوں کی عزت و آبرو کی فکر ہے

دوي نیولي مغلان — اور یہ مغلوں کے ہو رہے

لکه سپي [illegible] جاروزي — مغل کے سالن اور روٹی پر

د مغل په [illegible] نان — کتوں کی طرح پل پڑتے ہیں

د منصب په اضافو دي — اپنے مناصب کے اضافوں کے لئے

تل به ما پسې [illegible] — میرا تعاقب کر رہے ہیں۔

ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں اپنی شجاعت اور کارناموں کی تعریف کرکے کس طرح افغانوں سے بجا ان کی بے حسی کے شکایت کرتا ہے:-

زه به خوب کښې به لرزه پریوزي له کټه — جسکے کانوں تک میری تلوار کی جھنکار پہنچ چکی ہے

چې د چا تر غوږ زما د تورې شرنګ دے — اٹک خواب میں بھی اس کی چارپائی سے گر پڑتا ہے

که به دا دور مې ګورې هغه زه یم — دیکھنا چاہو تو اس زمانے میں [illegible] ہوں

چې مې داغ په خاطر ایښے د اورنګ دے — جس نے اورنگزیب کے دل کو داغدار کر رکھا ہے

درست جهان مې و مغل وته خیر کړو — سارے ملک کو میں نے مغل کیلئے خیر[5] [illegible]

ہے

ځاے په ځاے ئې پښتانه وته قلنګ دے — اور وہ جگہ جگہ افغانوں کو قلنگ ادا کر رہے ہیں

ځنې زه لویې دعوې لرم په زړه کښې — دل میں تو بعض بڑے بڑے دعوے ہیں

ولې څه کړم چې افغان واړه بې ننګ دے — لیکن آہ کیا کروں افغان سب بے حمیت ہیں

مندرجہ ذیل غزل میں بڑے حسرتناک اور یاس انگیز پیرایہ میں آزادی کے لئے اپنی

تگ ودو اور جدوجہد کی ناکامی کا ذکر اور اپنی قوم قبیلہ اور خاندان سے شکایت کی ہے:۔

پښتو	اردو
لا منت لرم په دا هم له آسمانه	میں آسمان کا اس بات کے لیے بھی ممنون ہوں کہ
ننداره د اباسیند له میر کلانه	اور نہیں تو میر کلان (۶) سے اباسین (۷) کا نظارہ تو مجھے میسر ہے۔
په تیراه په سوات په خوره در په در شوم	میں تیراہ، سوات اور خوڑہ میں در بدر ہوا
یا مې کوم لوري ته ته بیایې اسمانه	اے آسمان تو اب مجھے کس طرف لے جائے گا؟
لکه ګوی هسې په حکم د چوګان یم	جس طرح گیند چوگان (۸) سے ضربیں کھا کھا کر ادھر ادھر جا رہا ہو۔
درست وجود پرهار پرهار یم له چوګانه	میرے جسم پر بھی جس جگہ دیکھو چوٹ ہی چوٹ نظر آئے گی
سرنوشت مې له ازله مګر دا وه	ازل سے ہی میری قسمت میں یہی لکھا تھا
زه به څه لره ماته ګرم له چانه	میں کیوں کسی سے شکوہ و شکایت کروں
له بېمې د پښتنو جهل خرتراب وه	شروع ہی سے افغانوں کا جہل گدھے پن کی حد تک پہنچا ہوا تھا
اوس به طمع په حرص دروې له میانه	اور اب حرص و آز کی وجہ سے میدان چھوڑے جا رہے ہیں
که رښتیا وایم شېر شاه دا هسې نه وه	اگر سچ کہوں تو شیر شاہ ایسا نہ تھا
لکه مونږه یو پیدا له کوهستانه	جیسے ہم فرزندانِ کوہستان ہیں (۹)
پښتانه چې بې ننګي کا څوک ئې څه کا	اگر افغان بے حمیتی پر تلے ہوئے ہیں تو کیا کیجیے
ګورستان لره به درومو له ارمانه	ارمانوں سے بھرا ہوا دل لے کر قبر میں جائیں گے
د خټکو د نفاق له ناپوهي	خٹکوں کے نفاق اور نا سمجھی سے
یا چې غم لرم له خپله خاندانه	اور اپنے خاندان کے ہاتھوں جو دکھ میں نے اٹھائے
چا ته وایم څو به کښېنم څه هونبره نه دي	میں کس سے کہوں اور کب تک لکھتا رہوں گا وہ اتنے نہیں
چې تمام شي له مذکوره له بیانه	کہ ذکر اور بیان کرنے سے ختم ہونے کو آ گئیں۔
دا داغونه چې خوشحال لري په زړه کښې	یہ داغ جو خوشحال کے دل میں ہیں
الحمدلله به ئې په تا کیږي سبحانه	اے خدا انہیں تو ہی اچھا کرے گا۔

خان کے قومی کلام کے جو نمونے ہم نے اب تک پیش کیے ہیں ان میں مغلوں کے

اپنے شجاعانہ کارناموں اور جدو جہد کا ذکر اور افغانوں پر ان کارناموں اور مسائی کے نتائج کو ضائع کردینے کے لئے تنقید کی گئی ہے۔ یہ تنقید زیادہ تر ان کی سیاسیات سے متعلق تھی۔

اب خان کے کلام سے چند اور اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں افغانوں کی خلاف شرع رسوم و بدعات، علمی پستی اور ان کے نیم خواندہ ملاؤں کے اعمال پر طنز اور اعتراض کیا ہے۔ کتاب ہذا کے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ خٹکوں کو پیروں اور اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم سے بہت عقیدت ہوتی ہے اور اس عقیدت مندی میں افراط کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ خان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی ان کی یہی حالت تھی۔ چنانچہ خان ان کی پیر پرستی کی مذمت ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

په مذهب ټول خټک دوست سني مذهب دي	تمام خٹک قبیلہ سنی مذہب کا پیرو ہے
اما پير ورته له جهله لکه رب دي	مگر خٹک جہالت سے پیر کو رب سمجھتے ہیں
که په دا سبب کافر وي کو نه دي وينه	اگر اس وجہ سے کافر ہوں تو ہوں
کنه واړه په مذهب کښې سني دينه	ورنہ مذہباً سب سنی ہیں۔ (۱۰)

افغانوں کی بعض رسومات قبیحہ کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

د بابا د مال بوازې ميراث خور دي	باپ کی میراث خود ہڑپ کر جائیں گے
نه په ترور دي نه په مور دي نه په خور دي	نہ پھوپھی، نہ ماں اور نہ ہی بہن کا حق پہچانتے ہیں
چې د ورور يې جنازه په کور کښې کښېوزي	ابھی بھائی کا جنازہ گھر میں پڑا ہی ہوگا
که رضا که بې رضا په ورندار بر بوزي	اور بھاوج سے برضا یا بجبر شادی کرلیں گے
له قاتله خان غلط کا په قصاص کښې	قاتل سے تو قصاص نہ لیں گے
د مقتول په خاے بل ووژني په خاص کښې	اور مقتول کا بدلہ لینے کیلئے کسی دوسرے کو قتل کردیں گے۔ (۱۱)

اور یہ ہے اپنے ہمعصر نیم خواندہ اور ٹھگ ملاؤں کی ہجو:

چې د کنز و قدوري شي خان ملا کا	جو کوئی کنز قدوری پڑھ لے ملا بن بیٹھتا ہے
هر حلال حرام په خان باندې روا کا	اور ہر حرام و حلال کو اپنے لیے جائز قرار دے لیتا ہے
نه د کنز په دقيقو ښه خبر شوي	حالانکہ نہ تو کنز کے دقائق سے واقف ہوتے
نه په مغز د قدوري مبصر شوي	اور نہ قدوری میں بصیرت رکھتے ہیں

کټ لونه په سر کیږدي خان ملا کی	کتابیں سر پر اٹھا کر ملا بن جاتے ہیں
په هر کلي محلت گرځي تګي غلا کی	اور گاؤں گاؤں اور محلے محلے پھرتے اور چوری بھی کرتے ہیں۔
کښېني شرع پربیکوي په رشوتونو	رشوتیں لے لے کر شریعت کی جڑیں کاٹتے ہیں
خان قاضي کا په غلط روایتونو	جھوٹی روایتیں گھڑتے اور اپنے تئیں قاضی جتاتے ہیں
رهر چا ته مسئلې د سخاوت کا	ہر ایک کے آگے سخاوت کے فضائل بیان کرتے
ځولۍ خپله ډکوه بله غارت کا	اپنا گھر بھرتے اور دوسرے کا غارت کرتے ہیں
په مسجد راځه پینځه وخته اذان کا	مسجد میں آ کر پانچ وقت اذان دیں گے
چې زکوٰة سر باینه وي مسجد وران کا	لیکن اگر زکوٰۃ وصدقہ فطر نہ ملے تو مسجد کو ڈھا دیجے
د میراث مالونه ځوره له ظالمانو	ظالموں کے ساتھ اموال میراث میں حصہ دار ہو جاتے
نوم په خان باندې کیږده د عالمانو	اور اپنے اوپر نام عالموں کا رکھتے ہیں
په دې علم برند کښېني ملا شي	علم تو یہ ہے اور لوگوں پر رعب گانٹھتے ملا بنے
د علم نه میراث خور د انبیا شي	اور ورثاء انبیا ہونے کا دعویٰ کیے پھرتے ہیں
نه ئې کښل زده نه لوستل زده تل تکل کا	کچھ پڑھنا تو کچھ نہیں البتہ تحکم خوب جانتے ہیں
تعویذونه ورکوي په دروغ کښل کا	تعویذ دیتے اور جھوٹی کتابت کرتے رہتے ہیں
په ناروغ ئې خوښي لا یاته له روغه	لوگوں کی بیماری پر بہ نسبت ان کی تندرستی کے زیادہ خوش ہوتے ہیں
فتنه، تعویذ، دعا هیکل کښي په دروغه	اور جھوٹ موٹ طشت تعویذ دعائیں اور ہیکل انہیں لکھ کر دیتے ہیں۔
لا رنځور غریب صحت نه وي موندلې	ابھی بیمار بیچارے نے صحت نہیں پائی ہوتی
چې راځي وي احستو ته ور نیولې	کہ ملاجی دروازے پر پہنچ جاتے ہیں
که لږ ورکړه کښې څه درنګ څه خو تعطل وي	اگر شکرانے کی ادائیگی میں ذرا دیر یا التوا ہو جائے
په غوغا په شور و شر ئې قال و قیل وي	تو شور وغل مچاتے اور طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں
چې د ما په خلقو قدر و قیمت نشته	کہ میری قدر و قیمت لوگ نہیں پہچانتے
د رنځور مې بې تعویذه صحت نشته	حالانکہ میرے تعویذ بغیر مریض صحت نہیں پاتا
چې رنځور له رنځه روغ شي راته شا کا	جب مریض صحت یاب ہوتا ہے تو مجھے بھول جاتا ہے
نور به بیا د چا تعویذ د ما بلا کا	آئندہ بھی میری بلا کسی کے لیے تعویذ کرے

دا چې زر هسې ناسازي کا آغازي
خپل مقصود مطلب حاصل کا په ناسازي

جب جلدی سے اس قسم کی ناجائز باتیں کیے گئے ہیں
تو ان ناسزا باتوں سے اپنا مقصد حاصل اور مطلب نکال لیتے ہیں

وائي موږ ته چې نظر د سترګو سپک کا
خپل ايمان به په دا هومره چاري ورک کا
په دا عام وګړي هسې هيبت کيږدي
چې د دوی په رضا خي هر څه به پريږدي

کہتے ہیں جو ہمیں بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں
وہ اپنے اس عمل سے اپنا ایمان گنوا دیتے ہیں
اسطرح سے عام لوگوں کو ایسا ہیبت زدہ کر دیتے ہیں
کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ انہیں کے پیچھے ہو لیتے ہیں (۱۲)

رسمی اور موروثی پیری مریدی کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

مريدي ی په کلاه په شجره ده — ٹوپی اور شجرہ دیکھ کر مریدی کی جاتی ہے
که پيري مريدي دا ده مسخره ده — اگر پیری مریدی یہی ہے تو یہ تو مذاق ہے (۱۳)

صفحات گزشتہ میں قارئین پڑھ چکے ہیں کہ خان کو حضرت شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور ان کے حلقۂ مریدی میں شامل تھا لیکن اولیاء اور عرفاء و علماء سے تعلق اور وابستگی ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو جاتا جو اس پر حسب ارشادات نبوی ﷺ تحصیل علم کے بارہ میں عائد ہوتے ہیں۔ بلکہ ان بزرگان دین کی صحبت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ حصول علم میں بیش از بیش سعی و کوشش کی جائے۔ نہ ہی پیری مریدی کا یہ مطلب ہے کہ تفکر اور تدبر کے دروازے اپنے اوپر بند کر لیے جائیں۔ چنانچہ خان اس بارہ میں کہتا ہے:

څوک په پير او په مرشد څه لره وياړي — کوئی پیر و مرشد پہ کیوں اترائے
خپل مراد دې همګي له علمه غواړي — اپنی مراد تمام تر علم سے حاصل کرے (۱۴)

اگرچہ فیض علم خان کے وقت بھی افغانوں میں عام نہیں ہوا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے ابتدائی عہد حکومت میں جو حالت تھی اس کے مقابلہ میں خواص میں علم کی روشنی کافی پھیل چکی تھی۔ اخوند درویزہ کے وقت تو یہ حالت تھی کہ:

هغه وخت په پښتنو کښې علم نه وه — اس وقت افغانوں میں علم نہ تھا
درويزه تر مجتهد ورته لا ښه وه — لہذا درویزہ ان کے لیے مجتہد سے بھی بڑھ کر تھا۔ (۱۵)

اور خان کے وقت حالت اس قدر بدل چکی تھی:

شکر دا چې په دا وخت عالمان ډیر دي — شکر ہے کہ اس وقت علما بہت ہیں۔
مدعي شیخان که هم تر شماره تیر دي — اگرچہ جھوٹے مشائخ کا بھی شمار نہیں (۱۶)

خوشحال خان کے فیض تربیت سے جو شعراء و ادباء افغانوں میں پیدا ہوئے ان کا مختصر سا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں مگر عام طور سے افغانوں کی پھر یہی حالت تھی جو مندرجہ ذیل قطعہ سے ظاہر ہے:

که ژوندے شي افلاطون — اگر افلاطون زندہ ہو جائے
سوات کښې ونیسي سکون (۱۷) — اور سوات میں سکونت اختیار کرے
اکوزیو ته بیان کا — اور اکوزیوں کے سامنے
کتابونه د فنون — علم و فن کی کتابوں کے حقائق بیان کرے
هدایه کفایه دواړه — ہدایہ اور کفایہ کا
په پښتو کاندي موزون — پشتو میں ترجمہ کرے
دوي به وائي چې دا څه دي — تو یہ (اکوزئی) کہیں گے کہ یہ (کتابیں) کیا ہیں؟
مخزن ښه دے د اخون — اخون (اخوند درویزہ) کا مخزن اچھا ہے
ښکر به غوایه څه کا — گائے بیل سینگ کو کیا کریں گے
چې وابښه ئي دے ژوندون — ان کی بسر اوقات تو گھاس پر ہے۔

اگر حکیم افلاطون جیسا صاحب فضل و کمال معلم ہو اور ہدایہ اور کفایہ جیسی بلند پایہ کتابوں کا پشتو میں ترجمہ کر کے درس دے رہا ہو تو پھر بھی افغان اخوند درویزہ اور ان کی تصنیف مخزن الاسلام کو فوقیت دیں گے۔

افغان قبائل کی ایک دوسرے سے بے خبری اور آپس کے معاملات میں دلچسپی نہ لینے کا ذکر ایک غزل میں کرتے ہوئے کہتا ہے:

سره بوه ژبه ونیل سره پښتو کړو — ایک ہی زبان پشتو میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں
ولې هیڅ نه شو له یو بل خبردار — لیکن ہم ایک دوسرے کے حال سے کچھ خبردار نہ ہوئے

ہندوستان کے قید خانہ سے باد نسیم کے ذریعے اباسیند (دریائے سندھ) اور لنڈے (دریائے کابل) سے جو خطاب کیا ہے اور جس مقصد کے لیے افغان دوشیزاؤں سے ہوا میں زلفیں لہرانے کی خواہش کی تھی وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان اشعار سے اس سرزمین کے ساتھ جس میں اس

نے پیدا ہو کر پرورش پائی تھی اور اس کے رہنے والوں اور اس کی ہر چیز کے ساتھ انتہائی محبت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ اب ایک رباعی کا ایک شعر ایک دوسری رباعی اور ایک غزل کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں جن سے حب الوطنی کے بلند ترین جذبات ہویدا ہیں:

ښې دي تر مشکو د وطن خاوري   خاک وطن مشک سے بھی
تر دي ابـه دي د وطن واوري   اور وطن کا گرم پانی برف کی طرح خوشگوار ہے

د وطن ونې چندن اگر دي   وطن کے درخت سارے صندل وعود ہیں
خاوري ئې واړه مشک و عنبر دي   اور اس کی ساری مٹی مشک وعنبر ہے
سرای که نورو ته سنګبر دے   اگر سرائے اکوڑہ اوروں کی نظروں میں ایک پتھریلی زمین ہے
کاڼي ئې واړه ماته سره زر دي   (تو ہو) میری نظر میں اس کے سارے پتھر سونا ہیں

چې پکښې خوږ یاران دي   پشاور ہر ایک دیس سے اچھا ہے
پېښور تر هر دیار ښه   کیونکہ اس میں پیارے دوست رہتے ہیں
ښه په هند کښې چنبیا ګل دے   ہندوستان کی چنبیلی کے کیا کہنے
تر دا ګل د وطن خار ښه   مگر اس سے وطن کے کانٹے زیادہ پیارے ہیں
د سرای قدر نور د چا زده   سرائے اکوڑہ کی قدر اور کوئی کیا جانے
په خوشحال دے تر فرخار ښه   خوشحال کے لیے فرخار (۱۸) سے بڑھ کر ہے۔

اس باب کے آخر میں فراق نامہ کی ایک نظم (۱۹) بطرز مثنوی جو حب وطن میں ہے اور اسی کتاب کی دو اور مثنویوں کے بعض اشعار (جن سے وطن کی ہر چیز بلکہ اس کے قرب وجوار سے بھی انتہائی محبت پائی جاتی ہے) قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں:

د وطن مینه اے خانه   اے جان من حب وطن
رابیدا ده له ایمانه   جزو ایمان ہے (۲۰)

هغه ملک د زړه ارمان وي   دل میں اس وطن کے ارمان ہیں
چې په کښې دې ښه یاران وي   جس میں پیارے دوست بس رہے ہیں
که ئې سپي وینے په سترګو   اگر اس کے کتے بھی نظر آئیں
هم ئې خاپے کوړے په سترګو   تو ان کی جگہ سر آنکھوں پر
نه د خپل وطن خارونه   نہ اپنے وطن کے کانٹے

نه د بل وطن گلونه — اور نہ دوسرے وطن کے پھول
نه د خپل دیار پلوسي — نہ اپنے دیار کی پھلائیاں (۲۱)
نه د بل دیار نلگوسي — اور نہ دوسرے دیار کی نرگس
نه د خپل دیار گرگري — نہ اپنے دیس کے گرگرے (۲۲)
نه د بل دیار شکري — اور نہ دوسرے دیس کی شکر
نه قارغه د خپلې زمکې — نہ اپنی سرزمین کا کوا
نه شهند د بلې زمکې — اور نہ دوسری سرزمین کا شاہین
نه د خپل دیار حجر — نہ اپنے وطن کے پتھر
نه د بل دیار سره زر — اور نہ دوسرے وطن کا سونا
چې د سرای شجر حجر دي — سرائے اکوڑہ کے شجر و حجر
راته واړه جلوه گر دي — میرے سامنے جلوہ گر ہیں
که له سترگو پټ شا دي — اگر آنکھوں سے پوشیدہ ہیں
له زړه کله یو خوا دي — تو دل سے کب جدا ہیں
که خشکي ده که تري ده — اس سرزمین کی خشکی و تری
چار د دواړو په بري ده — کو دوسری ہر جگہ پر فوقیت حاصل ہے
که د سرای زمکه سنگ زار ده — اگر سرائے اکوڑہ کی زمین سنگ زار ہے
خوشحال وته فرخار ده — (تو ہو) خوشحال کے لیے فرخار ہے
بهار لکه د سرای دے — سرائے اکوڑہ کی سی بہار
بې کله د بل ځای دے — کب کہیں اور ہوتی ہے
حسن خېزي دي دا خاوري — یہ مٹی حسن خیز ہے
مهر آمېزي دي دا خاوري — یہ مٹی مہر آمیز ہے
سلگ ئې کان د ملاحت دے — یہ سرزمین کان ملاحت
په کښې نغښتې برکت دے — اور مسکن خیر و برکت ہے
تر حمله تر میزانه — حمل (۲۳) اور میزان (۲۴) تک
کښت ئې شي په درې بارانه — بارش کے تین اوقات میں یہاں کاشت ہوتی ہے

پښتو	اردو
که ئ نشته سپینې وریژې	اگر یہاں سفید چاول نہیں اگتے
په کښې شته د مالګو تیږې	تو اس کی جگہ سفید نمک کے پتھر پیدا ہوتے ہیں
ساکنان ئ جان ګداز دي	یہاں کے رہنے والے جان گداز
او په سر نه دي سرباز دي	سر سے بے پروا اور سرباز ہیں
بزې ئ جنګ کاندې له ګرګه	اس جگہ کا بکرا بھیڑیے سے لڑتا ہے
په شهندئ ورخیږي چرګه	اور یہاں کی مرغی شاہین پہ جھپٹتی ہے
ابدالان په کښې میشته دي	یہاں ابدال رہتے ہیں
واصلان په کښې پراته دي	اور واصلان حق مقیم ہیں
شیخ رحمکار په کښې پیدا دے	شیخ رحمکارؒ اسی سرزمین میں پیدا ہوئے
د ما پلار په کښې پیدا دے	میرا باپ بھی اسی سرزمین میں پیدا ہوا
شیخ رحمکار دے په کښې اپښې	یہی سرزمین شیخ رحمکارؒ کا مدفن ہے (۲۵)
د ما پلار دے په کښې اپښې	اور میرا باپ بھی اسی میں محو آرام ہے
خاک پای د شیخ رحمکار شم	میں شیخ رحمکارؒ کی خاک پا ہوں
د خپل پلار تر تربت خار شم	اپنے باپ کی تربت کے قربان ہو جاؤں
دا شرف د دهٔ بیسار دے	اس سرزمین کو یہ شرف بس ہے
چې په کښې د شیخ مزار دے	کہ اس میں شیخ (رحمکارؒ) کا مزار ہے
چې په کښې د شیخ یاران دي	وہ پہاڑ گلستان ہیں
هغه غرونه ګلستان دي	جن میں شیخ (رحمکارؒ) کے دوست رہتے ہیں
چې مې ورور په کښې طاعت کا	اس پہاڑ کو خدا جنت بنائے
هغه غر دې خدائے جنت کا	جس میں میرا بھائی مشغول طاعت ہے (۲۶)
خدائے دې غم ورځنې بوسې	ہر غم کو خدا اس سے دور رکھے
خوش خرم دې په کښې اوسې	اور وہ اس (پہاڑ) میں خوش و خرم رہے
چې د ورور مې پرې مقام دے	اس پہاڑ پر میرا اسلام
په هغه غر زما سلام دے	جہاں میرا بھائی مقیم ہے
که وریرې که مې وریرونه	میری بھتیجیوں اور بھتیجوں

پښتو	اردو
که زما د ورور کور ونه	اور میری بھاوجوں
په همه ؤ مې سلام دے	سب پر میرا سلام
پر سلام د زړه تمام دے	صدقِ دل کا ایک ہی سلام کافی ہے
چې د ما د مور قدم دے	جس زمین پر میری والدہ کے قدم پڑتے ہیں
هغه ملک په ما ارم دے	وہ میرے نزدیک ارم ہے۔ (۲۷)
که د پښو تلې ئې ښکل کړم	کاش میں اس کے پاؤں کے تلوے چوموں
در جوهر پرې باندې تل کړم	اور در و گوہران پر نثار کروں
تن مې خاورې په غه لار شوې	میرا تن اس راستے کا گرد و غبار ہو جائے
چې د دې باندې رفتار شوې	جس پر وہ چلتی ہے
دریغه دریغه خپلې مورې	آہ میری ماں
آواره خبرې [illegible] ورې	اور سب باتیں فضول ہیں
وزر وکړې له دې خدایه	کاش مجھے پر لگ جائیں
بو خل ورغلے تر سرایه	اور یہاں سے اڑ کر سرائے اکوڑہ پہنچوں
په هر چا وګر خیدلے	ہر ایک کے پاس جا کر
حال د وارو ولیدلے	خود اس کا حال دیکھوں

اور مندرجہ ذیل اشعار میں دریائے لنڈہ (کابل) کی تعریف ہے:

پښتو	اردو
د لندې اوبه سلسالې	لنڈے کا صاف و شفاف میٹھا پانی
د حیات د اوبو سیالې	آبِ حیات کے برابر ہے
د نباتو نه خوږې دي	نبات سے زیادہ میٹھا
د فرات تر اوبو ښې دي	اور آبِ فرات سے بہتر
لذت ناکې تر نبات دي	نبات سے زیادہ لذت دار
خوش ګوارې تر فرات دي	اور فرات سے زیادہ خوشگوار
که ئې خضر پیاله وڅښي	اگر خضر اس کا ایک پیالہ پی لے
د حیات اوبه به نه څښي	تو پھر آبِ حیات کی آرزو نہ کرے
زه هم هسې تشنه لب مرم	میں بھی تو روز و شب

روز و شب ئې پہ طلب مرم	اسی کی آرزو میں مر رہا ہوں
کہ ہوہ پیالہ ئې نوش کړم	اگر اس کا ایک پیالہ پی لوں
غم بہ واړہ فراموش کړم	تو تمام غم و اندوہ کو بھول جاؤں گا
پاکیزہ لکہ زلال دې	زلال کی طرح پاکیزہ
نوے نوے کمال پہ کال دې	جس میں ہر سال نئی نئی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں
سرچشمہ لري پہ نور کښې	اس کا سرچشمہ نور میں ہے
و جنت پہ الطہور کښې	جنت میں جہاں شراب طہور کی نہریں ہیں
چې ئې څښي ہري وینځي مخ	جو اس کو پیتے اور اس سے منہ دھوتے ہیں
د ھغو دې ہمیش سخ	ہمیشہ خوشی سے ہم کنار ہوں گے

خان کو نہ صرف اپنے وطن مالوف اور اس کی ہر شے سے محبت تھی بلکہ اسے اس کے قرب و جوار بھی محبوب تھے۔ اس کے دل میں اپنے ہمسایوں کی بھی قدر و منزلت اور محبت تھی۔ وہ کابل کو بھی عزیز رکھتا تھا اور اسے پنجاب بھی پیارا تھا۔ رنتھمبور کے قید خانہ میں اگر پشاور کی یاد سے اس کا دل روشن ہوتا تھا تو لاہور کی یاد سے بھی اس کے دل کی تسلی و تشفی ہوتی تھی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ مغلوں سے بھی تو اس کا بیر اس لیے نہ تھا کہ وہ مغل تھے بلکہ ان کے ہاتھوں اس پر ظلم ہوا تھا اور اس ظلم نے اسے مغلوں کے اس برے سلوک کی طرف توجہ دلائی جس کا شکار نہ صرف وہ ہوا تھا بلکہ کسی نہ کسی طرح سارے افغان ہو رہے تھے۔ ملاحظہ ہو کس طرح وہ اپنے وطن اور اپنے ہمسایوں سے محبت کا اظہار کرتا ہے:

ھغہ باد چې د کابل خیز دے	وہ ہوا جو کابل کی طرف سے اٹھ کر آتی ہے
پہ ما واړہ عنبر بیز دے	مجھ پر عنبر چھڑکتی ہے
چې څوک یاد کاندي کابل	جو کوئی کابل کا نام لیتا ہے
پہ ګوګل مې شي غلغل	میرے سینے میں جوش اٹھتا ہے
څوک چې یاد کا پېښور	جو کوئی پشاور کا ذکر کرتا ہے
زړہ زما شي منور	تو میرا دل روشن ہو جاتا ہے
څوک چې یاد کاندي اټک	جوں ہی کوئی اٹک کو یاد کرتا ہے
قافیہ کړم د خټک	تو میں جھٹ خٹک کا قافیہ باندھ دیتا ہوں

خوک چې یاد کاندې بل سرای	اگر کوئی کسی دوسری سرائے کا ذکر کرتا ہے
د ما یاد شي غـه خپل سرای	تو مجھے وہ اپنا سرائے یاد آجاتا ہے
خوک چې یاد کاندې لاهور	جو کوئی لاہور کا نام لیتا ہے
هم مې وشي د زړه زور	تو اس سے بھی میرے دل کو ولا سہ ملتا ہے
د کابل که د پنجاب دي	(صوبہ) کابل و پنجاب کے
که سړي دي که کلاب دي	خواہ آدمی ہیں یا کتے
چې زما په نظر کښېوزي	جو بھی مجھے دکھائی دیتے ہیں
خو می زړه ورپاندې پرېوزي	میرا دل بے اختیار ان پر گرا پڑتا ہے
په پوښتنه په پوښتنه	پوچھتے پوچھتے
هر احوال پوښتم له دۀ نه	ہر بات میں ان سے پوچھ لیتا ہوں
په تکرار یوه خبره	بار بار دہرانے سے ایک بات کی
ورو ورو وبه شي تر زره	بتدریج ہزار باتیں ہو جاتی ہیں
چې پښتون راته خوک یاد کا	جب کوئی افغان کو یاد کرتا ہے
پرې خوشحال شم زړه مې ښاد کا	تو مجھے خوشی اور میرے دل کو شاد کرتا ہے
دې خوشي ملک هر څه شته	اس بیگانے ملک میں اور سب کچھ ہوگا (۲۸)
خو پښتون پښتني نشته	مگر پٹھان اور پٹھانیاں نہیں۔

حواشی

۱۔ بہلول لودھی ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت کا بانی تھا اور ۸۵۵ھ سے ۸۹۴ھ تک بادشاہی کی اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی ۲۸ سال ۵ مہینے ہندوستان کا بادشاہ رہا۔ بعدہٗ اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا جسے بابر نے ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں پانی پت میں شکست دے کر ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد ڈالی۔ لودھی افغان قبیلہ ہے جو نسبتاً غلجی میں سے ہے۔ فرید خان شیر شاہ سوری نے بابر کے بیٹے ہمایوں کو ۹۴۶ھ (۱۵۳۹ء) میں بکسر کے قریب دریائے گنگا کے کنارے چوسہ کی لڑائی میں شکست دے کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اس کے بعد ۱۰ محرم ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں قنوج کی لڑائی میں ہمایوں کو آخری

شکست دے کر ہندوستان سے بھگا دیا۔ شیر شاہ کی وفات ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ء) پر اس کا بیٹا جلال خان اسلام شاہ جو زیادہ تر سلیم شاہ کے لقب سے مشہور ہے بادشاہ ہوا۔ وہ جب ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں فوت ہوا تو اس کے بارہ سالہ بیٹے فیروز کو بادشاہ بنایا گیا۔ مگر اس لڑکے کے ماموں مبریز خان جسے مبارز خان بھی کہتے ہیں نے اس کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کا زمانہ حکومت ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) تک ہے جس کے جلد بعد ہی ہمایوں نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کر لیا۔ مبارز خان کا لقب عادل شاہ تھا مگر لوگ اسے عدلی کہتے تھے۔

۲۔ سوانح عمری شیر شاہ سوری ص ۱۸۔

۳۔ پرگنہ کئی دیہات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ 'پرگنے' اس کی پشتو جمع ہے۔ جس کا ترجمہ میں نے گاؤں کے گاؤں کیا ہے۔

۴۔ سیور غال (بضمتین و واو معروف) ترکی لفظ ہے جس کے معنی ہیں انعام و مدد معاش اور عطیۂ مالیہ بغیر معاہدہ و شرط خدمت فوجی۔ خان کہتا ہے کہ پہلے اگر افغانوں کو کچھ جاگیر وغیرہ مل جاتی تھی تو اس کے بدلے فوجی خدمت کرنی پڑتی تھی۔ مگر اب اس کی تلوار کی برکت سے پرگنے بغیر فوجی خدمت کے مل رہے ہیں۔ اگر کچھ شرط ہے تو یہ کہ افغان مغلوں کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اس پر راضی ہو جانے اور ہندوستان کی مملکت چھوڑ دینے کو خان افغانوں کی دوں ہمتی اور جہالت پر محمول کرتا ہے۔

۵۔ یعنی پہلے تو مغلوں کو صرف خیبر ہی میں مشکلیں اور رکاوٹیں تھیں اور یہاں افغانوں کو کچھ دے دلا کر راضی کر لیتے تھے تاکہ درہ کھلا رہے۔ مگر اب تو جگہ جگہ افغانوں کو خراج ادا کر رہے ہیں۔ کیونکہ تمام ملک خیبر کی طرح رزمگاہ ہو گیا ہے۔

۶۔ ملاحظہ ہو ص ۱۷۹ کتاب ہذا۔

۷۔ دریائے سندھ جو میر کلان سے نظر آتا ہے۔

۸۔ اس شعر کا قافیہ بھی چوگان ہے اور مصرعہ اولیٰ کا آخری سے پہلا لفظ بھی چوگان ہے جو دیوان میں غلطی سے آسمان درج ہے۔

۹۔ اس شعر کا مصرعہ ثانیہ کلیات و دیوان میں یوں ہے۔ "لکہ مونر یو نہ پیدا لہ کوهستانہ" ۔ بذلف کے انتخاب میں ایسا ہی ہے جیسا میں نے نقل کیا ہے یوں دوسرے مصرع میں 'نہ' (جو دیوان و کلیات میں ہے) زائد ہوگا اگرچہ "نہ" کے حذف کرنے سے وزن

ٹوٹتا ہے۔ مگر 'مونیو' کے آخر میں 'ہ' بڑھ جانے سے درست ہو جاتا ہے۔ 'مونیو' اور 'مونیوہ' دونوں کے معنی بالکل ایک (ہم) ہیں۔ اگر دیوان وکلیات کی طرح دوسرے مصرع میں بھی 'نہ' رہنے دیا جائے تو معنی کچھ اس طرح ہوں گے: ''اگر سچ کہوں تو شیر شاہ ایسا نہ تھا جیسے ہم ہیں وہ کوہستان میں پیدا ہوا تھا۔'' شاید مطلب یہ ہو کہ شیر شاہ چونکہ ہمارے ملک میں پیدا نہ ہوا تھا۔ اس لئے اس میں وہ برائیاں نہ تھیں جو شروع ہی سے ہمارے ملک کے لوگوں میں چلی آ رہی ہیں۔ شیر شاہ ہندوستان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد حسن خان کی سہرام اور ٹانڈہ (بہار) میں جاگیر تھی۔

۱۰۔ مثنوی سوات نامہ شعر نمبر ۳۵۶، ۳۵۰۔

۱۱۔ سوات نامہ اشعار ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

۱۲۔ سوات نامہ اشعار ۱۹۲ تا ۲۰۸۔

۱۳۔ سوات نامہ شعر ۲۷۱۔

۱۴۔ ایضاً شعر ۳۸۳۔

۱۵۔ ایضاً شعر ۳۶۴۔

۱۶۔ ایضاً شعر ۳۸۴۔

۱۷۔ کلیات میں ''پہ سوات'' ہے۔ معنی تو دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوں گے۔ لیکن ''پہ'' کو حذف کر دینے سے مصرع کی موزونیت اور روانی ختم ہو جاتی ہے۔

۱۸۔ فرخار ترکستان کا ایک شعر ہے جو حسن و جمال کے لئے مشہور ہے۔

۱۹۔ فراق نامہ میں ایک نظم دو پوری نظموں اور ایک تیسری نظم کے پہلے چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ مگر چونکہ مضمون واحد اور مسلسل ہے اور ایک دوسرے کے بعد دی ہوئی ہیں اس لئے میں نے بطور واحد نظم قارئین کے سامنے پیش کیں۔ فراق نامہ کی ترتیب کے مطابق پہلے گیارہ اشعار ایک نظم کے اور باقی ماسوائے آخری چھ اشعار دوسری نظم کے ہیں۔

۲۰۔ ''حب الوطن من الایمان'' عربی مقولہ۔

۲۱۔ پھلائی ایک خاردار پہاڑی درخت ہے جس کی لکڑی بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ جلانے کے لئے بھی کام آتی ہے اور اس کے داتن بھی استعمال کئے جاتے۔ اس میں پیلے رنگ کے پھول لگتے ہیں۔

(۵)

اخلاقی شاعری

جس طرح خان علیین مکان ایک جامع ادیب ہے اس طرح اس کی اخلاقی شاعری بھی بڑی جامع ہے اور اخلاقیات کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اس نے اظہار خیال نہ کیا ہو۔ اور کوئی ایسی اخلاقی خوبی یا برائی نہیں جس پر اس نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ مگر یہاں خان کی زندگی اور اخلاق کا امتیازی پہلو یعنی عمل، جدوجہد پیہم، مصائب و آلام سے مقابل ہونا اور نبرد آزمائی کرنا ہم کو نمایاں طور سے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ننگ و ناموس "پت" (دوستی میں استقلال اور وفاداری) اور حمیت و شجاعت کو خان کی اخلاقی شاعری میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ خان کی ملی شاعری سے اخلاقیات کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں ہمیں کئی اعلیٰ اخلاقی سبق اور درس ملتے ہیں۔ مگر ہم اس شاعری کو اس لیے افغانی یا افغانوں کی قومی شاعری کا نام دیتے ہیں کہ وہ سبق اور درس ان نظموں میں پائے جاتے ہیں جو افغانوں کی مغلوں کے خلاف جنگ آزادی سیاسی کشمکش اور قومی جدوجہد سے تعلق رکھتی ہے اور جن کا خطاب زیادہ تر افغانوں ہی سے ہے۔ یا وہ نظمیں خان کے زمانے کی افغان سوسائٹی سے متعلق ہیں اور ان کا اپیل بیشتر افغانوں کے لیے ہے۔

یہاں ہماری کوشش یہ ہوگی کہ اکثر انتخابات ان نظموں سے کیے جائیں جن میں افغانوں کا ذکر نہ ہو، جنہیں کسی صورت میں بھی جغرافیائی حدود میں مقید نہ کیا جا سکے۔ اگر علاوہ ازیں چند شعر کسی قومی نظم سے آ جائیں تو امید ہے کہ قارئین کرام عام اصول سے اس خفیف انحراف کو معاف فرمائیں گے۔

پہلے ہم خان کی اخلاقی شاعری کے اس پہلو کو لیتے ہیں جو بہت نمایاں ہے اور خان کی قومی شاعری کی طرح اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ یعنی درس امید و عمل اور مصیبت و صعوبت کا مردانہ وار مقابلہ۔ عمل کے ساتھ امید کا ہونا ضروری ہے۔ یہ فطرتاً عمل کی محرک ہوتی ہے۔ اس لیے امید ایک ضروری اخلاق ہے اور امید اور یاس و ناامیدی، رجائیت و قنوطیت اخلاقیات کی ضروری بحثیں ہیں۔ اگرچہ مجھے اس سے انکار نہیں کہ خان کا کلام الم ناک اور اندوہ گین خیالات و افکار بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہیں کہیں فرار اور گریز بھی ہے۔ اور خان "تلوار اور جنگ سے توبہ کرتا ہے" کبھی وہ بیکسی سنائی دیتا ہے کہ "مجھے خوشی اس دنیا میں ڈھونڈے سے نہ ملی، اگر ہو تو دوسرے جہان میں

ہوگی" اور اپنی ایک رباعی میں کہتا ہے کہ "غم انسان کے خمیر میں ہے اگر دم بھر کے لیے غم سے تو پہروں رونا پڑتا ہے۔" مگر باوجود ان تمام باتوں کے وہ ناامید ہونے، حوصلہ ہار دینے اور مصائب و آلام کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ غم کو "مرد و نامرد کے درمیان" امتیاز کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

حکمتہ غم ی نہ دے پیدا کرے بے
د نامرد او مرد پہ منځ کښې غم محک دے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غم کو بغیر حکمت کے پیدا نہیں کیا
غم نامرد اور مرد کی پہچان کے لیے کسوٹی ہے۔

اگر غم نہ ہوتا تو سب اس سے آزاد ہوتے اور جہاں اس سے مغلوب کوئی نہ ہوتا تو اسے مغلوب کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اور ہرگاہ غم سے آزادی چونکہ لازمی (بوجہ عدم وجود غم) ہوتی تو اس لیے اس آزادی کے لیے کوئی بھی قابل داد و تحسین نہ ہوتا۔ ہم کسی کے متعلق یہ نہ کہہ سکتے کہ اس نے اپنی جدوجہد اور ہمت و حوصلہ سے غم پر قابو اور غلبہ حاصل کیا۔

اس دلیل کی بنا پر ہم دوسری انواع و اقسام کو بھی ہم اخلاق کی نشوونما اور ارتقا بلکہ اس کے وجود کے لیے ضروری قرار دیں گے۔ اگرچہ ہمارے شاعر بجائے "شر"، "غم" کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن جو کچھ اس نے غم کے متعلق کہا ہے اسے توسیع دے کر ہم شر پر بحیثیت مجموعی حاوی کر سکتے ہیں۔ اگر بدی کا وجود ہی نہ ہوتا اور نیکی ہی نیکی ہوتی تو انسان بدی نہ کرنے پر اور نیکی ہی کرنے پر مجبور ہوتا۔ یا اگر انسان کو نیک و بد میں اختیار نہ دیا جاتا اور اسے صرف نیکی ہی کی استعداد دی جاتی تو اس کا کوئی فعل خواہ وہ کتنا ہی اچھا اور نیک نہ ہوتا اس کا اپنا نہ ہوتا۔ بلکہ اس کا ہوتا جس نے اچھائی اور نیکی ہی کی طاقت دی۔ تو نیک اور اچھا بھی انسان نہ ہوتا۔ بلکہ وہی جو انسان سے محض نیکی ہی نیکی کراتا جس نے انسان کو صرف اچھائی اور بھلائی کرنے کا موقع دیا۔ بالفاظ دیگر اس کے کرنے پر مجبور کیا۔ یوں عالم میں نیک و بد کے امتیاز مٹانے سے جو مقصد پیش نظر ہو سکتا تھا یعنی انسان کو نیک ہی رہنے دینا وہ فوت ہو جاتا۔ انسان نیک اور اچھا نیکی و بدی اور بھلائی اور برائی دونوں کی موجودگی ہی میں ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالم میں شر کو پیدا کر کے خیر کو زیادہ کر دیا ہے۔ کیونکہ اس طرح خیر کے اس فاعل حقیقی کے سوا اور بھی افعال و اعمال خیر کرنے والے (جو اس کی مخلوق ہی ہیں) ہو گئے۔ یہ عالم میں وجود شر کے متعلق ان تشریحات میں سے ایک ہے جو فلاسفہ و حکما نے وقتاً فوقتاً کی ہیں۔ اور جن میں خان علیین کان اور جرمن فلسفی ولیم کا نظریہ لائبنز (۱۶۴۶ء تا ۱۷۱۶ء) بھی شامل ہے۔ عالم میں وجود شر اور اس کی حکمت و جواز کے متعلق ان

دونوں کے خیالات میں بہت زیادہ موافقت و مطابقت ہے۔ الانجیر کے خیال میں بھی شر خیر اور حسن کو ظاہر کرنے میں مدد دیتا ہے اور شر کے مقابلہ کرنے میں خیر قوت حاصل کرتا ہے۔(1) الانجیر شاید اس نتیجہ پر رواقیوں اور نوفلاطونیوں کے فلسفہ اور عیسائی علم کلام کے مطالعہ سے پہنچا ہو مگر خان کا شعر اور خاص طور سے اس کے بیان کا انداز اسلامی عقیدہ اور دو متضاد تصوروں "مرد و نامرد" پر افغانی نقطہ نظر سے غور و فکر کا نتیجہ اور مرد و نامرد کے اپنے دشمن سے سلوک پر تفکر و تدبر کی جذباتی پیداوار ہے۔ بحیثیت مسلمان خان نے یہ سوچا اور کہا کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہر کام حکمت و دانائی سے خالی نہیں اس طرح غم کے وجود میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے اور جس انداز سے اس کی توجیہ و توضیح کی ہے وہ ایک افغان مفکر کی حیثیت سے کی ہے۔ خان نے اپنے شعر میں مرد و نامرد کا ذکر کر کے اس میں انتہائی شدت و زور پیدا کر دیا ہے۔ اور اس طرح یہ نہ صرف منظوم وعظ اور فلسفہ ہونے سے بچ کر شعر بن گیا ہے۔ بلکہ اس میں اس قدر اثر پیدا ہو گیا ہے کہ سامع غم اور شر سے مغلوب ہونے کے خیال کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسے مغلوب کرنے کی نیت و عزم کے ساتھ برسر پیکار ہونے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

وجود شر کے متعلق مندرجہ بالا تشریحات کے متعلق لامحالہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سے کس حد تک وہ علمی و عقلی مشکلات حل ہو جاتی ہیں جو وجود شر کے متعلق پیدا ہوتی ہیں۔ ان تشریحات کو ہم کہاں تک انسان کی ذہنی کاوشوں کے ثمرات کہہ سکتے ہیں۔ ایک حد تک ایک مقام آتا ہے جہاں عقل انسانی کا رہوار تھک کر رہ جاتا ہے:

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود
گشت رازِ دگر آں راز کہ افشا می کرد

[illegible] مکان اس بارہ میں کہتا ہے:(1)

سا کړه نادانه د نګرو کار دے — اے نادان نہ کر یہ نہ کرنے کا کام ہے
[illegible] حیزے غاښي دشوار دے — یہ فراز جس پر تو چڑھ رہا ہے بہت ہی دشوار گزار ہے
[illegible] کمزورے زبون لیدہ شي — عقل کمزور اور درماندہ ہے
[illegible] اپنے دا ھومرہ بار دے — اور تو نے اس پر اتنا بوجھ لاد رکھا ہے (2)

اور [illegible] غزلوں کے اشعار ہیں:

ما چې نظر وکړو په ذرات په موجودات
ګول په جهان راغلم ترې به ګول دروم هيهات

میں نے جب ذرات و موجودات کو غور سے دیکھا تو
معلوم ہوا کہ میں اس جہان میں انجان آیا اور انجان
ہی چلا جاؤں گا۔

يو خادر ترميان وي فهم پاتو شي له کاره
دا هومره قصې هومره ادراک د سماوات

جب ایک پردہ بیچ میں حائل ہو تو عقل کام سے رہ جاتی ہے
تو پھر یہ قصے کہانیاں اور ادراک سماوات کی اتنی باتیں
کس لیے؟

هيڅ ولي نبي ته درست اسرار معلوم نه دي
لو يه کارخانه ده که وګوري کائنات

یہ کائنات ایک اتنا بڑا کارخانہ ہے
کہ اسکے سارے کے سارے اسرار کسی ولی بلکہ نبی کو
بھی معلوم نہیں ہوئے۔

(۲)

حيران يم نه پوهيږم چې زه څه يم څه به شم

میں حیران ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا
ہوں اور کیا ہو جاؤں گا

له کومه يم راغلے بيا به کوم لورې ته ځم

کہاں سے آیا ہوں اور پھر مجھے کہاں جانا ہوگا؟

جهان يو کټورے شو زه په مثل د ميږي يم
حيران پکښې ځغلم لاس و پښې پکښې وهم

میری مثال اس جہان میں اس چیونٹی کی سی ہے
جو ایک پیالے میں گر پڑنے کے بعد حیران و
پریشان ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔

خان علیمین مکان کی اخلاقی شاعری کے بیان کے سلسلے میں ہم بعض مابعد الطبیعی مسائل میں الجھ گئے مگر مابعد الطبیعات کے بعض مسائل کا انسان کے عملی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے جن میں ایک عالم میں وجود شر کا مسئلہ ہے۔ دوسرا اسی قسم کا مسئلہ قدر یا جبر و اختیار ہے۔ فکر انسانی کی تاریخ میں اگر اس مسئلے کے متعلق حکما و فلسفہ کے خیالات و افکار و ابحاث کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے نتائج کو بیان کرنے کے لیے کتابیں درکار ہیں۔ مگر پھر بھی نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ ہم آخرکار محسوس کریں گے کہ یہاں فلسفہ کی کھچڑی پکتی نظر نہیں آتی اور عقل نظری اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہے۔ ایک مشکل حل ہو چکنے کے بعد چند در چند مشکلوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ وہی عقدہ جس کو وا کر لیا جاتا ہے گرہ اندر گرہ ہو کر نئی مشکل صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہاں اس بحث کی تفصیل کی گنجائش نہیں البتہ اس قدر عرض کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ باوجود علمی، سائنسی اور مابعد الطبیعی مشکلات کے "اختیار" شعور اخلاقی کا تقاضا ہے۔ دین میں

ما چې نظر وکړو په ذرات په موجودات
ټول په جهان راغلم تری به ټول درومم هیهات

میں نے جب ذرات وموجودات کو غور سے دیکھا تو
معلوم ہوا کہ میں اس جہان میں انجان آیا اور انجان
ہی چلا جاؤں گا۔

یو خادر ترمیان وی فهم پاتو شي له کاره
دا هومره قصې هومره ادراک د سماوات

جب ایک پردہ بیچ میں حائل ہو تو عقل کام سے رہ جاتی ہے
تو پھر یہ قصے کہانیاں اور ادراک سماوات کی اتنی باتیں
کس لیے؟

هیڅ ولي نبي ئ درست اسرار مونللی نه دے
لوبه کارخانه ده کڅه وګوري کائنات

یہ کائنات ایک اتنا بڑا کارخانہ ہے
کہ اسکے سارے کے سارے اسرار کسی ولی بلکہ نبی کو
بھی معلوم نہیں ہوئے۔

(۲)

حیران یم نه پوهیږم چې زه څه یم څه به شم

میں حیران ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا
ہوں اور کیا ہو جاؤں گا

له کومه یم راغلے بیا به کوم لوري ته شم

کہاں سے آیا ہوں اور پھر مجھے کہاں جانا ہوگا؟

جهان یو کټورے شو زه په مثل د میږي یم
حیران پکښې جاروزم لاس و پښې پکښې وهم

میری مثال اس جہان میں اس چیونٹی کی سی ہے
جو ایک پیالے میں گر پڑنے کے بعد حیران و
پریشان ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔

خان علیمین مکان کی اخلاقی شاعری کے بیان کے سلسلے میں ہم بعض مابعد الطبیعی مسائل میں الجھ گئے مگر مابعد الطبیعات کے بعض مسائل کا انسان کے عملی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے جن میں ایک عالم میں وجود شر کا مسئلہ ہے۔ دوسرا اسی قسم کا مسئلہ قدر یا جبر و اختیار ہے۔ فکر انسانی کی تاریخ میں اگر اس مسئلے کے متعلق حکما و فلسفہ کے خیالات و افکار و ابحاث کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے نتائج کو بیان کرنے کے لیے کتابیں درکار ہیں۔ مگر پھر بھی نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ ہم آخر کار محسوس کریں گے کہ یہاں فلسفہ کی کھیتی پکتی نظر نہیں آتی اور عقل نظری اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہے۔ ایک مشکل حل ہو چکنے کے بعد چند در چند مشکلوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ وہی عقدہ جس کو وا کر لیا جاتا ہے گرہ اندر گرہ ہو کر نئی مشکل صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہاں اس بحث کی تفصیل کی گنجائش نہیں البتہ اس قدر عرض کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ باوجود علمی، سائنسی اور مابعد الطبیعی مشکلات کے "اختیار" شعور اخلاقی کا تقاضا ہے۔ دین میں

اسلام نے اس تعلیم کے ساتھ ہی کہ تمام اختیار کا واحد مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے انسان کو مکلف قرار دیا اور اس کی اخلاقی ذمہ داری پر بے حد زور دیا ہے۔

خان علیین مکان نے مندرجہ بالا عقیدہ کا اظہار اپنے کلام میں یوں کیا ہے:

سړي وته ئې اختيار ورکړ هوښياره	اے دانا خدا نے انسان کو اختیار دے رکھا ہے
کۀ په هره چار کښې خدای واړه خپل کړه کا	باوجودیکہ ہر کام میں وہ اپنی ہی کیا کرتا ہے۔

اسی مضمون میں ایک اور شعر ہے جس میں تقابل قابل غور ہے۔ پہلے مصرع میں مشکلات ومصائب کے مقابلہ اور آزمائش وامتحان کے وقت اپنے زور بازو اور قوت ارادی پر انتہائی اعتماد کا اظہار اور دوسرے مصرع میں قضائے الٰہی کے سامنے اپنی بے بسی اور بے چارگی کا اعتراف اور عجز وانکسار کیا گیا ہے۔ اس تقابل نے نہ صرف ایک منظوم عقیدہ کو شعر کر دیا ہے بلکہ اسے چار چاند لگا دیے ہیں:

بلا ته د اختيار توره په لاس کښې	بلا[۳] کے مقابلہ میں تو اختیار کی تلوار سونتے ہوئے ہوں
رضا وته تسليم په شان د مړۀ يم	اور قضا کے سامنے مردے کی طرح تن بہ قضا ہوں۔

جبر وقدر پر اس نہایت ہی مجمل ومختصر بحث کے بعد ہم خان کے درس امید وعمل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو شام غم میں صبح مسرت کے امیدوار رہنے اور ناامید نہ ہونے کی تلقین کس پر لطف اور دل نشین انداز میں کرتا ہے:

رباعي	ترجمہ
دلبې خښتن دې سحر ته ګوري	صاحب شب صبح کا منتظر رہے
ګوندې پرې وخيژي د سبا ستوري	شاید اس پر ستارہ صبح طلوع ہو
هيڅوک دې طمع اميد پرې نۀ کا	کوئی بھی آس اور امید نہ چھوڑے
ساران به تربو کښتونو ووري	پیاسے کھیتوں پر مینہ برسا ہی کرتا ہے

اور شعر ہے کہ:

غمژن دې طمع د ښادی کاندې	غمگین خوشی کی امید رکھے
دلبې خښتن دې سحر ته ګوري	صاحب شب صبح کا انتظار کرے

مندرجہ بالا رباعیوں اور اشعار میں جد وجہد اور حصول مقاصد کے لیے سعی وکوشش کی تلقین کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ باز اور شیر بن کر اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے اس طرح

سرگرم عمل ہونا چاہیے جس طرح وہ اپنے شکار کی تلاش کرتے اور اس پر جھپٹتے ہیں:

باز بـه ديـدن د طـاؤس وبـاري
سر پښـې هـر څـه سره ونغـاري
پـحـل حـل کـار يـې هر غـوک تلاش کا
مزرے چې زوړ شي غوا بزې غواري

باز مور کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس پر جھپٹنے کیلئے
سر اور پاؤں سب کچھ سمیٹ لیتا ہے
ہر ایک اپنے اپنے شکار کی تلاش میں ہے
شیر بوڑھا ہو کر گائے بکری چاہتا ہے

ایک اور رباعی ملاحظہ ہو:

لعل لـه کـانـه پـه بدخشـان کـښې
لـؤلـؤ لـه بحـره پـه لوے عمان کـښې
په ځيګر خون [illegible] دا دواړه توکه
که فکر وکا سړے په [illegible] خان کـښې

اگر آدمی دل میں سوچے تو
بدخشاں میں لعل کان سے
اور بحر عمان سے موتی
جگر خون کر کے نکالے جاتے ہیں

مندرجہ ذیل اشعار میں [illegible] نظموں سے لیے گئے ہیں علوئے ہمت، ہنر مندی اور حصول مقاصد کے لیے سعی و کوشش اور تلاش اسباب کا بے مثال درس ہے:

واني لار د ختو نشته و آسمان ته
زه بـه لار درتـه پيدا کـړم پـه هنر
که طالع او هنر دواړه سره کيږدے
زه خوشحال به پکښې ونيسم هنر
چې ئې علم هنر نه وي څنې تښته
بې هنر سړے که وګوري لاشے دے
اول ښه شهپر پيدا د الوتو کـا
بيا له بـه الوانه کړه و آسمان ته
چې مرغونه وزر بيامومي الوځي
هيڅ مقصود تر سره نه شي بې اسبابه
وې مې څه رنګه به والوځم آسمان ته
وې ئې داشي د همت په پر و بال
د مردانو به معراج به ورتلے نشي

کہتے ہیں آسمان پر چڑھنے کا راستہ نہیں[4]
میں ہنر سے [illegible] لیے یہ راستہ پیدا کر لوں گا
اگر میرے سامنے طالع اور ہنر دونوں رکھو
تو میں خوشحال ان میں سے ہنر کو اختیار کروں گا[5]
بے ہنر آدمی کے قریب نہ جا
کیونکہ اس کی کچھ ہستی ہی نہیں
پہلے اڑنے کیلئے اچھا مضبوط شہپر پیدا کرو
اور اس کے بعد آسمان کی طرف پرواز کرو
پرندے جب بال و پر پاتے ہیں تو اڑتے ہیں
کوئی مقصد بغیر اسباب کے حاصل نہیں ہوتا
میں نے پوچھا[6] آسمان کی طرف کیسے اڑوں گا
جواب ملا ہمت کے بال و پر سے
وہ جس کے دل میں سعی کی کوتاہی ہو

چې د سعي کوتاهي لرې په زره کښې
مردان باکمال کے معراج کو حاصل نہ کر سکے گا

ئې کوشش کا په اخلاص زه ئې ضامن یم
جو کوئی خلوص دل سے حصول مراد کیلئے کوشش کرے

ئې کامران په خپل مراد نشي سرے
میں اس کی کامیابی کا ضامن ہوں

ئې غوټې پسې وهې په لاس به درشي
اگر غوطے لگاتے رہو تو ہاتھ آ ہی جائے گا

چارې دا چې په درياب کښې ګوهر نشته
کون کہتا ہے کہ سمندر میں موتی نہیں

غو مطلب هومره موندل دي په دا دور
زمانہ میں طلب کے موافق حصہ ملتا ہے

بلکه لا تر طلب بخره مومي بیشه
بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

مندرجہ ذیل غزل کا ہر شعر حصول مقاصد کے لئے جدوجہد کا ایک درس لیے ہوئے ہے اور یہ تعلیم اتنے عجیب و غریب اور پرلطف پیرایہ میں دی جاری رہی ہے کہ ہمیں قطعاً بار خاطر محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ واقعات و حقائق اور مناظر و قوانین قدرت شعر و موسیقی کی صورت اختیار کر کے ہمارے سامنے آتے اور نہ مٹنے والے نقوش و اثرات ہمارے قلب و دماغ پر چھوڑ جاتے ہیں:

چې مزرے خپلې منګلې نه کا ګېنلې
جب تک شیر اپنے پنجوں کو چوم نہ لے (۷)

دوره نه وي خوږي غوښې ورته تلې
اس وقت تک وہ موٹے تازے چربی سے بھرے ہوئے گوشت کے مزے نہیں اڑا سکتا۔

مرجونا در مرجان هله اولجه کا
غواص اس وقت در و مرجان کے انبار لگاتا ہے

چې قبول کاندې د بحر خونې چلې
جب وہ سمندر کی خونی موجوں کا سامنا کرتا ہے

عاشقان چې تر سر تیر شي هله کښېل کا
جب عاشق جان پر کھیل جاتے ہیں

د دلبرو پاسته لب لکه بخملې
تو انہیں معشوقوں کے نرم مخملیں ہونٹوں کے بوسے نصیب ہوتے ہیں۔

باز چې والوځي له خالي هله ګوري
جب باز اپنے مسکن سے اٹھ کر بلندیوں میں پرواز کرتا ہے

د کبکانو ښائسته سترګې کجلې
تو چکوروں کی حسین سرگیں آنکھیں اسے دکھائی دیتی ہیں

چې د اور بڅرې باد سره رفیق شي
جب آگ کا شرارہ ہوا سے ملکر (حرکت میں آتا ہے)

بیا هله کا به ملکونه لمبې بلې
تو تب ملکوں کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیتا ہے

چې سیلاب د غره له سره رروان شي
جب سیلاب پہاڑ کی چوٹی سے چلتا ہے

بیا هله بیائي به مخ خاورې خخلې
تو اس کے بعد ہی خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے

په تحصیل بسې ی خله کوشش بویه	اگر کسی کی قسمت زحمت سے زیادہ نہیں ہوتی
که قسمت به د چا زیات نه شي په خلې	تو پھر یہ کوشش اس کے حصول کیلئے کیوں چاہیے؟

غزل کے چھ شعروں میں خان نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کسی چیز یا مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اور کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے واسطے جدوجہد اور حرکت ضروری ہے۔ ساتویں شعر میں ان شواہد و بینات کے علاوہ جو پہلے شعروں میں مذکور ہیں ایک اور دلیل بھی اس قسم کی پیش کرتا ہے کہ اگر کسی کی قسمت سعی و کوشش سے زیادہ نہیں ہوتی تو آخر ہم میں یہ احساس کیوں ہے کہ اس کی زیادتی کے حصول (تحصیل) کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اور فطرتاً اس احساس پر عمل بھی کرتے ہیں۔

تکالیف و ہموم اور مصائب و آلام کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بلکہ اسے اپنے حوصلہ اور ہمت اور عزم و استقلال سے خوشیوں کا پیش خیمہ بنا دینے کی حسب ذیل ہمت افزا تعلیم دیتا ہے:

رباعیات	ترجمہ
د غم فکرونه په زړه کښې باز دي	میرے دل میں افکارِ غم باز بن کر
تل د ښادۍ و ښکار ته ساز دي	ہر وقت مسرتوں کے شکار کیلئے آمادہ ہوتے ہیں
خدای به ی ښکار د ښادۍ ساز کا	خدا ان کیلئے مسرتوں کا شکار مہیا کرے گا
بازونه کله خالي پرواز دي	بھلا بازوں کی اڑان کبھی خالی ہوتی ہے
شکر چې زړونه په غم کښې ښاد لرو	شکر ہے کہ غم میں بھی دل خوش و خرم رکھتے ہیں
د غم څۀ غم دے چې پیر استاد لرو	غم کا کیا غم کہ ہم پیر استاد رکھتے ہیں (۸)
وای چې خان ساته له غمه غم راغے	مجھے آنے والے غم سے ڈرا کر جان بچانے کو کہتے ہو؟
مونږ خو غمونه داسې ښاد لرو	ایسے کئی غم ہمارے دیکھے بھالے ہیں۔
نۀ سړه سم دي واړه سړونه	نہ سارے آدمی
نۀ سړه سم دي واړه زړونه	اور نہ سارے دل ایک جیسے ہیں
زړۀ هم هغه کښه چې لکه غر شي	دل تو وہی دل ہے جس پر ہزاروں آفتیں ٹوٹ پڑیں
کۀ ښاندې راشي هزار غمونه	تو تب بھی پہاڑ کی طرح ڈٹا رہے۔

د مرد چې صبر چې استقلال نه وي
اگر مرد صاحب صبر و استقلال نہ ہو

چې غم پرې راشي پکښې خوشحال نه وي
اور غموں میں گھر کر خوش نہ ہو

سړی دې ی هیڅ ده زما په پوهه
میں اسے مرد نہیں سمجھتا

که یې په جاه په دولت څوک سیال نه وي
خواہ جاہ و دولت میں اس کے برابر کا کوئی نہ ہو۔

اب اسی موضوع پر مختلف نظموں سے چند اشعار ہدیۂ قارئین کرام ہیں:

ځوان په زر رنګه خوبی اراسته وي
اگر جوان ہزاروں خوبیوں سے آراستہ ہو

چې زلمی په بلا بر نه وي هم هیڅ
اور بلا پر غالب نہ ہو تو کچھ بھی نہیں

په جهان کښې که ځوانان دي هم هغه دي
اگر دنیا میں مرد ہیں تو وہی ہیں

چې د سختې وته ونیسي خانونه
جو مصائب کے سامنے تن جائیں۔

که اسمان دې د مزري په خله کښې ورکا
اگر آسمان تجھے شیر کے منہ میں دے دے

د مزري په خله کښې مه پرېږده همت
تو وہاں بھی ہمت نہ ہار۔

خدای دې وار همت ورک نه کا د مردانو
خدا مردوں کو بے حوصلہ اور پست ہمت نہ ہونے دے

په دنیا که باندې راشي ګرانه سخته
جوانان پر دنیا میں کتنی ہی مشکلیں اور مصیبتیں کیوں نہ آپڑیں۔ (۹)

زړه زړونه فراغت وي په ښادی کښې
خوشی میں تو سارے دل بے خوف و خطر ہوتے ہیں (۱۰)

چې په غم کښې مردانه شي زړه هغه
دل تو وہ ہے جو غم میں مردانگی کا اظہار کرے۔

اور یہ تھا اس کا اپنا دل:

دا عالم ډېرې خبرې لور په لور توري لښکرې
لوگوں کی یہ اتنی باتیں اور ہر طرف (مصائب کے) سیاہ لشکر

زړه مې نه خوځي له ځایه غر څو هسې وي کنه
لیکن میرا دل جگہ سے نہیں ہٹتا پہاڑ ایسا ہی تو ہوتا ہے نا؟

بلکہ غم اسی کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اس کا شکار بنے:

چې هر لوري وته درومم په غم اوړم
جدھر جاتا ہوں غم سے دوچار ہو جاتا ہوں

لکه وایې غم بکلخته زما ښکار دے
گویا سارا غم میرا ہی شکار ہے۔

خوشحال اور باز و شاہین اور شیر: خان علیین مکان کو باز کے ساتھ خاص لگاؤ اور محبت ہے چنانچہ، وہ اپنے آپ کو، افغان بہادروں کو اپنے عشق و محبت کے مرکز، اپنی محبوبہ و معشوقہ کو بھی اکثر باز سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس کی دلچسپی باز میں، ایک شکاری ہوتے ہوئے صرف بحیثیت ایک شکاری پرندے ہی کی نہیں بلکہ وہ باز میں بحیثیت ایک معلم کے بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ باز کو ایک اخلاقی علامت سمجھتا ہے۔ وہ باز میں بعض عادات و خصائص دیکھتا ہے جو حیات انسانی میں اعلیٰ اخلاق کہلاتے ہیں۔ باز صرف خونریز نہیں اگرچہ خونریزی بھی باز کی ایک قدر صفت ہے کیونکہ اگر خونریزی عام طور سے ناپسندیدہ ہے تو اس کی قوت و صلاحیت یہی نہیں کہ ناپسندیدہ نہیں بلکہ پسندیدہ اور ضروری ہے۔ کیونکہ بعض اوقات برائی اور اچھائی کے تحفظ کے لیے خون کا بہانا ضروری ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قوت اور زور بے طاقتی اور کمزوری سے بہر حال اچھے ہیں۔ مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے صرف خونریزی اور قوت و طاقت ہی باز کی صفات نہیں۔ اس میں ان کے علاوہ بعض اور بھی بہت اچھی صفات ہیں جن کا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں ایک سائل کے جواب میں کیا تھا۔ آپ نے شاہین کا ذکر کیا تھا جو باز پر بھی حاوی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ اس جانور میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ خوددار اور غیرت مند ہے اوروں کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ بے تعلق ہے آشیانہ نہیں بناتا بلند پرواز ہے خلوت پسند ہے تیز نگاہ ہے۔ (11) قریباً انہی خیالات کا اظہار آپ نے اپنی ایک نظم میں بھی کیا ہے۔ جو ذیل میں درج ہے:

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا ۔۔۔ جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو ۔۔۔ ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
نہ باد بہاری نہ گلچیں نہ بلبل ۔۔۔ نہ بیماریٔ نغمۂ عاشقانہ
خیابانوں سے ہے پرہیز لازم ۔۔۔ ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ
ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری ۔۔۔ جوان مرد کی ضربت غازیانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں ۔۔۔ کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا ۔۔۔ لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دنیا ۔۔۔ مرا نیلگوں آسمان بے کرانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں ۔۔۔ کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ (12)

خان علیین مکان نے بھی اپنے کلام میں باز و شاہین کی تعریف کرتے ہوئے ان کے
مذکرہ اوصاف کو جا بجا بیان کیا ہے۔ وہ باز میں عمل اور جدوجہد کی بے پناہ قوت دیکھتا ہے۔ خان
کو اس میں حلال خوری و خودداری و خود اعتمادی نظر آتی ہے۔ وہ باز میں شجاعت و سخاوت، بلند
پروازی اور عالی ہمتی دیکھتا ہے۔ (۱۳) شیر میں بھی یہی اوصاف دیکھ کر وہ اس کی تعریف کرتا ہے۔
مندرجہ ذیل رباعی میں وہ مرد کو باز سے تشبیہ دیتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھروسہ
کرتے ہوئے سرگرم عمل رہنا مرد کی شان بتاتا ہے:

بازان کار کړي په جزو کل کښې ‏ ‏ ‏ ‏ اگر جزو و کل میں غور کرو
مردان په توکل په توکل کښې ‏ ‏ ‏ ‏ تو مرد کو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے سرگرم عمل پاؤ گے
داویري غاړي نغمې صوتونه ‏ ‏ ‏ ‏ یہ سریلا گلا، نغمے اور چہکار بلبل ہی کا تو حصہ ہیں
نشته په باز کښې دي په بلبل کښې ‏ ‏ ‏ ‏ انہیں باز کی جانے بلا۔

اور مندرجہ ذیل شعروں میں بے کراں نیلگوں آسمان کی فضاؤں میں باز کی مسلسل
پرواز سے اپنی سعی پیہم اور جدوجہد کو مشابہ ٹھہراتے ہوئے اپنے آپ کو باز سے تشبیہ دیتا ہے:

شکر داچې په پرواز یم ‏ ‏ ‏ ‏ شکر ہے کہ پھر محو پرواز
د ښکارونو ته باز یم ‏ ‏ ‏ ‏ اور شکاروں کے لیے آزاد ہوں
زه خوشحال د غرونو باز یم ‏ ‏ ‏ ‏ میں خوشحال کہسار کا باز ہوں
چې په بند وم د مغلو ‏ ‏ ‏ ‏ جو کبھی مغلوں کی قید میں تھا۔

خوشحال شکاروں کے لیے آزاد ہے۔ ایک شکار نہیں کئی شکار کھیلے گا۔ نئے نئے مقاصد کو
اپنے سامنے رکھے گا ایک مقصد کے حاصل ہو جانے کے بعد جدوجہد اور سعی و عمل ختم نہیں
ہو جائیں گے۔ زندگی حرکت و پرواز کا نام ہے۔ حرکت علامت و لازمہ حیات ہے۔ حرکت بذاتہ
مرغوب و مطلوب ہے۔ اس لیے حرکت صرف ذریعہ ہی نہیں بلکہ مقصد بھی ہے۔ اس مقصد
کے حصول کے لیے کہستان روہ کا باز مقاصد کی تخلیق کرتا رہے گا۔ ان کی تلاش میں محو ہو کر اونچے
اونچے مقامات تک پہنچے گا۔ ان مقاصد شکاروں پر باز کی طرح جھپٹے گا انہیں اچک لے جائے گا اور
پھر زیادہ اوپر کو اٹھے گا اور بلندی پر بلندی حاصل کرنے کے لیے یہ پلٹنے، جھپٹنے، ہوا میں غوطے
لگانے اور پھر اڑنے اور اوپر اٹھنے کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اور:

په څه غرة په غرة د باز غوندې پرواز کا
یہ کس (چیز) اسے پہاڑوں پر برابر اڑا جا رہا ہے

یا به وایې د خوشحال خټک پر نشته؟
اب بھی کہو گے کہ خوشحال خٹک کے پر نہیں؟

باز میں صرف یہی خوبی نہیں کہ وہ شکار کھیلتا ہے بلکہ اس میں اس وصف کے ساتھ یہ خوبی بھی ہے کہ وہ چھوٹے پرندوں کا شکار نہیں کرتا۔ بڑے بڑے شکار کھیلتا ہے اس کے مقاصد چھوٹے نہیں ہوتے ہمیشہ اپنے سامنے بڑے بڑے مقاصد رکھتا ہے اور ان کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس کی بلند حوصلے، ہمت عالی اور شجاعت کی دلیل ہے:

هغه باز چې په عصفور غوټې کا
وہ باز (کیا باز ہے) جو چڑیوں پر جھپٹتا ہے

که دے [illegible] باز دے کار د باښې کا
اگر باز ہے بھی تو باشے کا کام کرتا ہے

د بزرګانو همت بلند بويه
بڑوں کی ہمت بلند ہونی چاہیے

کار دې په قدر د مرتبې کا
اور انہیں اپنے مرتبے کے مطابق کام کرنے چاہئیں۔

د باښې نظر د چنې په لکۍ
باشے کی نظر پدی کی دُم پر

د شهباز نظر د مېرو په څونګۍ
اور شہباز کی نظر مور کے تاج پر ہوتی ہے۔

که غوټه کړي په چرګوړيو
اسے [illegible] پرندوں پر جھپٹنے سے

په دا باز نه شوي تېرسه
تو باز نہیں بن [illegible]

ښائسته د بڼ طاؤس ورلره بويه
اس کے لیے جنگل کا خوبصورت [illegible] چاہیے۔

دا واړه ښکار ونه نه کا باز زما
میرے باز کو چھوٹے شکاروں سے [illegible]۔

باز کئی چھوٹے پرندوں کے شکار پر ایک مور کے شکار کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ اگر چھوٹے شکار بہت ہوں تو یہ باز کے شایان شان نہیں۔ ان سے بڑا شکار اچھا ہے۔

لکه باز په لويه لويه ښکار زما نظر دے
باز کی طرح میری نظر بڑے شکاروں پر ہوتی ہے

نه چې ګرځې ګونګټ نيسې بلاخورک یم
میں کیڑے مکوڑے کھانے والا پرندہ نہیں۔

طاقتور کے ساتھ نبرد آزمائی کر کے اسے مغلوب کرنا ہمت و شجاعت اور قوت کی دلیل ہے۔ کمزور سے لڑنے اور اسے گرانے اور پچھاڑنے سے طاقت کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بزدلی اور پست ہمتی کی دلیل ہے جو بڑوں کو زیبا نہیں۔ طاقتور کا ہمسر طاقتور ہی ہے:

چې زور لري د ليچو
زور دې نه کا په ناتوانو

اگر کوئی زور بازو رکھتا ہے
تو ناتوانوں پر اسے نہ آزمائے۔

او که نه نر هر چا لوې دے
سيال نه دے د ضعيفانو

اگر کوئی بہت بڑا ہے
تو وہ کمزوروں کا ہمسر نہیں۔

مندرجہ ذیل اشعار میں باز کی حلال خوری اور ہمیشہ اپنا مارا ہوا شکار کھانے کا ذکر کرتا اور اپنی توانائی اور ہمت و مردانگی سے تلاش مقاصد کی تعلیم دیتا ہے:

کله باز کړي مرداري ته هوس
دغه کار دے د کلاغ او د کرگس

باز کب مردہ لاشوں کی ہوس کرتا ہے۔
یہ تو کوے اور گدھ کا کام ہے۔

پخپل ښکار باندي غوټې وهي بازونه
په مرداري باندي ګرځي ګرګسان

باز تو اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں
اور گدھ گلی سڑی لاشوں پر منڈلاتے ہیں۔

نور به په مرداري باندي ګرځي
وهونکي شهباز چې ښکار هورې هورې وي

چیل تو حرام اور ناپاک چیزوں پر منڈلاتی پھرے گی
اور مارنے والا شاہین شکار کی تلاش میں ہوتا ہے۔

زه چې نه کلاغ غليم چې په ګرو مرو ګرځم
باز يم شاهين يم په خپل ښکار مې زړه خرم دے

میں چیل یا کوا نہیں جو کوڑے کرکٹ پر اڑتا پھروں گا
میں تو باز یا شاہین ہوں میرا دل تو اپنے شکار ہی سے
خوش ہو سکتا ہے۔

غلبوز د بل منګلي وته ګوري
لکه باز لري نژدې خپله غوټه کړه
که دعوي د سړيتوب لري په زړه کښې
پر تورند تلاش په غشي په لينده کړه

چیل دوسرے کے پنجے کو دیکھتی ہے
تو باز کی طرح دور و نزدیک اپنی جھپٹیں مار
اگر تیرے دل میں مردانگی کا دعوئی ہے
تو گھوڑا دوڑاتے ہوئے تیر و کمان کے ساتھ (اپنے
مقصد کی) تلاش کر۔

نیز وہ ان اوصاف کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

خــا جوتــه مــردار هــډونــه — گندی، جھوٹی ناپاک ہڈیاں

سپي ګیدړ شرمښ کفتار خوري — کتے، گیدڑ، بھیڑیے اور ہنڈار کھاتے ہیں

د مــزري هــنــر دا دے — شیر کا کام تو

چې یا صبر یا خپل ښکار خوري — اپنا مارا ہوا شکار کھانا یا صبر کرنا ہے۔

حلال خوری اور صبر کی تعلیم جس مؤثر اور پر زور انداز میں دی ہے وہ خان علیین مکان ہی کا حصہ ہے۔

مندرجہ ذیل اشعار میں باز اور شیر کا ہمیشہ اپنا مارا ہوا شکار کھانے اور اوروں کو کھلانے کی ذکر کرتا ہے جو ان کی غیرت مندی، خودداری اور حلال خوری کے علاوہ ان کی سخاوت کو ظاہر کرتا ہے:

چې وهل خوړل خوروَل کا نور څهٔ نهٔ دے باز شاهین دے

مارنا، کھانا اور کھلانا باز و شاہین کی شان ہے

چې ئې سوړې لره ځي یا میږے دے یا فاره

اور بل کے اندر لے جانا چیونٹی اور چوہے کا کام ہے۔

اس شعر میں اپنی کمائی آپ ہی کھانے کو چیونٹی اور چوہے کی طرف منسوب کر کے اسے بڑی گھٹیا قسم کی خصلت بتایا ہے:

خــوره خــوروه د خپلــو لیــچو — اپنے بازو کی کمائی کھا اور کھلا

مــزرے دا کــه چې رونیــدار دے — شیر یہی کرتا ہے اس لیے زندہ ہے

خــوره خــوروه د خپلــو لیــچو — اپنے بازو کی کمائی کھا اور کھلا

غــضــنــفــر شــه نــهٔ روبــاه — شیر بن نہ کہ لومڑ

ســخــاوت کــره خو پــه تــا شــي — جتنا ہو سکے سخاوت کر

اســراف نشتــه د ســخــا — سخاوت میں اسراف کا شائبہ تک نہیں۔

خان شجاعت اور سخاوت کا چولی دامن کا ساتھ سمجھتا ہے:

ســخــاوت او شــجــاعت سره زیبا دي — شجاعت کے ساتھ سخاوت زیب دیتی ہے

بهــادر بــه خــالــي نــهٔ وي لــه ســخــا — اس لیے بہادر ضرور سخی ہوگا۔

باز کی زندگی میں عزت نفس اور درویشی کا مندرجہ ذیل سبق دیتا ہے:

خــا جـوتــه مـــر دار هـــدونـــه — گندی، جھوٹی ناپاک ہڈیاں

سپي ګيدړ شرمښ ګفتار خوري — کتے، گیدڑ، بھیڑیے اور ہنڈار کھاتے ہیں

د مـــزري بـــو هـــنــــر دا دے — شیر کا کام تو

چې يـا صبر يـا خپل ښکار خوري — اپنا مارا ہوا شکار کھانا یا صبر کرنا ہے۔

حلال خوری اور صبر کی تعلیم جس مؤثر اور پرزور انداز میں دی ہے وہ خان علیین مکان ہی کا حصہ ہے۔

مندرجہ ذیل اشعار میں باز اور شیر کا ہمیشہ اپنا مارا ہوا شکار کھانے اور اوروں کو کھلانے کی ذکر کرتا ہے جو ان کی غیرت مندی، خودداری اور حلال خوری کے علاوہ ان کی سخاوت کو ظاہر کرتا ہے:

چې وهل خوړل خوروِل کا نور څه نه دے باز شاهين دے

مارنا، کھانا اور کھلانا باز و شاہین کی شان ہے

چې ئ سوړې لره ورسي يا ميږے دے يا فاره

اور بل کے اندر لے جانا چیونٹی اور چوہے کا کام ہے۔

اس شعر میں اپنی کمائی آپ ہی کھانے کو چیونٹی اور چوہے کی طرف منسوب کر کے اسے بڑی گھٹیا قسم کی خصلت بتایا ہے:

خـوره خـوروه د خپـلـو ليـچـو — اپنے بازو کی کمائی کھا اور کھلا

مـزرے دا كـه چې رونيدار دے — شیر یہی کرتا ہے اس لیے [illegible] ہے

خـوره خـوروه د خپـلـو ليـچـو — اپنے بازو کی کمائی کھا اور کھلا

غضنفر شه نه روباه — شیر بن نہ کہ لومڑ

سخاوت کره خو په تا شي — جتنا ہو سکے سخاوت کر

اسراف نشته د سخا — سخاوت میں اسراف کا شائبہ تک نہیں۔

خان شجاعت اور سخاوت کا چولی دامن کا ساتھ سمجھتا ہے:

سخاوت او شجاعت سره زيبا دي — شجاعت کے ساتھ سخاوت زیب دیتی ہے

بهادر به خالي نه وي له سخا — اس لیے بہادر ضرور سخی ہوگا۔

باز کی زندگی میں عزت نفس اور درویشی کا مندرجہ ذیل سبق دیتا ہے:

خــه هــغــه شهباز شــه جــي ئ خــاىے بــه ســر دروي

جا اور وہی شہباز ہو جا جس کی جگہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوتی ہے

نــه لــكــه د كــلـي قــارغــه كــرخــه غــم د نــس كــره

نہ کہ گاؤں کے کوے کی طرح پیٹ کا غم کرتے پھرو

اس شعر میں باز کی خلوت پسندی، قناعت اور درویشی کی طرف بڑے واضح اشارات

ہیں۔ اور مندرجہ ذیل شعر میں بھی باز کی تارکانہ و فقیرانہ صفات کی طرف اشارہ کیا ہے:

نــوى بــاز راشــي لــه ســواتــه — نیا باز سوات سے آجاتا ہے

لــكــه ســيــلـي جــو كــيــان — سیاحت پسند جوگیوں کی طرح (۱۴)

علامہ اقبال نے باز و شاہین کے جن اوصاف کی وجہ سے اس کی زندگی کو راہبانہ کہا ہے

اسی نسبت سے خان علیمین مکان نے باز کو جوگیوں سے تشبیہ دی ہے۔

ان شعروں میں باز کی بلندی و تیزی پرواز اور اپنے فکر و تخیل کی پرواز کو سراہا ہے:

که د خٹک پرونه ئ هر څو ښكلي زرغون دي — ہر چند کہ اس کے بازوؤں کے پر خوبصورت ہیں

د بازونو پرواز مــه غــواړه له ښكاري — تدرو سے باز کی سی پرواز کی توقع نہ کر۔ (۱۵)

لکه چې درسته ورځ نرومي په پورته — جس بلندی تک پدی سارے دن میں نہیں پہنچ سکتی

هغه هومره باز شاهين نرومي په دم كښې — وہاں باز و شاہین لمحہ بھر میں جا پہنچتے ہیں۔

د شهباز تــر خــايــه كــلــه بــانــې رســي — شہباز کی بلندیٔ پرواز باشے کو کب نصیب ہو سکتی ہے

که راوړي ئ لــه خــايــه پــر وبــال دي — اگر چہ وہ بھی اپنے ساتھ پیدائشی پر و بال لاتا ہے۔

د دانش مارغه مې هومره پورته لاړ شه — میرا مرغ دانش ان بلندیوں تک جا پہنچا ہے

چې هوري د كــتــه بــازو پرواز نشــتــه — جہاں شہباز کو بھی پرواز میسر نہیں۔

اور خان علیمین مکان کا فکر و خیال اونچا ہی ہونے کی وجہ سے تو پرواز شہباز کے مشابہ

ہے لیکن دریا کی تند و تیز پرزور و شور ہے اور ویسا ہی اعلیٰ و ارفع۔

شکار: شکار ایک بہت فرحت بخش شغل ہونے کے علاوہ انسان کی اخلاقی تربیت بھی کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی شکار میں محنت و مشقت، ضبط و قابو، صبر و حوصلہ اور ہمت و شجاعت کی عادات و

جستگی اور تلاش و جستجو کا شوق اور خواہش پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے۔ اگر چہ خوشی کی چاہ انسان کی

فطرت میں داخل ہے وہ بالطبع ہر اس چیز کو چاہتا ہے جو اسے فرحت اور خوشی بخشے۔ اس لیے بعض علماء نے خوشی یا لذت کو اخلاقی مقصد قرار نہیں دیا۔ کیونکہ اخلاقی مقصد وہی ہو سکتا ہے جس کا چناؤ یا انتخاب ہو سکے جسے اپنی طبیعت کے میلان اور رجحان کے خلاف یا طبیعت کے دوسری طرف جھکاؤ کے امکان کی صورت میں کسی دوسری چیز کے مقابلہ میں چنا گیا ہو۔ اس لیے شکاری کے اشغال جہاں تک ان کا تعلق حصول حظ و لذت سے ہے جائز و مباح ہوتے ہوئے بھی اخلاقی تربیت اور اپنی تفریح کے لیے کھیلتا ہے۔ تو اس کا شغل جزواً اخلاقی اور جزواً فطری ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر جزواً اختیاری ہوگا اور جزواً اضطراری۔ مگر جب وہ شکار کی تعلیم دوسروں کو اخلاقی تربیت اور جائز خوشی اور فرحت حاصل کرنے کے لیے دے تو اس وقت وہ ایک اخلاقی معلم تصور ہوگا۔ اوروں کی خوشی ہم بالطبع نہیں چاہتے۔ اگر کوئی ارادۃً دوسروں کی خوشی چاہتا اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے تو اس کی یہ خواہش اور عمل اخلاقی ہے۔ خان نے شکار کے متعلق کئی نظمیں لکھی ہیں ہم ان میں سے پانچ شعر کی ایک غزل ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ جس میں شکار کے ذریعہ اخلاقی تربیت اور خوشی حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جہاں تک اس نظم کا خان کی ذات سے تعلق تھا یہ جزواً اخلاقی تھی جہاں تک اوروں سے تعلق ہے کلیۂ اخلاقی ہے۔

(۱۲)

په جهان کښې لويه چار ده د مير ښکار ده	اس جہان میں بڑا کام ہے تو وہ میر شکار کا ہے
کښې دا چار ګوري هر کار سره پکار ده	غور کرو تو اس کا کام زندگی کے ہر شعبے میں کارآمد ہے
خو قابو تلاش دا دواړه دي په ښکار کښې	قابو، تلاش، جنگ، بیکار اور شجاعت
کار د جنګ د مړنتوب کښې د بيکار ده	کے کام سب کے سب شکار میں موجود ہیں
ورنه هيڅ د ښکار د ذوق خبره مکړه	اس کے سامنے ذوق شکار کی بات نہ کرو
د هغه سړي چې طبع د بيکار ده	جس کی طبیعت ست اور بیکار ہو
آلوده دي په ډېر غم د عمر ورځې	ایام عمر سراسر غم کے ساتھ آلودہ ہیں
چې په شمار د عمر نه ده ورځ د ښکار ده	جس کا شمار عمر میں نہیں وہ شکار کا دن ہے
په خوشحال باندې د ښکار هوا ژوندون شي	خوشحال کو شکار کی خواہش زندگی بخشتی ہے
مړ ده دله کښې په تا باندې بيکار ده	اگر چاہے مردہ دل تیرے لیے یہ بیکار ہے۔

جہاں تک نظم کے تفریحی پہلو کا تعلق ہے ہم اس سے بالکل قطع نظر نہیں کر سکتے بلکہ ایک حد تک غم سے فرار کا رجحان بھی بادی النظر میں نظم کے آخری دو شعروں میں دکھائی دے گا۔ لیکن

اس فرار میں بھی شجاعانہ اخلاق کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ غم سے بھاگ کر پناہ کہاں لے گئی ہے؟ ایک ایسے شغل میں جس میں قابو و تلاش، جنگ و پیکار اور شجاعت کے کام تمام کے تمام موجود ہیں۔ یہ اس پرشور مجنون کا فرار ہے جسے لیلائے مسرت کا چہرہ چار آئینوں اور تلواروں میں نظر آتا ہے:

د خوشحال د زړه خوښي په هغه وخت وي — خوشحال کے دل کو اس وقت خوشی حاصل ہوتی ہے
چې برېښنا د سپينو تورو شي په زغرو — جب سفید تلواریں زرہ بکتروں پر چمکنے لگتی ہیں۔

حمیت و حماست: حمیت و حماست یا غیرت و شجاعت افغانیت کے اہم اخلاق بلکہ لوازم افغانیت ہیں۔ جو غیور و شجاع نہیں وہ افغان نہیں افغانوں کو ان کی زبان میں پښتون (پختون یا پشتون پہ اختلاف تلفظ) اور ان کی زبان کو پښتو (پختو یا پشتو) کہا جاتا ہے۔ اور پښتون اور پښتو کے معنی پشتو زبان میں بالترتیب غیرت مند اور غیرت کے ہیں۔ غیرت کی طرح شجاعت بھی خاصۂ افغانیت ہے اور کیوں نہ ہو جب یہ غیرت کا جزو لاینفک ہے۔ جناب حبیبی صاحب مقدمہ کلیات میں لکھتے ہیں کہ "شجاعت افغان کے خمیر میں ہے۔ اگر افغان شجاع نہیں تو افغان نہیں"۔ افغان اسلحہ اور شمشیر زنی کے ساتھ بہت محبت رکھتا ہے اور افغان معشوقہ بھی عاشق کی شجاعت پر ناز کرتی ہے:

توره به نه کړې نور به څه کړې — بہادری نہ کرو گے تو کرو گے کیا
چې دې شيدې د پښتنې رودلې دينه — جب تم نے افغان عورت کا دودھ پیا ہے۔

افغان معشوقہ بزدل اور غیر شجاع عاشق کا عشق باعث عار سمجھتی ہے:

له سپينې تورې نه دې تر پلود — تو سفید تلوار سے بھاگ گیا
په بېګانې در کړې خله پښېمانه يمه — میں تجھے رات دیے بوسے سے پشیمان ہوں۔

آپ نے دیکھا کس طرح ایک خوش قسمت افغان معشوقہ اپنے بہادر عاشق کی شمشیر زنی اور شجاعانہ کارناموں کی تعریف بڑے فخر کے ساتھ کرتے ہوئے غیر شعوری اور غیر ارادی طور سے کہہ دیتی ہے کہ یہ سب کچھ تم نے نہیں کیا تمہاری افغانیت نے کیا۔ افغان ہوتے ہوئے تمہارے لیے کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ یہی کرنا تھا جو تم نے کیا۔

اور دوسری بدنصیب کس طرح اپنے نصیب کو روتی ہے اس نے اس لیے عاشق کو اپنے رخسار کا بوسہ دیا تھا کہ وہ سمجھتی تھی کہ اس رخسار جیسی سفید تلوار سے محبت کرے گا مگر افسوس اس نے سفید تلوار سے منہ پھیر لیا اور یوں اس بدنصیب معشوقہ کا بوسہ ایک نااہل پر ضائع ہو گیا۔

خان علیین مکان کو حمیت و حماست اپنی قوم اور خاندان سے میراث میں ملی تھی۔ علاوہ بریں بحیثیت ایک افغان قبائلی سردار کے اس کا منصب ان کا متقاضی تھا اور ساتھ ہی یہ اس کے ذاتی جوہر بھی تھے۔ وہ افغانوں میں بھی فرد تھا اور ہے۔

خان کا کلام غیرت مندانہ، عزت مندانہ اور شجاعانہ افکار سے لبریز ہے آپ اس کے اس قسم کے اشعار کے کئی نمونے ملاحظہ فرما بھی چکے ہیں اور ذیل میں چند اور نمونے بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) خان قیام عالم اور جہان کی ہستی کے لیے شرم اور نام و ننگ کو لازمی سمجھتا ہے۔ بغیر ان کے وہ عالم کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اگر یہ نہ ہوں تو جہان ویران ہے چنانچہ کہتا ہے:

جهان شرم و نام و ننگ دے — شرم اور نام و ننگ ہی جہان ہے

که دا نه وي جهان رنگ دے — اگر یہ نہ ہوں تو جہان ویران ہے۔

(۲) اگر ساری دنیا جل کر راکھ ہو جائے اور ننگ غیرت اور عزت و آبرو باقی رہے تو سب کچھ ہے یہ نہ ہوں اور سب کچھ ہو تو کچھ بھی نہیں:

ننګيالے د ننګ د باره — غیرت مند عزت و آبرو کے لیے

به هر څه لګوي اور — ہر چیز کو آگ لگا دیتا ہے۔

(۳) خان کے نزدیک دل وہی ہے جس میں تلوار کی محبت ہو اور ننګيالے (غیرت مند) وہی ہے جو ننگ و ناموس کے مقابلہ میں کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتا ہو۔ عزت و آبرو کا سوال ہو تو ننگیالے کو سوائے ان کے کچھ دکھائی نہیں دیتا:

چې يې زړه نه وي د توري — جس دل میں تلوار کی محبت نہ ہو

هغه زړونه څه بکار دي — وہ دل کس کام کے

ننګيالے چې په ننګ راشي — جب غیرت مند کو غیرت آتی ہے

نه په زوي نه په پلار وي — تو وہ نہ بیٹے اور نہ باپ کو پہچانتا ہے۔

مور دې نه شي بالدي بوره — ان کی ماں بورہ نہ ہو

چې مېړونه د کارزار دي — جو مردان کارزار ہیں۔

(بورہ بہ واؤ معروف) پشتو میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کے بیٹے یا بیٹا مر گیا ہو۔

اور:

(۴)

د مړو دانو د خپل شرم کاروبار دے — مرد کا کاروبار عزت کو برقرار رکھنا ہے

نور ئې هر څه له خاطره فراموش دي — اس کے سوا اسے سب کچھ بھولا ہوا ہے۔

خان کے نزدیک اصل قابلیت عزت اور نیک نامی حاصل کرنا ہیں نہ کہ درہم و دینار کمانا۔

(۵)

موت کے بعد بھی وہ بہادر کے پاؤں کی جانب دفن ہونے کو پسند کرے گا اور بزدل و نامرد کے پہلو میں اپنی قبر کا ہونا گوارا نہ کرے گا:

قابل غم د نام و ننګ کا په دنیا کښې — قابل کو دنیا میں نام و ننگ کی فکر ہوتی ہے

نه په غم وي د دینار او د درم — اسے درہم و دینار کا غم نہیں ہوتا

پس له مرګه پښخ د مړد تر قدم ښه یم — موت کے بعد مرد کے قدموں میں مدفون اچھا ہوں

ګور مې مشه د نامرد له ګوره سم — میری قبر نامرد کی قبر کے برابر نہ بنے۔

(۶)

سر اور زندگی کی کب ضرورت ہے؟ جواب ملاحظہ ہو:

سر هله په تنه ښه دے — سر دھڑ پر اس وقت اچھا لگتا ہے

که د سر سره عزت شته — جب اسے عزت نصیب ہو

د سړي عزت چې نه وي — جب آدمی کو عزت حاصل نہ ہو

د ژوندون ئې څه حاجت شته — تو اسے زندگی کی کیا حاجت۔

(۷)

اور ملاحظہ ہو تیغ و تیر سے کس طرح محبت کا اظہار کیا جاتا ہے:

چې وبرېښي سپينکي — جب تلوار چمکتی ہے

د لنډه پرېو شورهار شي — اور تیر سائیں سائیں کرکے اڑتے ہیں

هو هو مرد بوږه خوشحاله — تو اے خوشحال گنتی کے آدمی ہوتے ہیں

چې په ځاے بانديې قرار شي — جو اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہتے ہیں۔

پشتو میں خان نے تلوار کے لیے "سپینکي" اور تیروں کے لیے "لنډه پري" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس کے طبعزاد ہیں۔ 'سپین' پشتو میں سفید کو کہتے ہیں یہ بصیغہ مذکر ہے۔ 'سپینه' اس سے مؤنث ہے۔ سپینکي (بہ فتح کاف) 'سپینه' سے اسم تصغیر ہے۔ انتہائی محبت سے تلوار کو یہ نام دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح 'لنډه پري' (چھوٹے پروں والے) بھی پیار کا نام ہے جو تیروں کو دیا گیا ہے۔

اور چند اور نشتر ملاحظہ ہوں:

(۸)

د نـامرد د مرد پـه دا تفاوت وشو
په نامرد شرم اسان دے په مرد ګران دے

نامرد اور مرد کے درمیان فرق یہ ہے کہ
نامرد کیلئے عار آسان اور مرد کیلئے مشکل ہے۔

مست هاتیان خوني مزرې تورې وکښلي
کهٔ د سر ویره دې نهٔ وي کار اسان دے

اگر تیرے مقابلے میں مست ہاتھی خونی شیر اور کھنچی ہوئی تلواریں ہوں
تو بھی سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی بشرطیکہ تجھے سر کا خوف نہ ہو۔

ننګیالے چې د اخلاص توره تر ملا کا
ډیر لښکري ئې تر همت پورې کاروان دے

جب غیر تمند اخلاص کی تلوار کمر سے باندھتا ہے
تو اسکی ہمت کے سامنے بڑے بڑے لشکر بھی محض قافلے ہی ہوتے ہیں۔

(۹)

جې شرم ننګ ئې نهٔ وي نهٔ هنر لري نهٔ پوهه
په مال ئې نظر مکړه مهٔ په حسن مهٔ په ذات

جس شخص میں شرم و غیرت اور عقل و ہنر نہ ہو
اس کے مال اور حسن و ذات کو نہ دیکھو۔

(۱۰)

چې د ننګ په چارو نر نهٔ وي خوشحاله
کهٔ ئې نر وینے په سترګو هم ماده ده

اے خوشحال جو غیرت کے کاموں میں نر (مرد) ہیں
اگر تجھے نر دکھائی دے رہے ہیں تو بھی مادہ (عورتیں) ہیں۔

(۱۱)

چې غر کنده سربازي کاندې د تورو
زهٔ خوشحال خټک تر هسې هنر خار شم

وہ جو کھلم کھلا تلواروں کے ساتھ سربازی کرتے ہیں
میں خوشحال خٹک انکے ہنر کے صدقے جاؤں۔

(۱۲)

هسـه هېڅ مـړنـے نـهٔ دے
چې پـه تـوره پـه قـفـا خـوري

وہ ہرگز بہادر نہیں
جو پیٹھ پر تلوار کھائے۔

(۱۳)

کله مړنے دے چې د تورې په میدان کښې
دے د تیرې تورې په پرهار نهٔ دے محفوظ

وہ کب بہادر ہے جو میدانِ کارزار میں
تیز تلوار کے زخم سے محفوظ نہ ہوتا ہو۔

(۱۴)

يا د ښخو ی سندرې دي د زوو	آوازیں یا تو کسی کی پیدائش کے وقت عورتوں کے گانوں کی ہیں
يا د ښو زوېو سندرې دي د زوو	آوازیں یا تو اچھے بیٹوں کی پیدائش پر گانوں کی ہیں
يا د تورو په ميدان کښې هو وهلے دے	اور یا میدان کارزار کی یاد ہو ہوگی۔

(۱۵)

يا د ښو زلميو ژغ دے په ميدان کښې	اگر چہ چاہے تو میدان کارزار میں اچھے جوانوں کی شجاعت کا (۱۷)
يا د ښو دلبرو خې په جهان کوکې	اور یا دنیا میں حسین معشوقوں کے حسن و جمال کے آوازے پھیلتے ہیں۔

(۱۶)

يا د سپينې تورې مرد شه يا عاشق شه	یا تو مرد شمشیر سفید اور یا کسی رخ زیبا کے عاشق ہو جاؤ
چې يا د ديرې په سندرو په بدلو	کہ گانوں اور نظموں میں یاد کیے جاؤ۔

(۱۷)

په دغې هنر کښې ټينګ اوسه خوشحاله	اے خوشحال تو اس ہنر پر مضبوطی سے قائم رہ
د هنر چې سپاهي لرې په زړه کښې	جو ہنر سپاہی کو دل سے مرغوب ہے۔

سخاوت: آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ خان مرد شجاع کے لیے سخی ہونا ضروری سمجھتا ہے۔ اس کے ذیل میں بہادر سخاوت سے کبھی خالی نہ ہوگا۔ وہ اپنی کمائی آپ ہی کھانے کو نہایت گھٹیا صفات کہتے ہوئے اسے چیونٹی اور چوہے کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس موضوع پر خان علیین مکان کی مختلف نظموں سے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں:

(۱)

چې ګټل خوړول بخښل کا خوان هغه	جوانمرد وہ جو کمائے، کھلائے اور بخشش کر دے
چې توره لري د تورې خان هغه	خان (۱۸) وہ جو تلوار چلانے کے ڈھنگ (۱۹) جانے
چې ئې ته په يګيده وخورې حبطه شي	وہ جسے تو اکیلا کھائے اور تیرے پیٹ میں جائے ضائع ہو جاتا ہے۔
د مجلس سره چې خوړ شي خوان هغه	خوان تو وہی ہے جسے مجلس کے ساتھ کھایا جائے
که د مال دے که د ملک دے که د ليچو	طاقت خواہ ملک و مال کی ہو یا بازوؤں کی
چې ئې توان د چا پکار شي توان هغه	جب کسی کے کام آئے تو طاقت ہے۔

(۲)

له زر و زر سره له خپله غليمان يو	میں اور دولت پیدائشی دشمن ہیں

په جهان کښې غلیمان سره وغیږي؟	بھلا دشمنوں کا بھی آپس میں نبھاؤ ہو سکتا ہے؟
چې غلیم د سړي په نظر کښېوځي	جب بہادر کو دشمن دکھائی دیتا ہے
نو ئې زړه د ده و مرګ وته پر کېږي	تو اس کا کام تمام کرنے کو بہادر کا دل بے قرار ہوتا ہے
شاه زلمي به خپل غلیم کاتر خان ورانډي	جوان مرد اپنے دشمن کو فوراً ٹھکانے لگا دے گا
و نامرد وته به سل حیلې ودریږي	اور نامرد کے سامنے کئی حیلے سدِ راہ ہوں گے۔

(۲) اور جس نظم میں کہتا ہے کہ بہادر کبھی سخاوت سے خالی نہ ہوگا اس کے چند شعر اور ملاحظہ ہوں:

خوانمردي په سر بښندل په زر بښندل ده	جوانمردی سر اور زر دونوں کی قربانی سے ہے
که خوانمرد ئې دا دواړه خوي د مرتضیٰ	اگر تو جوانمرد ہے تو جناب مرتضیٰ کی خصلت پیدا کر
نه به مال د چا نقصان په ورکول شي	نہ تو داد و دہش سے کسی کا مال ضائع ہوتا ہے
نه به ومري چې د چا نه وي قضا	اور نہ ہی بغیر قضا کے کوئی مرتا ہے
نامردانو ته دا دواړه تو که ګران دي	نامرد کے لئے یہ دونوں کام مشکل ہیں
خوانمردان دي په دا دواړه بې همتا	اور جوانمرد دونوں میں بے ہمتا ہوتا ہے۔

آخری شعر میں کہتا ہے کہ مالی قربانی (سخاوت) جانی قربانی (شجاعت) کا لازمی نتیجہ ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ ایک بہت ہی متضاد اور ناقابل فہم بات ہوگی:۔

خوانمردان تر سر د ننګ دپاره تیر وي	جوانمرد عزت کے لئے سر سے گزر جاتا ہے
تروسکه مال په کوم حساب دي د دنیا	تو پھر بھی دنیا کا مال کس حساب میں ہے

اس کے ساتھ ہی (اسی نظم میں) خرچ کے متعلق خان ہمیں مندرجہ ذیل اخلاقی اصول بتاتا ہے:۔

مه ممسک شه مه مسرف زده کړه له ما	(یعنی) نہ کنجوس ہو اور نہ فضول خرچ۔

لیکن جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خان کے نزدیک سخاوت کسی صورت میں اسراف نہیں۔ اگر اچھے مقصد کے لئے بہت کچھ بھی خرچ کیا جائے تو سخاوت ہے اور ناجائز طور سے تھوڑا کچھ خرچ کیا جائے تو اسراف ہے۔ جس طرح کفایت شعاری کنجوسی نہیں۔ اسی طرح سخاوت اسراف نہیں وکذا معکوس۔ اگرچہ جیسا کہ مندرجہ بالا مصرع سے ظاہر ہے خان نے کفایت شعاری سے جو ایک ضروری اخلاق ہے، قطع نظر نہیں کی مگر خان علیین مکان کے کلام میں

خاوت پر جتنا زور دیا گیا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی کفایت شعاری کے متعلق نہیں۔

"پت": دوستی اور تعلقات میں وفاداری و استواری ایک اعلیٰ اخلاق ہے۔ اخلاق افغانی میں "پت" یعنی دوستی و تعلقات میں دوام و استقلال اور ایثار و قربانی اور حقوق و فرائض آشنائی کی ادائیگی و بجا آوری کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ پت عزت وحمیت کے لوازم میں سے ہے۔ (۲۰) "پت کا پالنا" انفرادی و اجتماعی زندگی میں یکساں ضروری ہے۔ جس طرح اپنے ایک دوست کے ساتھ وفاداری ضروری ہے۔ اسی طرح اپنے "پرہ" یا "ڈلہ" (پارٹی، فریق) کے ساتھ بھی باوفا رہنا لازمی ہے۔ خواہ اس مقصد کے لئے عزیز سے عزیز چیز کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے اجتماعی صورت میں 'پت' کو "پرہ جنبہ" کہتے ہیں اور اس رنگ میں یہ بہت سخت اور شدید ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے "پت" صرف "پرہ" یا "ڈلہ" ہی کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس کا ظہور صرف اجتماعی زندگی ہی میں یا بہ الفاظ دیگر "پرہ جنبہ" ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ "پت" پرائیویٹ تعلقات میں بھی بے حد ضروری ہے۔ اگر کسی افغان نے پرائیویٹ تعلقات میں بھی "بے پت" ہونے کا اظہار کیا تو وہ افغان سوسائٹی میں بری نظر سے دیکھا جائے گا۔

قبل اس کے کہ خان علیین مکان اور بعض دیگر عظیم افغان فن کاروں کے خیالات اس موضوع پر ہدیۂ قارئین کرام کئے جائیں۔ افغان لوک گیتوں سے دو شعر پیش کرنا مناسب ہوگا۔ جن سے افغان عاشق و معشوقہ کی وفاداری کا اندازہ لگایا جا سکے۔ ایک معشوقہ جس کا عاشق لڑائی میں مارا گیا ہے۔ اس کے تصور کو مخاطب کر کے اس کی شجاعت اور وفاداری کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ دشمنوں میں یہ طاقت نہ تھی۔ کہ تمہیں قتل کرتے لیکن میں لڑائی چھڑ جانے کی خبر سن کر تمہاری بہادری کا تماشہ دیکھنے کے لئے لب بام آئی اور مجھے دیکھ کر تم مجھ میں ایسے منہمک ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے۔ چنانچہ تمہاری اس وارفتگی اور خود فراموشی سے فائدہ اٹھا کر دشمنوں نے تمہیں قتل کر ڈالا:۔

ستا غلبله لاسه مې پرې مه کړے	آہ تمہارے قتل کی ذمہ داری مجھ ہی پر ہے
جنګ په بارو شو زه په بام درو ختمه	جب کھیتوں میں لڑائی ہونے لگی تو میں تمہارے لئے
	لب بام آ گئی۔

اور یہ شعر ملاحظہ ہو:۔

بیار مې د مرګ دریاب لاهو کړو — میرے محبوب کو دریائے مرگ بہا کر لے گیا ہے

زه د کفن کشتی جوړوم ورپسې خمه — میں کفن کی کشتی بنا کر اسے ڈھونڈنے جا رہی ہوں۔

اب خان علیین مکان کے افکار ملاحظہ ہوں۔ اس کے نزدیک "پت" کی قدر و منزلت اورنگزیب کی سلطنت سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کسی آدمی میں "پت" کی موجودگی یا عدم موجودگی پر ہی اس کی اچھائی یا برائی کا دارومدار ہے۔ خان "پت" کو آدمی کے پرکھنے کے لئے کسوٹی قرار دیتا ہے:۔

(۱)

دا یوه وینا د زړه په غوږو واورئ — یہ ایک بات گوشِ دل سے سن لے

چې بهتره د اورنګ تر سلطنت ده — جو اورنگزیب کی سلطنت سے بہتر ہے

سر دې ځي مال دې ځي ورو دې پت دې نه ځي — سر و مال جائے تو جائے مگر پت نہ جائے

د سړي د چارې کل خوبي په پت ده — آدمی کی خوبی کا سارا دارومدار "پت" پر ہے

چې یو ځله زړه د چا په مینه بند کړې — جب ایک دفعہ دل کو کسی کی محبت میں گرفتار کیا

بیا ئې شلول ښې کمې د مروت ده — تو پھر اس سے چھٹکارا چاہنا بے مروتی ہے۔

چند اور اشعار مختلف غزلوں کے ملاحظہ ہوں:۔

(۲)

غم د یار د جفا هیڅ را سره نشته — یار کے جور و جفا کا کوئی غم نہیں

خدائے دې ما بې پته نه کا په یارۍ کښې — خدا مجھے دوستی میں بے پت نہ ہونے دے۔

(۳)

څه پتونه ئې په شمار په حساب نه دي — اگر کوئی آشنائی کے حقوق (پت) ادا نہ کرے

که په چا د آشنايي پت پالنه شي — تو حقوق آشنائی کا حساب و شمار نہیں۔

(۴)

تر هندوې مه شه کم د یار په پت کښې — محبوب کے پت میں ہندنی سے کم نہ ہو

چې ئې هیڅ له بلې اوره نه ډار نه وي — جسے جلتی آگ کا کچھ ڈر نہیں ہوتا۔ (۲۱)

(۵)

چې په یار پسې ژوندۍ سوزي په اور کښې — محبوب کے لئے جیتے جی آگ میں جل جانا

زه په دا رسم مئین یم د هندوانو — میں ہندوؤں کی اس رسم کا عاشق ہوں۔

پت کے متعلق خان کے دو بڑے ادبی جانشینوں ملا عبدالرحمٰن مہمند اور ملا عبدالحمید مہمند

کے اشعار بھی ملاحظہ ہوں:۔

ملا عبدالرحمن مہمند:

مړ پړو دے تو هغه چې غوک بې پت دے	اس سے مردہ اچھا ہے جو بے پت ہے
پہ یاری کښې دې خدائے نه کا غوک بې پته	خدا دوستی میں کسی کو بے پت نہ کرے۔
داسې چې په اور سوزي مراد ئې دا وي	یہ جلنے والی جو آگ میں جلتی ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے
زه په اور کښې سوے ښه یم نه بې پته	کہ میں آگ میں جلی ہوئی بے پت ہونے سے اچھی ہوں۔

ملا عبدالحمید مہمند:

په سرو وینو کښې لت پت په پت کښې ښه یم	خون میں لت پت (لتھڑا ہوا) اچھا ہوں
نه د سرو زرو په تخت بالندې بې پته	بے پت ہو کر سونے کے تخت پر بیٹھنا اچھا نہیں۔

وفاداری ہر قوم میں ایک اچھی صفت خیال کی گئی ہے۔ اور ہر قوم میں پائی جاتی ہے۔ یہ صرف افغانوں تک ہی محدود نہیں۔ آپ نے دیکھا۔ کہ خان اور ملا عبدالرحمن کے بعض اشعار جو آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں امیر خسرو کے اشعار کے زیر اثر کہے گئے ہیں۔ جنہوں نے ہندوؤں کی رسم ستی میں وفاداری و شدت محبت کی جھلک دیکھ کر زن ہندو کے جذبہ محبت کی تعریف کی ہے۔ مرزا غالب نے "وفاداری بہ شرط استواری" کو "اصل ایماں" کہا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ افغان "پت" اور اکثر دوسری اقوام کے تصور وفاداری میں بہت اہم اختلاف اور فرق ہے۔ "پت" محض ایک لطیف جذبہ ہی نہیں یہ نہایت شدید اور پر زور جذبہ بھی ہے۔ رو ہ میں صرف عاشق و معشوق کے لطیف جذبات کے روپ ہی نہیں دھارتا۔ بلکہ اس کی کئی شکلیں اور صورتیں نہایت مہیب اور خوفناک ہوتی ہیں۔ کبھی تو یہ تلواروں کی دھاروں پر خونی رنگ میں نظر آتا ہے۔ اور کبھی دھوئیں اور آگ کی صورت میں بندوقوں کی نالیوں سے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ ایسے حالات میں آئین افغانی کے مطابق یہ جتنا ہولناک ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ محترم و متبرک بھی۔ علاوہ ازیں "پت" پر عمل پیرا ہوتے وقت حق و باطل، ظلم و انصاف، راستی و کجی کا خیال "پت" اور آئین افغانی کے سراسر منافی ہے۔ "پت" دوستی میں صرف مستقل محبت و خلوص اور ہمدردی ہی کا نام نہیں۔ یہ دوست کے ساتھ ہر حال میں امداد و تعاون اور اس کی پیروی کا نام ہے۔ خواہ اس کے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس طرح پت میں جہاں بہت بڑی خوبیاں شامل ہیں۔ وہاں یہ بڑی خطرناک برائیوں کا بھی حامل ہے۔ افغانی پت کی مثال اس کی شدت اور اندھے پن کے پیش نظر

عرب جاہلیت یا راجپوتوں میں مل سکتی ہے۔ دوستی اور تعلقات میں وفاداری اور اس کے نبھانے کے بارہ میں ان کے تصورات افغانی پت کے تخیل کے مشابہ ہیں۔

پت پشتو (افغان سوشل نظام) کے بہت بڑے تضادوں میں سے ہے۔ اسلام پشتو کا سب سے بڑا رکن ہے۔ جس کے بغیر افغان ہونا ممکن نہیں اور "بے پت" ہونا بھی افغانیت کے خلاف اور اس سے اخراج کے مترادف ہے۔ اسلام تو حق وصداقت اور انصاف کا علمبردار ہے۔ وہ ہمیشہ نیکی کا معاون و مددگار ہے۔ اور دشمن سے بھی بے انصافی اور زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۲۲)

اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔ اور دیکھو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں۔ خدا کا عذاب سخت ہے۔

اور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (۲۳)

اے ایمان والوں خدا کیلئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

"پت" جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ حق و باطل اور ظلم و انصاف کے فرق کو نہیں جانتا۔ وہ اندھا ہے۔ جہاں تک اس کے پہلو کا تعلق ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی جگہ نہیں۔

"پت" کے متعلق پشتو ادب سے وہ نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح خان و سردار، مرد کارزار اور درویش و ملا "پت" کی تعریف میں ہم آہنگ و یک زبان ہیں۔ خان علیین مکان کہتا ہے کہ سر و مال جائے تو جائے لیکن "پت" نہ جائے۔ ملا عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ مرجانا "بے پت" ہو جانے سے اچھا ہے۔ خان کہتا ہے کہ "پت" اورنگ زیب کی سلطنت سے بھی بڑی چیز ہے۔ ملا عبدالحمید کہتا ہے کہ مجھے بغیر "پت" سونے کا

تت بھی قبول نہیں۔ کیا پشتو کے ان اخلاقی معلموں کے متعلق بھی یہ فرض کر لیا جائے کہ انہوں نے پت پر بلا کم وکاست اور غیر مشروط طور سے کار بند ہونے کی تعلیم دی ہے۔ کیا ان کے نزدیک بھی باقی افغانوں کی طرح "پت" کے مذموم و مکروہ پہلو بھی مستحسن و مرغوب تھے۔ اگر چہ انہوں نے بھی "پت" کی تعریف کرتے ہوئے خودکشی جیسے انسانیت سوز اور قابل نفرت فعل کو بھی سراہا ہے۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے افغانوں کو حق شناسی اور عدل و انصاف کا اعلیٰ درس دیا ہے۔ انہوں نے احکام شریعت کو ہر چیز پر مقدم رکھنے اور رسوم و رواج کو ترک کرنے کی تعلیم دی ہے۔ صرف اس قسم کے چند اشعار کی بنا پر ان کی طرف خالص افغانی "پت" کی تعلیم کو منسوب کرنا محفوظ نہ ہوگا۔ ان پر تضاد افغانیت کے ارتکاب کا الزام لگانے سے پہلے ان کی دیگر متعلقہ تعلیمات پر بھی غور کرنا ضروری ہوگا۔ افغانیت کا زیر بحث تضاد رسوم و رواج کی پابندی کا نتیجہ ہے۔ اگر انہوں نے رسوم و رواج کے ترک کرنے اور احکام اسلام کی پیروی کی تعلیم دی ہے۔ تو وہ خالص افغانی پت کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ خان علیین [illegible] کہتا ہے:۔

(۱)

هر جې شرع فرمائي په هغه کار کړه	جو شرع کا حکم ہو اسی پر عمل کرو
نه عمل کړه په رسم په دودونه	اور رسم و رواج کی پیروی نہ کرو
خدای هغه په دواړه کونه دي نمانځلي	ان کو خدا نے دونوں جہانوں میں عزیز کیا ہوا ہے
چې په ورځ ئې عدل و داد په شپه مونځونه	جن کے دن عدل و انصاف کرنے اور راتیں نماز گزاری میں بسر ہوتی ہیں۔

(۲)

سل خونونه په فتوئ په روایت کړه	فتویٰ اور روایت کے مطابق سو خون [illegible]
خوله شرعې نه بیرون مه شه مومنه	مگر اے مومن حدود شرع سے باہر نہ [illegible]

(۳)

چې غم ئې نه وي له ناحقه خونه	جنہیں خون ناحق کا غم نہ ہو
اور به ئې ولګي په درسته خونه	ان کے 'خونہ' (گھر) کو آگ لگ جائے گی
نیست و نابود به شي په دا دنیا کښې	اس دنیا میں بھی نیست و نابود ہو جائیں گے
تور به پاسي تور مخونه	اور آخرت میں بھی روسیاہ اٹھیں گے۔

اگر چہ اب تک تو افغان سوشل نظام میں اسلام اور "پت" دونوں ساتھ ساتھ چلے آرہے ہیں۔ اور باوجودیکہ "پت" کو اب بھی خیر و شر دونوں پہلوؤں کے ساتھ "پشتو" میں اہم جگہ

حاصل ہے۔ لیکن شر کا پہلو برابر مغلوب ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اور اس سلسلہ میں افغان اہل دانش نے وقتاً فوقتاً جو کام کیا ہے۔ اس کی اہمیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

متفرقات

اب خان علیمن مکان کی مختلف نظموں سے متفرق اخلاقی اشعار، چند اخلاقی رباعیات، قطعات اور غزلیں پیش کی جاتی ہیں:۔

اشعار:

(۱) سچ اور جھوٹ

(ا)

چې دروغ ترې خلې وباسي کله خلهٔ ده — وہ جو جھوٹ بولے منہ نہیں

چې رښتیا ترې خلې وباسي خلهٔ هغه — منہ تو وہی ہے جو ہمیشہ سچ کہے۔

(ب)

ورځ ئې ما لیدلې نه ده په درست عمر — میں نے اپنی ساری عمر میں اس کا دن نہیں دیکھا

خدای به نه کا سپین سبا د دروغژن شپه — خدا جھوٹے کی شب (تاریک) کو روز روشن نہ کرے گا۔

(۲) قطع طمع

که دې طمع د مخلوق له دره پرېکړه — اگر مخلوق کے دروازے سے تم نے طمع قطع کیا

بادشاهي دې مبارک شه که ګدا ئې — تو فقیری کے باوجود تمہیں بادشاہی مبارک ہو۔

(۳) قناعت اور لالچ

چې عزت ترې پیدا کیږي قناعت دے — قناعت سے عزت پیدا ہوتی ہے

چې خوارې ور ځنې زیږي هغه آز دے — اور لالچ سے ذلت۔

(۴) سخاوت

(ا)

که ګنجونه د قارون درته انبار شي — اگر تمہارے سامنے قارون کے خزانوں کے انبار لگائے جائیں

په هر لوري ئې غوزوه په سخاوت — تو سخاوت کرتے ہوئے ہر طرف انہیں بانٹتے رہو۔

(ب)

په منت چې ورکول کا — کسی کو کچھ دے کر احسان جتانا

هغه کله سخاوت دے — کب سخاوت ہے۔

(۵) منت نہ اٹھانا

د منت دارو که مرم پکار مې نه دي	منت اٹھا کر دوا لینے سے مر جانا بہتر ہے
که علاج لره مې راشي مسيحا هم	خواہ میرے علاج کے لیے مسیحا ہی کیوں نہ آ رہے ہوں
د فرښتو آمين منت دے په دعا کښې	فرشتے میری دعا پر آمین کہہ کر مجھے زیر بار منت نہ کردیں
د جرم ور خښې پټه کرم دعا هم	اسی لئے تو میں دعا بھی آہستہ کیا کرتا ہوں۔

(۶) ایفائے عہد

(ا)

د هغه اسلام اسلام نه دے خوشحاله	اے خوشحال اس شخص کے اسلام کا کیا اعتبار (۴۴)
چې بهتر ور څخه ګبر په میثاق دے	جس سے گبر (آتش پرست) ایفائے عہد میں بہتر ہو

(ب)

مرد به خپله وینا ژغوري ځان تر ژوندے وي	مرد کو تادم زیست اپنے قول کا پاس ہوگا (۴۵)
د نامرد وینا نن شته نشته سبا	نامرد کا قول آج ہے کل نہیں۔

(۷) نیک خواہی خلائق

(ا)

چې د خلقو نیک خوښي لري په زړه کښې	جس کے دل میں مخلوق کی نیک خواہی ہے
مبارک شه بادشاهي لري په زړه کښې	اے مبارک ہو اس کے دل میں بادشاہی ہے۔

(ب)

په خپل ځان پسندنه نیکه په بل بده	اپنے لئے بھلائی اور دوسروں کے لئے برائی چاہنا
دا مذهب د مومنانو مذهب نه دے	مومنوں کا مذہب نہیں ہوسکتا۔

(۸) پاس قلوب

هر چې ستا د زړه رضا وي هغه کړه	جو جی چاہے کرو
هر چې زړه د چا خوږیږي هغه مه کړه	مگر نہ وہ جس سے کسی کا جی دکھے۔

(۹) ہمدردی

د هغه قدر لرم تري به خاریږم	میں اس کا قدردان اور شیدائی ہوں
چې په غم کښې چاره جوړ کړي د بیچاره شه	جو مصیبت میں بے چاروں کا چارہ ساز ہوتا ہے۔

(۱۰) حُسن سلوک

جې له دوسته له دښمنه ښه سلوک کا — جو دوست دشمن سے اچھا سلوک کرتے ہیں

د هغو سړيو ښه ژوندګاني ده — زندگی انہی کی اچھی ہے۔

(۱۱) انتقام

که تل توري غشي خوري ماتې د جنګ وړي — اگر ہمیشہ شمشیر و تیر کے زخم کھاتا لڑائی کی مصیبت اور ہزیمت اٹھاتا رہا ہو

سړی به سوړ نشي له خپله انتقامه — پھر بھی مرد کی آتش انتقام سرد نہ ہوگی۔

(۱۲) عفو

وې ی څه دې چې نښان د جوانمردۍ دے — میں نے پوچھا[26] کہ جوانمردی کی کیا علامت ہے

وې ی عفوه په هنګام د استقلال — جواب ملا استقلال کے وقت عفو۔[27]

(۱۳) ظلم وانصاف

(ا)

عادلان مې د جنت د ګلزار ګل دي — عادل باغ جنت کے پھول ہیں

ستمګر مې د دوزخ د اور لرګي دي — اور ظالم جہنم کا ایندھن۔

(ب)

که نوم د حجاج اروې اروې نوم د نوشیروان — حجاج اور نوشیرواں دونوں کا نام سنتے ہو

په عدل کافر ښه شه ظلم بد کړ مسلمان — عدل سے کافر (نوشیرواں) اچھا اور ظلم سے (حجاج) برا ہوگیا۔

(۱۴) شجاعت وغیرت

مړه هغه چې نه ی نوم نه ی نښان شته[28] — مردہ وہ ہیں جن کا نہ نام اور نہ نشان باقی ہے

تل تر تله به ښه نام پاتي بناغلي — بہادر[29] اور غیرت مند ہمیشہ نیکنامی کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں۔

(۱۵) خوداعتمادی وانفرادیت

(ا)

د زمريو مرتوب په لښکر نه وي — شیروں کی بہادری لشکر کے بل بوتے پر نہیں ہوتی

مست ی هر کله یواځي پخپل خان شي — ان کا عمل ہمیشہ اپنی قوت پر اعتماد کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۲)
چې څوک دې وړاندې وروسته ځي دا څه شي
پـه تنهـا وجـود چې شـان دے شـان هغـه

اگر تیرے جلو میں کوئی آگے پیچھے جا رہا ہے تو کیا ہوا
شان تو وہی شان ہے جو تیرے وجود سے اکیلے پیدا ہو۔

(۱۶) عزم وثبات

تر مطلوبه پورې شرط د رسیدو دے
که تمامه لار پـه وینـو شي آلـوده

مطلوب تک پہنچنا ضروری ہے
خواہ سارا راستہ خون آلودہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(۱۷) رجائیت

(۱)
په هر شام پسې سحر شته نظر وکړه
غمجن چې څوک غمژن شي بیا به ښاد شي

دیکھو ہر شام کے بعد صبح ہے
جو غمگین ہوا آخرکار پھر خوش ہوگا۔ (۳۰)

(۲)
تر بېدې د لوے بادشاه په دربار نشته
تر سرے چې خدمت کا نتیجه مومي

بڑے بادشاہ کے دربار میں ناامیدی نہیں۔
جو خدمت کرے گا اس کا پھل پائے گا۔

(۱۸) محنت وراحت

چې محنت په خان قبول کا راحت مومي
رنځ رګنج سره دا دواړه دي تړلي

جو محنت کرے گا راحت پائے گا۔
رنج و گنج لازم وملزوم ہیں۔

(۱۹) توکل

(۱)
که تکیه ده خو تکیه د یوه خدائے ده
هم به بل ئې کړه څه حال لري تکیه

آسرا تو خدائے واحد ہی کا ہے
بھلا کسی اور کا کیا آسرا ہوگا۔

(۲)
که سلطان به ئې هیڅ کم نه کا خوشحاله
که یو خدائے د سړي نه شي په کمي

اے خوشحال جس آدمی کا زوال خدا نہ چاہتا ہو
بادشاہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

(۲۰) صبر وشکر

په ښادۍ کښې دې ئې شکر سرے کاندې

خوشی میں انسان شکر بجالائے

په غمونو کښې د صبر چار فرحت دے
اور غم میں صبر کرنے سے خوشی حاصل کرے۔

(۲۱) وفاداری

(ا)

که قدم دې د وفا په لاره ټینګ کړو
د خوشحال په پوهه دا ده رستمي

اگر تو راہِ وفا میں ثابت قدم رہا
تو خوشحال کے نزدیک یہی رستمی ہے۔

(ب)

جفا ئې واړه په وفا حساب کړه
د یار جفا په وفا نیولې شي

اس کی جفا کو سراسر وفا جان
یار کی جفا بھی وفا ہی گنی جاتی ہے۔

(۲۲) خودستائی

وې مې کوم رښتیا چې وائي پرې سپک شي
وې ئې خپل هنر چې وائي دم درحال

میں نے پوچھا کس سچی بات سے آدمی ذلیل ہوتا ہے
جواب ملا خودستائی سے۔

(۲۳) گفتار و کردار

چې کردار دې له گفتار سره سم نه دے
تش گفتار واړه په خان باندې نفرین دے

اگر تمہارا کردار گفتار کے موافق نہیں
تو محض گفتار تم پر پھٹکار ہے۔

(۲۴) خوش گفتاری و نیک کرداری

په معنيٰ پاڼې گلونه دي خبرې
د سړي کرده د ونې ثمره

باتوں کی مثال درخت کے پتوں اور پھولوں کی ہے
اور اس کا عمل اس درخت کا پھل۔

رباعیات

(ا)

که ته بادشاه ئې د تخت دې باسه
خدائے ته گدا شه خبر شناسه
عارف د خان شه دوست د سبحان شه
غیر فکرونه له زړه وباسه

اگر تو بادشاہ ہے اور صاحب تخت و تاج
تو بھی اے ہوشیار خدا کے سامنے فقیر ہو جا
خودشناس ہو کر خدا دوست ہو جا
اور افکارِ ماسوا کو دل سے نکال دے۔

(۲)

بې له بندگۍ دې بنده هیڅ نه کا
په لږ به ډېر دې له بخښش هیچ نه کا

بندہ بغیر بندگی کے کچھ نہ کرے

که ئې مرګ وته په قهر وکاږي	اگر وہ اس کے قتل کرنے کو تلوار نکالے
بنده دې تېښته د څښتن له قليچ نه کا	تو بھی بندہ مالک سے سرتابی نہ کرے۔

(۳)

په تا که راشي حادثه لويه	اگر تجھے بڑا حادثہ پیش آئے
تېښته تسليم و صبر ته بويه	تو تسلیم وصبر میں پناہ ڈھونڈ
ته به ئې دفع په صبر وکړې	تو صبر ہی سے اس کا دفعیہ کر سکے گا
نه به لښکرو په زر و زوبه	نہ کہ لشکر وزر وپیسے۔

(۴)

سخ د هغه دے چې ښه ئې نيت دے	خوش قسمت ہے وہ جو نیک نیت ہے
ښېګڼه خواه د خلق په ښه خصلت دے	اپنی اچھی خصلتوں سے خیر خواہ خلائق
تل ئې په علم په طاعت مښت دے	اور ہمیشہ حصول علم اور طاعت میں کوشاں ہے
حاصل د عمر علم طاعت دے	حاصل عمر علم وطاعت ہی تو ہے

(۵)

که دې نيت ساز دے عمل دې ساز دے	اگر تیری نیت اچھی ہے تو عمل اچھا ہے
که د روژې وي که د نماز دے	خواہ تیرے روزے ہوں یا تیری نماز
مدار په نيت دے مراد په نيت دے	سارا دار و مدار نیت پر ہے اور نیت ہی مراد ہے
دين او دنيا لره په نيت کښې راز دے	دین و دنیا کی سعادت وشقاوت کا راز نیت ہی میں ہے۔ (۳۱)

(۶)

ما چې ميدان د دروغو وه ليده [۳۲]	میں نے جھوٹ کا میدان دیکھا
بل هو ميدان مې تر دا لوې ونه ليده	تو اس سے وسیع کسی دوسرے میدان کو نہ پایا
خو مسلک ئې واړه کندې کودرې دے	مگر یہ سرزمین ساری گڑھے بل اور سوراخ ہی ہیں
مار و لړم به کښې پراته ليده	جن میں ہر طرف سانپ اور بچھو پڑے دکھائی دیے۔

(۷)

دروغ که اړوي بلا له تا نه	اگر جھوٹ کے ذریعہ تجھ سے مصیبت ٹلتی ہے
دروغ خوي مه کړه اے زما خانه	تو پھر بھی اے جان من جھوٹ کی عادت نہ ڈال

رښتني پسې مه پرېږده له خپله لاسه
خدای به پېښه تا کا ګرانه اسانه

سچائی کو کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دے
خدا تیری مشکل آسان کردے گا۔

(۸)

صبر د زړه راوړه رښتيا دا دواړه
همت په کار کښې له خدايه غواړه
که کام د فتح نصرت بيا نه مومې
تاوان دې واړه زما په غاړه

صابر اور سچا دل پیدا کر
اور ہر کام میں خدا سے ہمت مانگ
اگر تجھے مراد فتح و نصرت حاصل نہ ہو
تو تیری ناکامی کا ذمہ دار میں۔

(۹)

په زړه د واړه خلقو نيکخواه اوسه
هدايت کوونکې د هر ګمراه اوسه
طمع له چا مه کړه سخاوت هر چا کړه
بې تخت و تاج لکه بادشاه اوسه

دل سے تمام خلق خدا کا نیک خواہ رہ
اور ہر بھولے بھٹکے کو راستہ دکھا
کسی سے طمع نہ کر اور ہر ایک پر سخاوت کر
اس طرح بے تخت و تاج بادشاہ ہو جا۔

(۱۰)

د چا و خوان ته خالي کتل مه کړه
که تل دې خوان خوري منت په بل مه کړه
چې پرې باور ختي هسې وئيل مه کړه
چې مال د بل شي هسې ساتل مه کړه

کسی کے دستر خوان کو دیکھ کر بھی نہیں
اگر کوئی سدا کھلاتا ہے تو احسان نہ جتا
ایسی بات منہ سے نہ نکال کہ اعتبار کھو بیٹھے
اوروں کے لیے چھوڑ دینے کو مال جمع نہ کر۔

(۱۱)

نامرد هغه دې چې د چا څه ورکا
منت د پاسه ور باندې زبر کا
په رنځ کښې ومره هغه دارو مه خوره
چې په منت ئې و تا څوک در کا

وہ نامرد ہے جو کسی کو کچھ دے کر
اسے اپنا احسان جتائے
بیماری سے مرجا مگر وہ دوا نہ کھا
جو تجھے کوئی احسان جتا کر دے۔

(۱۲)

سخي که لک ورکا و ده ته کک وي
بخيل که کک ورکا و ده ته لک وي

اگر سخی لک (لاکھ) کی بخشش بھی کرے تو اس کی نظر میں ٹک (ٹکہ) ہوتی ہے۔
کنجوس اگر ٹک بھی دے تو اسے لک سمجھتا ہے۔

د هغو ورکړه به ورکړه مه نیسه	ان کی بخشش کو بخشش نہ سمجھ
چې ورکړه زړه ئې له غمه ډک وي	جن کا دل بخشش کے بعد غم سے بھر جائے۔

(۱۳)

په خصلتونو کښې عدل و انصاف ښه دے	خصائل میں عدل و انصاف ایک بہت اچھی خصلت ہے
له ښو له بدو سره زړه صاف ښه دے	نیز اچھوں اور بروں سب کے لیے دل صاف رکھنا چاہیے۔
چې څوک دې غاښ مات کا ته ئې هم غاښ مات کا	جو تیرا دانت توڑے تو بھی اس کا دانت توڑ دے
که عذر خواه شي غاښ ئې معاف ښه دے	اگر وہ عذر خواہ ہو تو اسے معاف کرنا بہتر ہے۔

(۱۴)

څوک چې آشتي غواړي که دې غلیم دے	اگر تیرا دشمن بھی صلح کا طالب ہو
والصلح خیر ځکه د تسلیم دے	تو والصلح خیر، مقام تسلیم ہے
عفوه بهتره تر انتقام ده	عفو انتقام سے بہتر ہے
نېکي په بدو کار د کریم دے	بروں کیساتھ بھلائی اہل کرم کا کام ہے۔

(۱۵)

مرد به غیور وي مرد به صبور وي	مرد غیرت مند ہوگا مرد صابر ہوگا
هم به په عفوه په کرم مشهور وي	اور عفو و کرم میں بھی مشہور ہوگا
نامرد هغه دے په حقیقت کښې	نامرد حقیقت میں وہی ہے
چې دا خوتوک ئې له دله دور وي	جس میں یہ چند باتیں نہ پائی جائیں۔

(۱۶)

دانای مه ګڼه چې صبر نه لري	جو صابر نہ ہو اسے دانا نہ سمجھ
چې صبر نه لري حکمت به څه لري	جسکے پاس صبر نہیں اسکے پاس حکمت کہاں
سړے د صبر په کار کښې وازمیه	مرد کو صبر کی کسوٹی پر پرکھ
چې صبرناک وي هر څه به ښه لري	صابر کا ہر کام اچھا ہوتا ہے۔

(۱۷)

که شېر مردان دي هغه خوانان دي	شیر مرد وہی ہیں
چې دوست دښمن سره په خوئ ښادان دي	جو دوست اور دشمن کیساتھ اچھی طرح پیش آ

تل خوښ له دېو ياران دوستان دي
تل تري په طمع لا دښمنان دي

دوست تو ہمیشہ ان سے خوش ہی ہیں
دشمن بھی ان سے ہمیشہ بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔

(۱۸)

عفو و کرم دې په هر چا عام نه وي
په کس ناکس دې دا کار مدام نه وي
کس چې خطا وکا بانديې عطا بويه
ناکس لا بد شي چې انتقام نه وي

عفو کرم ہر ایک کیلئے عام نہ ہو
کس و ناکس کیلئے ہمیشہ یہی کام نہ ہو
اچھا اگر خطا کرے تو اس کیلئے عطا چاہیے
بد بدتر ہو جاتا ہے اگر انتقام نہ ہو۔

(۱۹)

په درست وجود کښې ښه دي دوه څيزه
يو زړه بل ژبه زما عزيزه
زړه ښه همت لره ښه خوي خصلت لره
ژبه فصيحه رښتيني نيزه

اے عزیز سارے جسم میں دو چیزیں اچھی ہیں
ایک دل اور دوسری زبان
دل بلند ہمت اور اچھی خوخصلت کیلئے
اور زبان فصاحت اور سچائی کے لیے۔

(۲۰)

څوي غيرت وي څوي همت وي
د مرد به هومره قدر و قيمت وي
مرغه چې نه لري تندرست دوه ښانګې
پرش ئې کله په رفعت وي

مرد جتنا غیرت مند اور باہمت ہوگا
(۳۳)
اتنی ہی اس کی قدر و قیمت ہوگی
اگر پرندے کے دونوں بازو صحیح و سالم نہ ہوں
تو بلندیوں میں کب پرواز کرسکتا ہے۔

(۲۱)

مټ په هنر کا هنر به کار دے
مور پلار به څه کړي هنر مور پلار دے
فخر په زر مکړه په ښه پدر مکړه
فخر په دا کړه که هنر دې يار دے

تو حصول ہنر کی کوشش کر، ہنر ہی کام کی چیز ہے
ماں باپ کو کیا کرے گا ہنر ہی ماں باپ ہے
مال و دولت اور نسب پر فخر نہ کر
اگر تو صاحب ہنر ہے تو اس پر فخر کر۔

(۲۲)

هنر چې نه لري که دې پسر دے
سړے ئې مه بوله يو ګاؤ خر دے
که هر څو زور لري که هر څو زر لري
تر دا همه واړو بهتر هنر دے

اگر تیرا بیٹا بے ہنر ہو
تو اسے انسان نہ سمجھو وہ گاؤ خر ہے
ہر چند تو صاحب زر و زور رہو
ان سے ہنر بہتر ہے۔

(۲۳)

چې بـاز دې لاړ شي چرې لـه دستـه	جب باز تمہارے ہاتھ سے اڑ جاتا ہے
په غرۀ پـه سمـه کرې ورپسې مرستـه	تو کوہ و میدان میں کتنی کوشش سے اسے تلاش کرتے ہو
هنـر هم هسې يـو يـاغـي بـاز دے	ہنر کو بھی ایک باغی باز سمجھو
طلب ئې نـۀ کـړې پـه همت پستـه	دیکھو پست ہمت کے ساتھ اس کی تلاش نہ کرو۔

(۲۴)

سړدان هغـه چې هـمـتـنـاک دي	مرد وہ ہیں جو باہمت
دننګ په کار کښې چست و چالاک دي	اور غیرت کے کاموں میں چست و چالاک ہیں
کار چې اغاز کا انجام ئې فرض ګڼي	جس کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو اسے پورا کرنا فرض سمجھتے ہیں
په زړۀ هم پاک دي په خلۀ هم پاک دي	ان کا دل بھی پاک اور منہ بھی پاک ہوتا ہے۔

(۲۵)

سړدان هغـه دي چې هـمـتـناک دي	مرد وہی جو ہمت رکھتے ہیں
په هره چار کښې چست و چالاک دي	ہر کام میں چست و چالاک ہوتے ہیں
کۀ غم پرې راشي پروا د غم نـۀ کا	اگر ان پر غم آئے تو اس کی پروا نہیں کرتے
خواږۀ له هر چا په زیست و ژواک دي	ہر ایک کے لیے تمام زیست روزگار میں سراسر حلاوت ہوتے ہیں

(۲۶)

سړ څو غيرت لري هو مره بهتر دے	مرد جتنا غیور ہو اتنا ہی اچھا
څو صداقت لـري هو مـره بهتـر دے	جتنا سچا اتنا ہی اچھا
څو جنګيالے وي څو ننګيالے وي	جتنا جنگجو جتنا باحمیت
څو سخاوت لـري هو مـره بهتـر دے	جتنا سخی اتنا ہی اچھا۔

(۲۷)

نامرد به ګرځي د پلار پـه نام پسې	نامرد باپ کے نام پر اتراتا ہے
جوانمرد به ګرځي په خپل صمصام پسې	جوانمرد کو اپنی تلوار پر ناز ہوتا ہے
دولت مخ شـا لري شا ئې په نورو وي	دولت بھی منہ اور پیٹھ رکھتی ہے، پیٹھ اوروں کی طرف
مخ د دولت دے په نیک فرجام پسې	اور منہ نیک فرجام کی طرف ہوتا ہے۔

(۲۸)

زوبه ورور مشه چې خوانمرد نه وي — جو جوانمرد نہیں وہ کسی کا بیٹا یا بھائی نہ ہو

مېړه د تېکلي مرد د نبرد نه وي — جو مرد دسترخوان ہوتا ہے وہ مرد میدان نہیں ہوتا

مېړه ئې مه بوله ښځه يې نوم کېږده — اسے مرد نہ کہو بلکہ عورت کا نام دو

چې د جنګ غشي ورباندې ورد نه وي — جسے لڑائی کا تیر گلاب کے پھول کی طرح نہ لگے

(۲۹)

مېړه هغه ګڼه چې صبرناک وي — مرد اسے سمجھو جو صابر ہے

دور اندېشي لري په لمن پاک وي — جو دور اندیش اور پاک دامن ہو

چې دا ئې نه وي په سر ئې خاورې — جس میں یہ صفات نہیں اس کے سر پر خاک

ګنده ئې عمر ګنده ئې ژواک وي — اس کی عمر اور زندگی گندگی ہے۔

(۳۰)

مېړه دې توره، ورکړه، وفا لري — مرد کو شجاعت، سخاوت اور وفا زیب دیتی ہے

ښځه دې حسن، شرم، حيا لري — اور عورت کو حسن اور شرم و حیا

نور يې پوښتنې ورڅخه مه کړه — ان سے اور کچھ نہ پوچھ

هر څه به ښه لري هغه چې دا لري — اگر یہ رکھتے ہیں تو سب کچھ اچھا رکھتے ہیں۔

(۳۱)

سړے که تور دے که سپين په دا مشه — اس پہ نہ جا کہ مرد سیاہ ہے یا سفید

د مرد په کار کښې عقل خطا مشه — دیکھنا مرد کے پرکھنے میں تمہیں دھوکہ نہ لگے

تن يو غلاف زړه پکښې توره — تن ایک غلاف ہے اور دل اس میں تلوار ہے

مدار په توره دے غلاف نما مشه — دارومدار تلوار پر ہے غلاف کی نمائش سے کیا حاصل۔

(۳۲)

مؤمن هغه دے چې جوړ يقين لري — مؤمن وہ ہے جو یقین محکم رکھتا ہے

وېره له خدايه اندوه د دين لري — اسے خدا کا خوف اور دین کی فکر لگی رہتی ہے

بار د هر چا وړي خپل بار په چا نه ږدي — ہر ایک کا بوجھ اٹھاتا اور کسی پر اپنا بوجھ نہیں ڈالتا

ښه ئې کردار وي ښه همنشين لري — وہ خود بھی اچھا اور اسکے ہمنشین بھی اچھے ہوتے ہیں۔

(۳۳)

خوئ د خوشحال راوړه په زړه خوشحال اوسه — خوشحال کی خوخصلت پیدا کرو اور خوشحال رہو

په زړه حلال اوسه په خله حلال اوسه — تیرے دل اور زبان کو حلال ہی سے سروکار ہو

مینی په شرم دشمن د مال اوسه
د نور چا مشه د ذوالجلال اوسه

عزت و ناموس کا دوست اور مال کا دشمن بن
کسی کا نہیں بس اللہ ہی کا ہو جا۔

قطعات

(۱)

ما له عقله له تمیزه
نه بد بیا موندل دوه څیزه
نه تر ورکړه نور ښه نشته
بد تر غوښتو اے عزیزه

میں نے عقل و تمیز کے ذریعہ
دو اچھی بری چیزیں پائیں
بخشش سے بہتر
اور مانگنے سے بری اور کوئی چیز نہیں۔

(۲)

که بادشاهي په تخت کښيني
هم ګدا ګڼه طامع
که حشمت دولت ئې نه وي
هم بادشاه ګڼه قانع

اگر طامع صاحب تخت و تاج بادشاہ بھی ہو
تو بھی اسے فقیر سمجھو
اگر قانع حشمت و دولت کا مالک نہ بھی ہو
تو اسے بادشاہ سمجھو۔

(۳)

هم دا ژبه ده چې غم دے
هم دا ژبه ده ښادي
که څوک خپله ژبه ښه کا
نور ئې هيڅ نشته بدي

زبان ہی غم ہے
اور زبان ہی سے خوشی ہے
اگر کسی نے اسے اچھا کیا
تو اس کے لیے برائی نہیں۔

(۴)

بلمانه وته یا شا کړه
یا ئې ښه وکړه خدمت
یا په توره ورتله مه کړه
یا ښکاره کړه شجاعت

یا کسی کو مہمان نہ کیا کرو
یا اس کی خوب خاطر تواضع کرو
یا میدان جنگ میں جایا نہ کرو
اور اگر جاؤ تو خوب داد شجاعت دو۔

(۵)

یا یاري له هيچا مه کړه
یا چې یار شے د چا تهٔ

یا کسی سے آشنائی نہ کرو
اور کسی کے آشنا ہو گئے

ښه خو ښه دي که يار بد کا
هم ئې ونيسه په ښه

تو آشنا کے ساتھ بھلائی تو بھلائی ہے ہی
اس کی برائی کو بھی اچھائی سمجھو۔

(۶)

يو حريص بل دروغژن دے
هم احمق هم ترسنده
دا خلور کسه سړي دي
د ياري په کار کنده
که ئې ياري ورسره وکړي
زر به ئې کا شرمنده

لالچی، جھوٹا
احمق، ڈرپوک
یہ چار آدمی
دوستی کے قابل نہیں
اس کی دوستی کا نتیجہ
شرمندگی ہے۔

(۷)

هسې خوئ مه کړه خوشحاله
چې خپل هم لتا بېزار شي
ولې سلوک نه کړې
چې پردي دي خدمتګار شي

اے خوشحال ایسی عادتیں نہ ڈال
کہ اپنے بھی تجھ سے بیزار ہوں
تو کیوں ہر ایک سے ایسا سلوک نہیں کرتا
کہ پرائے بھی تیرے خدمت گزار ہو جائیں۔

(۸)

مولينا عبدالحکيم
د دنيا د دين حکيم
د جوګيانو ګروه ته
په تعظيم وه په تسليم
چا انکار ورباندې وکړو
وې ئې هيڅ نه ئې فهيم
د هر چا سره سلوک کړه
دا صراط دے مستقيم

حکیم دین و دنیا
مولانا عبدالحکیم (۲۳)
جوگیوں کے گروہ کی بھی
تعظیم و تکریم کرتے تھے
انکی اس روش پر کسی نے اعتراض کیا
(انہوں نے) کہا تم عقل مند نہیں
ہر ایک سے اچھا سلوک کرو
کہ یہی صراط مستقیم ہے۔

(۹)

مسلمان وائي رب رب کا
هندو وائي چې رام رام

مسلمان رب کے نام کا ورد کرتا
اور ہندو رام کا نام جپتا ہے

(۳۵)

سر پسره و نه چې ګوري — اگر غور کرو تو

دواړه پسرلي د خدای نام — دونوں خدا کا نام لیتے ہیں

خو خوشحال خټک تسبیح دے — (مگر) خوشحال خٹک کی تسبیح

زنار نه شي والسلام — زنار نہ ہونے پائے والسلام (۳۶)

(۱۰)

چې مري خو هسې و مره — جب مرنا ہے تو یوں مرو

چې څوک تاپ دریغ وه کا — کہ تمہاری موت پر کوئی افسوس کرے

مار شه مه لړم شه — سانپ اور بچھو نہ ہو

چې په مرګ دې څوک زړه ښه کا — کہ جب مرو تو لوگ خوش ہوں۔

غزلیات

(۱)

چې په خپل عیب بینا شي — جب آدمی کو اپنے عیب نظر آ جائیں

بیا هله درست دانا شي — تب وہ پوری طرح دانا ہو جاتا ہے

نادانی ئې پټه نه ده — اس شخص کی نادانی چھپی نہیں

چې له خانه ئې ثنا شي — جو خود اپنی تعریف کرے

ملا اندوه به نه کا — ایک خدا دوست انسان

چې له خدای سره اشنا شي — ہرگز مصیبت میں [illegible] نہ ہوگا

سر دنیا به دین حاصل کا — دنیا میں دین وہی حاصل کرتا ہے (۳۷)

چې خبر په 'لن تنا' شي — جو 'لن تنا' کے معنی پا لیتا ہے

چې غني په قناعت شي — جو قناعت سے غنی ہوا

له هر جای استغنا شي — وہ ہر ایک سے مستغنی ہو گیا

تل ژوندون به خپل کا — حیات ابدی وہی پائے گا

چې خوشحال غوندې فنا شي — جو خوشحال کی طرح فنا ہو جائے۔

مار که هر څو پیچ و خم خي — سانپ کتنا ہی بل کھاتا ہوا کیوں نہ جاتا ہو

سوري له سم خي — جب بل کے پاس پہنچتا ہے تو اس کے بل نکل جاتے ہیں

پښتو	اردو
د غفلت له خوبه ويښ شه	خواب غفلت سے جاگ
شيربن عمر دم په دم خي	کہ تیری عمر دم بدم گزر رہی ہے
مرگ به هيڅ سړے پرې نۀ ږدي	موت کسی کو نہ چھوڑے گی
وار په وار به درست عالم خي	باری باری سب کو جانا ہے
بې دليله به خان ورک کا	اگر مسافر بغیر رہنما کے
مسافر چې په تورتم خي	گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چلے گا تو کھو جائے گا
د بېو وارې خطا کيږي	اس شخص کے پاؤں لڑکھڑاتے ہیں
چې قاضي لره خوک کرم خي	جو قصوروار ہو کر قاضی کے پاس جاتا ہے
کۀ قضا ته تسليم شي	قضا کے سامنے تسلیم ورضا ہی سے
هم په دا له دله غم خي	دل کا غم دور ہوتا ہے
د دوزخ د اور علاج کا	دوزخ کی آگ کا علاج
چې سحر تر سترگو نم خي	آنکھوں کی نم سحرگاہی ہے
هغه عمر لکه باد دي	وہ عمر برباد ہے
چې په غم د بيش و کم خي	جو غم بیش و کم ہی میں گزرتی ہے
چې تور مشک دې حبطه کړل	مشک سیاہ کو ضائع کر چکے تو
په کافورو څۀ ستم خي	اب کافور پہ کیسی گزر رہی ہے (۳۸)
چې نۀ پول لري نۀ پوله	جو نہ پول اور نہ پولہ رکھتا ہے (۳۹)
هغه هر چرته خرم خي	وہی ہمیشہ خوش رہتا ہے
منډې مۀ پرېږده خوشحاله	اے خوشحال تگ و دو نہ چھوڑ
کۀ دې سر لکه قلم خي	خواہ تیرا سر قلم کی طرح کیوں نہ کاٹ دیا جائے۔

(۳)

پښتو	اردو
مرد هغه چې همتناک برکت ناک	مرد وہ ہے جو صاحب ہمت اور بابرکت
د عالم سره وي خوږ په زيست و ژواک	اور خلائق کیساتھ زیست و روزگار میں سراپا حلاوت ہو
مخ ئې مخ قول ئې قول عهد ئې عهد	جو باوقار اور قول وعہد کا پکا ہو
نۀ دروغ نۀ ئې فريب نۀ تش تپاک	نہ جھوٹ بولے، نہ فریبی ہو اور نہ خالی آؤ بھگت کرے

لو ونیل ډیر ی کردار په خاموشي کښې
غنچې غوندې خلۀ ډکه سینه چاک
چې خبرې دې پستي د بلندۍ شي
په لوړې لکه اسمان په پستي خاک
په تمکین کښې لکه سرو (سبں) په سخا کښې
په هر لوري څانګې څوري لکه تاک
(په هر لور څانګې ځنګولې لکه تاک)
لکه ګل شګفته رو تازه په باغ کښې

اس کی باتیں تھوڑی اور عمل زیادہ ہو
غنچے کی طرح منہ بند اور سینہ چاک ہو
جب پستی اور بلندی کے مقام آئیں
تو بلندی میں آسمان اور پستی میں خاک ہو
وہ سرو کی طرح باتمکین ہوتا ہے اور سخاوت میں
درخت انگور کی طرح اس کی شاخوں کو ہر طرف (لٹکا
ہوا) دیکھو گے۔ (ہر طرف شاخیں لٹکائے ہوتا ہے)
اسکا چہرہ دیکھو تو باغ میں کھلے ہوئے پھول کی طرح
دکھائی دیگا۔

همېشه د بنو بلبلې پرې بلغاک
چې دا هسې ښۀ وئیل کا زۀ حیران یم
چې خوشحال راوړ له کومه دا ادراک

جس پر ہمیشہ بلبل چہکتے رہتے ہیں
کیا ہی اچھی باتیں کر رہا ہے میں حیران ہوں
کہ خوشحال اتنی فہم و فراست کہاں سے لایا۔

(۴)

رښتيا لار د بادشاهي
په کښې نشته ګمراهي
د رښتینو پروا نشته
د جهان په بدخواهي
د رښتینو سره مل وي
نصرت د الٰهي
د رښتینو ځای جنت دے
قرآن په ګواهي
ساه به نۀ مومې خوشحاله
په راستي کښې تباهي

سچائی شاہراہ ہے
جس میں گمراہی کا ڈر نہیں
سچوں کو دنیا…
کی بدخواہی کی پروا نہیں
ان کے ساتھ
خدا کی امداد ہوتی ہے
سچوں کے جنتی ہونے پر
قرآن گواہ ہے
اے خوشحال سچائی
میں تباہی نہ دیکھو گے۔

(۵)

…مرد به نۀ شي په ګفتار
…به دا نۀ کړي کردار

مرد جو کہتا ہے
کر کے دکھاتا ہے

پشتو	اردو
چې دې وبکنځي مرد نه يې	تو مرد نہیں تو
که له تا نه شي په ډار	اگر تجھے کوئی گالی دے کے تجھ سے نہ ڈرے
که څه دې خو انتقام دے	اگر کچھ ہے تو انتقام ہے
د مردانو کاروبار	مرد کا کاروبار
عفو هورته خامے لري نه	عفو وہاں مناسب ہے
چې نه عيب وي نه عار	جہاں نہ عیب اور نہ عار ہو (۴۰)
چې غيرت ورځنه نه وي	جس آدمی میں غیرت نہ ہو
هغه مرد نه وي پکار	اس کی کیا ضرورت۔
هم مهره لري هم زهر	مرد کی مثال سانپ کی ہے
بنه مردان دي لکه مار	اس کے پاس مہرہ اور زہر دونوں ہوتے ہیں
چې هم تندر هم باران وي	جو بجلی بھی ہو اور بارش بھی
تر هغو مردانو ځار	اس مرد کے صدقے جایئے
مرد به غم د خپل هنر کا	مرد کو اپنے ہنر کا خیال ہوگا
نه د زر نه د دينار	نہ کہ درہم و دینار کا
مرد به غم کا د خپل شرم	مرد کو اپنے ناموس
د عزت د اعتبار	اور عزت و آبرو کی فکر ہوگی (۴۱)
نامرد فخر په نسب کا	نامرد نسب پر فخر کرتا ہے
مرد نه مور لري نه پلار	مرد ماں باپ نہیں رکھتا
د خوشحال خبرې ګوره	خوشحال کی باتوں کی قدر کرو
لعل و در پېښي په تار	کہ سلک شعر میں موتی پروئے ہوئے ہیں

(۲)

پشتو	اردو
سړے بنه دے حق شناس	آدمی حق شناس (حق احسان پہچاننے والا) اچھا ہے
سر دې وخوري ناسپاس	ناسپاس (ناشکر گزار احسان فراموش) کو موت آئے
د يوې دانې اوربشې	جو کے ایک دانے کا احسان
احسان ډېر دې تر قياس	کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا

چې احسان وته یې شا شوه — جس نے احسان کو پس پشت ڈال دیا

مخ یې تور شه نه دے ناس — اس کا منہ کالا ہو، وہ انسان نہیں

څو اخلاص ورسره نه وي — اگر اس میں اخلاص نہیں

یاري نه شي په لباس — تو ظاہرداری سے دوستی نہیں ہوا کرتی

یاري مه کړه له اغیار دے — اے دوست نہ کر غیر ہے (۴۲)

چې نه پریوځي در کا لاس — جو تیرے گر جانے کے بعد تیری دستگیری کرے (یعنی گرنے سے پہلے ہی مدد نہ دے)

لا خالي دے له خلله — سچی محبت کی اساس

د رښتیا مینې اساس — ہمیشہ خلل سے خالی ہوتی ہے

که دې یار دے هغه یار دے — اگر دوست ہے تو وہی ہے

چې خپلوي یې بې وسواس — جس سے تعلق میں کوئی خدشہ نہ ہو

د خوشحال خبرې دُر دي — خوشحال کی باتیں موتی ہیں

چې یې کښلي په قرطاس — جو اس نے کاغذ پر بکھیر دیے ہیں۔

(۷)

چې مې کړے هر آثام دے — جو گناہ بھی (۴۳)

که په خله که په اندام دے — میں نے قولاً یا فعلاً کیا ہے

اوس له واړو توبه ګار یم — میں اس سے تائب ہوں

په اخلاص مې دا کلام دے — اور یہ بات خلوص دل سے کہہ رہا ہوں

ته کرم را باندې وکړه — (اے خدا) تو مجھ پر کرم کر

ستا کرم په هر چا عام دے — کہ تیرا کرم سب پر عام ہے

په دوه سترګو مې منلے — شرع کا ہر حکم (۴۴)

چې د شرعې هر احکام دے — میرے سر آنکھوں پر (۴۵)

اوامر مې قبول دے — وہ سارے کام کروں گا جن کا تو نے حکم دیا (۴۶)

نورې توبه چې نهي نام دے — اس سے توبہ جس سے تو نے منع کیا

استقلال د توبې راکړه — مجھے توبہ میں استقلال بخش

د شیطان د بلا دام دے — شیطان نے مکر و فریب کا جال بچھا رکھا ہے

ما ساتــه د دهٔ لــه شره	مجھے اس کے شر سے بچا
نفس مې مدعي خود کام دے	نفس مدعی اور خودکام ہے
په توبه کښې ثبات راکړه	مقتضائے اسلام کے مطابق
لکه حکم د اسلام دے	مجھے توبہ میں ثابت قدم رکھ
بېخل لاف به هيڅ ونه کړم	میری لاف سے کچھ نہ بنے گا
که زهٔ لافې کړم لاف خام يم	میری لاف خام ہے
چې توفيق له تا نه نهٔ وي	اگر تیری طرف سے توفیق نہ ہو
د زاهد زهد حرام دے	تو زاہد کا زہد حرام ہے
په هغه لارې مې بيايه	مجھے اسی راستے پر لے چل
چې پرې اېښې نبي ګام دے	جس پر نبی ﷺ نے قدم رکھا
نور به څهٔ کړم ډير غوښتونه	اور بہت سے سوال کس لیے کروں
دا يو ما لره تمام دے	یہی ایک میرے لیے بس ہے
چې ثابت ولاړ په دين وي	وہ جو راہ دین میں ثابت قدم ہیں
د خوشحال باندې سلام دے	ان پر خوشحال کا سلام۔

حواشی

۱۔ تاریخ فلسفہ مصنفہ فرینک تھلی ص ۳۷۴۔

۲۔ اس رباعی کے تیسرے مصرعے کا پہلا حرف ''خرد'' بخرد (عقل کا فارسی مترادف) اور ''خر دِ'' (''تیرا گدھا'' بزبان پشتو) دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ بوجھ لادنے کی رعایت سے یہ معنی بھی کیے جا سکتے ہیں۔ اوپر اول الذکر صورت کے مطابق معنی کیے گئے۔ دوسری صورت میں تیسرے مصرعہ میں عقل کی جگہ ''تیرا گدھا'' پڑھا جائے گا۔ اور انسان کے وسائل و ذرائع کی کمزوری اور محدودیت کی طرف بالعموم اشارہ ہوگا۔

۳۔ دیوان میں ''بلا تہ'' (مصیبت آزمائش کے سامنے) کی جگہ ''پلار تہ'' (باپ کے سامنے) ہے۔ جو ظاہراً غلط اور بے معنی ہے۔ شاید دوسری صورت ''پلارہ'' ہو یعنی ''راستے پر'' اس طرح مصرعہ کے معنی ہوں گے۔ ''راہِ انتظار [illegible]

اختیار دیا گیا ہے۔ وہاں تو شمشیر عمل لئے ہوئے ہوں۔

۴۔ یہ شعر کلیات میں یوں ہے:۔

"وانې لار دختو نشته و آسمان ته — یعنی "تم کہتے ہو کہ آسمان تک چڑھنے کا راستہ نہیں
زه به لار درته پیدا کرم بې هنره" — اے بے ہنر میں تیرے لئے یہ راستہ ڈھونڈ نکالوں گا"

۵۔ یہ شعر فراقنامہ کا ہے۔ جو دستار نامہ میں بھی آیا ہے۔

۶۔ جس نظم سے یہ شعر لیا گیا ہے وہ شاعر اور اس کے استاد کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں ہے۔

۷۔ یعنی شیر کی اپنے پنجے کو چاٹنے کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔ اسے پنجہ چومنا کہہ کر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ شیر کی اپنی پنجہ کی قوت پر اعتماد اور اس کو استعمال کرنے کے شوق اور خواہش کی علامت ہے۔

۸۔ یعنی غم پر قابو پانے کی تمام روحانی قوتیں ہمیں پیر سے حاصل ہیں اور سارے داؤ پیچ اور زکیبیں استاد سے سیکھ رکھی ہیں۔

۹۔ چونکہ شاعر کے نزدیک بے حوصلہ اور پست ہمت ہونا مرد کی صفات و اوصاف کے خلاف ہے۔ اس لیے تکالیف و مصائب میں بھی اس کے لئے بارگاہ ایزدی میں عالی حوصلہ و باہمت ہونے کی دعا کرتا ہے۔ شعر میں مردوں کی مردانگی و استقامت پر اعتماد اور ان سے استقلال کی توقع کا بھی اظہار ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو مرد ثابت قدم رہیں گے۔

۱۰۔ کہتا ہے کہ راحت و خوشی کے وقت تو ہر شخص بے غم یعنی خوش رہتا ہے ہم تو اس شخص کو مانتے ہیں۔ جو غم کو صبر اور ہمت سے ایسا مغلوب کرے کہ غم نہ رہے۔ شاعر کے نزدیک وہی مرد ہے جو یہ کام کر کے دکھا دے۔ لہٰذا غم میں بے غم ہونے کو مردانگی کے مترادف ٹھہرایا۔

۱۱۔ رسالہ اقبال علی گڑھ جلد ۱ نمبر ۱ ص ص ۸ اور ۹ کے بالمقابل علامہؒ کے خط کا عکس۔

۱۲۔ بال جبریل۔

۱۳۔ ملاحظہ ہو دستار نامہ آٹھواں ہنر شکار جہاں شاہین کے بڑے بڑے پرندوں پر جھپٹنے کو ہمت و شجاعت کا سبق آموز کہتا ہے۔

۱۴۔ یہ شعر ایک طویل نظم "آمد زمستان" سے لیا گیا ہے جس کے معتدبہ حصہ کا ترجمہ اس کتاب کے آٹھویں باب میں درج ہے۔

۱۵۔ شتر مرغ کی قسم کا ایک پرندہ جسے انگریزی میں بسٹرڈ (BUSTARD) کہتے ہیں۔

۱۶۔ "میر بنکار" جو عام بول چال میں بصورت مخفف "مبنکار" استعمال ہوتا ہے۔ پشتو میں شکاری پرندے رکھنے اور ان کے ساتھ شکار کھیلنے والے کو کہتے ہیں۔

۱۷۔ میں نے اصل مصرع کی نثر اور مفہوم کو بالترتیب یوں سمجھا ہے:۔ "یا د ہنو خلمیو په میدان کښې ژغ دے" ۔مفہوم:۔هغه خلمي چې په ميدان کښې هنه دي د هغې ژغ دے ۔اس صورت میں ترجمہ یوں ہی ہوگا۔ جس طرح اوپر کیا گیا ہے۔ اگر ترتیب الفاظ یوں ہی رہنے دی جائے جیسی اصل مصرع میں ہے تو ترجمہ یوں ہوگا۔ "یا تو بہادر جوانوں کے میدان میں نعرے بلند ہوتے ہیں۔ اور یا دنیا میں حسین الخ"۔

۱۸۔ خان اور جوانمرد کے اوصاف ایک ہی شخص کے لئے استعمال ہوئے کیونکہ خانی بغیر جوانمردی کے نہیں ہوسکتی اور اس لئے ان سے متعلق جو اوصاف سخاوت وشجاعت کے بیان ہوئے ہیں وہ بھی ایک شخص کے لئے ہیں۔

۱۹۔ "تورہ" (بہ واؤ مجہول ترکی ہے بمعنی رسم، قاعدہ، قانون وآئین وحکم بادشاہی وغیرہ غیاث اللغات) نیز قد آدم سپر کو بھی کہتے ہیں۔ پشتو میں بمعنی خاص رسم ورواج کے لئے مستعمل ہے۔ دوسرا لفظ 'تورہ' (بہ واؤ معروف) پشتو ہے جو حرف اضافت "ذ" کے بعد استعمال ہونے کی وجہ سے بصیغہ واحد ہوتے ہوئے بھی "تورے" ہوگیا ہے۔ تلوار کو کہتے ہیں۔

۲۰۔ پت ہندی میں بھی عزت واعتبار وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مالک اور شوہر کو بھی کہتے ہیں۔

۲۱۔ امیر خسروؒ

خسرو در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش ۔۔۔ کز برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

اور

سوختن بر شمع سوزان کار ہر پروانہ نیست ۔۔۔ در محبت چون زن ہندو کے دیوانہ نیست

۲۲۔ قرآن کریم سورۃ المائدہ آیت ۲۔

۲۳۔ قرآن کریم سورۃ المائدہ آیت ۸۔

۲۴۔ "لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَیْمَانَ لَهٗ" (یعنی) "بے ایمان (بدعہد) بے ایمان ہوتا ہے"

۱۹۔ 'ژغورل' جس کا ترجمہ یہاں پاس کرنا کیا گیا ہے۔ حفاظت اور بچاؤ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا مقدمہ کتاب ہذا میں عرض کیا گیا ہے 'ژ' یوسف زئی بولی میں 'ج' یا 'ز' سے بدل جاتی اور پہلی صورت میں اسے 'ژ' اور دوسری صورت میں 'ږ' لکھا جاتا ہے۔ مگر 'ژغورل' مستثنیات میں سے ہے۔ یہ یوسف زئی بولی میں مستعمل نہیں۔ تاہم عبدالحمید مہمند کی ایک غزل کی ردیف 'ژغورہ' ہے یعنی "بچا" کلام رحمان میں بھی دکھائی دیتا ہے۔

۲۰۔ ملاحظہ ہو ص ۳۲۴ کتاب ہذا۔

۲۱۔ قدرت وطاقت اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو جانے کے وقت انھیں معاف کرنا۔

۲۲۔ یا "مره څوک چې نه ئې نوم نه ئې نښان شته. تل تر تله په ښه ژوند پائي ښاغلي (کلیات) جہاں تک پہلے مصرعہ کا تعلق ہے باوجود لفظی اختلاف ترجمہ ومفہوم میں فرق نہیں پڑتا۔ لیکن دوسرے مصرعے کا ترجمہ جیسا کہ کلیات میں دیا ہے یوں ہوگا" ۔ بہادر اور غیرت مند اچھی زندگی کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں" ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔ ایک تو اس لئے کہ شاعر نے پہلے مصرعہ میں کہا ہے کہ مرتے وہی ہیں جن کا نام ونشان نہیں رہتا۔ تو دوسرے مصرعہ میں یہی کہنا ہے کہ جو نام پاتے ہیں وہ زندہ رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے مصرعہ میں "ژونـــــد" یعنی زندگی حشو ہے۔ "پائي" کا مطلب بھی "ژوي" (زندہ رہتے ہیں) ہے۔ ژوندو یعنی زندگی کے ساتھ "پائیدل یا ژول" (زندہ رہنا) اچھی زبان نہیں۔

۲۳۔ لفظ "ښاغلے" پشتو میں اچھے، خوبصورت اور بہادر وغیرت مند وغیرہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے اس شعر میں موخر الذکر معنی موزون ومناسب ہیں۔

۲۴۔ اصل شعر کے مصرعہ ثانیہ کی نثر یوں ہوگی 'چې څوک غمژن شو عاقبت بیا به ښادیږي'۔

۲۵۔ 'إنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ' یعنی "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" ۔ حدیث نبویؐ (بخاری)

۲۶۔ قارئین کرام ردیف 'لیدہ' کے 'ډ' پر پشتو کی مخصوص چوتھی حرکت پڑھیں۔ جو فتح اور کسرہ کے درمیان ہے۔ اگر آپ اسے فتح سے حرکت دیں گے۔ تو یہ لفظ بصیغہ مونث ہو جائے گا۔ اور اس صیغہ میں سیاق سباق کے لحاظ سے اس کا استعمال غلط ہے۔ اگر آپ 'ہ' کو حذف کر کے 'ډ' کو

ضمہ سے حرکت دیں یا ساکن کر دیں تو لفظ صرف بصیغہ واحد مذکر ہی استعمال ہو سکے گا۔ اور آخری مصرعہ میں بصیغہ واحد اس کا استعمال غلط ہوگا۔ کیونکہ آخری مصرعہ میں لفظ "پہ رانہ" یعنی پڑے ہوئے ہے (سانپ، بچھو) بصیغہ جمع ہے۔ پشتو کی چوتھی حرکت کے ساتھ پڑھنے سے لفظ دونوں صیغوں (واحد و جمع) میں استعمال ہوگا۔ اور ساری رباعی میں ہر لحاظ سے صحیح معنی دے گا۔

۳۳۔ "همّة المرءِ قیمتُهُ" "یعنی آدمی کی قدر و قیمت اس کی ہمت سے ظاہر ہے"۔ فرمودہ حضرت علیؓ (نثر اللآلی)۔

۳۴۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی مراد ہے۔ دستار نامہ میں انہیں "اعلم العلماء، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی" کے نام سے یاد کیا ہے۔ آپ عہد جہانگیری و عہد شاہجہانی کے مشاہیر علماء و مصنفین میں سے تھے۔ شہنشاہ شاہجہان نے کئی گاؤں آپ کو بطور مدد معاش دیے ہوئے تھے۔ آپ نے اواخر عہد شاہجہانی میں ۱۰۶۷ھ میں انتقال کیا۔ خان علیین مکان کے معاصرین میں آپ کے سوا اس نام کے کوئی اور صاحب اس پایہ کے نظر نہیں آتے۔ جنہیں 'حکیم دین و دنیا' کے متبرک و جلیل القدر لقب سے یاد کیا جائے۔ مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ ص ۱۶۷ پر شیخ عبدالحکیم ایک نام لکھا ہے۔ لیکن جیسا کہ کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے اس سے مقامات قطبیہ اور مقالات قدسیہ کے مصنف شیخ عبدالعلیم مراد ہیں۔ کتابت کی غلطی سے عبدالحکیم لکھا گیا۔ اقبالنامہ جہانگیری ص ۳۰۸۔ بادشاہنامہ جلد ۱ ص ۳۴۰، ۳۴۱ جلد ۲ ص ۷۵۵۔ عمل صالح جلد ۳ ص ص ۳۸۲۔۳۸۴۔ مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ ص ۱۶۷۔

۳۵۔ 'یوہ' (ہر ایک) کی واو پر پشتو کی چوتھی حرکت پڑھیں۔

۳۶۔ ایمانداری و صحیح رواداری یہی ہے کہ دوسروں کے عقائد سے تعرض نہ کیا جائے اور اپنے اعتقاد و عمل میں سر مو فرق نہ آئے جس شخص کا کوئی اعتقاد ہی نہ ہو تو وہ خواہ مخواہ ہر ایک عقیدہ کو برداشت کرے گا۔ اس کی رواداری کا صحیح امتحان نہیں ہو سکتا۔ اگر عقیدہ رکھتے ہوئے اسے لوگوں کے خوش کرنے کے لئے بدلتا رہتا ہے تو یہ بہت ہی بری بات ہے۔ خان جہاں تک ممکن ہے ہندو کے عقیدہ کی بھی اچھی تعبیر کرتا ہے۔ مگر وہ "با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام" کا قائل نہیں۔ وہ اللہ جل شانہ کو اللہ اور رب کے ناموں ہی سے پکارے گا۔ وہ اپنے عقیدہ و عمل کو بحیثیت مسلمان ہر دوسرے عقیدہ و عمل سے افضل سمجھتا ہے وہ انہیں ہرگز نہ بدلے گا اور اپنی تسبیح کو کبھی زنار نہ ہونے دے گا۔

۲۰۔ تلمیح ہے آیۂ کریمہ "لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون" داغ کی طرف یعنی "جب تک ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کرو گے بھی نیکی حاصل نہ کرو گے۔" سورۂ آل عمران۔

۲۱۔ مشک سیاہ سے مراد سیاہ بال اور کافور سے سفید بال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جوانی کو ضائع کر کے بڑھاپے میں کیا مصیبت اٹھا رہے ہو۔

۲۲۔ 'پول' سے مراد روپیہ پیسہ ہے۔ اور 'پولہ' پشتو میں کھیتوں کی حد کو کہتے ہے۔ مراد منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد ہے۔

۲۳۔ ان اشعار میں انتقام پر زیادہ زور دیا جانا معلوم ہوتا ہے۔ بعض اور نظموں میں بھی خان نے انتقام کو جذبۂ مردانگی کہا ہے مگر اس کے کلام کے مطالعہ اور ہمارے انتخاب سے بھی اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ عفو کو انتقام سے بہتر سمجھتا ہے۔ وہ دشمنوں پر غلبہ پالینے کے بعد انہیں معاف کردینے کو جوانمردی کی دلیل کہتا ہے۔ اور در حقیقت جذبۂ عفو اور ایثار نفس کے امتحان کا وہی وقت ہوتا ہے۔ اس کا جو نمونہ حضرت رسول الثقلین نے پیش کیا وہ بے نظیر ہے۔ بے حد متشدد و ظالم اور نبی اغلب دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد فرمایا "لا تثریب علیکم الیوم اذهبو فانتم الطلقا." یعنی تم پر کوئی ملامت نہیں تم سب آزاد ہو" عفو کے بارہ میں خان کا متذکرہ اخلاقی فلسفہ در حقیقت اپنے آقا و مولا کے قول و عمل ہی سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ہمارے انتخاب سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عفو و انتقام کے متعلق خان کے نظریہ کا لب لباب یہ ہے کہ جہاں عفو کمزوری کا نہیں۔ بلکہ علو ہمت۔ عالی ظرفی کا نتیجہ اور رحم و کرم کے مترادف ہو۔ جہاں یہ باعث عیب و عار اور موجب تخریب نہ ہو وہاں یہ انتقام سے بہتر ہے اور اس خیال کی صحت سے جو اسلامی تعلیم کے عین مطابق ہے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ اگر خان کے ایک آدھ شعر میں اس کے اعتدال سے تجاوز نظر آئے تو اس کی تعبیر دوسرے اشعار کی روشنی میں کی جائے۔ یا کثیر التعداد اشعار کے مقابلہ میں نظر انداز کیا جائے۔

۲۴۔ مطلب یہ ہے کہ زر و مال حصول کسب و کمال اور تحفظ ننگ و ناموس کے لئے ہے۔

۲۵۔ پشتو میں 'اغیار' ہے۔ مگر یہ "یار" کی طرح بصیغۂ واحد ہی استعمال ہوا ہے اس کی مثالیں آگے ملاحظہ فرمائیے گا۔

۲۶۔ "آثام' اثم (گناہ) کی جمع ہے اور مطلع میں ردیف بجائے 'دمے' (ہے) 'دی'

(ہیں) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ باقی اشعار سے معلوم ہوگا۔ یہاں آ ثام بصیغہ واحد یعنی 'اثم' کے مترادف استعمال ہوا ہے۔ نیز باقی الفاظ کے علاوہ لفظ 'ہر' (جو اس سے پہلے استعمال ہوا ہے) سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

۴۴۔ یہاں بھی احکام بصیغہ واحد حکم کے مترادف استعمال ہوا ہے۔

۴۵۔ "پہ دوہ ستر گو "یعنی" دونوں آنکھوں پر"۔

۴۶۔ اس شعر میں "امر" اوامر کے مترادف لایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو "وارہ" (سب یا سارے) لیکن مصرع کے آخر میں 'دي' (ہیں) اور 'دے' (ہے) دونوں پڑھے جا سکتے ہیں۔

(۲)

رموزِ مملکت

اپنے نثری مقالات کے مجموعہ یعنی دستار نامہ کے علاوہ اپنی کئی نظموں میں بھی خان علیین مکان نے رموزِ مملکت اور امور حکومت و سیاست پر روشنی ڈالی ہے۔ اس موضوع پر اس کے کلام کے نمونے حسب ذیل ہیں۔

اپنی ایک نظم میں جس میں احمقوں کی کئی قسمیں بتائی ہیں کہتا ہے:

بل هغه مېړے احمق بللے بويه — اس آدمی کو بھی احمق سمجھنا چاہیے
چې په بې توره دعوي کا د ملکونو — جو بغیر تلوار کے ملکوں کا دعویدار بنتا پھرے۔

ایک اور غزل کے دو شعر ہیں:

کل کښت [illegible] ده د توري — کابل و کشمیر
که کابل دے که کشمیر — سب تلوار کی کمائی ہیں
سړے دے چې بهادري — بہادری تو ہے
[illegible] هم په ویر — جسے [illegible] میں یاد کیا جاتا ہے

اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے کہ سردار کے لیے اللہ پر بھروسہ اور داد و دہش اور تلوار بہت ضروری ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو باتیں بنانے اور جلسے جلوس و وفود اور منت سماجت سے کام نہ بنے گا اور یہ کہ ملک کو ہمیشہ فتنہ پردازوں سے پاک رکھنا چاہیے:

لاس کول توري وهل دا دواړه بويه — ...دہش اور تلوار چلانا یہ دو [illegible]
چې پرې کار د سرداری شي انصرامه — جن سے سرداری کا کام انتظام اور انجام پاتا ہے
یا تکیه د یوۀ خدای ده یا د توري — یا خدائے واحد کا تکیہ اور یا تلوار کا تکیہ ہے
په جرګو مرکو نۀ شي کار تمامه — کانفرنسوں اور ڈیپوٹیشنوں سے کام نہیں بنتا
که سردار د خلقو زر لري هنره — اگر لوگوں کے سردار میں ہزار ہنر ہوں تو ہوں
بندوبست د عالم نۀ شي بې صمصامه — نظام عالم بغیر صمصام (تلوار) کے ناممکن ہے
چې ګرد د ملک په خونه کښې ماران دي — فتنہ پردازوں کی مثال سانپ کی ہے
چې ماران د خونې شته خوبي کدامه — جس گھر میں سانپ ہوں وہاں آرام کہاں۔

که نه داوي نه هغه وي — اگر نہ یہ اور نہ وہ ہو (1)
په ژوندون ئې بوره وير — تو اس کی زندگی کو رو دیے
بو دې هسې رنګ بخشش کا — ایک تو وہ ایسی بخشش کرے
چې به کښې نه وي تبذير — جس میں اسراف نہ ہو
چې بې ځايه تربيت شي — بے جا کسی کی تربیت کرنا بھی
د تبذير لرې نظير — فضول خرچی ہی ہے
د تازې دې تربيت کا — اصیل کو تربیت کرے
په کوترو دې نه شي خير — بد اصل کو رہنے دے
باز د چرګ د دانو دے — باز مرغ کا اور مرغ دانوں کا ہے
بنه دے بوه شي په دا خير — اس مثال کو اچھی طرح سمجھ لے (۲)
بل چې جنګ نه تيارے کا — جب لڑائی کی تیاری کرے
په دشمن دې شي خبير — تو دشمن سے اچھی طرح خبردار ہو لے
چې لښکرې يکانه وي — جب اس کا لشکر بے نظیر ہو
بيا دې کا د جنګ تدبير — تب لڑائی کی تدبیر کرے
کله جنګ وته هوس کا — صلح ہو سکے تو اچھا آدمی
چې آشتي سره سي بشير — کب جنگ کی خواہش کرتا ہے
که به صلح کښې روزګار شي — اگر صلح و آشتی میں گزر اوقات ہو سکے
څه حاجت د تيغ و تير — تو تیغ و تیر کی کیا حاجت۔

مندرجہ بالا قطعہ میں کئی دیگر باتوں کے علاوہ سردار کے لئے جنگجوئی کے ساتھ صلح پسند ہونا ضروری ٹھہرایا ہے۔ بلکہ صلح و آشتی کو جنگ و جدال سے افضل قرار دیا ہے۔ مندرجہ ذیل رباعی میں حکومت و سیاست کے اہم رموز کس خوبی و اختصار سے بیان کئے ہیں۔ تلوار کو ملک کے نظم و نسق اور بچاؤ اور امور مملکت کے انتظام و انصرام کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ تعلیم دیتا ہے کہ لڑائی سے صلح اچھی ہے۔ اگر صلح ہو سکے تو لڑائی کی ضرورت نہیں۔ سردار کے لئے شمشیر زن، جنگجو ہونا ضروری ہے اور اس سے زیادہ عاف و کریم اور صلح پسند ہونا۔

سردار د عفو و کرم څښتن ښهٔ دے — سردار وہ اچھا جو صاحب عفو و کرم ہو

د جنګ تر کار په آشتي مئين ښهٔ دے — بہ نسبت جنگ کے صلح سے زیادہ محبت رکھتا ہو

پر هنرونه د سرداري دي — سرداری کے کئی ہنر ہیں

چې واړه تير شي تيغ مبرهن ښهٔ دے — جب سارے ہنر، دلائل و براہین ہو چکیں تو پھر برہان تیغ ہے۔

ایک اور رباعی ہے:۔

هوښيار هغه دے چې سخت جنګونه — ہوشیار وہ ہیں جو سخت لڑائیوں کو

تر خيره اړلي په فرهنګونه — عقل و دانش سے امن و امان میں بدل ڈالیں

نادان هغه دے چې پکار د صلح — نادان وہ ہیں جو صلح و آشتی میں

ګډ کا د شر د فساد رنګونه — فتنہ و فساد برپا کریں۔

مندرجہ ذیل شعر اور رباعی میں بادشاہوں کے لئے متذکرہ بالا اوصاف کے علاوہ رحم، عدل و انصاف، احسان و مروت اور رواداری کو بھی ضروری ٹھہرایا ہے:

شعر

بادشاهانو له ترس د زړهٔ بانده ده — بادشاہوں کے لئے رحم دلی

مروت غور رسي عدل و احسان — مروت، مظلوموں کے حال پر غور اور رواداری اور عدل و احسان ضروری ہیں۔

رباعی

ملوک چې عدل، عقل کرم لري — اگر بادشاہ عادل، عاقل اور کریم ہوں تو

ګوډې کم وي له چا څه غم لري — ان کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں انہیں کسی کا کیا ڈر

چې دا ئې نه وي د خان غليم دي — جن میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ آپ اپنے دشمن ہیں

خان به په خپله عالم ته ګرم لري — وہ خود بخود اپنے آپ کو عوام کے سامنے مجرم و قابل ملامت قرار دیں گے۔

اس رباعی میں خان علیین مکان نے بتایا ہے کہ بیرونی دشمن حکومت کے لئے اتنے خطرناک نہیں ہوتے جس قدر حکومت کے اپنے غیر منصفانہ اور عقل اور عوام دوستی سے بعید اعمال و افعال۔ حاکم جب تک عدل، عقل اور کرم کے اوصاف حمیدہ کا حامل ہوتا ہے تو مشکلات اور تکالیف

عربوں نے کعبہ کو چھوڑ کر صنعا کے گرجا کی طرف رجوع نہ کیا تو ابرہہ نے بیت اللہ کے منہدم کرنے کا ارادہ کیا۔ قریش نے مقابلہ نہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے مشورہ سے قریب کی پہاڑیوں پر چلے گئے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حملہ آوروں کو تباہ و برباد کر دیا جس کا ذکر اللہ عزوجل نے بھی قرآن کریم کی ایک سو پانچویں سورۃ یعنی فیل میں فرمایا ہے۔

خان علیین مکان کا قطعہ بڑی خوبی سے ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح ان عربوں نے جو شاہ حبش کے نائب کا مقابلہ نہ کر سکے تاج سردارا کو پاؤں میں کچل ڈالا۔ اور قیصر کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیا اور ساری دنیا کے فاتح اور رہبر ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ صرف ایک شخص یعنی آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات کی برکات کی بدولت ہوا۔ آنحضرت ﷺ کا فیض صرف عرب تک ہی محدود نہ تھا اور جس طرح خان علیین مکان نے کہا ہے "آپ کی مہم سارے جہان کی مہم تھی۔ (۲)" جس عالمگیر قومیت کی بنیاد آپ نے رکھی وہ نسلی اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ خان نے عرب کی مثال اس لئے دی کہ آفتاب رسالت ﷺ سب سے پہلے سرزمین عرب پر ہی طلوع ہوا تھا۔ اور امت مسلمہ کی رکنیت کا شرف سب سے پہلے اہل عرب ہی کو حاصل ہوا تھا۔ ورنہ جس قوم نے بھی سرور کونین ﷺ کی قیادت تسلیم کی ساری دنیا کی قائد بنی۔

اگرچہ خان نے کماحقہٗ ملوکیت کے مقابلہ میں جمہوری طرز حکومت کی تبلیغ و تلقین نہیں کی۔ اس کی کتاب دستار نامہ میں بھی اس قسم کے رجحانات نظر نہیں آتے مگر فضل نامہ میں جو بعد کی تصنیف ہے۔ اس نے ملوکیت کی مذمت کی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مذمت خلافت کے مقابلہ میں کی گئی ہے۔ جمہوریت خلافت کا جزو لاینفک تھا۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر جمہوریت خلافت کے اصول پر قائم ہو۔ اگر جمہوریت سلطان الٰہی پر مبنی نہیں تو وہ بھی ویسی ہی قابل مذمت ہے جیسی کہ ملوکیت۔ اس بارہ میں خان کے اشعار حسب ذیل ہیں:۔

خلافت د چار یارانو	چہار یار کی خلافت
په دیرش کاله وه یارانو	اے دوستو تیس سال تک تھی
بیا د پسه بادشاهي شوه	اس کے بعد بادشاہی آئی
په سپید کښې سیاهي شوه	اور سفیدی پر سیاہی چھا گئی

اول بــــغــــي راپيـــدا شـــول — باغی اٹھ کھڑے ہوئے

لـوک بـادشـاه خـوک امـرا شـول — اور کوئی بادشاہ اور کوئی امیر بن بیٹھے

ان اشعار میں خلافت کے مقابلہ میں ملوکیت وامارت موروثی کی بڑی واضح اور صریح

ذمت کی گئی ہے۔ مگر ان تین اشعار سے خلافت الٰہیہ کی تبلیغ کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ جو کچھ ان

اشعار میں کہا گیا ہے۔ وہ جمہور اہل اسلام کا ایک اہم اور ضروری عقیدہ ہے۔ جس کا خان ہمیشہ ہی

بحیثیت ایک مسلمان قائل تھا۔ آیا اس عقیدہ کی روشنی میں فضل نامہ کی تصنیف کے وقت اسلامی

جمہوری اصولوں پر نظام حکومت کو مرتب کرنے اور سوسائٹی کو تشکیل دینے کے بارہ میں خان کے

خیالات میں وسیع پیمانہ پر کوئی تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں یا نہ؟ اس کا جواب مزید شہادت کے بغیر

نہیں دیا جا سکتا۔

حواشی

۱۔ یعنی نہ تو وزیر صاحب تدبیر اور نہ ہی ذاتی جوہر عقل رکھتا ہو۔

۲۔ یعنی باز کی حیثیت مرغ کھانے کی اور مرغ کی اناج چگنے کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر

شخص اور کام پر اس کی حیثیت اور اہمیت کے مطابق خرچ کرے۔

۳۔ "مـرنـے" جو اصل پشتو قطعہ میں استعمال ہوا ہے میں اوصاف شجاعت، ہمت اور

شائستگی شامل ہیں۔

۴۔ "مرنتوب" یعنی "مرنے" کی صفت و خصوصیت۔

۵۔ "مرانہ" اس کے معنی بھی وہی ہیں جو 'مرنتوب' کے ہیں۔ "مرنے" کی صفت

۶۔

۷۔

ملاحظہ ہو ص ۲۸۷ کتاب ہذا۔

(۷)

عشقیہ کلام

خان علیین مکان کا عشقیہ کلام بھی گوناگوں مضامین صنائع و بدائع اور معنوی اور لفظی خوبیوں سے پُر ہے۔ خان اپنے عشقیہ کلام میں بھی اپنی شخصیت کی عظمت و بزرگی اور افغانی شان کو برقرار رکھتا اور اس کا اظہار کرتا ہے۔ یہ اس کے عاشقانہ کلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے اگرچہ فارسی شاعری کے زیر اثر خان کے کلام میں بھی اس قسم کے بعض اشعار ملتے ہیں جن میں معشوق کے سامنے اپنے آپ کو بہت گرایا گیا ہے مگر ایسے اشعار بکثرت ملتے ہیں جن میں افغانی روح اور خان کی ذاتی خودی نمایاں نظر آتی ہے۔ جناب حبیبی صاحب نے مقدمہ کلیات میں خان کے اس قسم کے بعض بہت عمدہ اشعار منتخب کر کے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد اشعار اس قسم کے ہیں۔ جناب حبیبی صاحب کے منتخب کردہ اور ان کے علاوہ چند اور اشعار بھی اس موضوع پر ہدیۂ قارئین کرام ہیں۔ پہلے حبیبی صاحب کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے:

ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل شعر میں شاعر کس خوبی سے معشوق کے کبر و تمکنت کو ظاہر کرتے ہوئے اس کی شکایت بھی کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی اہمیت اور شان بھی جتاتا ہے:

مرګ لره ئې واره د دهلي لښکر راغلي

ایک طرف تو خوشحال کے قتل کرنے کو دلی سے فوج پہ فوج بھیجی جا رہی ہے

تۀ لا د خوشحال په مرګ خان روغ نه کړې ننګ کړې

اور دوسری طرف تمہیں ابھی تک اس کے قتل کرنے سے عار ہے۔

خان کہتا ہے کہ میری ہیبت اور دبدبے کا یہ عالم ہے کہ شہنشاہ ہندوستان میرے قتل کرنے کو دلی سے لگاتار فوجیں بھیج رہا ہے مگر ایک تم ہو کہ میری اہمیت کو ذرا برابر خاطر میں نہیں لاتیں۔ اور اب تک میرے قتل کرنے کو اپنے لیے باعث عار سمجھتی ہو۔ اس بے نظیر شعر کے چننے کے لیے جناب حبیبی صاحب کے حسن انتخاب کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔

یا به سر د خپل ورمیږ په وینو رنګ کړم — یا تو اپنا سر اپنی گردن کے لہو سے سرخ کروں گا

یا به کښل کړم دغه ستا شونډې ملوکې — اور یا تیرے لب لعلین کا بوسہ لوں گا۔

مگر نا غخه سامان د سلطنت دے — اے لنگ شاید تیرے پاس سامان سلطنت ہے
چې په هوډ مې سینه خلهٔ غوارې ختکه — جو اس طرح اصرار سے میرا بوسہ چاہتا ہے۔
په درست جهان به نه وي بو زما غوندې رسوا بل
مجھ جیسا کوئی دوسرا سوائے روزگار نہ ہوگا
ورخم توره و کښلے چې مېنې واوُرم په نا بل
جس کسی کو تجھ پہ عاشق سنتا ہوں تلوار سونتے اسکے سر پر جا پہنچتا ہوں۔

زه خوشحال کمزورے نه یم چې به دار کړم — میں خوشحال کمزور نہیں جو کسی سے ڈروں
په ښکاره اورې وهم چې خلهٔ ئې راکړه — میں تو کھلے بندوں بہ آواز بلند کہہ رہا ہوں کہ اس نے مجھے بوسہ دیا۔
ئې سر درومي له تنه نوز به نه شي — اگر اسکا سر تن سے جدا ہو جائے تو بھی خوشحال کے عہد و پیمان میں
د خوشحال چې د خپل یار سره میثاق دے — جو اس نے یار کے ساتھ کر رکھا ہے فرق نہ آئے گا۔

حبیبی صاحب کے انتخاب کے بعد اس موضوع پر خان کے چند اور اشعار پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ ان میں شاعر کس طرح اپنے آپ کو اور اپنے دل کو شہباز، باز اور شیر سے تشبیہ دیتا ہے۔ خواہ معشوقہ کو اپنا شکار کہتا ہے یا معشوقہ کو شکاری اور اپنے تئیں شکار ظاہر کرتا ہے۔ ہر صورت اپنی شان کو برقرار رکھتا ہے۔ شکار ہوتا تو بھی کبوتر اور ہرن جیسا نہیں بلکہ شہباز اور شیر ہو کر۔

کانولے زرکه باز پر یږدي له چنګه — اگر باز اپنے پنجوں میں پکڑے ہوئے چکور کو چھوڑ دیتا ہو
زه به هم له لاسه پرېږدم شوخ و شنګه — تو میں بھی اس شوخ اور طرحدار معشوقہ کو ہاتھ سے جانے دوں۔

جناب حبیبی صاحب کے منتخبہ اشعار کے پانچویں شعر میں خان نے کہا ہے کہ میں کمزور دل نہیں جو کسی سے ڈروں یا گھبراؤں۔ سب کے سامنے بہ بانگ بلند کہتا ہوں کہ میں نے معشوقہ کا بوسہ لے لیا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں کہتا ہے کہ اگر میں اس کے ساتھ پوشیدہ در پردہ شکار کرتا ہوں تو کسی سے ڈر کر تھوڑا ہی ایسا کرتا ہوں بلکہ اس لیے کہ میں باز ہوں اور باز کی عادت و فطرت ہی یہی ہے کہ وہ شکار کا گوشت چھپ کر کھاتا ہے:

خلـه ی پتـه خوره خوشحالـه — اے خوشحال تو اس کے بوسے در پردہ لے

باز د ښکـار غوښې پـه غلا خوري — کیونکہ باز شکار کا گوشت چھپ کر ہی کھاتا ہے۔

رہیں لوگوں کی باتیں، ان کے متعلق کہتا ہے:

درست عالم دي په خوشحال بالندې غوغا کا — پڑے سارے لوگ خوشحال کے خلاف چلاتے رہیں

بـاز پروا کـا د قـارغـانو لـه غلغلـه؟ — بھلا باز بھی کوؤں کی کائیں کائیں کی پروا کرتا ہے؟

رقیـبان دي غوغـا کـا پروا مې نشتـه — پڑے رقیب غل مچاتے رہیں میں پروا نہیں کرتا

شیر بـه کومـه اندیښنـه کا لـه روباه — بھلا شیر کو لومڑ سے کیا اندیشہ ہوگا؟

مندرجہ ذیل شعر میں اپنے دل کو شہباز اور معشوقہ کو اس کی شکارن کہتا ہے:

زړه مې ستا په زلفو بند شو تا کباب کړو — میرا دل تیری زلفوں کے دام میں گرفتار ہوا اور تو نے اسے کباب کر ڈالا

خوک شهباز هم د کباب دپاره نیسي؟ — بھلا شہباز کو بھی کوئی کباب کرنے کیلئے پکڑتا ہے؟

مندرجہ ذیل شعر میں معشوقہ سے کہتا ہے کہ تیری کالی زلفیں دام ہیں اور تیرے چہرے کا کبودی (۱) خال ایسا ہے جیسے کسی نے دام میں کبود رنگ کبوتری (کوتره) ڈال رکھی ہو کہ اس پر شہباز جھپٹے اور دام میں پھنس جائے۔ چنانچہ یہی حال ہوا ہے:

تـوري تـورې زلـفې کـبـود خـال پـه کښې کـوتـره

کالی کالی زلفیں اور ان کے بیچ میں کبود خال کبوتری ہے

راشـه کـه ی گـوري پـرې بـنـدي يـو خـه شـهباز دے

آ دیکھ ان (زلفوں) میں اس (خال) کی وجہ سے ایک کیسا شہباز گرفتار ہو گیا ہے۔

شہباز بھی کیسا شہباز اور پھر ایک کیسا شہباز (يـو خـه شـهبـاز) میں عاشق شاعر اپنی شخصیت کی اہمیت و انفرادیت پر جو زور دے رہا ہے وہ ظاہر ہے۔

اور اس شعر میں معشوقہ کے چہرے کو گلزار اور اس کے تل کو 'تارو' (کالا تیتر) سے اور اپنے دل کو باز سے تشبیہ دیتا ہے۔ یہاں پھر شکاری بن کر محبوبہ کا شکار کرتا ہے:

د مخ خال ی تور تارو دے په گلزار کښې — اس کے چہرے کا سیاہ خال (تل) گلزار میں بیٹھا (کالا تیتر) ہے (۲)

د زړه باز مې دے نظر پسې وا کړے — اور میرے دل کے باز نے اس کی طرف آنکھیں لگا رکھی ہیں

اور مندرجہ ذیل دو شعروں میں جو ایک ہی غزل کے ہیں ایک میں اپنے آپ کو باز اور دوسرے میں شیر سے تشبیہ دی ہے:

زما زړه لکه د باز دے — اگر تو مور کی طرح خوبصورت ہے
که ته رنګ لرې د مور — تو میں بھی باز کا دل رکھتا ہوں
ګوندې راشې په منګلو — اس امید پر کہ تو میرے پنجوں میں آ جائے
ورنه پروت یم لک بور — شیر کی طرح تیری گھات میں ہوں۔

اور خان کی ایک فارسی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں کہتا ہے کہ یہ تیری آنکھوں کے ہرن کیا ہرن ہیں کہ شیر نران کا شکار ہوتا ہے:

آہوے چشم تو چہ آہوئیست — کہ ورا شیر نر شکار بود

یہی مضمون پشتو میں یوں ادا کیا ہے:

زما زړه چې د مزري تر زړه تیرے کا — میرے دل کو جو شیر کے دل سے بھی بڑھ کر ہے
ستا د سترګو و کبلیو ته زبر دے — تیری آنکھوں کے آہو بچوں نے زیر کر رکھا ہے۔

خان علیین مکان کو باز و شاہین سے خاص محبت ہے اس لیے وہ اکثر محبوبہ اور اس کی آنکھوں کو بھی باز و شاہین سے تشبیہ دیا کرتا ہے۔ یوں بھی وہ معشوقہ جس کے عشق میں خان جیسا عالی مقام انسان مبتلا ہو باز و شاہین کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ مندرجہ ذیل دو شعر اور رباعی ملاحظہ کریں:

به لیدلو دې خوښي در څخه راوړي — اپنے دیدار کے ساتھ خوشیاں لے آتی ہو
لکه نللې باغې باز راغلې بیا ئ — جیسے کسی کا بھاگا ہوا باز اس کے پاس لوٹ آئے۔
تورې سترګې ئ تور باز بانه ئ نوکې — اس کی کالی آنکھیں کالے باز اور پلکیں اس کے پنجے ہیں
هم زما خاطر ئ بوور په نوکارو — میرے دل کو یہ باز پنجے مار مار کر لے گئے۔

اب رباعی ملاحظہ ہو:

د عقل زانې چې تا لیدلې دي — عقل کی کونجیں
د صبر قازې چې تا کتلې دي — اور صبر کی قازیں جو تو نے دیکھی ہیں
که هر څو زور لرې یا تیز پر لرې — ہر چند قوت پرواز اور تیز پر رکھتی ہوں
ټولې د سترګو شاهین وهلې دي — محبوبہ کی آنکھوں کے شاہین نے انہیں شکار کر لیا ہے۔

اب ایک مخمس کا ایک بند اور چند اور اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں اپنے سپاہیانہ مذاق، افغانیت اور علوشان کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے۔ پہلے مخمس کا بند ملاحظہ ہو:

ډېرې سمې کږې اورم خنې مرمه — کئی ٹیڑھی (الٹی) سیدھی باتیں سنتا ہوں مگر دم نہیں مار سکتا

چا ته دم وهلے نشم غصې خورمه — اور غصے کھا کھا کر مرا جا رہا ہوں

چې د وارو خواب وکړم توان لرمه — میں ان سب کا جواب دینے کی طاقت رکھتا ہوں

د وګړې جفا ستا دپاره ورمه — مگر تیرے لیے لوگوں کی جفا برداشت کر رہا ہوں۔

کنه زه دا رنګ وګړے دا زغمل څوک — ورنہ کہاں میں کہاں یہ لوگ اور کہاں میرا ان کے اس ظلم کو برداشت کرنا۔

اور یہ چند متفرق اشعار جس میں پہلے ایک غزل کا مقطع [3] پیش کیا جاتا ہے:

د غمزې په تیغ ی خوږ شه ی خوشحاله — اے خوشحال تو اسکے غمزے کی تلوار سے گھائل اچھا ہے

مړنے په روغ صورت نه ځي له جنګه — بہادر بغیر زخم کھائے لڑائی سے نہیں جاتا۔

لکه پټ سواره د جنګ نیزې یغاره — تیری آنکھیں اور ان کی لمبی لمبی پلکیں

دا اوږده بانه پسې پورې ستر ګې ستا — گویا جنگجو سواروں نے نیزے حمائل کر رکھے ہیں۔

کتنی اچھوتی شاندار اور پرشکوہ تشبیہ ہے۔

ستا د مخ سپاهیان همه توري پرې باسي — یوں تو تیرے چہرے کے سارے سپاہی تلواریں برسا رہے ہیں

ولې دوه ستر ګې دي لا دي جنګیالي — مگر یہ دو آنکھیں سب سے زیادہ جنگجو ہیں۔

ما په عشق کښې رسولے دے خپل کار تر هغې حده

عشق میں میرے بلند مرتبے کی مثال ایسی ہے

لکه څوک په مټ د توري سزاوار شي د خانی

جیسے کوئی بزور شمشیر خانی حاصل کرے۔

اور ملاحظہ ہو معشوق کا غلام بنتے ہوئے بھی اپنی خانی و سرداری اور شجاعت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا:

د خانی د توري کار نشته په عشق کښې — عشق میں خانی اور تلوار کا کیا کام

معشوقې وته مریې اوسه خوشحاله — اے خوشحال یہاں تو معشوق کا غلام ہونا پڑے گا۔

سر بازي يا د عاشق يا د پتنگ ده — سر بازی یا عاشق یا پروانے کا کام ہے
يا قسمت د مجاهد يا د سپاهي شوه — اور یا مجاہد و سپاہی کے نصیب ہوئی۔
يا به ستا زلفينې ونيسم به لاس کښې — یا تو تیری زلفیں ہاتھ میں پکڑوں گا
يا به سر ورباندې بائلم دوه وينا دې — اور یا سر ہار کے رہوں گا۔ یہی دو باتیں ہیں۔

اور اس موضوع پر آخری شعر ملاحظہ ہو عاشق و معشوق دونوں کتنے عالی مرتبہ ہیں:

ستا د مخ به دور زهٔ جهانګير شاه يم — تیرے چہرے کے عہد حسن و جمال میں میں جہانگیر بادشاہ ہوں

راته ښکاره کرشمې د نور محل کړه — آ میرے سامنے بیٹھ کر نور محل (نور جہان) کے کرشمے دکھا۔

ان اشعار کے بعد خان علیین مکان کے عشقیہ کلام سے چند اور متفرق اشعار کا انتخاب ہدیہ قارئین کرام کیا جاتا ہے اور ان میں جو صنائع و بدائع، طرز بیان کی جو خوبیاں اور محاسن ہیں وہ بیان کیے جائیں گے۔ مندرجہ ذیل شعر میں صنعت ہائے تعلیل و طباق الاضداد اور تجنیس ملاحظہ ہوں:

ستا به زلفو کښې مې خوار خاطر بنه نشو — میرے دل بیچارہ کو تیری زلفوں میں خوشی نصیب نہ ہوئی
مؤمن به کفرستان کښې څهٔ حرمت وي — اور ہوتی بھی کیسے مؤمن کی کفرستان میں کیا قدر و آبرو ہوتی ہے۔

شاعر معشوق کی زلفوں میں اپنے دل بے چارہ کے ناخوش ہونے کی علت (وجہ) یہ بیان کرتا ہے کہ اس کا دل مسلمان ہے اور معشوق کی زلفیں بہ وجہ سیاہی و کثرت کے کفرستان ہیں۔ ان میں گھر کر عاشق کا دل بیچارہ کیسے خوش ہو سکتا ہے۔ خوار، خاطر اور ښاد (خاد، شاد) میں "خ" کی تکرار نے شعر میں خاص لطف پیدا کر دیا ہے اگر چہ خٹک 'ښاد' میں 'ښ' کو 'ش' پڑھے گا مگر خوار اور خاطر کی وجہ سے تجنیس پھر بھی باقی رہتی ہے۔

مؤمن (دل) اور کفرستان (زلفیں) کے علاوہ خوار (غریب، بیچارہ) اور ښاد (شاد، خوشحال) بھی متضاد ہیں اور یوں بھی شعر میں طباق الاضداد ہے۔

مندرجہ ذیل شعر میں بھی تعلیل و طباق کی صنعتیں ہیں:

کفرستان د ستا د تورو سترګو ګوره — معشوق کی زلفوں کے کفرستان کو دیکھو
چې به څهٔ رنګه تالا وبري د ايمان ته — ایمان کو دیکھ کر کس طرح بل کھا رہا ہے۔

مندرجہ ذیل شعر بھی طباق الاضداد کی بہترین مثال اور جناب حبیبی صاحب کی تحسین و

جمیل نگاہ انتخاب پر دال ہے۔ بقول جناب حبیبی صاحب اور حقیقت میں ایک اعجاز اور خان کی فوق العادۃ بلاغت کا ثبوت ہے:

پہ مانہ ئی مردہ شویو کرہ عید وی — جب وہ روٹھ کر گلہ کرتی ہے تو مردے نہلانے والے کے ہاں عید ہو جاتی ہے

پہ خندا ئی جوھری کرہ ژڑا شی — اور جب ہنستی ہے تو جوہری کے گھر صف ماتم بچھ جاتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ معشوقہ کے روٹھ کر گلہ کرنے کے ناز سے بھرے ہوئے انداز سے ہر طرف چاہنے والوں کا ایسا قتل عام ہوتا ہے کہ کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں۔ یوں مردے نہلانے والوں کی بن آتی ہے اور کمائی کی امید میں ان کے گھر عید ہو جاتی ہے۔ اور جب معشوقہ ہنستی ہے تو اس کے خوبصورت سفید چمکیلے دانتوں کے سامنے موتی آب و تاب کھو بیٹھتے ہیں اور اس حد تک بے قدر و قیمت ہو جاتے ہیں کہ انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ اس لیے جوہری کے گھر ماتم بپا ہو جاتا ہے۔ خان کا ایک فارسی شعر کا مصرعہ ثانیہ کا ہم معنی ہے اگرچہ پشتو مصرعہ بہت بلند ہے:

نگاہ خندہ و چو لب ہائے خویش بکشائی

ذرو جواہر و یاقوت می شود ارزاں

یاقوت معشوقہ کے سرخ ہونٹوں کی رعایت سے لایا ہے۔

اور اس شعر میں تشبیہ کی ندرت و حسن و نرالا انداز بیان ملاحظہ ہو:

لکہ وژغوری کبلی پہ مرغزار کبنی — تیرے پریشان اور (۴) کے سائے میں تیری آنکھیں یوں دکھائی دیتی ہیں

د خوارہ او وربل تر سیوری ستر گی ستا — جیسے کوئی مرغزار میں ہرن کے بچے پال رکھے (۵)

اور ان دو شعروں میں جو مختلف غزلوں کے ہیں فراق و وصال یار کی تشبیہیں ملاحظہ ہوں:

خلق وائی چی دوزخ شتہ پس لہ مرگہ — لوگ کہتے ہیں کہ موت کے بعد دوزخ بھی ہوتی ہے

پہ حیات صورت دوزخ نہ دے فراق ستا؟ — کیا تیرا فراق جیتے جی میں دوزخ نہیں ہے؟

شعر میں مرگ (مرگ۔ موت) اور حیات سے صنعت طباق بھی پیدا ہو گئی ہے۔

نسیہ جنت سبا دے د زاھد دے د ملا دے — ادھار کی جنت زاہد اور ملا کو کل ملے گی

پہ لاس جنت مونلے نن خوشحال دے ستا لقا — مگر خوشحال نے آج ہی تجھے پا کر جنت ہاتھوں ہاتھ لے لی ہے۔ (۶)

صنعت طباق میں دو اور شعر ملاحظہ ہوں:

یادېږي هغه وخت دې چې به شپه به سره ناست وو — وہ وقت مجھے یاد ہے جب ہم راتوں کو اکٹھے بیٹھتے تھے
شمعې به ژړا کړه صراحي به خندېده — شمع روتی اور صراحی ہنستی رہتی۔

دا بې وخته سپین ویښته نه وو بلا وه — یہ بے وقت سفید بال ایک آفت تھے
چې د ښکلیو ئې زړه تور کړو له خوشحاله — جنہوں نے حسینوں کے دل خوشحال کے حق میں سیاہ کر دیے۔

صنعت کے علاوہ محاورے اور واقعیت نے شعر کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ "زړه تور ول" یعنی دل کا کالا ہونا یا کالا کرنا پشتو میں متنفر ہونے یا متنفر کرنے کے لیے محاورہ ہے۔ کسی سفید چیز کا دوسری چیز کو سیاہ کر دینا خلاف واقع اور غیر فطری ہے مگر دیکھیے یہاں یہ بات کس قدر حقیقی اور واقعی ہے۔

اور اس شعر میں صنعت طباق و تعلیل کے ساتھ حسن بیان اور زبان کی چاشنی ملاحظہ ہو:

سم کږې وږې پخپل زړه کښې لرې یاره — اپنے یار کے حق میں تمہارے دل میں بہت سی سیدھی ٹیڑھی (باتیں) ہیں
ځکه دې د زلفو ویښته سم وې هم کاږه — یعنی تو تمہاری زلفوں کے بال سیدھے بھی ہیں اور ٹیڑھے بھی۔

معشوق سے کہتا ہے کہ تمہاری زلفوں میں سیدھے بالوں کے ساتھ شکن در شکن ٹیڑھے بال اس لیے ہیں کہ تمہارے دل میں عاشق کے حق میں بہت سے برے یا ٹیڑھے ارادے یا الٹی بری باتیں ہیں یہ سیدھی اور ٹیڑھی باتیں ہی تمہاری زلفوں کے سیدھے اور ٹیڑھے ہونے کا سبب بنی ہیں۔

تعلیل کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

اوږدې اوږدې غمونه پرېشانی — یہ لمبے لمبے (کبھی نہ ختم ہونے والے) غم اور پریشانیاں
چې زما دي دا ئې خوئ راغلې د څونړیو — میرے حصے میں اس کی زلفوں کی صفات سے آئی ہیں۔

شاعر کہتا ہے کہ محبوب کی زلفوں کی سیاہی سے مجھے غم اور ان کی درازی سے غموں کا طول، اور پریشانی سے پریشانیاں ملی ہیں۔

اور یہ چھوٹا اور اونچا خیال ملاحظہ فرمائیے:

میلمستیا مې د زړه وینې ورته کښېنولې — جب یار کا خیال میری آنکھوں میں مہمان بن کر آیا

چې میلمه مې شو د یار خیال په سترګو — تو میں نے اپنے دل کے لہو سے اس کی مہمانی کی۔

یار کے تصور سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں۔ افغان شاعر اس خون دل سے یار کی مہمانداری کرتا ہے۔

افغانوں کے دیہات میں اکثر ٹوٹے ہوئے سفالی برتنوں کے ٹکڑوں میں مٹی ڈال کر اس میں ریحان یا کسی دوسرے پھول کے پودے لگا دیتے ہیں۔ اس رسم سے خان نے یہ پرسوز خیال نکالا ہے:

په بل ځای کې مې پېرزو نه ئ د یار غمه — اے غم یار میں نہیں چاہتا کہ تو کسی اور جگہ ہو

ته زما د زړه د کات کودې ریحان ئ — تو میرے دل کے سفال شکستہ کا ریحان ہے۔

اور یہ ہے حسن بیان اور کمال بلاغت:

که دې زړه دے چې مې مینه درښکاره شي — اگر تمہارا جی چاہتا ہے کہ میری محبت تم پر آشکارا ہو جائے

راشه ونیسه و مخ ته آئینه — تو ذرا چہرے کے سامنے آئینہ تو رکھو۔

شاعر نے اپنی معشوقہ سے یہ صاف صاف نہیں کہہ دیا کہ تم اتنی خوبصورت ہو کہ اگر تم اپنے رخ زیبا کو آئینہ میں دیکھو تو اپنا سا منہ لے کے رہ جاؤ گی۔ لیکن یہ کہہ کر کہ میری محبت تمہیں آئینہ میں نظر آ جائے گی سب کچھ کہہ دیا اور بہت حسین و جمیل پیرایہ میں کہا۔ عشق عاشق کا آئینہ میں معشوقہ کے سامنے اس کے حسن و جمال کی صورت میں آنا اور اس خوبی و زیبائی کا سراپا عشق بن کر خود معشوقہ پر چھا جانا بہت ہی لطیف خیال ہے۔ جو نہایت عمدگی سے ادا کیا گیا ہے۔

اس خیال کو ایک دوسرے شعر میں یوں ادا کیا ہے:

آئینې وته نظر کړه بنیوه ګري — اگر تمہیں اپنے حسن کی باتیں مخفی ہیں

خود به ستا د حسن وکاندې خبرې — تو آئینہ دیکھو وہ خود بخود کہہ اٹھے گا۔

یہی خیال خان کے ایک ادبی جانشین ملا عبدالرحمٰن مہمند اور مرزا غالب نے اپنے اپنے پیرایے میں ادا کیا ہے۔ عبدالرحمٰن کا شعر ہے:

ته چې آئینه په لاس کښې واخلې حیرانېږې — تمہیں آئینہ ہاتھ میں لے کر خود حیرت ہوتی ہے

زه له کومه راوړم صبوري او تحمل — تو میں کہاں سے صبر و تحمل لاؤں۔

مرزا غالب کا شعر ہے:

آئینہ دیکھا اپنا سا منہ لے کے رہ گئے

صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

محبوبہ کے آئینہ دیکھنے کے متعلق خان کا ایک اور خیال ملاحظہ ہو:

آینې وته نظر کړه ګل به خندا کړي — جب تم خود پھول کی طرح چہرہ رکھتی ہو

چې چل مخ د ګل به څېر در څخه شته — تو آئینہ دیکھو پھول کو کیا کروگی؟(۷)

اور ایک رباعی میں کہتا ہے:

چې آینې ته ښکاره دیدار کړي — جب تو آئینے میں جلوہ نما ہوتی ہے

آینه ټوله سره ګلزار کړي — تو آئینہ سراسر گلزار ہو جاتا ہے

چې شونډې کږدې د جام په مور ګو — جونہی پیالے کے کناروں کو تیرے ہونٹ چھوتے ہیں

وینه په جام کښې د رب انار کړي — پیالے میں پانی رب انار(۸) ہو جاتا ہے۔

اور ان دو شعروں میں انداز بیان کی خوبی، زبان کی چاشنی اور دوسرے شعر میں صنعت

طباق بھی ملاحظہ ہو:

داچې وای راته خیر ګوره چې مور شې — یہ جو مجھ سے کہتی ہو کہ مجھے اچھی طرح دیکھو کہ سیر ہو جاؤ

که تمام عمر دې ګورم مړوې مې — تو اگر عمر بھر دیکھتا رہوں تو سیر کرتی رہوگی؟

په زاري خنې غوښت د ښینې خلې کړو — میں نے ... بوسے کی التجا کی

په خندا ئې وې چې خندا کا داسې — تو ہنس کر کہنے لگی ... کیا کرتا ہے؟

اور دیکھئے مندرجہ ذیل شعر میں صنعت ہائے تجنیس، طباق، ... مرتب اور

لزومات و رعایات کو کس خوبی سے اکٹھا کیا گیا ہے:

دمخ ثنائی وایم د زلفینو ئې صفت کړم — میں اس کی چہرے کی ثنا کہتا (وایم) اور زلفوں کی صفت

کرتا ہوں (کړم)

با خطه که په خامه وې صبح و شام په ورځ و شپه — خلة (منہ) سے خامہ (قلم) سے صبح و شام اور

ورځ (روز) و شپه (شب)

شعر میں ترصیع بھی ہے۔ پہلے مصرعہ میں 'وایم' اور 'کړم' کے علاوہ دوسرے مصرعہ میں

چھوٹے چھوٹے الفاظ ہیں جو فتح اور ہ کے ساتھ ختم ہوتے ہیں جن سے شعر میں بہت ترنم اور

موسیقیت پیدا ہو گئی ہے۔

ترصیع خان کی کئی نظموں میں ہے۔ مندرجہ ذیل پانچ شعر کی غزل تمام اسی صنعت میں ہے:

د جهان په مخ به نه وي بوه تا غوندې دلبره	پر برو به عنبر بو به سنبل مو به سمبره
گلعزاره زلفې ماره شهسواره خوش رفتاره	باده نوشه میفروشه قصب پوشه موکمره
دلنوازه سرفرازه عشوه سازه لعبت بازه	خو ډپسنده سربلنده شکر خنده لب شکره
طربناکه گربوان چاکه تل بیباکه تش تپاکه	خود آرایه خودنمایه خودستایه خوش هنره
غزالچه خوش الحانه در دندانه لب خندانه	عنبرخاله پرخیاله تل خوشحاله د زړه غوره

مطلع کے مصرعہ اولیٰ کا ترجمہ "روئے زمین پر تیری طرح معشوقہ نہ ہوگی"۔

مقطع کے مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ: عنبریں خالوں والی، پر خیال، ہمیشہ خوش رہنے والی جسے دل ہمیشہ اوروں پر فوقیت دیتا ہے۔ یا عنبریں خالوں والی، پر خیال، جس کو اے خوشحال دل ہمیشہ اوروں پر فوقیت دیتا ہے۔ باقی اشعار کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ سب فارسی ہے۔ بعض حل طلب الفاظ کے معنی یہ ہیں:

سنبل مویه	:	جس کے بال سنبل کی طرح ہوں
زلفې ماره	:	جس کی زلفیں سانپ جیسی ہوں
گربوان	:	گریبان
تل	:	ہمیشہ
تش تپاکه	:	خالی تپاک والی

معشوقہ کی صفات کے آخر میں 'ہ' اور قافیہ کی 'زبر' فتح تانیث کے لیے ہے۔ مقطع میں ایہام بھی ہے۔ خوشحالہ کے آخر میں 'ہ' تانیث کے لیے بھی ہو سکتی ہے جس صورت میں مراد معشوقہ ہوگی اور یہی 'ہ' ندائیہ بھی ہو سکتی ہے اس صورت میں خوشحالہ کا مفہوم "اے خوشحال" یعنی شاعر ہوگا۔ اس کے مطابق میں نے دونوں طرح تشریح کر دی ہے۔

اور اس شعر میں ایہام ملاحظہ ہو:

پښتنې چې جونه مې ولیدې په سترګو	میں نے اپنی آنکھوں سے افغان لڑکیاں دیکھ لی ہیں
څوک چې ترکې د خطا ستائي خطا دي	جو لوگ خطا کی ترکنوں کی ستائش کرتے ہیں خطا ہیں (غلطی کر رہے ہیں)

اس مضمون میں خان کے ایک ادبی جانشین علی خان نے بھی ایک شعر کہا ہے جو حسب ذیل ہے:

وحسن تر کې دې ز ر اخي سلام لـه — نقش کی تزئین جلد تسلیمات بجالانے کو آئیں
ني د تنخت لانقـه تر کـه باگرامی ده — کہ آج اورنگ حسن کی سزاوار باگرامی (پشاوری) ترکن ہے۔

دونوں شعروں میں افغانیت اور افغانوں سے محبت کا اظہار کیا گیا ہے اور حسن افغانی کو ترکی حسن پر فوقیت دی گئی ہے۔ بظاہر علی خان کا شعر بہت باآب وتاب نظر آئے گا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فارسی شاعری کی روایت کے زیر اثر اسے جذبہ قومیت کے اظہار میں ٹھوکر سی لگی ہے۔ فارسی شاعری میں حسن کو ترکوں کے ساتھ مخصوص سا کر دیا گیا ہے۔ اور علی خان نے افغان حسینہ کو ترک حسیناؤں پر فوقیت دیتے ہوئے بھی درحقیقت افغان حسن کی تعریف نہ کی کیونکہ پشاوری حسینہ کو ترکن بنا کر ہی اسے اورنگ حسن کا سزاوار قرار دیا برعکس اس کے خان کلاں یہ کہنا چاہتا تھا کہ افغانی حسن ترکی حسن سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور یہی بات بڑے واضح اور زوردار الفاظ میں کہی۔ ''جو لوگ افغان لڑکیوں کے مقابلہ میں خطا کی ترکنوں کی ستائش کرتے ہیں وہ خطا کار ہیں یعنی غلطی کر رہے ہیں۔

مصرعہ ثانیہ میں ''خطادی'' بجائے ''خطا کار ہیں'' صرف ایہام اور ضرورت شعری کے لیے بایقید قافیہ ورد یف ہی نہیں لایا بلکہ پشتو محاورہ بھی یہی ہے۔

اور پنجاب کے زندہ جاوید رومان ہیر رانجھا (جسے وارث شاہ (۹) نے نظم کر کے بقائے دوام حاصل کیا) کے متعلق مندرجہ ذیل شعر میں بھی ایہام کی ایک بہترین مثال ملتی ہے:

نور و شر بـه د رانـجا پـه جهان نـه وه — دنیا میں رانجھا کا شور اور ہنگامہ نہ ہوتا
کـه د هیر صورت پیدا نـه وے پـه شور کښې — اگر ہیر کا پیکر شور میں پیدا نہ ہوتا۔

شور کے معنی ہوتے ہیں غلغلہ، شہرت، چرچا، عشق وجنون اور نمکین ونمک کے۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے کہ اگر پیکر ہیر کا خمیر نمک کے ساتھ نہ گوندھا گیا ہوتا یعنی ہیر سراپا حسن وملاحت نہ ہوتی تو نہ رانجھا کا عشق وجنون ہوتا اور نہ ہی دنیا میں ان کا آوازہ وغلغلہ۔

اور اس شعر میں صنعت تعلیل کے ساتھ ایہام کی صنعت اور حسن تشبیہ ملاحظہ ہو:

کہ د غوږو دږی نه وینم په سترګو — جب اسکے کانوں کے در میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں

درګوهر مې په هر هر باڼه سفته شي — تو میری پلکوں میں در وگوہر پروے جانے لگتے ہیں۔

فراق یار میں بہائے جانے والے آنسوؤں کو موتیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ جب محبوبہ کے کانوں کے در میں نہیں دیکھتا تو پلکوں میں در پرونے لگتا ہوں۔ در موتی کو بھی کہتے ہیں اور کانوں کے ایک زیور کا نام بھی ہے۔ پہلے در میں دونوں مفہوم مضمر ہیں۔ اور دوسرے مصرعہ میں در موتی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد آنسو ہیں۔

حسن تشبیہ کی ایک اور حسین اور نادر مثال ملاحظہ فرمایئے:

نه دي ستا د غوږو غټې مرغلرې — یہ بڑے بڑے موتی نہیں جو تیرے کانوں میں پڑے دکھائی دے رہے ہیں

وصل دي په میلنت پورې یو سر کړل سره ستورې — بلکہ ستارے ہیں جو چاند کے دونوں طرف اسکے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور اس فارسی شعر میں لف النشر غیر مرتب اور انداز بیان کی سادگی اور بے تکلفی میں پرکاری ملاحظہ ہو:

بارخ وزلف او سروکارم — درشب وروز روزگار بود

اس کے (دن جیسے) چہرے اور (رات جیسی) زلفوں سے میرا سروکار اور شب و روز میں میرا روزگار ہوتا ہے۔

اور اسی غزل کے اس شعر میں لف النشر مرتب ہے:

قدتو درمیان دیدۂ ما — ہم چناں سرو جوئی بار بود

یہی خیال ایک پشتو شعر میں بھی ادا کیا ہے:

زما سترګې لکه جوته سبر ونه — میری آنکھیں ندی کی طرح ہیں اور تو سرو ہے

سبر ونه جدا به نه ده له جویه — سرو کا درخت بغیر ندی کے اچھا نہیں ہوتا۔

تمنا و آرزوئے وصال کا اظہار اور تقاضائے وصال بہت عمدہ پیرایہ میں کیا گیا ہے:

تجنیس اور روانی بیان:

گل و مل ساز و سرود و ساقي سرې سترګې — گل مل ساز سرود ساقی سرخ (سرخ) سترګې (آنکھیں)

لا به ډېر عالم رسوا کا چې دا کار شته — جو ابھی یہ باتیں ہیں تو ابھی ایک دنیا کو رسوا ہونا ہے۔

اور اس شوخی بھرے شعر میں تجنیس ملاحظہ ہو:

د شرابو جام په لاس شاهد بازي کا — جام شراب ہاتھ میں لیے شاہد بازی کر رہے ہیں

شیخ د ښهر عبادت پرېښو زندیق شه — شیخ شہر عبادت چھوڑ کر زندیق بن بیٹھے ہیں۔

خوشحال خان کے عشقیہ کلام اور اس کے مختلف و متعدد مضامین اور صنائع بدائع کا جائزہ لینے کے بعد خوشحال خان کے چند اشعار عشق و محبت اور عشاق کی تعریف و توصیف میں پیش کیے جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا انتخابات اور ان اشعار سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ جہاں خوشحال خان کی حکمت و دانش اور شجاعت اور داد و دہش کی شہرت عالم میں چار سو پھیلی ہوئی تھی تو وہاں اس کے عشق کے بھی شہر بہ شہر کوبہ کوچہ چرچے تھے۔ وہ عشق و محبت کا اتنا بڑا معلم ہے کہ:

چا به بې د عشق له کاره بل کار نکړ — اگر خوشحال کا کہنا کوئی مانتا

د خوشحال د خلې وېنا که چا منلې — تو بغیر عشق کے اور کچھ نہ ہوتا۔

شاہی سبزواری تو معشوق کی محبت میں صبر و دل اور دین ہار دیتا ہے مگر خود رہ جاتا ہے

چنانچہ کہتا ہے:

در عشق تو صبر و دل و دین شد اکنون — ماندست درین وقت شاہی تن تنہا

لیکن خوشحال خان کہتا ہے:

عقل صبر و دل و دین لاړ شه په عشق کښې — عقل صبر اور دل و دین تو عشق میں چلا گیا ہے

خو ساه تو بو ژوندون شه په دا لار کښې — ایک جان باقی ہے سو وہ بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔

اب خان علیین مکان کے عشقیہ کلام سے چند پوری غزلیں پیش کی جاتی ہیں جو کئی صنائع و بدائع کی حامل ہونے کے علاوہ تسلسل اور محاکات کے بھی بہتر نمونے ہیں:

(۱)

نیمه شپه مې په پالنګ راغله دلبره — آدھی رات معشوقہ میرے پلنگ پر آئی

سر سرو یه عنبر بویه سمن بره — وہ پری رو عنبر بو اور سمن بر تھی

جیسې اواز د مؤذن د اذان وشو | کہ مؤذن کی اذان کی آواز سنائی دی
په سحر له ما نه لاړه ناز پرورده | اور صبح کے وقت وہ ناز پروردہ مجھ سے چلی گئی
چې په ډېر ارمان محبوبه خپې درومي | عاشق سے محبوب ارمانوں میں چھوڑ کر چلی جاتی ہے
کشکې شپه د خوار عاشق وې بې سحره | کاش اس کی رات کی صبح نہ ہوتی۔
چې له هسې محبوبا خوشحال جدا شه | خوشحال کے بستر آگ کے شعلوں لپیٹ میں ہیں
د اور لمبې ئ دروي له بستره | کہ وہ اس کی محبوب سے جدا ہوا ہے۔

(۲)

شپه خوب لیده به خدای کو چې زه ته سره پخلا یو

خدا کی قسم میں خواب دیکھ رہا تھا کہ تو اور میں ایک دوسرے سے راضی ہیں

خوږې خبرې خبرې د زړه حال وېلې وایو

میٹھی میٹھی باتیں کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے دل کا حال کہہ رہے ہیں

ما څخه کتاب دې په کښې واړه غزلونه

میرے پاس کتاب ہے جس میں تمہاری محبت کے گیت ہیں

تا څخه مینا ده د گلزار په تماشا یو

اور تمہارے پاس مینا ہے اور اس حالت میں ہم گلزار کا تماشا کر رہے ہیں

لاس تر لاس نیولې سره گرځو کښېنو پاڅو

ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پھر رہے ہیں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور پھر

اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

خپله خوشحالي هوا هوس کړو په خندا یو

خوشیاں مناتے دل کی مرادیں بر لاتے اور آپس میں ہنستے ہیں

پیاله کړې راته ډکه زه ئ ستا د لاسه واخلم

تو پیالہ بھرتی ہے میں اسے تیرے ہاتھ سے لیتا ہوں

د شونډو بوسه راکړې بیا په نوره تقاضا یو

تو مجھے ہونٹوں کا بوسہ دیتی ہے اور پھر مزید تقاضا کرتے ہیں

مطرب راته له ورایه په تارونو لیندې ایښې

مطرب سامنے بیٹھا تاروں پر کمانچہ رکھے ہوئے ہے

په بم په زیر جاروخې مونږ ئې محو په نوا یو

اور ہم نواہائے زیر و بم میں محو ہو رہے ہیں

ته کل واړه خوبي لرې زه واړه کامراني

تو سراپا حسن ہے اور میں سراپا کامرانی

ښادي ته مخامخ غم و اندوه ته شا په شا یو

مسرت ہمارے روبرو ہے اور غم و اندوہ پس پشت

ناګهه له دې خوبه د سحر په وخت راویښ شوم

اچانک اس خواب سے صبح کے وقت میں جاگ اٹھا

نه ته وې نه دې وصل زه دا کار سره جدا یو

نہ تو تھی اور نہ تیرا وصل ایک دوسرے سے جدا تھے

څو پایم په دنیا کښې د چا کار راسره نشته

جب تک دنیا میں زندہ ہوں کسی کا مجھ سے سروکار نہیں

یو زه یم یو دې غم دے سره دواړه خوا په خوا یو

میں ہوں اور تیرا غم ایک دوسرے سے پہلو بہ پہلو

خوشحال یواځې نه دے څو په ملک کښې عاشقان شته

اکیلا خوشحال نہیں اس ملک میں جتنے بھی عاشق ہیں

په خوب په بیداري کښې سره واړه باد پیما یو

بھی خواب و بیداری میں باد پیما ہیں

(۳)

(۱۰)

د ښادمنو په خندا یو — خوشیاں منانے والوں کی ہنسی کی قسم

د غمژنو په ژړا یو — اور غمگینوں کے رونے کی قسم

د رندانو په رندی — رندوں کی رندی

د شیخانو په تقوا یو — اور مشائخ کے تقویٰ کی قسم

د وصال په سل خوبي — وصال کی سیکڑوں مسرتوں

د هجران په زر بلا دو — اور فراق کی ہزاروں مصیبتوں کی قسم

د بهار په ښو ګلونو — بہار کے خوبصورت پھولوں

د بلبلو په نوا دو — اور بلبل کی نواسنجی کی قسم

چې تر سرو ونې هيڅ دي — جس کے سامنے سرو ہیچ ہے

په هغه قد بالا دو — اس قد بالا کی قسم

په کحولې دي له نازه — ان شہلا آنکھوں کی قسم

په دې سترګو شهلا دو — جو ناز کی وجہ سے سرمگیں دکھائی دیتی ہے

چې تر ويښته نري ده — وہ جو بال سے باریک تر ہے

په هغې باريکې ملا دو — اس پتلی کمر کی قسم

چې عاشق ورپسې مرينه — جس پر عاشق مرتا ہے

په هغه جمال زيبا دو — اس جمال زیبا کی قسم

چې راځي د يار له لورې — جو یار کی طرف سے آتی ہے

په هغه باد صبا دو — اس باد صبا کی قسم

چې پيغام راوړي د وصل — جو پیغام وصال لے کر آتا ہے

د هغې قاصد په پا دو — اس قاصد کے پاؤں کی قسم

چې توبه په کښې نشته — سچوں کی سچائی کی قسم

د رښتنو په رښتيا دو — جس میں دوسری بات محال ہے

په دا هومره سوګندونو — اتنی سوگندوں پر

په هزار خله بيا بيا دو — ہزار دفعہ بار بار قسم

چې تر خان په تا منين يم — تیری قسم کہ میں خوشحال خٹک

زه خوشحال خټک په تا دو — جان سے زیادہ تیرا شیدائی ہوں۔

په ما مه وايه په تا دو — (تو کہتی ہے) میری قسم کھا کر مجھے مخاطب نہ کر

چې په ما نه دو به چا دو — تیری قسم نہ کھاؤں تو کس کی قسم کھاؤں

نه زما د سترګو توري	تو میری آنکھوں کی سیاہی ہے
په دا تورو سترګو ستا يو	تیری ان کالی آنکھوں کی قسم
مخ دې ورځ زلفې دې شپه دي	تیرا چہرہ دن اور زلفیں رات ہیں
په سبا يو په مسا يو	صبح وشام کی قسم
په جهان کښې مې خان ته ئې	جہان میں تو ہی میری جان ہے
نه چې نور په تا جانا يو	نہ کہ کوئی اور اے جان من تیری قسم
ياد مې ته ئې په خاطر کښې	میرے دل میں ہر وقت تیری یاد ہے
هر زمان په خپل مولا يو	مجھے اپنے خدا کی قسم
ستا د پښو خاورې توتيا دي	تیری خاک پا توتیا ہے
چې ما ستا په خاک پا يو	مجھے تیرے خاک پا کی قسم
تمنا لرم ستا ډيره	تیری بہت زیادہ تمنا رکھتا ہوں
په دا خپله تمنا يو	مجھے اپنی تمنا کی قسم
تر خندا يورې دې هيڅ دي	تیری ہنسی کے سامنے
لال و در ستا په خندا يو	لعل ودر ہیچ ہیں تیری ہنسی کی قسم
يار خو ستا يم د چا نه يم	تیری لقا کی قسم
زه خوشحال ستا په لقا يو	میں خوشحال تیرا ہی یار ہوں کسی اور کا نہیں۔

(۴)

يار مې کبرژن شو څه به و وايې وماته	میرا (۱۱) یار مغرور ہو گیا (۱۲) مجھے کیا مشورہ دو گے؟
درومه صبوري کړه نور به څه وايم و تاته	جا صبر کر تجھے اور کیا کہوں
صبر به هرگز له هسې ياره وکړې نشي	ایسے یار سے ہرگز صبر نہ ہو سکے گا
درومه سکه دعا کړه چې دې مينه شي ترې ماته	تو پھر دعا کر کہ اس سے تیرا رشتہ محبت ٹوٹ جائے
تل دعا زاري کړم لا مې مينه پرې زياتيږي	یہ دعا تو میں ہمیشہ کرتا ہوں لیکن میری محبت بڑھتی ہی جاتی ہے
زاره زاره ژاړه ګندې غوږ کا ستا ژړا ته	تو پھر رو رو رو شاید تمہارے رونے پر کان دھرے

ځکه په ورت ورت ژاړم لا ئې زړه په ما بنه کیږي
ہمیشہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ہی رہتا ہوں اس سے تو اس کی تفریح ہوتی ہے۔

چې په ورت ورت ژاړه چې ئې لا ئې خوښي زیاته
اور بھی پھوٹ پھوٹ کر روتا کہ اس کی فرحت اور بھی زیادہ ہو۔

خوش به لا هله شي چې زه ومرم په ژړا کښې
وہ تب خوش ہوگا جب میں روتے روتے مر جاؤں

ومره چې دا مرګ دې لا بهتر دے تر حیاته
تو پھر مر جا کہ یہ موت زندگی سے بہتر ہے۔

زه په مرګ راضي یم رقیبان به خوا رابخ کا
میں مر جانے پر رضامند ہوں مگر رقیبوں کا دل خوش ہو جائے گا

مخ د رقیب تور شه ګوره ته د یار رضا ته
رقیب کا منہ کالا ہو تو یار کی رضا کا خیال رکھ

ښه به مرګ راضي خوشحال یوه خبره وایم
اچھا میں مرنے پر راضی ہوں مگر میں خوشحال ایک بات کہتا ہوں

چې کا مخامخ په وخت د مرګ کښېني وماته
کہ میری موت کے وقت یار میرے سامنے آ بیٹھے۔

(۵)

که په هند کښې نشته سپینه (۱۳)
اگر ہندوستان میں سرخ و سفید

تور چشمه (هوسی سترګه) مه جبینه
آہو چشم ورنہ جبین معشوق نہیں

خدایه ته و ماته راکړې
تو اے خدا مجھے

سره سپزه نمکینه
ایک ملاحت بھری عطا کر

چې دوه زلفو عنبر پاشه
جو عنبریں زلفوں والی

چې دوه شونډو شکرینه
اور شکریں ہونٹوں والی ہو

جسم هر ځاے وته ی ګورم
جس کا تمام جسم

ښائسته بنکلي مهینه
خوبصورت اور مہین ہو

ښوخ ناکه بنیوه ګره
جو ہوسناک اور شیوہ گر

شوخه شنګه دل نشینه (۱۴)
اور شوخ و شنگ اور دل نشین ہو

د اسرارو به علم پوهه
رموز محبت سے واقف

سخن دانه نکته چینه
سخن دان اور نکتہ چین ہو

ورځ و شپه کا خنې چارې	کیا کہوں دن رات
په خوشحال د ښکلیو مینه	خوشحال کیساتھ حسینوں کی محبت کیا کرتی ہے؟

(۶)

ښې ښې شپې شي خنې پېښې (۱۵)	بعض اچھی اچھی راتیں آتی ہیں
غیږ په غیږ شي شفت خېښې	جبکہ ہم آغوش ہو کر ہونٹ چوسے جاتے ہیں
ښښې ښښې بښېښې تشیږي	پیچے پیچے شیشے خالی ہوتے جاتے ہیں
نن به شي بخښنې ښې ښې	آج بھی یوں ہی اچھی اچھی بخششیں ہوں گی
چین چین ښنې خې په شین شین	شکن در شکن زلفوں والی (۱۶) معشوقائیں اٹھلاتی ہوئی
بتې زښتې [illegible] پېښنې	فتنے اٹھاتی ہوئی چلتی ہیں
شي به چین تشې پښتنې	چین کی تو یوں ہی باتیں ہیں
چین چین ښنې پښتنې ښې	بات کرو چین چین (شکن در شکن) زلفوں والی (۱۷) پٹھانیوں کی
هسې خې په شین شین	[illegible] و انداز سے چلی جا رہی ہیں
نښښې نښښې ختې پښې ښې	یہ نقش [illegible] (منقش) کپڑے اور نرم و نازک پاؤں۔

(۷)

د عشق په بادیه کښې مه پږده ګام د تمنا	بادیہ عشق میں تمنا کا قدم [illegible]
هغه څۀ عاشق نۀ دے چې وړي نام د تمنا	وہ عاشق نہیں جو حرف تمنا زبان پر لائے
زړۀ زما دے زار زما دے په دا کار کښې	اگر ایام تمنا کو ہمیشہ یوں گزرنا ہے
کۀ دا طور به تل درومي ایام د تمنا	تو میرے اور میرے دل کی قسمت میں غم والم ہی ہے
سرم د یار له شوقه سره دواړه نۀ جوړیږي	شوق یار سے سر اجار ہا ہوں دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے
آغاز د یار د وصل او انجام د تمنا	آغاز وصل یار اور انجام تمنا
څۀ شوه هغه مینه چې د سترګو په کاتۀ کښې	وہ محبت کہاں گئی جبکہ آنکھوں کے دو چار ہوتے ہی
بنڅو به ئې راوستوه پیغام د تمنا	انکی پلکیں پیغام تمنا بھیجتی تھیں
قدم پږده د هغه عاشق په پلۀ باندې خوشحاله	اے خوشحال اس عاشق کے نقش قدم پہ قدم رکھ
چې کام ئې خپل موندلے په هنګام د تمنا	جس نے تمنا کی اور اپنی مراد پائی۔

خلہ دې غنچہ گل دہ تور گیسو د سنبل پاڼي

تیرا منہ پھول کی کلی ہے اور بال سنبل کے پتے ہیں

پښې دې د زرکې سینہ غارہ دې د زاڼې

پاؤں چکور کے سے اور گردن کونج کی سی ہے

شونډې دې ژوندون بخښي پہ سترگو کړې خونونہ

تیرے ہونٹ حیات بخش اور آنکھیں خونی ہیں

ژبہ دې شکرې دہ د سینہ پہ زړہ کاڼې

تیری زبان سراز شکر اور سینے میں دل پتھر ہے

مهر دې لہ دلہ لکہ مولہ تنہ ورک شو

تیرے دل سے مہر اس طرح غائب ہوگیا ہے جیسے تیرے جسم سے بال

راشہ تہ ناترسې لور د ترک کہ د پټاڼې

اے بے رحم آ۔ جانے تو ترک یا پٹھان کی بیٹی ہے؟ (۱۸)

هیڅ پرې نہ پوهیږمہ دا دې زنہ کہ منہ دہ

کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ تیری ٹھوڑی ہے یا سیب

خال دې دے د زنې کہ دانہ د ممانې

اور تیری ٹھوڑی پر یہ خال ہے یا ممانے (۱۹) کا دانہ

تہ پہ پالنگ پریوځې زہ حیران پہ فکر لاړشم

جب تو پلنگ پر لیٹتی ہے تو میں محو حیرت ہو کر خیالات میں کھو جاتا ہوں

بنا دے د گلونو کہ دا تہ پټہ پہ پاڼې

اور سوچتا ہوں کہ تو ہے یا پتوں میں چھپا ہوا پھولوں کا انبار

زہ هغہ خوشحال یم چې دې راز لرم ساتلے

میں ہی وہ خوشحال ہوں جو تیرے راز کا امین ہے

ولې هسې وایې چې تا عشق نہ زدہ ناجانې

تو کیوں کہتی ہے کہ تو نے رموز عشق نہیں سیکھے انجان ہے

(۹)

په بنيوه بنيوه رفتار کاندې غزاله
اگر اس غزالہ[۲۰] کو ناز اور کرشموں سے چلتا دیکھو

واې پښې په زمکه نه کیږدي له خياله
تو کہو گے کہ وفور غرور سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتی

وغمزو ته ئې حکم دے چې وژنه
اس نے غمزوں کو حکم دے رکھا ہے کہ اسکو قتل کرو

هم هغه چې مينه کا زما له خاله
جو کوئی بھی میرے رخ زیبا کے خال کا عاشق ہے

د زړه حال ئې امانت په کښې ليدهٔ شي
اسکے جسم میں جو صاف ستھرے پانی سے بھی زیادہ
صاف وشفاف ہے

چې ئې تن په صافي صاف دے تر زلاله
اسکے دل کا حال پوری طرح دکھائی دے رہا ہے۔

له دوو سترگو خو واخله چې مې وژني
اپنی آنکھوں سے پوچھو جو مجھے قتل کر رہی ہے

نور به څهٔ پښتې زما د زړهٔ له حاله
مجھ سے کیا میرے دل کا حال پوچھتی ہو۔

کهٔ شیرین اشنا وفا درسره نهٔ کا
اگر شیریں آشنا تیرے ساتھ وفا نہیں کرتی

په جفاې هم خوشحال اوسه خوشحاله[۲۱]
تو اسکی جفا سے بھی خوشحال رہ اے خوشحال

(۱۰)

خوږې شونډې دې شکرې نهٔ دي څهٔ دي
تمہارے میٹھے ہونٹ شکر نہیں تو کیا ہیں؟

کښلي غاښ دې مرغلرې نهٔ دي څهٔ دي
تمہارے خوبصورت دانت موتی نہیں تو کیا ہیں؟

بې له تا چې راته نور مخونه ستائي
تمہارے رخ زیبا کے آگے جو میرے سامنے اور
چہروں کی ستائش کی جاتی ہے

دا و ما ته خبرې نهٔ دي څهٔ دي
میرے نزدیک یہ محض باتیں نہیں تو کیا ہیں؟

چې تسخير به تورو سترگو کا د زړونو
کالی آنکھوں سے جو دلوں کو مسخر کرتی ہیں

سيه چشمې سحر گرې نهٔ دي څهٔ دي
تو یہ کالی آنکھوں والیاں جادوگرنیاں نہیں تو کون ہیں۔

چې د زلفو په زنځير ئې مزرې بند کړل
جنہوں نے زلفوں کی زنجیروں سے شیروں کو باندھ رکھا ہے

هوسی سترگې زړورې نهٔ دي څهٔ دي
یہ ہرن جیسی آنکھوں والیاں زور آور نہیں تو کیا ہیں؟

چې د باغ سروې ئې پستې تر قامت دي
جن کے قد کے سامنے سرو بھی چھوٹے نظر آتے ہیں

پښتنې په قامت سترې نهٔ دي څهٔ دي
پٹھانیاں بلند قامت نہیں تو کیا ہیں؟

والې توري مينې لرې کره له زړه نه
ښاد مخ په دور لرې نه دي څه دي

مجھے کہتے ہو کہ اور محبتوں کو دل سے دور کر دوں
تیرے رخِ زیبا کے عہد حسن و جمال میں دور نہیں تو کیا ہیں؟

چې لانښه ی د خوشحال په زړه څرخيږي
سرې لښتي ی سرې بنبرې نه دي څه دي

جن کے ڈنگ خوشحال کے دل میں چبھ کر پھر رہے ہیں (۲۲)
اس کی طلائی لبنتی سرخ بھڑیں نہیں تو کیا ہیں؟ (۲۳)

حواشی

۱۔ یہ مصنوعی خال ہوتے ہے جو افغان عورتیں چہرے کے کسی حصہ ماتھے، رخسار یا ٹھوڑی پر بناتی ہیں۔

۲۔ اگرچہ تارو (کالا تیتر) کالا ہی ہوتا ہے۔ مگر خان نے چند اور جگہ بھی "تور تارو" یعنی "کالا تارو" باندھا ہے (ص ۱۲۵ کتاب ہذا) و ص ۲۷۸ کلیات و ص ۱۶۶ دیوان حصہ ۲) جیسا کہ خود آپ ملاحظہ فرمائیں گے "سرہ لالہ" یعنی "سرخ لالہ" بھی باندھا ہے۔ یہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اس شعر میں بھی "تور" (کالا) "تارو" (کالا تیتر) سے پہلے لایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ "تور تارو" کہنا چاہتا ہو۔ مگر یہاں "تور" کا استعمال خال کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح "د مخ خال ی تور" یعنی "چہرے اس کے کا خال سیاہ" مترادف ہوگا "د مخ خال ی چې تور دے" یعنی "چہرے اس کے کا خال جو سیاہ ہے" کا یوں "تور" "تارو" سے علیحدہ ہو کر خال سمجھا جائے گا۔

۳۔ اس کا مطلع حبیبی صاحب کے انتخاب کے بعد میرے انتخاب میں سب سے پہلے پیش کیا گیا ہے۔ جناب گل باچا خان صاحب الفت نے بھی اپنی کتاب پښتو سندرے (پشتو گیت) [illegible] خوشحال پر جو باب لکھا ہے اس میں زیر غور موضوع پر یہ مطلع و مقطع پیش کیا ہے۔

۴۔ "اوربل" ماتھے پر ایک خاص انداز سے ڈالے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ [illegible] عورتوں ہی کا ہوتا ہے۔

۵۔ یہاں "ذخورل" "پال رکھنے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ جسے پالا جاتا ہے اس [illegible] اور بچاؤ کیا جاتا ہے۔

۶۔ خوشحال خان کے ایک ادبی جانشین علی خان نے وصال یار سے ناامید ہو کر اس کے متعلق مندرجہ ذیل بے نظیر شعر کہا ہے:

جې لــه تــه خـنې آرزو د ملاقات کا — جو تیری ملاقات کی آرزو کرتا ہے
ګوياطمع د جنت قبل الوفات کا — گویا موت سے پہلے ہی جنت کا خواہش مند ہے۔

لیکن اگر وصال یار جنت ہے تو اس کا فراق جہنم اور اگر فراق یار کی صورت میں جیتے جی دوزخ میں جلنا پڑتا ہے تو اسی زندگی میں جنت وصال یار کا ملنا بھی ممکن ہے۔

۷۔ ''چو روئے خویش در آئینہ می توانی دید — چرا نظر بہ جمال کسے دگر داری''

ملا عبدالرحمٰن جامیؒ

۸۔ ''زبّ'' ۔ آگ پر پکایا ہوا انگور یا انار کا پانی جو بہت شیریں ہوتا ہے۔

۹۔ متولد ۱۱۵۰ھ۔

۱۰۔ یہ ایک ہی مضمون کی ایک ہی بحر اور قافیہ میں دو غزلیں ہیں میں نے دونوں کو یکجا کر کے ترجمہ کیا ہے۔ جہاں سے دوسری غزل شروع ہوتی ہے وہاں میں نے مطلع ثانی لکھ دیا ہے۔

۱۱۔ اس غزل کے ہر شعر کے پہلے مصرع میں شاعر ندیم سے سوال کرتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں ندیم اس کا جواب دیتا ہے۔

۱۲۔ ''کبرژن'' (یا کبرجن) یعنی ''مغرور'' اور ''شو'' یعنی ''ہوگیا'' دونوں بصیغہ مذکر ہیں۔ خان کی نظموں میں معشوق بالعموم مونث ہے۔ یہ ان معدودے چند نظموں میں سے ہے۔ جس میں معشوق مذکر ہے۔

۱۳۔ قوافی کے 'ن' پر فتح ہائے تانیث کی قائم مقام ہے۔

۱۴۔ حسب فصیح در حاشیہ کلیات۔

۱۵۔ اس نظم سے جو تمام صنعت ہائے منقوط تجنیس و ترصیع میں ہے۔ لطف و حظ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ پشتو نہ پڑھ سکنے والے قارئین کرام بھی مقدمہ میں رسم الخط کی بحث کی امداد سے اسے پشتو ہی میں پڑھنے کی کوشش کریں۔

۱۶۔ ''بتے'' ''جمع ہے'' ''بتہ'' کی جو مونث بت ہے۔ مراد حسین و جمیل لڑکیاں ہیں۔

۱۷۔ پہلے چین سے مراد ملک ہے اور دوسرے مصرعہ میں ''چین'' سے مراد شکن، در شکن ہے

شعر میں ایہام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشک چین کی پٹھانیوں کی زلفوں کے سامنے کچھ قدر و قیمت نہیں۔

۱۸۔ یہ لفظ بہ قید قافیہ استعمال ہوا ہے۔ سوائے اس نظم کے خان نے سارے دیوان میں کہیں بھی پښتون یا افغان کی جگہ پٹھان کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ پشتو میں لفظ "پېتانه" (پٹھان) شاذ و نادر ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس نظم کے علاوہ اگر میں نے کہیں ترجمے میں "پٹھانیاں" یا "پٹھانیوں" لکھا ہو تو قارئین یہ خیال نہ فرمائیں کہ اصل میں بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ افغان کے لئے اردو میں "افغانن" بطور مونث اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ خود پشتو میں بھی "افغانہ" (پشتو طریقے سے مونث افغان) مستعمل نہیں۔ پشتو میں "پښتنه" مونث پښتون مستعمل ہے۔

۱۹۔ "ممانہ" بھی گرگرہ کی طرح سیاہ رنگ کا ایک پہاڑی میوہ ہے جو بیر بلکہ "گرگرہ" سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔

۲۰۔ "غزال" کے ل پر فتح تانیث کے لئے ہے۔

۲۱۔ دوسرے "خوشحال" پر فتح ندائیہ ہے۔

۲۲۔ "لښتے" (لختے یا لشتے) کانوں کا ایک زیور ہے جس میں چھوٹی چھوٹی نوکیں ڈنگ کی مانند ہوتی ہیں۔ لفظ "لښتے" واحد و جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ یہاں بصیغہ جمع ہے۔

۲۳۔ اس بحر اور قافیہ و ردیف میں خان کے ایک ادبی جانشین پیر محمد کاکڑ نے بھی ایک غزل لکھی ہے جس کا مطلع ہے:

واړه شونډې ئې شکرې نه دي څه دي؟	اس کے دونوں ہونٹ شکر نہیں تو کیا ہیں؟
قند د یار خوږې خبرې نه دي څه دي؟	یار کی میٹھی باتیں قند نہیں تو کیا ہیں؟

اور مقطع ہے:

سرغنې ئې چې بنګړيې په چار ګل کښې	اس کے چار گل (ناک کا زیور) کے سرخ نگینے
پیر محمد ته سرې ښبرې نه دي څه دي؟	پیر محمدؒ کے لئے سرخ بجزیں نہیں تو کیا ہیں؟

مطلع تو دونوں اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ لیکن خان کے مقطع میں جو رعایات اور نزاکتیں ہیں وہ پیر محمدؒ کے مقطعے میں کہاں۔ بجزیں۔ انکے رنگ کی سونے کی لختے کی نوکوں کی بجزوں کی نوکوں سے مشابہت اور ڈنگوں کا دل میں چبھنا یہ سب باتیں خان ہی کے مقطع میں ہیں۔ پیر محمد کا مطلع بھی خان کے مطلع سے متاثر ہے۔ باقی اشعار میں بھی خان کا اثر نمایاں ہے۔

(۸)

مصور و مفسر فطرت

خان علیین مکان نے جہاں اخلاقیات و سیاسیات اور انسان کی حیات انفرادی و اجتماعی کے متعلق حکمت و دانش کے موتی لٹائے اور قومیت و وطنیت کے پر جوش اور ولولہ انگیز نعرے لگائے اور حسن و عشق کے میٹھے (اور شاندار بھی) گیت گائے اور پیارے راگ الاپے ہیں۔ اس نے وہاں فطرت کے چہرے سے نقاب اٹھا کر اس کے خط و خال کی تصویر بھی کھینچی ہے۔ خان نے چہرۂ فطرت کے حسین و جمیل رخ کو بھی ظاہر کیا ہے اور اس رخ کو بھی دکھایا ہے جو بظاہر نازیبا دکھائی دیتا اور ناخوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ فطرت کے متعلق ایک ایک دو دو اشعار متفرق نظموں میں بھی کہے ہیں اور ان کے علاوہ متعدد پوری نظمیں بصورت غزل، قصیدہ و رباعی بھی فطرت کی عکاسی کرنے کے لیے لکھی ہیں۔ یہ نظمیں نوروز و بہار آمد زمستان کوہ و میدان میں شکار، ایک محل اور اس کے باغات و انہار، تندرستی و بیماری، پیری قحط و وبا اور موت وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض نظمیں پوری اور بعض میں سے اشعار منتخب کر کے ہدیۂ قارئین کرام کیے جاتے ہیں۔ جن سے امید ہے کہ خان کی نیچرل شاعری کے متعلق اندازہ کر لیا جائے گا۔ سب سے پہلے ایک نوروزی قصیدہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے:

(۱)

د نوروز منت په باغ دے په صحرا هم — نوروز کا احسان باغ و صحرا پر یکساں ہے۔

نوراني ئ شي له فيضه هغه دا هم — وہ بھی اور یہ بھی اس کے فیض سے نورانی ہو جاتے ہیں۔

مصرعِ اولیٰ کی ابتدا میں 'نوروز' اور دوسرے مصرعہ کے بھی شروع میں 'نورانی' نے شعر کو بہت پر لطف بنا دیا ہے۔ اسی طرح پہلے مصرعہ میں باغ و صحرا کے ذکر کے بعد دوسرے مصرعہ میں 'هغه دا هم' (وہ بھی اور یہ بھی) نے جو لطف پیدا کیا ہے اس کا حظ پشتو ہی سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

نورانی کی حرکت نہ تو کلیات اور نہ ہی دیوان میں واضح ہے۔ اگر اسے بہ فتح نون پڑھا جائے تو شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ نوروز کے فیض سے باغ و صحرا میں یکساں غنچے ہویدا ہوتے ہیں اور شگوفے کھل جاتے ہیں کیونکہ 'نور' کے معنی غنچہ و شگوفہ کے ہیں۔ اگر بہ ضم نون پڑھا جائے تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ نوروز کے فیض سے باغ و صحرا روشن و منور ہو جاتے ہیں۔ شاید بعض حضرات کو

نوروز سے باغ وصحرا کا روشن و منور ہونا ٹھیک معلوم نہ ہو کیونکہ سطحی نظر سے نوروز کے باغ وصحرا میں روشن کرنے کا کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ مگر ذرا غور کرنے سے فوراً دکھائی دے گا کہ نوروز کا ظاہرو باہر پھول ہی تو باغ وصحرا کی روشنی وتنویر کا سبب ہیں۔ نو بہار کا ذکر اکثر فارسی اور اردو شعراء نے کیا ہے اور پیش نظر شعر کے علاوہ اس کی کئی اور مثالیں خان کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ صرف نارنج "ہرے درختوں میں آگ" کا سماں پیش کر کے روشنی پیدا کرتے ہیں بلکہ ہر پھول خواہ وہ نارنجی یا سرخ ہو یا کسی اور رنگ کا نہایت ہی حسین وجمیل طریقہ سے ظہور نور کا سبب بنتے ہیں۔ یوں تو ہر رنگ کا تعلق ونسبت روشنی سے ظاہر ہے مگر پھولوں کے رنگوں کی روشنی کچھ بہت پیاری ہوتی ہے۔ ہم بھی چراغاں کرتے ہیں مگر ہمارے چراغاں میں وہ بات کہاں جو قدرت کے چراغاں میں ہے۔ اس پیارے چراغاں کی کتنی ہی پیاری تصویر خان کے ایک ایرانی نژاد ہم عصر شاعر محمد قلی سلیم نے کھینچی ہے:

نوبہار است و چمن در پے سامان گل است
ابر بر روئے ہوا در چراغان گل است

خان فیض نوروز سے باغ وصحرا کے روشن ہو جانے کے ذکر کے بعد دوسرے شعر میں عالم رنگ اور اس سے آنکھ جو آلہ نور ہے کی فیض اندوزی کا ذکر کرتا ہے:

چې باغ کښې رنګارنګ ګلونه واشي	جب باغ میں رنگارنگ پھول کھلتے ہیں
...ست ده د ګلونو تماشا هم	تو اس وقت پھولوں کا تماشا بھی ایک کتنی بڑی غنیمت ہے۔

یہ شعر بہت ہی سادہ اور بے تکلف ہے اور اس میں کوئی خاص بات چھپی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ ذکر عالم نور، عالم رنگ اور اس سے آنکھ کے فیض اندوز ہونے کا پے بہ پے ذکر شاعر ایک انبساط کا سماں پیدا کر رہا ہے۔

پہلے اور دوسرے شعر میں بالترتیب عالم نور اور عالم رنگ کے ذکر کے بعد تیسرے شعر میں عالم بو کا ذکر ہوتا ہے:

نسیم د نوبهار به هر مشام خي	نوبہار کی نکہت ہر مشام میں پہنچ رہی ہے
... تړله وي پیر و برنا هم خلوي	بوڑھے اور جوان سب یکساں اسکے گلدستے اکٹھے کر رہے ہیں۔/ لیے اچھالتے پھر رہے ہیں۔

جب رنگارنگ پھولوں کا ذکر کیا جن کے رنگ ہی صرف مختلف نہ تھے بلکہ ہر ایک کی نکہت بھی جدا تھی اور باوجود علیحدہ علیحدہ ہونے کے بھی باغ اور ہر ایک گلدستہ کی بھی ایک مجموعی

خوشبو ہو جاتی تھی۔ تو اس لیے ہر ایک مجموعی خوشبو کو لخلخہ کہنا ہی موزون تھا۔ جو چند خوشبوؤں کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ پھر لخلخہ کا پشتو طریقہ سے جمع ہو جانا ایک تو اس عربی لفظ کو بالکل افغانی رنگ دے دیتا ہے اور اس کے علاوہ لخلخہ کے جمع ہو جانے سے شعر میں ایک اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ لخلخہ مجموعی خوشبو ہے لیکن گلدستہ ایک نہیں کئی گلدستے ہیں۔ خوشبوؤں کا مجموعہ ایک نہیں کئی مجموعے ہیں۔ متعدد گلدستوں کے بننے سے مختلف مجموعے اور اس طرح مختلف خوشبوؤں کے مختلف انداز میں ملنے سے کئی متنوع لخلخے تیار ہو جاتے ہیں۔ لخلخہ کے جمع ہو جانے سے نہ صرف مفرد خوشبوؤں بلکہ مجموعہ ہائے خوشبو کی بھی کثرت یہ تنوع ظاہر ہوتی ہے۔

خان نے اپنے کلام میں اور جگہ بھی لخلخہ اور لخلخے کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور اپنی اپنی جگہ بہت خوب ہیں مگر یہاں جو لطف لخلخے کے استعمال نے پیدا کیا ہے وہ کچھ اپنی مثال آپ ہی ہے۔

(۵۰۴) پھولوں میں نور اور رنگ و بو کے علاوہ ایک اور صفت بھی ہے جسے حسن و زیبائی کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم پیلا رنگ کی چیزوں میں دیکھتے ہیں بسا اوقات یہ ناخوشگوار بلکہ ناگوار بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک پیلا پھول محض رنگ اور روشنی ہی نہیں ہوتا وہ حسین و جمیل بھی ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل شعروں میں خان پھولوں کے حسن کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ انسانی حسن کے ساتھ ان کی مصاحبت کا ذکر کر کے ان کی اہمیت اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ وہ پھولوں کا ہاروں کی صورت میں دلبروں کے گلوں میں اور سینوں پر پڑے رہنے اور کبھی معشوقاؤں کی زلفوں اور ''اوربلوں'' میں جاگزیں ہونے کی تصویر کھینچ کر پھولوں کے ساتھ ہماری محبت اور انس میں ہماری دلچسپی کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ مندرجہ ذیل دو شعروں میں حسن انسانی اور حسن فطرت کی اس مصاحبت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

د گلونو هار په غاړه د دلبرو	دلبروں کے گلے میں پھولوں کے ہار
شرموي لعل و یاقوت لؤلؤ لالا هم	لعل و یاقوت اور لولوئے لالا کو شرماتے ہیں
د معشوقو په زلفینو کښې ځاي وکا	حسین پھول معشوقوں کی زلفوں میں جگہ کر لیتے ہیں
ښائسته گلونه پاس په اوربل لا هم	اور تو اور اوپر اوربل (۱) تک بھی جا پہنچتے ہیں۔

خان نے جس خوبی سے حسینوں کے میل جول کی یہ تصویر کھینچی ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ دوسرے شعر کے مصرعہ ثانیہ پاس (اوپر) اور لا نے شعر کو اعجاز بنا دیا ہے۔ کہتا ہے کہ پھولوں کا اوج

قسمت اور بلندیٔ اختر دیکھیے کہ معشوقوں کے گلوں میں اور ان کے سینوں پر تو چڑھے ہوئے ہی تھے
اور زلفوں میں بھی جگہ جگہ مقام کر لیا تھا۔ مگر ان کے اور بلوں میں گھر کر کے ان کی چاند جیسی جبینوں
پر بھی جا گزیں ہو گئے۔ دوسرے شعر کے مصرعہ ثانیہ میں لفظ 'لا' سحر شعر ہے اور پشتو داں حضرات
بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا صحیح ترجمہ اس کے حسن وخوبی کے ساتھ ناممکن ہے۔ لفظ مسترد کا
استعمال اس کے معنی اور حسن وخوبی کے اظہار کے لیے کافی نہیں۔

پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں 'لعل' 'لولو' سے 'لالا' اور دوسرے شعر کے مصرعہ ثانیہ میں
'لا' سے شعروں میں تجنیس بھی پیدا ہو گئی ہے جو بہت پر لطف معلوم ہوتی ہے۔

(۶) ہم پھولوں کے حسن کا ذکر کر چکے ہیں اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ایک پیلا پھول
محض روشنی اور رنگ ہی نہیں ہوتا وہ حسین وزیبا بھی ہوتا ہے اور صرف پیلا نہیں، نیلا، سفید، سرخ،
گلابی اور ایک سے زیادہ رنگ والا ہر ایک خوبصورت ہوتا ہے اور پھر ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں
زیبا ہوتا ہے۔ اور پھر ایک رنگ میں تو صرف ایک ہی قسم کے پھول نہیں ہوتے کئی قسمیں ہوتی
ہیں۔ اور ہر ایک قسم کا اپنا اپنا حسن ہے اور اپنا اپنا انداز۔ پھولوں میں زیبائیوں کی ایک دنیا ہے۔ یہ
دنیا بھی بالکل ایک نئی زیبائی ہے۔ یہ حسن یہ زیبائی ان گنت پھولوں کے مجموعہ کی مجموعی زیبائی سے
پیدا ہوتی ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ "ایمرجنٹ" حسن ان سب زیبائیوں کا محض مجموعہ ہی نہیں بلکہ
مجموعی زیبائی اور یہ پیداوار علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ پیداوار بالکل ایک نیا حسن ہے۔ یہ اس مجموعی
زیبائی کی پیداوار ہو کر بھی ایک نئی اس سے بالکل الگ ایک اور زیبائی ہے۔ خان کی نظر میں حسن
گل کے یہ سب انداز تھے۔ وہ پھولوں کے جداگانہ حسن، یکجائی حسن اور اس سے پیدا ہونے
والے نتائج سب کو دیکھ رہا تھا:

ارغوان کہ بنفشہ کہ شقائق دي — ارغوان بنفشہ اور شقائق
زیبائي لري یو خاے جدا جدا هم — یکجائی اور جداگانہ زیبائی رکھتے ہیں۔

یہاں شقائق کے لفظ میں بہت بڑی خوبی ہے۔ اگر کہا جاتا کہ 'ارغوان کہ بنفشہ
دي کہ لالہ دي' تو مصرعہ تو 'کہ' کو تیسری بار لانے سے موزوں ہو جاتا مگر صرف یہی نہیں کہ
مصرع کی بندش سست پڑ جاتی بلکہ پھولوں کی دنیا میں سے صرف تین یعنی ارغوان، بنفشہ اور لالہ ہی
کا ذکر ہو جاتا۔ شقائق کے استعمال سے ارغوان و بنفشہ کے علاوہ لالہ کے ساتھ ہی باقی سب
پھولوں کا ذکر بھی ہو گیا۔ کیونکہ شقائق لالہ کو بھی کہتے ہیں اور مطلق پھول کے معنی میں بھی آتا

(۲)

ہے۔ حسن، حسن انسانی اور حسن فطرت کی مصاحبت اور حسن گل

(۷۔۸) نور اور رنگ و بو کا ذکر کیا۔ حسن گل کی عکاسی کے بعد اب عالم گل میں واردات عشق کا ذکر ہوتا اور ساتھ کے اطوار کا بیان ہوا۔

ہی اس کی موسیقی کا بھی تھوڑا سا بیان آ جاتا ہے:

په هر ګل بانديې سينه (تټه) موږي بلبله
بيا له شوقه په هوا کاندې نوا هم

ہر ہر پھول کو بلبل گلے سے لگاتا
اور پھر وفور شوق سے ہوا میں محو نوا ہوتا ہے

د هر ګل په مخ چې سر کيږدي بلبله
بيرې غلطان غلطان راځي باد صبا هم

(اور) جونہی کسی پھول کے رخ زیبا پہ بلبل اپنا سر رکھتا ہے
تو باد صبا بھی غلطاں غلطاں انکی طرف چلی آتی ہے۔

پھول سے انسان کو فطری محبت ہے جو انسان پھول کو نہ چاہتا ہو اسے کور ذوق اور بدذاق سمجھا جائے گا، ہر انسان سے اس لیے پھول سے بھی جو حسین ہے۔ محبت و رغبت اچھے مذاق اور سلامتی ذوق کی دلیل ہے۔ انسان جو ہمارے ہم مشرب ہیں، جن کا مذاق ہمارے ساتھ ملتا ہے اچھا اور باذاق سمجھنا اور ان کے معاملات میں دوستانہ دلچسپی لینا ہماری فطرت کا تقاضا ہے۔ ہمارے فارسی، پشتو اور اردو شعراء نے گل و بلبل دونوں کو یکساں دلچسپی کا اظہار کر کے ایک فطری تقاضے کو پورا کیا ہے۔ البتہ جس طرح ہر چیز کا افراط برا ہے اسی طرح گل و بلبل کے معاملات ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنا کر ادب کو اس کے لیے وقف کر دینا بھی غیر مستحسن ہے۔

اور مندرجہ ذیل چار اشعار ان حالات کے آئینہ دار ہیں جن میں یہ غیر فانی نظم لکھی گئی:

(۹)

په ګلزار پسې بلبله زړه کباب ده
په ارمان ئې ځګر خون دے د مينا هم

گلزار کی جدائی میں بلبل کا دل کباب
اور اسکے ارمان میں مینا کا جگر خون ہو رہا ہے۔

(۱۰)

څوک په عيش په عشرت کښې څوک په غم کښې
خنې ښه چارې ليدۀ شي په دنيا هم

کوئی تو عیش و عشرت میں اور کوئی غمزدہ ہے
اس دنیا میں بھی طرح طرح کے رنگ دکھائی دیتے ہیں
اس دنیا میں بھی عجیب کیا رنگ دکھائی دیتے ہیں

(۱۱)

د قفس بلبله زارې ګريانې کا
چې به چرې په ګلګشت والوځي بيا هم

قفس کا بلبل نالاں و گریاں ہے کہ
پھر بھی کبھی اسے پھولوں کی سیر اور ان پر پرواز نصیب ہوگی۔

(۱۲)

په هغو د ما سلام ما دې هم ياد کا — وہ جنہیں گلزار میں صحبت نگار وصہبا میسر ہے

په گلزار کښې چې نګار لرې صهبا هم — ان پر میرا سلام وہ بھی مجھے یاد کریں۔ (۲)

اس نظم کے چند رباعیاں ملاحظہ ہوں:

(۱)

ساقي راپاڅه چې بيا نوروز راغلے — ساقی اٹھ کہ نوروز آن پہنچا

ګل په ګلشن کښې جهان افروز راغلے — اور پھول جہان افروز بن کر باغ میں آیا

غم دې په برخه د دښمنانو دے — غم دشمنوں کے حصہ میں آئے

فال د دوستانو عجب فيروز راغلے — دوستوں کا فال تو عجب مبارک آیا ہے۔

(۲)

په باغ کښې ګوره لاله ګلونه — باغ میں لالہ کے پھولوں کو دیکھو

ياقوت پيالې دي غواړي ملونه — یاقوتی پیالے ہیں جو شراب چاہتے ہیں

ساقي راپاڅه تر دا د پاسه — اے ساقی اٹھ کہ ایسے میں

بې مېو نشته تحملونه — بن شراب نہ بن سکے گی۔

(۳)

ګلزار ته راغله ګلونه چونې — وہ جسکے چہرے کے سامنے گلہائے لالہ بھی بے آب و تاب ہوجاتے ہیں

ترمخ ئې نه دي لاله مخ روښې — جب [illegible] کے بعد

چې کور ته درومي له ګلستانه — گھر جاتی ہے

ګل ئې لمن نيسي لاله لستوني — تو گلاب اس کا دامن اور لالہ [illegible] پکڑتا ہے۔

(۴)

ګل شوې د خوړې د بن پلوسې — خوڑہ کے جنگل کی پچلائیاں سرتا سر پھول [illegible] ہیں

خوشحاله ولې بې ګشته اوسې — اے خوشحال ایسے میں کیوں سیر نہیں کرتے

ګشت د ګلونو ښکار د بازونو کړه — پھولوں کی سیر اور بازوں کے ساتھ شکار کرو

چې کور ته ډيرې خوښۍ يوسې — تاکہ بے شمار خوشیاں لیے گھر واپس جاؤ۔

شہنشاہ شاہ جہان کے خسر میرزا ابوالحسن یمین الدولہ آصف خان خانان نے دہلی، آگرہ اور کشمیر میں کئی عمارات و باغات لگائے تھے۔ ایک حویلی لاہور میں بیس لاکھ روپے کی تیار کرائی تھی۔ جو خان مذکور کی وفات کے بعد شہنشاہ نے بادشاہزادہ دارا شکوہ کو عنایت کردی تھی۔

انہی عمارات میں سے ایک عالی شان عمارت اور اس کے باغات و انہار اور دلفریب مناظر کے متعلق خان علیین مکان نے ایک قصیدہ اکتیس اشعار پر مشتمل کہا ہے۔ قصیدہ کے تیسرے اور چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت کی حدود ہی میں تصنیف ہوا۔ اس قصیدہ کے چند منتخب شعر ہدیۂ قارئین کرام ہیں:

(۱)

چې موسم مې د ګلونو د ګلزار شي	جب گل و گلزار کا موسم آتا ہے
نرم نرم ترشح په مرغزار شي	تو مرغزار پر ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگتی ہے۔

(۲)

د هغه له بخته څوک برابر به کا	اس کے بخت کی کون ہمسری کر سکتا ہے
چې په هسې وخت ئې سیر په ګلزار شي	جسے ایسے میں سیر گلزار نصیب ہو۔

(۳،۴)

نن زما طالع له ما سره مدد کا	آج میرا بخت میرے ساتھ ہے
بخت دې هر کله دا هسې مدد ګار شي	اور سدا یونہی میرے ساتھ رہے۔
چې مې ناسته د صورت په هسې ځاے ده	کہ مجھے ایسی جگہ بیٹھنا نصیب ہوا
چې ثنا ئې په ټول د هندو بار شي	جس کی ہندوستان بھر میں تعریفیں ہو رہی ہیں۔

(۵)

په چمن کښې ئې اوبه درومې رواني	چمن چمن میں پانی رواں ہے
په سبزه باندې ناري د جونبار شي	اور سبزہ پر ندیاں گاتی ہوئی بہہ رہی ہیں۔

(۶)

په دا هسې پاکیزه اوبو سلسالو	(یہ جگہ) اپنے پاکیزہ و صاف شفاف تیز پانی کی وجہ سے
شمعات ئې د کشمیر په شالامار شي	کشمیر کے شالامار کو بھی مات کر کے اترا رہی ہے۔

(۷)

د سړي سترګې روښانه زړه ئې ښاد کا	آدمی کی آنکھیں روشن ہوتی اور جی خوش ہوتا ہے
چې اوبه د فوارو سره تار تار شي	جب فواروں کا پانی اوپر اٹھ کر تار تار ہوتا ہے۔

(۸)

چې له پاسه نه اوبه راځي په ښکته	اور پھر جب اسے نیچے آتا دیکھو
وایې سپینې مرغلرې دې نثار شي	تو کہو گے کہ موتی نچھاور ہو رہے ہیں۔

(۹)

هغه ځاے چې د مرمرو فوارې دې	جہاں مرمریں فوارے اپنی بہار دکھا رہے ہیں

تر غه ځای دې د ارم تماشا خار شي — تماشائے ارم بھی اس جگہ کے نظارے کے قربان۔

(۱۰)

نه به وایې د اسمان تنه غوزار شوه — آبشار کے پانی کو اوپر سے نیچے آتا دیکھ کر کہو گے

چې اوبه ئې راروانې د ابشار شي — کہ آسمان پانی بن کر گرتا چلا آرہا ہے۔

(۱۱)

چې په سر ئې د حوضونو شوک ګزر کا — حوضوں پر چلتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ

وائې پاس په آئینو باندې رفتار شي — شاید آئینوں پر گزر ہو رہا ہے۔

(۱۲)

مرغابۍ ئې په حوضونو کښې غوټې کړي — حوضوں میں مرغابیاں غوطے لگا رہی ہوتی ہیں

د محل په خوا کښې ناست د بازو ښکار شي — اور محل کے قریب باز کے شکار کا لطف اٹھایا جاتا ہے۔

(۱۳)

نه به وائې د نمرود د اور لمبې دي — سرخ لالہ کو چمن میں بکھرا ہوا دیکھ کر کہو گے

سره لاله چې په چمن کښې انتشار شي — کہ یہی تو نمرود کی آگ کے شعلے ہیں۔ (۴)

(۱۴)

په اطراف د هر چمن شګفته شوي — اور ساتھ ہی جس چمن کو دیکھو ہر طرف

د زنبقو د سوسنو هم دیدار شي — چنبیلی اور کنول اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔

(۱۵)

په دا باغ کښې د ګلونو کمے نشته — اس باغ میں پھولوں کی کمی نہیں

دا همه واړه د چا په ژبه شمار شي — بھلا سب کو کس کی زبان گن سکتی ہے۔

(۱۶)

که صدبرګ که بنفشه که ارغوان دي — گیندے، بنفشہ اور ارغوان ہیں

د هر ګل په ننداره خاطر قرار شي — جسے بھی دیکھیں جی باغ باغ ہوتا ہے

(۱۷)

د هغې صناع تر صنع صدقه شم — اس صانع کی صنعت کے قربان جائیے

چې ئې هسې د قدرت په لاس نګار شي — جس کے ید قدرت کے یہ سب نقش و نگار ہیں۔

(۱۸)

زاړه ونې ئې اسمان سره سیالي کا — یوں تو اس باغ کے سارے درخت سر بفلک ہیں

ولې فرق پکښې د ونې د چنار شي — مگر چنار کا درخت ان سب میں ممتاز ہے۔

(۱۹)

په هزار رنګه نوا شي د مرغونو — جب چناروں میں پرندے اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں

هغه دم چې په چارو کښې چغار شي
تو ہزاروں قسم کی موسیقی سننے میں آتی ہے۔
(۲۰)

د مرغونو د نوا له موجه شوري
اور درخت پرندوں کی موج نوا سے جھومتے اور ناچتے ہیں
نه له ساده شور بدله دا اشجار شي
نہ کہ ہوا سے ہلتے ہیں۔ (۵)
(۲۱)

دا مکان به د بهشت سره داخل کا
اگر رضوان کو اس مکان کی مسرتوں کا علم ہو جائے
که رضوان ئ له نشاطه خبردار شي
تو اسے بہشت میں داخل کرلے۔

مندرجہ بالا انتخاب کا اکیسواں شعر قصیدہ کا ستائیسواں شعر ہے۔ اٹھائیسویں شعر میں کہتا ہے کہ اس عمارت کی کما حقہ تعریف و توصیف حد بیان سے باہر ہے۔ اور باقی تین شعروں میں بانی عمارت کا ذکر اور قصیدہ کی تصنیف کا سال و تاریخ ہے۔ (۶)

گلہائے بہار کو اکثر شعراء نے عمر بسر کردہ حسینوں سے تشبیہ دی ہے۔ انہوں نے مختلف انداز میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حسین بعد از مرگ پھولوں کی صورت اختیار کر کے نمودار ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں مرزا غالب مرحوم کی ایک غزل کا مطلع ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

خان نے بھی اس مضمون میں کئی شعر کہے ہیں۔ اس جگہ صرف ایک ہدیۂ قارئین کرام کرتا ہوں:

ښکلي دي که ګوري چې مخ پټ کله څرګند کا
ذرا دیکھئے تو یہ زمین سے جو پیدا ہوتے ہیں

ګل د بهار نه دي چې را زيږي له زمينه
بہار کے پھول نہیں بلکہ حسین ہیں جو کبھی اپنے چہرے دکھاتے اور کبھی چھپاتے ہیں۔

گلہائے بہار کا موسم بہ موسم نکلنا اور چھپ جانا حسینوں کے انداز سے جس قدر مشابہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اس قسم کے اشعار اکثر درس و عبرت کے طور پر کہے گئے ہیں مگر خان کا شعر کچھ ایسا سماں پیش کرتا ہے کہ معشوق یکسر پھول اور پھول معشوق نظر آتے ہیں۔ اور ان کے طرح طرح کے ناز و انداز اور شیوے اور کرشمے آنکھوں میں پھر جاتے ہیں۔

فطرت کے حسن و جمال کے متعلق خان کے اشعار اس کے کمال فن اور بلاغت فکر و سخن

کے علاوہ حسن فطرت کے ساتھ اس کی گہری دلچسپی اور وافر محبت کا نتیجہ ہیں۔ یہاں تک کہ خان "دورِ نشاطِ گل" کو عین حیات سمجھتے ہوئے عہد بہار کے گزرنے کو عمر کے گزرنے سے تشبیہ دیتا ہے چنانچہ کہتا ہے:

وقت بہاری رود بلبل خوشنوا بخوان

دورِ نشاطِ گل چو عمر ہیچ وفا نمی کند

عمر کے گزرنے کو فصل گل کے گزرنے سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ بہار بھی تھوڑے عرصے کے لیے ہوتی ہے اور عمر بھی یوں گزرتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا اور ختم ہونے کو آ جاتی ہے۔ مگر خان وقت بہار اور نشاطِ گل کی بے وفائی اور عمر کی بے وفائی کو کچھ اس انداز سے مشابہ کر دیتا ہے کہ نشاطِ گل ہی حاصل عمر بلکہ عین عمر دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہی نہیں کہا کہ زمانہ زندگی کی طرح عرصہ فصل گل تھوڑا ہے بلکہ دورِ نشاطِ گل کیا گزرتا ہے کہ زندگی بیت جاتی ہے۔ پھول کی بے وفائی ایسی محسوس ہو رہی ہے جیسی عمر کی۔ دونوں ایک چیز ہیں:

اور یہ تین شعر پشتو کی مختلف غزلوں کے ملاحظہ ہوں:

که همه عمر د باغ گلونه گورم	اگر ساری عمر باغ کے پھول دیکھتا رہوں
زما خوا به پرې سره نه شي هنوز	ان کی سیر سے میری طبیعت سیر نہ ہوگی۔
ارمان دادے چې به زه همیشه نه یم	افسوس ہے کہ میں ہمیشہ نہ ہوں گا
همیشه به سره گلونه کال په کال شي	اگرچہ لال پھول ہمیشہ کھلتے رہیں گے۔

گلہائے لالہ کے پودوں سے جھڑنے کو ایک حادثہ عظیم سے تشبیہ دیتا ہے:

چې نغنه د لغړ گرمه سیلی شي په چمن کښې	جب اساڑھ کی لو چمن میں چلنے لگتی ہے
گلونه د لاله لکه بادشاه پریوځي له تخته	تو لالہ کے پھول بادشاہ کی طرح تخت سے گرنے لگتے ہیں

"له تخته پریوتل" یعنی "تخت سے گرنا" تخت و تاج سے محروم ہونے کے معنی دیتا ہے۔

اب آمد زمستان کے متعلق خان علیین مکان کے ایک قصیدہ سے جو ۲۷ اشعار پر مشتمل ہے چند چیدہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ جو خان کی رومانیت و عسکریت اور شوق شکار کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے علاوہ موسم خزان کے پھولوں کا ذکر بھی اس نظم میں موجود ہے۔ جس سے پھولوں کے ساتھ خان کی محبت آشکارا ہوتی ہے۔

(۱)

چې تحويل شي د ميزان — جب سورج برج میزان میں داخل ہوتا ہے۔

نو څرګند کا زمستان — تو زمستان (جاڑا) اپنا نشان (جھنڈا) دکھاتا ہے۔

(۲)

نو ځکه د سهيل ستورے — اس کا نشان سہیل ستارہ ہے

چې ښکاره شي په اسمان — جو (اس وقت) آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔

(۳)

د غارمه په رنځ رنځور وي — دنیا جو دھوپ کی شدت سے بیمار ہوتی ہے

بيا تندرست شي دا جهان — پھر سے تندرست ہو جاتی ہے۔

(۴)

د خوړو لذت پيدا شي — کھانا مزہ دیتا ہے

اوبه ولګي په ځان — اور پانی جان کو فرحت و تازگی بخشتا ہے۔

(۵)

غېږ په غېږ سره نښتے شي — مشتاق باہم لب بلب

لب په لب شي مشتاقان — اور سینہ بسینہ ہو کر لپٹتے ہیں۔

(۶)

د جامې قدر څرګند شي — ان کو کپڑے اچھے

زين قبول کا عراقيان — اور گھوڑوں کو زین قبول کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔

(۷)

نه په زغره خوان خبر وي — جوان کو زرہ بکتر کی خبر تک نہیں ہوتی

نه اس دروند په برګستوان — اور گھوڑا برگستوان سے بوجھل نہیں ہوتا۔

(۸)

چې د ښکار هوسناکي کا — شکار کے شائقوں کے لیے

پرې ښادي شي دا آوان — یہ وقت سراپا خوشی بن کر آتا ہے۔

(۹)

د شمال مرغونه واړه — شمال کے سارے پرندے

په جنوب شي راروان — جنوب کی طرف آنے لگتے ہیں۔

(۱۰)

نوے باز راشي له سواته — سوات سے نیا باز

لکه بنه سيلي جوګيان — سیاحت پسند جوگیوں کی طرح آتا ہے۔

(۱۱)

دسپوږمۍ په شعله یون کا — چاندنی کی مشعل کے ذریعے

زیږ کا زالې په اسمان — کونجیں دو پنکھوں میں ہاتھ ہلاتی اڑتی ہیں۔

(۱۲)

لساز او بطې راخورې شي — قازیں بطخیں اور کونجیں ہر جانب

سم هیلۍ صد چندان — اڑتی چلی آتی ہیں۔

(۱۳)

زرکې کوزې شي وسمه — چکور میدانوں میں

په دانه د دهقانان — دانہ دہقان چگنے اتر آتے ہیں۔

(۱۴)

تڼارې لکه دوړسے — اور تیتر بھی

خان خرګنار کا په میدان — میدانوں میں نمودار ہو جاتے ہیں۔

(۱۵)

که شاهین که چرغ که باز وي — شاہین، چرغ اور باز

راځي واخلي میر ښکاران — کو شکاری اٹھا لیتے ہیں۔

(۱۶)

د صد برګ ګلونه واشي — گیندے کے پھول کھل پڑتے ہیں

په رنګ ښه وي تر زعفران — رنگ میں زعفران سے بھی بھلا لگتا ہے۔

(۱۷)

څوک د ښکار په هوس ګرځي — کسی کو تو شکار کا شوق لیے پھرتا ہے

څوک په سیر/سیل د بوستان — اور کوئی باغ کی سیر میں ہے

(۱۸)

عباسي په دوه درې رنګه — عباسی دو تین رنگوں

سپین او زیړ وي ارغوان — سفید، زرد اور ارغوانی میں اپنی بہار دکھاتا ہے۔

(۱۹)

د چنبې د ګلو بوئ څي — یوں محسوس ہوتا ہے کہ چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو

د هر بوټي تر ګریوان — ہر پودے کے گریبان سے آ رہی ہے۔

(۲۰)

د سبزې ئی تماشا وي — یوں تو ہر پودے کی ہریاول دیکھنے کی چیز ہے

لا په لېره د ریحان — مگر کیا کہنے ریحان کے۔

(۲۱)

په خوشحال دې قدر ډېر دے	اے سرخ ستارے خوشحال کی جان
بماني ستوريه خان خان	وہ تیری قدر جانتا ہے۔

(۲۲)

چې ديدن دې ور ښکاره شي	جب وہ تجھے دیکھتا ہے
نور به دۀ کړے حظ پريوان	تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں ہوتی۔

اور آخری شعر کی یہ چھوٹی نظم شکار کے متعلق ہیں:

چې زړۀ د چا ژوندے وي	زندہ دل کو
هغه مينه کا په ښکار	شکار سے محبت ہوگی
له ښکاره ئې څۀ کار دے	کہاں شکار
چې په زړۀ نۀ وي بيدار	اور کہاں مردہ دل
که ښکار که د مرغونو	اگر پرندوں کا شکار کرنا ہو
د بازونو دے ښکار	تو باز سے کیا جائے۔
د سپي په ښکار هم درومه	میدان و کوہسار میں
که ميدان دے که کوهسار	کتوں کے ذریعے بھی شکار کھیلا کرو۔
د غشي ښکار ډېر ښۀ دے	اگر کوئی شخص کمان کا (مضبوط اور طاقتور تیر انداز)
که باتور وي په ګوزار	تو تیر کے شکار کے کیا کہنے
که ښکار دے د ټوپک دے	اگر شکار ہے تو بندوق کا ہے
که پرې تۀ وکړې تلوار	اگر تم اسے پھرتی سے چلا سکو۔
نن خوشحال په دا دوه کاره	آج خوشحال ان دو کاموں میں
په جهان کښې دے اوخار	مشہور زمانہ ہے۔
د باز د ټوپک دواړه	باز اور بندوق کے شکار میں
هم په دا دے مينه دار	اور ان دونوں کا وہ عاشق ہے۔

جب رہائی کے بعد قیام ہندوستان کے دوران میں غرۂ رجب ۱۰۷۷ھ کو دہلی میں گھوڑے سے گر کر صاحب فراش ہوا تو اس موقع پر جو قصیدہ ۲ رجب کو کہا تھا اس کے بعض اشعار جو تندرستی اور بیماری سے متعلق ہیں۔ درج ذیل ہیں:

(۱) چې بهتر تر هر نعمت دے — وہ جو ہر نعمت سے بہتر ہے
که نعمت دے دروغ صورت دے — تندرستی کی نعمت ہے۔
(۲) چې ی دا نعمت روزي دے — جسے یہ نعمت میسر ہے
سر تر پا به عنایت دے — سراپا مورد عنایت ہے۔
(۳) که دې خان نه وي جهان وي — اگر تو نہ ہو اور دنیا ہو
په عدم ی اشارت دے — تو کالعدم ہے۔
(۴) دا جهان لکه معنيٰ شو — یہ جہان معنی
ستا وجود ی عبارت دے — اور تیری ہستی عبارت ہے۔
(۵) چې په خاے عبارت دے — عبارت کے زور سے ہی
د معنو هر زوره قوت دے — معنی زور پکڑتے ہیں۔
(۶) د صورت د خوشحالي — جسمانی خوشحالی
مدار واره په صحت دے — کا انحصار صحت پر ہے۔
(۷) چې صحت د صورت نه وي — جب تندرستی نہ ہو
ورنه خس مال و دولت دے — تو مال و دولت ہیچ نظر آتی ہے۔
(۸) رنځ په کور کښې هم بلا وي — بیماری گھر میں بھی بلا ہے
لا څه نور څه په غربت وي — اور پردیس میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔
(۹) آس چې ورو درومي په لارې — جب گھوڑا آہستہ جا رہا ہو
پرېواته خښې آفت دے — تو اس سے گرنا آفت ہے۔
(۱۰) پښه په هسې شان په درد شوه — میری ٹانگ یوں دکھ رہی ہے
چې تېرېږي يو ساعت دے — کہ وقت گزرتا دکھائی نہیں دیتا۔
چې د سر بلا په پښو شوه — سر کی بلا جو ٹانگوں پر آن پڑی
نو لا خير خيريت دے — تو یہ بھی غنیمت ہے۔
بس دا هم شکر باندے دے — اس حال میں بھی شکر ہے
بس تر تر بل زحمت دے — بدسے بدتر تکلیف موجود ہے۔

ہر سن رسیدہ انسان کی طرح بوڑھے شعرا نے اپنے اپنے انداز میں عہد شباب کی

مسرتوں کی یاد میں اظہار سوگواری کیا ہے۔ عہد شباب کی مسرتوں اور ایام جوانی کی قوتوں کو طرح طرح سے یاد کے ساتھ ہی بڑھاپے کی ناتوانی اور اس کی گوناگوں مصیبتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یوں تو کئی ایک شعرا کے متعدد شعر اس موضوع پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہاں خان علیین مکان کے کلام سے پہلے صرف اس کے ایک ایرانی الاصل ہندوستانی معاصر محمد علی ماہر کے ایک شعر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے جس میں شاعر نے تھوڑے الفاظ میں بہت اچھی طرح جوش و خروش وولولہ ہائے جوانی کا پیری کی بے چارگی اور بے بسی سے مقابلہ کیا ہے:

پیری کہ نشان ناتوانیست　　　خاکستر آتش جوانیست

خان نے عالم پیری کے متعلق متعدد اشعار و رباعیات کے علاوہ ایک پوری نظم (بصورت مسلسل غزل) بھی لکھی ہے جس میں بحیثیت ایک خان و سردار، متلاشیٔ مقاصد، عاشق اور شکاری بڑھاپے کی دشواریوں اور چیرہ دستی کا ذکر کیا ہے۔ وہ نظم ہدیۂ قارئین کرام ہے:

خبر ور څخه نه وم په څه خيال راغلـه پيري

مجھے یہ خبر نہ تھی کہ بڑھاپا کس خیال سے آرہا ہے

پـه لـوړو پـه ژورو دم درحال راغلـه پيري

دیکھتے دیکھتے ساری بلندیوں اور پستیوں پر چھا گیا

د ستر کو په جوهرو مي په 'سي' کښې راښکاره شوه (۸)

میرے مشک (سیاہ بالوں) اور موتیوں (دانتوں) کو تو اکیاون (برس کی عمر) میں لوٹ لیا

پـه مشکو پـه ګوهرو مي پـه 'کال' راغلـه پيري

اور میری آنکھوں کی روشنی پر ستر میں چھا گیا

تـر مـرګ خـه کـمـه نـه ده مـا ئ بنه نـنداره وکـره

میں اسے اچھی طرح دیکھ چکا ہوں کسی طرح بھی موت سے کم نہیں

پـه زور او پـه قـوت پـه ملک و مـال راغلـه پيري

جس نے زور و قوت اور ملک و مال کو آن دبوچا

پـه زړه چې را پـه يـادشي د خواني تلاشونـه

جب دل میں عہد شباب کی جستجو اور جدوجہد کا خیال کرتا ہوں

دا رو تـلاشـونـو پـانـمـال راغلـه پيري

تو اب وہ کہاں ان سب تلاشوں کو اس نے پامال کر ڈالا

د مخ ده کـه د تن ده کـه د لاسـو کـه د پښو ده

چہرے کا حسن اور بدن کی صحت ہاتھ پیر کی چستی اور پھرتی

د ګل وارو خـوبـو پـه زوال راغـلـه پیـري

بڑھاپا ان سب خوبیوں کا زوال بن کر آیا

اقبال پـه مثل ګل دے تن پـه مثل لکـه بوټے

بدن کی مثال ایک درخت کی ہے اور اقبال اس کا پھول ہے

په تن بانـدې چې راغلـه پـه اقبال راغلـه پیري

جب بدن پر آیا تو اقبال پر بھی بڑھاپا آیا

وردرومـه آینـې پـه یـوه کـنج د ځمکې پریوځه

اے آئینے آ جا اور ایک کونے میں پڑا رہ (۹)

د ښکلیو پـه جمال پـه خط و خال راغلـه پیري

کہ حسینوں کے خط و خال کو بڑھاپے نے مسخ کر ڈالا

چې جونـه وتـه ګوري خجالت ورخي پښـپلـه

لڑکیوں کو دیکھ کر خجالت ہوتی ہے

پـه عشق او محبت کښې انفعال راغلـه پیري

بڑھاپا عشق و محبت میں انفعال بن کر آیا ہے

نه ښکار شته نه ګزار شته اوس دې جور سلامت ګرځي

تورو (۱۰) پہاڑ کے بکرے بڑے اطمینان اور مزے سے

د تورو د غرہ بزونـه پـه خوشحال راغلـه پیري

بے خوف و خطر چلتے پھریں کہ خوشحال کو بڑھاپے نے آلیا۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض آدمیوں کا بڑھاپا جوانی و برنائی کے لیے بھی باعث رشک ہوتا ہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے ان کی قوت عمل زندہ دلی اور دیگر قوئی میں فرق نہیں آتا۔ اس قسم کا بڑھاپا بھی ایک عجوبہ ہوتا ہے۔ اور فطرت کی عکاسی کرتے وقت عام بڑھاپے کی عکاسی کی طرح اس قسم کے بڑھاپے کی عکاسی بھی ضروری ہے۔ نظیری نیشاپوری کا مندرجہ ذیل شعر اسی قسم کی

پیرانہ سالی کے متعلق ہے:

در پیری از ہزار جواں زندہ دل تریم

صد نو بہار رشک بر و بر خزان ما

خان علیین مکان کا بڑھاپا بھی اس کی شخصیت کی طرح خاص قسم کا بڑھاپا تھا۔ اس کی مندرجہ بالا غزل میں اس کے اعتراف ناتوانی کے باوجود بڑھاپے نے نہ تو بالکل خان کی زندہ دلی و رومانیت چھین لی تھی اور نہ ہی اس میں باز اور شیر کو بالکل دبا دیا تھا۔ قوت عمل کا تو یہ عالم تھا کہ میدان حیات میں اختتام حیات تک ہمیشہ حصول مقاصد کے لیے تگ و دو اور جد و جہد جاری رکھی اور تادم مرگ ہاتھ قبضہ شمشیر پر رہا۔ ایک رباعی میں جو عہد پیری کی یادگار ہے کہتا ہے:

وخت د پیری راغے خوشحالہ	وقت پیری آن پہنچا اے خوشحال
لا دې په زړه دي دا بو څو خياله	مگر پھر بھی تیرے دل میں یہ چند خیال ہیں۔
خيال د ننگونو خيال د جنگونو	ننگ و ناموس کی فکر اور لڑائی کی دھن
خيال د دلبرو لـه خط و خاله	اور ساتھ ہی معشوقوں کے خط و خال کا خیال۔

مندرجہ ذیل شعر قریباً تہتر سال (۱۱) کی عمر میں کہے گئے:

په بوسه د شکر لبو زوړ ځوانيږي	شکر لبوں کے بوسے سے بوڑھا جوان ہو جاتا ہے
دا خبره تجربه ده د خوشحال	یہ بات خوشحال کی آزمائی ہوئی ہے۔
باز له ښکاره نه وځي چې زوړ شي	باز بوڑھا ہو کر بھی اپنے شکار سے باز نہیں آتا
تر زاړه مزري ځاربيږه زوړ شغاله	جوان گیدڑ بوڑھے شیر کے قربان۔
خدايه هومره مهلت ورکړې په جهان کښې	اے خدا خوشحال کو اتنی مہلت دنیا میں دے دے
چې کاږه کارونه سم کاندي خوشحال	کہ وہ بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار لے۔

تہتر سال کی عمر میں خدا سے اس لیے آرزوئے حیات کرنا کہ "ٹیڑھے کاموں کو سیدھا کر لے" بہت بڑے عزم و استقلال اور غیر متزلزل قوت ارادی کی دلیل ہے۔

حصہ اول میں آپ سال ۱۰۸۸ھ کے قحط و خشک سالی کے متعلق ایک قطعہ کا کچھ حصہ پڑھ چکے ہیں۔ سال ۱۰۹۷ھ کے قحط اور وبا اور خان علیین مکان کو پیش آمدہ حادثات و مصائب کا ذکر بھی آپ حصہ اول میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مؤخر الذکر سال کے واقعات کا ذکر بھی خان نے ایک قطعہ (۱۲) اور ایک قصیدہ میں کیا ہے۔ قصیدہ کا معتد بہ حصہ حسب ذیل ہے:

دغه واص د کال وبا	سال ۱۰۹۷ھ کی وبا
خدای ئې مه راوله بیا	خدا اسے پھر نہ لائے۔
اکوړ خیل مې په کښې ومړل	میرے اکوڑ خیل [۱۳] اس میں مر گئے
لوی هلک مرد و نسا	چھوٹے بڑے مرد و زن۔
بخت ناک خان مې پکښې ومړ	میرے بخت ناک خان
مور ئې هم بوتله قضا	اور اس کی والدہ کو بھی قضا لے گئی۔
بیا هلک ئې وه راپاتې	اس کا [۱۴] ایک بیچارہ رہ گیا تھا
ورپسې شو زر فنا	وہ بھی ان کے پیچھے چل دیا۔
چا ته عرض کړم له دې غمه	میں کس کے سامنے روؤں
سود مې څه کوم دے د ژړا	میرے رونے سے کیا حاصل۔
لور په لور پړ دالمبو کښې	جس طرف دیکھوں شعلوں میں
عالم پروت په واویلا	ایک دنیا پڑی فریاد کر رہی ہے۔
تر دکنه تر کابله	دکن سے کابل تک
راخوره شوه دا بلا	بلا پھیل گئی۔
په لکونو عالم ومړ	لاکھوں لوگ مر گئے
ښهرونه شول صحرا	اور شہر صحرا بن گئے۔
اول قحط بیا وبا شوه	پہلے قحط اور پھر وبا آئی
په هر لوري وه غوغا	ہر طرف آہ و فریاد ہونے لگی۔
سرفراز د سعادت وه	سرفراز سعادت کا بیٹا تھا
ښه نمسے مې وه زیبا	میرا اچھا خوبصورت پوتا۔
تمام حافظ د درست قرآن وه	سارے قرآن کا حافظ
هم په خط کښې بې همتا	اور خوش نویسی میں بھی بے ہمتا تھا۔
ښکار سپے ئې وه ساتلے	اس نے شکاری کتا پال رکھا تھا
لیونے شو بې غوغا	جس نے باؤلا ہو کر بھونکنا چھوڑ دیا۔

خبره — بے کھٹکے اس پر ہاتھ پھیرنے لگا
لاس ئې وروړ ورپسې — کیونکہ اسے اپنا آشنا سمجھتا تھا۔
جې ګڼـــه ئې خپل آشنـــا — کتے نے اسے کاٹ کھایا
دې ئې وچيچـــه په لاسو — اور وہ لاعلاج اور لادوا ہو گیا۔
لا علـــــاج شـــو لا دوا — اس سال قضا نے
په دا کـــال د مـــا قضـــا کـــړو — بصد ارمان اسے مجھ سے جدا کر دیا۔
پـــه ارمـــان ارمـــان جـــدا — سال ۱۰۹۸ھ آیا وبا گئی
کـــال "حـــصـــغ" شـــو بـــا ولاړه — اور ساتھ ہی عسرت بھی رخصت ہوئی۔
هـم عسـرت کـــره راتـــه شـــا — اب مینہ برس رہے ہیں
بـــاراني شـــوه ـــه دي وربـــري — اور ہر طرف دنیا میں آبادی ہے۔
ودانـــي شـــوه پـــه دنـــيـــا — نہ سدا غم اور نہ ہی خوشی ہوتی ہے
نـــه تـل غـم وي نـــه ښادي وي — وہ اور یہ باری باری آتے ہیں۔
وار پـــه وار وي هـــغـــه دا — بہرحال شکر کرنا چاہیے
پـه هـر حـال شـکـر بـانـدې دے — کہیں بدتر نہ ہو جائے۔
جـې بـدتـره نـه شـي لا (۱۵)

اور اس باب کے آخر میں ایک قطعہ موت کے متعلق ملاحظہ ہو:

جې مرګ شته دے په دنيا کښې — جب دنیا میں موت ہے
ښادي نشته پــه جـهـان — تو خوشی کہاں۔
د خيال مرمـنـې جـونـه — اپنے حسن و جوانی پر مغرور دوشیزائیں
د دمـاغ خـبـتـن خـوانـان — اور نوجوان۔
هر جې راشي هسې درومي (۱۶) — جو بھی آتا ہے باغ کے پھولوں کی طرح
لـکـه ګـل د ګـلـسـتـان — دم بھر ٹھہرتا اور چلا جاتا ہے۔
تلـه دي تلـه دي لـه جهانـه (۱۷) — اس دنیا سے افسوس و ارمان کے ساتھ
پـه افسوس او پـه ارمـان — چلا جاتا ہے آ و چلا جاتا ہے۔
مرنـره ګـل لـکـه لالـه يو (۱۸) — ہماری تھوڑی سی عمر اور ہنسی
پـه دا لـږ عـمـر خـنـدان — لالہ کے پھول کا کھلنا ہے۔

بلې شمعې ته نظر کړه (۱۹) — جلتی شمع کو دیکھو

چې په څه زارۍ خپل ځان — کہ کیوں اپنے آپ کو رو رہی ہے؟

بار دې وتړه خوشحاله (۲۰) — اے خوشحال رخت سفر باندھو

د جرس اورې فغان — فغان جرس تو سن رہے ہو۔

حواشی

۱۔ اوربل کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو عشقیہ کلام حاشیہ نمبر ۴۔

۲۔ خان کی ایک عشقیہ غزل کا ایک شعر ہے:

نه خو باد شقائق پـه زړه کښې داغ ږدے — اے حسینہ جب تو اخلاقی ہوئی چمن میں محو خرام ہوتی ہے

چې پـه شين کړوسې و چمن تـه — تو شقائق کے دل کو داغ دار کرتی ہے۔

یہاں داغ کے پیش نظر شقائق سے مراد لالہ لینا بہتر دکھائی دے گا۔ مگر پھر بھی ضروری نہیں کہ داغ ظاہری داغ ہی ہو۔ اس لیے لالے اور پھولوں کے دلوں کا بھی حسد سے داغدار ہونا تصور کیا جا سکتا ہے۔

۳۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر حریفان بادپیمارا

خواجہ حافظ

۴۔ آتش نمرود کا لالہ کی صورت میں گلزار خلیل بن کر باقی رہ جانا بہت بلند اور نادر تخیل ہے۔

۵۔ شعر بالکل صاف اور واضح ہے۔ اور حسن تخیل کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ پرندوں کی خوش نوائی سے درختوں کا مست ہو کر جھومنا اور ناچنا ہی حسین و جمیل اور اچھوتا خیال ہے۔ بڈلف نے شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ کہ "ان نوازندوں (MINISTREL) کی سرود (TUNEFUL PIANGS) سے نہ کہ ہوا سے درختوں کی رسلنگ (RUSTLING) ہوتی ہے۔ خوریدل یا "خوریدنہ" ہر قسم کی حرکت کو کہتے ہیں، شور اور آواز، رسلنگ یعنی چوا

اور شاخوں کی کھڑکھڑاہٹ سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ "مرغونو" (پرندوں) کا ترجمہ نواز ندے کرنے سے چاہیے تھا کہ بذلف شعر کے صحیح مفہوم کو زیادہ آسانی سے پالیتا۔ لیکن "بنوریدنه" اور "بنوري" کا مطلب آواز اور شور کرنا سمجھ کر ترجمہ غلط کر ڈالا۔ "بنوریدل" (بہ ضمہ بن بہ سکون واو مجہول) یوسف زئی اور غوریہ خیل بولی میں مستعمل نہیں۔ مگر بعض دیگر قبائل جن کا تلفظ یوسفزئیوں اور غوریہ خیلوں سے ملتا جلتا ہے۔ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ "خوریدل" (بہ سکون خ وفتح واو گرچہ مشتقات کی حرکات بدلتی رہتی ہیں۔ جیسے "خوربري" یعنی پھیلتا ہے میں حرکت و سکون مصدر کے مطابق ہے مگر "خورشو" یعنی پھیل گیا میں "خ" متحرک بہ ضمہ اور واو ساکن ہوگئی) پھیلنے اور بکھرنے کے لئے تمام قبائل کا مشترک لفظ ہے۔ اگرچہ اس میں بھی حرکت کے معنی پائے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں لفظوں کا تعلق فارسی "شوریدن" و "شوراندن" پریشان ہونا اور کرنا سے ہو۔ مگر "بنوریدل" اور "خوریدل" کا محل استعمال بالکل علیحدہ ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ یہ لفظ یوسف زئی وغیرہ استعمال نہیں کرتے۔ یہ خٹک اور وزیری بولی کا لفظ ہے مگر نظم میں اس کا استعمال خٹکوں وغیرہ تک ہی محدود نہیں۔ خان کے ایک ادبی جانشین عبدالعظیم رانیزئی کی ایک غزل کا شعر ہے:

بوراګان به د بهار به زیر ګلونو   بھنورے بہار کے پیلے پھولوں پر
بو تر بله سره بنوري مونږ به نه یو   ل کر از رہے ہوں گے (بہ بنوري) مگر ہم نہ ہوں گے۔

اب "خوریدل" کا استعمال اسی غزل میں ملاحظہ ہو:

خانه خانه به دا یاران زمونږه ناست وي   احباب ایک دوسرے سے علیحدہ بیٹھے ہوں گے
د مجلس تولي به خوري مونږ به نه یو   مجلس کا مجمع پراگندہ (پریشان) ہوگا (بہ خوري یعنی خوروی) ہم نہ ہوں گے۔

۶۔ ملاحظہ ہو حصہ اول کتاب ہذا ص ۹۱ سال تصنیف بہ اختلاف کلیات و دیوان میں بالترتیب ۱۰۸۸ھ و ۱۰۸۹ھ ہے۔

۷۔ ۲۳ ستمبر۔

۸۔ اس شعر میں "سی" اور "کال" بروئے حساب ابجد ستر اور اکیاون کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

۹۔ کنج (کونہ) پشتو میں مذکر استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے یوه (ایک) بھی بصیغہ مذکر

ہے۔ "یوہ" کی واؤ پر پشتو کی چوتھی مخصوص حرکت پڑھی جائے۔

۱۰۔ ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب ہذا۔

۱۱۔ محرم ۱۰۹۵ھ۔

۱۲۔ قطعہ کلیات ص ۹۵۶ اور دیوان حصہ ۲ ص ص ۳۶۵، ۳۶۶ پر ملاحظہ ہو۔

۱۳۔ ملک اکوڑے کی اولاد۔

۱۴۔ بخت ناک خان کا۔

۱۵۔ خوشحال خان کا بیٹا عبدالقادر خان سال ۱۰۹۷ھ کی وبا کے متعلق اپنی غزل میں کہتا ہے:

ډیر مئین په ډیر ارمان خبله بیل شول — بہت سے محبت کرنے والے ارمانوں کے ساتھ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔

خدای دې رامهٔ وله بیا د غواص کاله — اے غواص (۱۰۹۷ھ) کے سال خدا تجھے پھر نہ لائے

۱۶۔ کلیات میں 'هر' نہیں۔

۱۷۔ "تلهٔ دي" (چلا جاتا ہے) کلیات میں ایک ہی دفعہ ہے۔

۱۸۔ کلیات میں یہ مصرع یوں ہے کہ "مونږ لکه لاله یو" یعنی "گل لالہ" کی جگہ صرف "لالہ" ہے۔

۱۹۔ کلیات میں اس طرح ہے "شمع ته نظر کړه" ۔ 'بلې' (جلتی) کا لفظ نہیں۔

۲۰۔ کلیات میں اس طرح ہے "بار تره خوشحاله" ۔

(۹)

ہجو و ہزل

ہجو: خان علیین مکان نے اپنے کلام میں جہاں اپنے زمانہ کے کئی اہم واقعات کا ذکر کیا ہے وہاں اپنے کئی معاصرین کی ہجو بھی لکھی ہے۔ جن میں اس کے بیٹے بھی شامل ہیں۔ خان اپنے ایک قطعہ میں کہتا ہے کہ میں نے عمر بھر کسی کی مدح نہیں کی اور ہجو کے ذریعہ بہتوں کی خبر لی ہے۔ کیونکہ مدح کے لائق مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ اور قابل مذمت بہتیرے تھے۔ ہجو کا زیادہ مشہور حصہ وہی ہے جو اس نے اپنے حریف مقابل شہنشاہ اورنگزیب اور اپنے ناخلف بیٹے بہرام خان کے متعلق لکھا ہے۔ اورنگزیب کے خلاف خان علیین مکان کی لکھی ہوئی ہجو اس کے کلام کا ایک ایسا حصہ ہے۔ جس کے متعلق تاریخ اور پشتو ادب کے طالب علم کی یہی رائے ہوگی کہ اگر خان کے کلام میں اورنگزیب کی ہجو نہ ہوتی تو بہتر ہوتا۔ اورنگزیب معصوم اور گناہ وخطا سے مبرا نہ تھا۔ وہ ایک دنیادار آدمی تھا۔ اور اس میں وہ خواہشات و کمزوریاں موجود تھیں جو عام طور سے دنیادار انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ بایں ہمہ اس کے اخلاق و شخصیت میں ایسی خوبیاں اور قوت و عظمت تھی جو عام انسانوں میں ان کی کمزوریوں کے ساتھ موجود نہیں ہوتی اورنگزیب نے علائق دنیوی کے ساتھ فرائض دینی کی بھی اس حد تک پابندی و بجا آوری کی کہ اسلامی ہند کے فرمان رواؤں میں اس لحاظ سے اسے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ بقول خافی خان جسے عام طور سے اورنگزیب کے مداحین میں شمار کیا گیا ہے تیموری اولاد میں بلکہ تمام بادشاہان دہلی میں سکندر لودھی کے بعد "بحسب ظاہر" اورنگزیب کی طرح کوئی بھی عبادت و ریاضت اور عدالت گستری میں ممتاز نہیں۔ [1] خافی خان نے اورنگزیب کے محاسن کے ساتھ بحسب ظاہر لکھ کر شاید ان کی قدر و قیمت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ مگر نہ اس نے بتایا ہے اور نہ ہی بتانا آسان ہے کہ اس کے پیش روؤں میں سے کون بلحاظ تزکیہ نفس و صفائے باطن اورنگزیب سے بڑھ کر تھا۔ وہ بادشاہان ہند میں بحیثیت مجموعی اگر سب سے زیادہ نہیں تو کسی سے کم بھی مدح و ستائش کا مستحق نہ تھا۔ اس بنا پر خان کے ہجویہ کلام کو جو اورنگزیب سے تعلق رکھتا ہے ہم ادبیات خوشحال خان کا ناپسندیدہ پہلو سمجھیں گے۔ اور یوں بھی ہجو گوئی کوئی اچھی چیز نہیں۔ مگر جب خان کے کلام میں یہ چیز موجود ہے تو ادبی و تاریخی دونوں نقطہ ہائے نظر سے اس کا علم ضروری ہے۔ اور پھر یہ ہجو یقیناً اتنی بری نہیں۔ جو لالچ اور حرص و آز کے سبب اور قصیدہ گوئی و مدح

خواتی کے معاوضے نہ ملنے کی وجہ سے کی گئی ہو۔ اس ہجو میں ایک مظلوم نے اس بادشاہ کے خلاف جس کے عمال کی وجہ سے اس پر ظلم ہوا اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں شاعرانہ شوخی اور طنز کی بعض بہت اچھی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اس لیے ان دو ایک نمونوں کے علاوہ جو قبل ازیں قارئین کے سامنے پیش کیے گئے ہیں اس کے چند اور نمونے بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلے چند قطعے ملاحظہ ہوں:

(۱)

نظارت د خپل پردي ورباندي نشته	جسے اپنے پرائے کی پہچان نہیں
که ئې ګوري اورنګزیب بادشاه ګمراه دے	دیکھو تو اورنگزیب بادشاہ ایسا گمراہ ہے۔
مستجاب غریب ئې ووژه په ظلم	مستجاب بے چارے کو ظلم سے مار ڈالا (۲)
د خوشحال منصب ئې واخست کوم ګناه دے	اور بغیر گناہ کے خوشحال کا منصب چھین لیا۔
د منصب په اخستو څه دلګیر نشو	منصب سے محروم ہونے کا خوشحال کو کچھ رنج نہیں
د خوشحال خاطر خوشحال دے خدائے ګواه دے	خدا گواہ ہے کہ خوشحال کا دل خوش ہے۔
په منصب بوري خوشحال خټک نوکر وه	منصب کی وجہ سے خوشحال خٹک نوکر تھا
چې منصب ورځني لاړو اوس بادشاه دے	اور منصب کے نہ رہنے سے بادشاہ ہو گیا ہے۔
اوۀ میاشتې دي چې لار د کابل بند ده	سات مہینے ہوئے کابل کا راستہ بند ہے
حال احوال د خلائق واړه تباه دے	اور لوگ تباہ حال ہو رہے ہیں۔
دا لا څۀ په هندوستان توره تیاره ده	یہ کیا ہندوستان پر گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے
په هر ځائے د دۀ له خویه بویه آه دے	ہر جگہ اس کی خو خصلت سے آہ و زاری ہو رہی ہے۔
د اورنګ بادشاه په دور ارام نشته	اورنگزیب بادشاہ کے عہد میں آرام نہیں
هم زیل چې جهان ځائے د ارام ګاه دے	بھلا کون کہتا ہے کہ دنیا آرام کی جگہ ہے۔
لکه مخ د پاسه تور سیاه لیدۀ شي	جیسا اس کا منہ کالا سیاہ نظر آ رہا ہے
اندرون ئې هغه هسې تور سیاه دے	اس کا باطن بھی ایسا تیرہ و تار ہے۔ (۳)
که نیت وته ئې ګورې یو یزید دے	اگر اس کی نیت دیکھو تو ایک یزید ہے۔
که طاعت وته ئې ګورې اهل الله دے	اور اگر (بظاہر) اس کی طاعت کو دیکھو تو اہل اللہ ہے
د دۀ خیرې ئې واړه دۀ وته بخښلے	اس کا خیر اسے نصیب ہو
هوله شره به ئې دار کا چې اګاه دے	جو ہوشیار ہے وہ اپنے آپ کو اس کے شر سے بچائے

(۲)

وخــــت د اورنگ شــــاه دے — اورنگ کا عہد ہے

دهــر چــا تسبي پــه لاس دي — ہر ایک کے ہاتھ میں تسبیح ہے۔

خــدائے خــبـي خـبـر دے — خدا جانے

پــه اخـلاص کـه پـه لبـاس دي — خلوص یا ریا کے ساتھ؟

(۳)

د دې دور شيخان ډير دي لور په لور — اس دور میں ہر طرف شیخ ہی شیخ دکھائی دے رہے ہیں

اورنگزيب بادشاه د وارو دے انځور — اورنگزیب بادشاہ ان سب کی زیب و زینت ہے۔

په هغې چاړه قلم ساز کا قرآن کښي — جس چھری سے قلم بنا کر قرآن شریف لکھتا ہے

په هغې چاړه شهرګ بري کا د ورور — اسی چھری سے بھائی کی شہ رگ کاٹتا ہے۔

په رکوع کښې تسبيحات د پلار د مرګ کا — رکوع میں تسبیحات کہہ کے باپ کی موت چاہتا ہے

په سجود کښې زوري خپله مشره خور — اور سجدے میں اپنی بڑی بہن کو کوستا ہے۔ (۴)

اور اب مختلف غزلوں کے چند شعر ملاحظہ ہو:

(۱)

دور د اورنگ دے د ريا زاهدان ډير دي — اورنگ کا عہد ہے اور ریا کار زاہد بہت ہیں

پټه په لستوني د شرابو ډک مينا وړه — شراب سے بھری مینا لے پھرو آستین میں چھپا کر۔

(۲)

زمانې څۀ نا انصافه راښکاره شوې — اے زمانے تو مجھے کتنا بے انصاف دکھائی دے رہا ہے

پــاتــوتــه پــه دا دور آخــرين ږدے — جو اس آخری دور میں یہ عبرتناک واقعات دکھا رہا ہے

شاهجهان غوندې بادشاه په بند بندي دے — شاہجہان جیسے بادشاہ کو تو قید کر دیتا

په اورنګ باندې خطاب محي الدين ږدے (۵) — اور اورنگ کو محی الدین کا خطاب دیتا ہے۔

(۳)

زۀ خوشحال چې د اورنګ بادشاه نوکر يم — چونکہ میں خوشحال اورنگزیب بادشاہ کا نوکر ہوں

کۀ و زوبه ور کول کرم زړۀ مې نۀ وي — اسلئے اگر بیٹے کو بھی کچھ دیتا ہوں تو جی نہیں چاہتا۔

تاریخی نقطۂ نظر سے خوشحال خان کے ہجویہ کلام کے متعلق یہ معلوم کرنا اہم ہے کہ آیا اورنگزیب کے ساتھ بگاڑ سے پہلے بھی کبھی خان نے شہنشاہ کے باپ اور بھائیوں اور بڑی بہن کے ساتھ سلوک پر مخالفانہ تنقید کی یا نہ؟ ہم حصہ اول میں پڑھ چکے ہیں کہ تخت نشینی کی جنگ میں خان

علیین مکان اورنگزیب کا طرفدار تھا اور اس بنا پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اورنگزیب کے باپ اور بھائیوں اور بہن کے ساتھ سلوک کی بنا پر اپنے کلام میں خان نے جو اعتراضات شہنشاہ پر کیے ہیں وہ اس کے ساتھ ذاتی رنجش پیدا ہو جانے کے بعد کیے ہیں۔ مگر اس بارہ میں ہم صرف جنگ تخت نشینی میں خان کے رویہ سے کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ جنگ تخت نشینی میں خان نے اورنگزیب کی حمایت داراشکوہ کے ساتھ مخالفت کی وجہ سے کی ہو اور بعد میں اورنگزیب کے باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ سلوک کو نامناسب اور قابل اعتراض جانتا ہو۔ نواب شاہنواز خان مؤلف مآثر الامرا کے پردادا امانت خان میر معین الدین دیوان لاہور نے ایک بار شہنشاہ عالمگیر کے متعلق ایک شخص کو کہا تھا کہ جس شخص نے باپ اور بھائیوں سے ایسا سلوک کیا ہو اس پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ معاملہ یہ تھا کہ جس شخص کو امانت خان نے یہ بات کہی تھی اسے اورنگزیب نے طلب کیا تھا۔ اس نے امانت خان سے کہا کہ اگر وہ اس کا کفیل ہو جائے تو وہ شہنشاہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہے۔ اس کے جواب میں امانت خان نے حسب بالا اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ (۶) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگزیب کے امرا میں سے بھی بعض صحیح یا غلط طور سے زیر بحث سلوک کو قابل اعتراض جانتے تھے۔ اس لیے ہم کوشش کریں گے کہ خان علیین مکان کے کلام سے معلوم کریں کہ آیا شہنشاہ کے ساتھ ذاتی رنجش سے پہلے خان نے اس کے خلاف کچھ لکھا یا نہ؟ کلام کا مطالعہ کرنے سے ایسی کوئی نظم نہ مل سکے گی جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اورنگزیب کے ساتھ ذاتی عداوت پیدا ہونے سے پہلے لکھی گئی۔ مندرجہ بالا اشعار میں سے بعض ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہنشاہ شاہجہان کی نظر بندی کے دوران میں لکھے گئے مگر شاہجہان کی نظر بندی اور خوشحال خان کی قید کا کچھ زمانہ مشترک تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار خان نے اپنی قید کے دوران میں لکھے ہوں۔ خان علیین مکان جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ... رمضان ۱۰۷۴ھ (اپریل ۱۶۶۴ء) میں گرفتاری کے بعد دہلی پہنچا تھا۔ اور شاہجہان کی وفات ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ (دسمبر ۱۶۶۶ء) کو ہوئی تھی۔ اس وقت تک خوشحال خان کی رہائی عمل میں نہ آئی تھی۔ تاہم خان کے دیوان میں ایک نظم (بصورت مسلسل غزل) موجود ہے۔ جس کے ایک شعر اور مقطع سے بہت قوی اور غالب قیاس پیدا ہوتا ہے کہ خان نے یہ نظم شہنشاہ اورنگزیب کے ساتھ بگاڑ سے پہلے لکھی۔ اس نظم میں ناسازگاری روزگار کی شکایت بڑے دردناک اور یاس انگیز پیرایہ میں کی گئی ہے۔ متعلقہ شعر اور مقطع حسب ذیل ہیں:

د اګرې په کوټ کښې بند شاهجهان دے
د دارا به هغه کوم فاني جناب کښېم

شاہجہان آگرے کے قلعے میں نظر بند ہے
اور (آہ) فانی آستانہ دارا (کی شان وشوکت) میں سے
کس کس سے چیز کو (یاد کرے) لکھوں۔

ما خوشحال په خوب دا حال ليدلے نه وه
چې به دا د غم بيتونه په پنجاب کښېم

مجھ خوشحال کے خواب وخیال میں بھی یہ نہ تھا
کہ (ایک دن) پنجاب میں یہ درد بھرے اشعار لکھنے ہوں گے

چونکہ جس غزل کے یہ دو شعر ہیں وہ فراق نامہ میں بھی موجود ہے لہٰذا کسی قیاس خواہ وہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار گرفتاری کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اگر فراق نامہ کی شہادت سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو ان اشعار کی بنا پر یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اورنگزیب کے ساتھ خرابی تعلقات سے پہلے لکھے گئے۔ آیئے ذرا ان دلائل پر غور کریں جو ان اشعار کی بنا پر اس خیال کی تائید میں دیے جا سکتے ہیں کہ یہ اشعار اورنگزیب کے ساتھ ذاتی رنجش پیدا ہونے سے پہلے لکھے گئے۔ یہ دلائل کچھ اس قسم کے ہوں گے۔ ان شعروں سے دو قابل غور باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک یہ کہ شاہجہان کی نظر بندی کے دوران میں لکھے گئے۔ دوسری یہ کہ پنجاب میں لکھے گئے۔ ان اشعار کے پنجاب میں لکھے جانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اشعار خان علیین مکان نے گرفتاری وقید سے پہلے لکھے۔ کیونکہ خان نے قید دہلی اور رنتھمبور میں گزاری تھی۔ یہ بات خارج از بحث ہے کہ رہائی کے بعد خان نے یہ اشعار پنجاب میں لکھے ہوں۔ کیونکہ خان کی رہائی (۵ ذیقعد ۱۰۷۶ھ) سے تین ماہ دس دن پہلے (۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ) کو شاہجہان فوت ہو چکا تھا اور شعر بتا رہے ہیں کہ یہ شاہجہان کے عین حیات میں لکھے گئے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے فراق نامہ کی شہادت سے قطع نظر کر لینے کے باوجود ان اشعار سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خوشحال خان نے اپنی گرفتاری وقید سے پہلے لکھے۔ خان کے دیوان میں ایک قصیدہ ردیف المیم (۷) میں موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ گرفتاری کے بعد ہندوستان جاتے ہوئے راستہ میں لاہور سے گزرتے ہوئے لکھا گیا اس لیے ہو سکتا ہے کہ زیر بحث نظم بھی گرفتاری کے بعد دہلی جاتے ہوئے راستہ میں پنجاب کے کسی مقام پر لکھی گئی ہو۔ نظم کا پنجاب میں لکھے جانے سے اگر حتمی طور سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ دہلی میں قید ہونے سے پہلے لکھی گئی نہ کہ گرفتاری سے پہلے۔

ان دو شعروں سے پہلے اقتباسات ہم نے پیش کیے ہیں ان میں سے آخری شعر میں کہا گیا ہے کہ میں اورنگزیب بادشاہ کا نوکر ہونے کی وجہ سے بیٹوں کو بھی کچھ دیتے ہوئے کڑھتا ہوں۔ اس شعر کی بنا پر بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اورنگزیب کے ساتھ بگاڑ سے پہلے لکھا گیا ہے کیونکہ اس میں شاعر اپنے آپ کو اورنگزیب کا ملازم کہتا ہے۔ مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خوشحال خان نے اورنگزیب کی قید سے رہائی پانے کے بعد بھی تھوڑے عرصہ کے لیے اورنگزیب کی ملازمت اختیار کی اور پھر یہ بھی تو کچھ ضروری نہیں کہ نوکر ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس وقت بھی نوکر تھا جس وقت یہ شعر کہا جا رہا تھا ممکن ہے سابقہ مصاحبت کے اثر کی طرف اشارہ ہو۔

اس بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خواہ گرفتاری و قید سے پہلے خان علیین مکان نے اورنگزیب کی کوئی ہجو لکھی یا نہیں۔ ہمارے پاس اس بات کی کوئی شہادت ماسوائے قیاسات کے نہیں جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ فلاں ہجو اورنگزیب کے ساتھ ذاتی مناقشت سے پہلے لکھی گئی۔ جہاں تک قیاسات کا تعلق ہے ان کے اثرات و نتائج کے ازالہ کے لیے بہت مضبوط دلائل موجود ہیں۔

اس ضمن میں جادو ناتھ سرکار کے ایک اقتباس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا۔ مورخ مذکور نے شاہجہان کے حق میں اور اورنگزیب کے خلاف رائے عامہ کا ذکر کرتے ہوئے بڈلف کے انتخاب سے خان کے ایک شعر کا ترجمہ بھی نقل کیا ہے۔ (۸) دراصل یہ ترجمہ ایک ہی نظم (ترکیب بند ذوالقافیتین) کے دو مختلف شعروں کے دو مصرعوں کا ہے۔ وہ دونوں شعر مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

رابوست په خونه د خپل پلار هسې ماتم	اپنے باپ کے خاندان پر ایسا ماتم لے آیا
کار ته ئ حيران شو همګي عرب عجم	کہ اسے دیکھ کر عرب و عجم سب کو حیرت ہوگئی۔
فعل ئ چې کوري هلاکو دے يا اظلم	اسکے اعمال ہلاکو جیسے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ظلم ہے
جا دي اوريدلي په اولاد کښې د آدم	اولاد آدم میں ایسی باتیں کس نے سنی ہیں۔ (۹)

یہ اشعار جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ترکیب بند ذوالقافیتین کے ہیں اور یہ نظم خان نے اپنی ایام حبس کے دوران میں رنتھمبور میں لکھی جس میں اپنی گرفتاری اور قید کے حالات ہیں۔ اور ضمناً جنگ تخت نشینی اور چند دیگر واقعات کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ مندرجہ بالا دو شعر جنگ تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھے ہیں۔ اگر پہلے شعر کے بعد ایک شعر چھوڑ کر اگلا شعر اور نظم کا آخری شعر پڑھا

جائے تو مقصد و مضمون نظم کے علاوہ نہ صرف اس کا زمانہ بلکہ سال و جائے تصنیف بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ دونوں شعر حسب ذیل ہیں:

وشوۀ اوۀ کـالـه زر اویا کاله دوه کم — سات سال ہوئے ایک ہزار ستر سے دو کم تھے۔ (یعنی ۱۰۶۸ھ تھا)

دۀ چي د دهلي په سربر کښېښود قدم — جب اس (اورنگزیب) نے دہلی کے تخت پر قدم رکھا

دوه سو شل بیتونه یولس بنده بنـۀ — اس نظم کے دو سو بیس شعر اور گیارہ اچھے بند ہیں

ما په رنتهمبور کښي د زړۀ تاز پري سر اوۀ — جن کے ذریعے میں رنتھمبور میں اپنے دل کا بخار نکال رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ زیر بحث نظم رنتھمبور میں اورنگزیب کی تخت نشینی کے قریباً سال بعد ۱۰۷۵ھ میں لکھی گئی جس میں شاعر اپنے قید و بند کے واقعات بیان اور اورنگزیب کی مذمت کر کے اپنے دل کا بخار نکالنا چاہتا تھا۔

ان دو شعروں میں سے پہلے شعر کا مصرعہ اولیٰ دیوان میں یوں دیا ہوا ہے:

وشوۀ ددۀ کـال زر اویا کاله دوه کم — یعنی اس کے سال ہو گئے ۱۰۷۰ھ سے دو سال کم تھے۔

ظاہر ہے کہ "دوۀ" (جس کے معنی اس کے یا اس کا ہیں) اوۀ یا دوۀ (سات) کی جگہ غلطی سے چھپ گیا ہے۔ یہ لفظ (دو) بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ شعر کے معنی یوں ہوں گے۔ کہ ۱۰۷۰ھ سے دو سال کم تھے (یعنی ۱۰۶۸ھ تھا) جب اورنگزیب تخت نشین ہوا اور اس کو دو سال ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نظم ۱۰۷۰ھ میں لکھی گئی حالانکہ ۱۰۷۰ھ میں خوشحال خان رنتھمبور میں قید نہ تھا۔ بہرکیف دیوان میں مصرعہ غلط دیا ہوا ہے۔

بڈلف کے انتخاب میں یہ مصرعہ یوں دیا ہوا ہے:

وشۀ د دي کار زر اویا کاله دوه کم

اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا:

"جب یہ کام ہوا تو ۱۰۷۰ھ سے دو سال کم تھے جب کہ اس نے دہلی" الخ۔ بڈلف نے بھی ترجمہ اسی طرح کیا ہے[10] اس صورت میں یہی ترجمہ ممکن ہے اور مصرع کو بے معنی بھی نہیں کہا جا سکتا مگر اس طرح مصرع کی ساخت بہت بھونڈی ہے اور ترجمہ بہ تکلف ہی کیا جا سکتا ہے۔ کلیات میں مصرع بالکل صحیح دیا ہوا ہے بہر صورت یہ ظاہر ہے کہ نظم زیر بحث بحالت جس رنتھمبور میں لکھی گئی۔ اگر کلیات کا مصرع پیش نظر نہ بھی ہو تو فاضل مؤرخ جادو ناتھ سرکار کے لیے یہ

اندازہ لگا لینا مشکل نہ تھا۔ کہ یہ نظم رمضان ۱۰۷۳ھ اور رجب ۱۰۷۷ھ کے درمیان کسی وقت لکھی گئی۔

خان علیین مکان نے اپنے بیٹوں اور ہم قوم معاصرین کی مذمت بھی ان کی پسماندگی، قومی بے حسی اور مغلیت کی وجہ سے کی ہے۔ اس کے نمونے جو کسی خاص شخص کے طرف راجع نہیں بلکہ عام قومی تنقید کے رنگ میں ہیں۔ آپ کتاب کے اس حصہ میں قومی شاعری کے تحت ملاحظہ کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ نام لے کر بھی اپنے بیٹوں اور بعض معاصرین کی ہجو خان نے کی ہے۔ یہ بھی بالعموم قومی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اپنے بڑے بیٹوں کی ہجو کرتے ہوئے ایک بار ان کی ماں پر بھی غصہ آ گیا اور یوں بڑی خانم کی ہجو بھی کر ڈالی اور اس کے آباؤ اجداد اور خاندان کو بہت سخت سست کہہ دیا۔ خان کے کلام میں یہ چند اشعار بھی طبیعت کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ جب خان اپنے بیٹوں یا سب افغانوں کو برا کہتا ہے تو ہمیں برا محسوس نہیں ہوتا لیکن خانم پر غصہ جھاڑتے ہوئے تو ہمیں اچھا نہیں لگتا۔ ہمیں اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ہجو خانم کے انتقال کے بعد کہی گئی۔ (۱۱) بہرام خان کی ہجو تو آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب دوسرے بیٹوں اور بعض معاصرین کے متعلق ہجو یہ کلام کے نمونے ملاحظہ ہوں:

خوک یحییٰ غوندې غافل او ده پیدا شي — کوئی یحییٰ جیسا غافل اور خوابیدہ پیدا ہو جاتا ہے

چې هيڅ کار نیولے نشي استوار — جو کسی کام کی زمام مضبوطی سے نہیں تھام سکتا۔

خوک سدو غوندې نامرد عبدالزوجه شي — کوئی سدو جیسا نامرد عبدالزوجہ ہوتا ہے۔ (۱۲)

په ننګ خه له خپله پلاره شي ویزار — جو عصبیت کے ننگ سے بھی بیزار ہو جاتا ہے (۱۳)

خوک مالو غوندې جلو غوندې پیدا شي — کوئی مالو (۱۴) اور جلو (۱۵) جیسے پیدا ہوتے ہیں۔

سراسر واړه نابود او ناپکار — سراسر نابود اور ناکارہ۔

اپنے بڑے بیٹے اشرف خان کے متعلق کہتا ہے:

نیکه او پیری د ما و کور ته لاړې — میرے آباؤ اجداد چھ سات پشت سے قبروں کو

همګي په وینو رنګ په تیغ وژلي — سب تلوار سے کٹے اور خون میں لتھڑے ہوئے گئے

اشرف خان په یو پرهار په خان وانخلي — اشرف خان ایک زخم بھی برداشت نہیں کر سکتا (۱۶)

نه دا نور د ده له موره چې زوولي — اور نہ ہی اس کی ماں کے جائے ہیں اور

تر څلویښتو کالو تیر شو لا تراوسه — چالیس سال سے اس کی عمر گزر چکی ہے

چوه تېره د اغزي پورې نه دي خو عقلي مگر اب تک وہ جگر کاٹے گی اسے مگر پیچے

اپنے ایک قطعہ میں جو یوسف زئیوں کی ہجو میں لکھا ہے ان کے بعض عیبوں کے متعلق کہتا ہے:

وس په دوست ولس کښې په ملک عقل دے آج ساری قوم میں ملک عبدل بہترین لگ رہا ہے

ګټه زړه کا علاج په مرګ ښه شو به دي که کاش خدا حساب سے اس کا بیڑا پار کرے

مطلب یہ ہے کہ قبیلہ میں بہترین آدمی ان کا سردار ہے کہ جس قدر جلد اسے موت آئے اتنا ہی اچھا ہے۔

ایک اور ملک کی پست ہمتی کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

مصري خان سمندر د غاړې ماهي اخلي مصری خان سمندر کنارے کے قریب مچھلیاں پکڑتا ہے

سګ لاهو خو ندې خان نهنګ نه ښه ټټیږي سگ آبی کی طرح مگرمچھ سے جان بچاتا ہے۔

یعنی ساحل پر بزم آرائی کر رہا ہے اور موجوں کے ساتھ آویزش کی ہمت نہیں۔ ان دو کے علاوہ اس قطعہ میں ملک حمزہ خان، ملک [illegible] داد خان اور ملک طالی کی ہجو بھی کی گئی ہے۔

ہزل: خان نے بعض ایسی نظمیں اور اشعار بھی لکھے ہیں جنہیں بوجہ ان کی عریانی کے ہزل کہا جائے گا مگر وہ انہیں ہزل کہنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں اور یہ بات بھی غلط نہیں کہ اس کا مقصد اس قسم کی نظموں اور اشعار سے فحش گوئی اور ہزل نہ تھا بلکہ وہ ان اشعار سے اتر کر برائی کی عکاسی اور پند و نصیحت کرنا چاہتا تھا۔ بعض اوقات علمی مسائل بیان کرتے ہوئے بھی عریانی پر اتر آیا ہے۔

اپنی ایک غزل جو بدرویہ عورتوں کے طور طریقوں کے متعلق لکھی ہے کے مقطع میں کہتا ہے:

د خوشحال وینا به بې مضمونه نه وي خوشحال کی باتیں مضمون سے خالی نہ ہوں

چرې نه چې ی مذاقو سره شموري مبادا تم اسے مذاق سمجھو۔

ایک نظم میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے کو بڑی عریان طریقہ سے بیان کیا ہے لیکن آخر میں کہتا ہے:

که څوک شته چې ی د زړه په غوږو واوري ہے کوئی جو میری باتوں کو گوش دل سے سنے

مسخرې مذاق مې نه دي دا ارشاد کرم میں مسخرہ و مذاق نہیں بلکہ نصیحت کر رہا ہوں۔

اس نظم میں خان نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ چونکہ اس نے نفس کی بہت زیادہ پیروی کی اس لیے اسے خدا نے اولاد تو بہت دی مگر وہ قابل نہ نکلی۔ صاحب اولاد ہو کر وہ بد اولاد رہا۔ ایاد

رہے کہ خان نے اس نظم میں وضاحت کر دی ہے کہ پرایوں سے اس کی توبہ وہ اپنی خواہشات کو اپنے اہل حرم ہی کے ذریعہ پورا کرتا تھا۔

صرف خوشحال خان ہی کا یہ دعویٰ نہیں کہ اس کا وہ کلام بھی جو بظاہر عریاں ہے پند و نصیحت پر مشتمل ہے بلکہ اس کے پڑھنے والوں میں سے بھی بعض نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

پشتو کا ایک شاعر مرزا حنان اس کے ہزل کے متعلق کہتا ہے:

د خوشحال خټک وینا کل نصیحت دے — اگر چہ بظاہر تو یہ بالکل تمسخر و مذاق دکھائی دیتے ہیں۔

په ظاهر که مسخرې بوله بالکل — مگر خوشحال کے اقوال سراسر نصیحت ہیں۔

اس انداز میں کیے گئے پند و نصائح کی مثالیں بعض دیگر بڑے شعرا کے کلام میں بھی ملتی ہیں۔ تاہم عریاں کلام جس مقصد کے لیے بھی کہا جائے غیر مستحسن ہے۔ چاہیے تو یہ کہ جنس و شہوت سے متعلق امور یا تفریح اور ہنسی مذاق کی باتیں بھی اس انداز سے کہی جائیں کہ سماعت و احساسات لطیفہ مجروح نہ ہوں نہ کہ پند و نصائح اس انداز سے کی جائے کہ ٹھٹھا مذاق دکھائی دے۔

حواشی

۱۔ م۔ل حصہ ۲ ص ۵۵۔

۲۔ ارباب مستجاب خان مہمند کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔ ملاحظہ ہو حصہ اول کتاب ہذا۔

۳۔ کلیات میں یہ مصرع یوں ہے کہ "که زینت وته ئې ګورې بویزید دے" یعنی اگر اس کی زینت کو دیکھو تو بویزید (بابا یزید) ہے۔ مگر یوں صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

۴۔ جہاں آرا بیگم۔ پیدائش ۲۳ صفر ۱۰۲۳ھ (مطابق اواخر مارچ ۱۶۱۴ء) وفات ۳ رمضان ۱۰۹۲ھ مطابق اوائل ستمبر ۱۶۸۱ء۔ اورنگ زیب سے قریباً پانچ سال بڑی تھی۔ اورنگ زیب کا سال ولادت ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ مطابق اوائل نومبر ۱۶۱۸ء ہے۔

۵۔ محی الدین کا تلفظ عوامی پشتو کے مطابق مے دین کیا گیا ہے۔

۶۔ مآثر الامراء جلد ۱ ص ۱۴، ۱۵۔

۷۔ کلیات ص ص ۲۳۰۔۲۳۱ دیوان حصہ ۱ ص ص ۳۴، ۳۵۔

۸۔ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد ۳ ص ۱۶۴ حاشیہ۔

۹۔ کلیات ص ص ۱۰۷۶، ۱۰۷۷۔ دیوان حصہ ۲ ص ۴۵۸۔

۱۰۔ انتخاب بڈلف ص ۸ ترجمہ بر ص ۵۴۔

۱۱۔ متعلقہ نظم ۱۰۹۱ھ میں لکھی گئی اور خانم کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں ہوا تھا۔

۱۲۔ سعادت خان۔ سدو دیوان میں بجائے س کے ص سے لکھا ہوا ہے۔ اور فراق نامہ کی ایک مثنوی میں بھی ص سے ہی ہے۔ اس لئے شاید اسے صدر خان سمجھا جائے۔ مگر ایک دوسری نظم میں جس میں خان بیٹوں سے خوش ہو کر ان کی تعریف کرتا ہے۔ سدو اور صدر خان دونوں کا ذکر ہے۔ اس لئے سدو سے مراد سعادت خان ہی ہو سکتا ہے۔ دوسری نظم ملاحظہ ہو کلیات میں ص ۹۵۱، اور دیوان حصہ ۲ میں ص ۳۶۲ پر۔ یہاں سدو دیوان میں بھی س سے ہی لکھا ہے۔ پیش نظر اشعار کلیات میں ص ص ۵۸۶، ۵۸۷ اور دیوان حصہ ا میں ص ۳۰ پر ملاحظہ ہو۔

۱۳۔ دیوان میں بجائے 'پلار' (باپ) "ورور" (بھائی) لکھا ہے۔

۱۴۔ کمال خان۔

۱۵۔ جلال خان۔

۱۶۔ کلیات (ص ۹۶۶) اور دیوان حصہ ۲ (ص ۳۷۳) دونوں میں اشرف خان ہی لکھا ہے۔ مگر کلیات کے حاشیہ میں بجائے اشرف خان، بہرام خان ہے۔ اشرف خان ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بعض اور نظموں میں بھی بہرام خان اور دوسرے بیٹوں کی طرح اشرف خان کی ہجو کی گئی ہے۔

(۱۰)

خوشحال خان کی نثر

خان علیین مکان کی نثر پشتو ادب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ پہلا افغان ادیب ہے جس نے پشتو نثر کو بہت بڑی حد تک غیر ضروری تکلفات اور عربی فارسی کے نامونس الفاظ سے آزاد کیا اور عام پشتو انداز گفتگو اور روزمرہ محاورہ کے بالکل قریب لے آیا۔ اگرچہ خان کی نثر میں بھی ہمیں عربی و فارسی الفاظ وتراکیب ایسی ملتی ہیں جو بالعموم پشتو میں غیر مستعمل ہیں لیکن ایک تو علمی وادبی پشتو سے عربی وفارسی لغات کا یک قلم نکال دینا ممکن نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ مستحسن اور مفید تھا اور نہ ہے۔ ان گزارشات کے بعد دستار نامہ و بیاض کے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں۔ پہلے دستار نامہ کی نثر کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

(۱) په خاطر فاتر راورسيدل چې يوه موجزه رساله پښتو کړم انشا عبارت ئې روان وي قريب الفهم وي. دستار نامه نام کړم هر چې معني د دې بيت وي پاره پکښې درج کړم چې هم مې په دا فکر کښې بالفعل دلگيري پرې دفع وي هم په دا التيام کښې گوندې دا چا نفع وي.

طبع پریشان کو خیال ہوا کہ ایک مختصر رسالہ پشتو میں لکھوں جس کی طرز انشا اور عبارت رواں اور آسانی سے سمجھی جا سکتی ہو اور اس کا نام دستار نامہ رکھوں اور جو اس شعر[1] کے معنی ہوں وہ ایک حد تک اس میں بیان کروں تاکہ بالفعل اس شغل میں میرا غم بھی رفع ہو۔ اور اس چارہ جوئی میں شاید کسی اور کا بھی نفع ہو۔[2]

(۲) د دستار په حقيقت خبر شه چې دستار په سر کول د شيوے او نمائے دپاره نه وي دستار د مرد شرم او عزت دے. تمامي شرم د سرو په دستار کښې دے.

پگڑی کی حقیقت سے آگاہ ہو کہ پگڑی کو سر پر رکھنا نمود و نمائش کے لیے نہیں۔ پگڑی مرد کی شرم اور عزت ہے بلکہ مرد کی تمام شرم پگڑی میں مضمر ہے۔

(۳) ملوک لره بویه چې په دا کار
کښې ډیر دانش په خاے راوړي
بداصل، بدطینت بد فطرت بد
سرشت بد گهر بد ذات دې نهٔ تربیت
کوي چې پلار په نیکهٔ په ذات په تبار
لوے خاندان لري. عاقلان هوښیاران
فاضلان دانایان وي تربیت د هغو کا

بیت:

دو تن پروری شاه کشور کشا
یکے رزم و دگر اہل را

(۴) دا کسب سنت د پیغمبرانو د دین
د بزرگانو دے. ډیر ښهٔ هنر دے دوه
سودې ښې نهٔ دي نورې واړه ښې دي.
یو احتکار بل د سړیو خرڅول. د
شراب چې خمر بلل شي هغه هم
عذاب الیم دے.

بادشاہوں کو چاہیے کہ اس معاملہ میں عقل
مندی سے کام لیں۔ بداصل، بدطینت، بد
فطرت، بد سرشت، بد گہر اور بد ذات کی
تربیت نہ کریں۔ باپ دادا سے بڑے چلے
آنے والوں، جو اچھی ذات اور اچھے
گھرانے کے اور عاقل، ہوشیار فاضل اور
دانا ہوں ان کی تربیت کریں۔

بیت:

دو تن پروری شاہ کشور کشا
یکے اہل رزم و دگر اہل را

یہ کسب تجارت پیغمبروں اور بزرگان دین کی
سنت ہے۔ بہت اچھا ہنر ہے۔ دو سودے
اچھے نہیں۔ باقی سب اچھے ہیں۔ ایک
احتکار (۳) اور دوسرا (سودا) انسانوں کی
خرید و فروخت ہے۔ شراب جسے خمر کہتے ہیں
کا کاروبار بھی دردناک عذاب کا موجب
ہے۔

(۵) سرود، ساز نغمه دا علم عمیق دے لکه د شعر هسې بحور عروض لري. شپږ ئ بحره دي. د هر بحر شپږ نغمې دي. اختراع د افلاطون دي. نظم هم اختراع د افلاطون دے. په مقابل دے یو د بله اختراع کړي دي. اما هر چند لوے علم دے بیا ترجیح پرې د نظم دے. امیر خسرو دهلوي په دا دواړو فن کښې استاد تیر شوے دے.

سرود، ساز اور نغمہ کا علم ایک گہرا علم ہے۔ شعر کی طرح اس کی چھ بحریں اور ہر بحر کے چھ نغمے ہیں۔ افلاطون کے ایجاد کردہ ہیں۔ نظم بھی افلاطون کی ایجاد ہے۔ ایک دوسرے کے مقابلہ میں وضع کیے ہیں۔ اگر چہ بہت بڑا علم ہے مگر نظم کو اس پر ترجیح حاصل ہے۔ امیر خسرو دہلوی ان دونوں فنوں میں استاد گزرے ہیں۔

(۶) شطرنج اختراع د بزر جمهر د قباد د نوشیروان د پلار د وزیر دے. د شافعي په مذهب مباح دے. د موږ د امام په مذهب چې امام اعظم دے حرام فرمائیلے دے.

شطرنج نوشیروان کے باپ قباد کے وزیر بزرجمہر کی ایجاد ہے امام شافعی کے ہاں مباح اور ہمارے امام کے نزدیک جو امام اعظم ہیں حرام ہے۔

(۷) دا هم عجیب غریب دے. دے او قلم د یوه [۴] بساط یاران دي. یا خوش نویس وي یا نقاشان وي. ماني ا[و] بهزاد په دا فن کښې استاد تیر شوي دي تر اوسه یادیږي.

یہ (مصوری و نقاشی) بھی عجیب و غریب شے ہے۔ یہ اور قلم ایک ہی بساط کے دوست ہیں۔ (اہل قلم) یا خوش نویس یا نقاش۔ مانی اور بہزاد اس فن کے استاد گزرے ہیں جو اب تک یادگار زمانہ ہیں۔

اب چند اقتباسات بیاض سے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) اشرف خان گزار د نیزې لکه وه هسې په عظمت [۵] وکړ کوږ شه [۶] الې پرې نه ووت. عابد خان په نیزه وراهه. د آس نه پرې ووت. خو چې پرې راووت هسې ئ توره وکښه گزار وته جوړ شه عابد خان تیر شه په هغه محموتي هسې هغه ئ هم پریوست. عابد خان هم د آسه پریووت هغه پرې راغے

پاسیه. ورسره غاړه غړی شهٔ. په اوبو کښې ئ د هغهٔ سر ومانډهٔ. دے هم پاس
په ډنډ کښې پرې ووت. د ما نظر پرې وشهٔ. حیران شوم د عظمت نه تمام په
هغه لورې متوجه شوم. سید د بوړې پرې راغے محموتے ئ په توره وواههٔ.
عابد خان ترې پاسیه روغ وهٔ زړهٔ مې بنهٔ شهٔ. بیا په عظمت راغلم توره په
لاس ولاړ دے څوک ئ د ملاحظې نهٔ وهې ما توره واچوله دوه تورې پله
پسې په سر وواهه.... اخری ئ اواز داوهٔ چې وهه مانې باپ. په دا منځ کښې
جلیل خاص خیل پرې راکوز شهٔ رسا ئ وواههٔ کار ئ تمام شهٔ.... وماته ئ
وې وهه مانې باپ دے هلک یتیم شوے وهٔ ما لکه فرزند هسې ساتلے وهٔ پرې
خوښیدم چې تیرهٔ زلمے دے د شرم په وخت مې به پکار شې. فلک هسې دے
چې تهٔ به ئ پخپل لاس په توره وهے. هیڅ په دا وخت چې نمونه د قیامت ده
باور پاتو نهٔ شهٔ. په زوې د پلار څهٔ امید پاتو نهٔ شهٔ. نور به څهٔ وائ. خاے د
حیرت د عبرت دے. په تقدیر د خداے په شومت د بد سرېو کار د ما د
خیلخانې تر دا حده راورسید.

ترجمہ: جیسا کہ چاہیے اشرف خان نے عظمت پر نیزے کا وار کیا۔ (عظمت) نیز حا ہو گیا مگر گرا
نہیں۔ عابد خان نے اسے (عظمت کو) نیزہ سے مارا گھوڑے سے گر پڑا۔ جونہی گرا تلوار کھینچی اور
وار کرنے کے لیے تیار ہوا۔ عابد خان اس سے گزر کر محموتے[7] کے پیچھے آیا اسے بھی گرا دیا۔
عابد خان بھی گھوڑے سے گر گیا۔ وہ (محموتے) اس (عابد خان) کی جانب آیا۔ (عابد خان)
جلدی اٹھا اور اس (محموتے) کے ساتھ مشت و گریبان ہوا اور اس کا سر پانی میں ڈبو دیا۔ اور خود بھی
اس کے اوپر تالاب میں جا پڑا۔ میری نظر اس پر پڑی اور متحیر ہوا۔ بجائے عظمت کے اس کی طرف
متوجہ ہوا۔ سید ساکن بوڑی آیا اور محموتے پر تلوار کا وار کیا۔ عابد خان اس پر سے اٹھا صحیح و سالم تھا۔
میرا دل خوش ہوا۔ پھر میں عظمت کی طرف آیا۔ شمشیر بدست کھڑا تھا بوجہ لحاظ کے کوئی اس پر وار نہ
کرتا تھا۔ میں نے تلوار کے دو وار کیے بعد دیگرے اس کے سر پر کیے۔۔۔ اس کی آخری آواز یہ
تھی "مائی باپ مار دیے۔[8] اس اثنا میں جلیل خاص خیل آیا اور اتر کر ایک کاری وار کیا۔ جس سے
اس کا کام تمام ہوا۔ مجھے کہا "مائی باپ مار دیے"۔ یہ (عظمت) باپ سے لڑکپن میں یتیم رہ گیا
تھا۔ میں نے بیٹے کی طرح اس کی پرورش کی تھی۔ میں اسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا کہ جوان تند و تیز

بے عزت و آبرو کے معاملے میں میرے کام آئے گا۔ مگر آسمان کہتا تھا کہ تو خود اپنے ہاتھ سے اسے تلوار کے گھاٹ اتارے گا۔ اس وقت جو قیامت کا نمونہ ہے کچھ اعتبار کسی کا نہ رہا۔ باپ کی بیٹے سے کچھ امید نہ رہی۔ اور کیا کہو گے۔ جائے حیرت و عبرت ہے۔ تقدیر الٰہی اور برے آدمیوں کی شامت سے میرے خاندان کی حالت اس حد تک پہنچ گئی ہے۔

(۲) پس له يوې مياشتې راجه جسونت سنګ شجاعت خان د ډير لښکر سره د هندوستان په کروفر راغله چې په اټک راغله ما لره ئې کښل راواستول هم دلاسه هم دهشت ډير څه پکښې کښلي وو. ما هم په ښه طريق دليارنه خواب ورستاؤ. په خير آباد ئې څو مقامه وشول. لښکر ئې د ما په لورې راستاؤ ما هم ورنه خپله تعبيه وکړه اخر مغلو مصلحت په ما باندې ونه ليدو پېښور لره ولاړل.

ترجمہ: ایک مہینے کے بعد راجہ جسونت سنگھ اور شجاعت خان ہندوستان کی ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ بڑے کروفر سے آئے۔ جب اٹک پہنچے تو میرے پاس خط بھیجا اس میں تسلی اور دھمکی اور بہت سی باتیں تھیں۔ میں نے بھی اچھے طریقے سے دلیرانہ جواب دیا۔ خیر آباد میں چندے قیام کر کے میری طرف لشکر روانہ کیا۔ میں نے بھی اپنی تیاری کی۔ آخر مغلوں نے مجھ پر حملہ کو قرین مصلحت نہ جانا۔ پشاور کی طرف چل دیے۔

(۳) په دا منځ کښې خبر راغے چې شجاعت خان د ډير لښکر سره په ګنداب کښې ډوب شه. جسونت سنګ وتښتېدو. ايمل خان لويه فتح وکړه. ډير پښتون په دا کار خوښ شه شير محمد خان خوار حيران شه هيڅ ئې نه ژړه ورچې څه وکړم. شجاعت خان د ده وسيله وه ورک شه. دے مغلې وه د مغلو زور کم شه. دريا خان لره چې د ما خطونه ورغلل مصلحت ئې دا وکړ چې د نوښهر کوټ فلانه مات کړ. ايمل خان شجاعت خان ډوب کړ زه به ګوښے په کوهاټ ورشم د بل چا نوم راسره نه وي. دا فتح د ما په نام شي.

ترجمہ: اس اثنا میں خبر پہنچی کہ شجاعت خان بہت سی فوج سمیت گنداب میں ہلاک ہو گیا۔ جسونت سنگھ بھاگ گیا۔ ایمل خان نے بڑی فتح پائی۔ اکثر افغان اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ شیر محمد (بنگش) خوار و حیران ہوا کچھ نہ سوجھتا تھا کہ کیا کرے۔ شجاعت خان اس کا وسیلہ تھا جو جاتا رہا۔ وہ

(شیر محمد) مغلوں کا طرفدار تھا۔ اور مغلوں کی قوت کم ہو گئی تھی۔ جب دریا خان کو میرے خط ملے تو اس نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ فلاں (۹) نے نوشہرہ کے قلعہ کو سر کر لیا اور ایمل خان نے شجاعت خان کا کام تمام کیا۔ میں اکیلا کوہاٹ پر حملہ کروں گا کہ دوسرے کسی کا نام میرے ساتھ نہ ہو اور یہ فتح میرے ہی نام ہو۔

(۴) د خوړې نــه د مـحـرم پــه ورستــے ورخ روان وو درستــه صفره د "هفغ ۱۰۸۵) پــه لار پیاده تیـره شـوه. غره د ربیع الاول په تیراه وختوت. د تند په لاره میدان لـره ورغـلـو. جـوزا تحویل کړے وه غنم لا ډاډه نۀ وو. په سرطان کبنې داډه کـول. د تیـراه درسـت پشـکـال لکه یخ هسې وي. دننه په کوټ کبنې خـمـلاسـتو. غلور میاشتې مو هورته تیرې شوې. آفریدي په ښه طریق راورسیـدل. د یوسفزیو ملکانو کښل راپسې راغلل چې تۀ دلې راځه د اورنګزیب بادشاه کښل د راجه جسونت سنګ تر میان هم راغلل کۀ راشې ډیر ښۀ بـه ورسـره وکـړم بیا د ایمل خان و دریا خان وته د خپو چارو اشارت وکړو هغه زمان قابو د هغو چارو لیده ښه بې د دیو د مصلحت ما لره شرم وۀ چې علیـحده کار کولے. د یوسفزیو کښل مې ورښکاره کړل. اورنګزیب بادشاه پـه حسن ابـدال راغـے شاه زاده د ډیر لښکر سره د بنګش په لورې راغـے. د موږ فکر هسې وۀ چې په مني به بیا توله په کوهاټ وکړو چې بادشاه راغـے لښکر په بنګش راغـے هغه کار پاتو شۀ. نور فکرونه تر میان شول. خوا ناخواه د تیراه نه راروان شوم په دې غریبانو ژړا د مفارقت وه اما نصیب هسې وۀ. چې پـه آخـر د جمادي الثاني د تیراه نه راروان شوم راز علي، حسن علي، موسىٰ وغیره ښۀ ښۀ سوارۀ بدرقه راسره وو. په بازار راغلم هورته ایمل خان په مخه راغـے سره کښیناستو دے تیراه ته راتۀ وې وې چې راسره و جارو خه ما وې چې کۀ زۀ پـوهیـدے چې تۀ به راتشے زۀ به ستا و راتلو ته معطل وم. اما اوس روان یـم افریدیو ډیر ستړولم ستون نۀ شوم. اوس جارو خم څخو عجب غوندې شي. یو څو خبرې مو سره وکړې روان شوم آفریدي مې سره رخصت کـړۀ سـروبـاے بهام هر کدام ته ورکړه. د څخوبې په لیار ایمل خان سره د کې

لره راغلم شپه مې هورته تېره کړه. سبا بېرې راغله پورې شو. ورو ورو مهمندو کښې تلو وارو به پښتونولي کوله هر ځاې به په ښه روش راغله. ضيافت وغيره به ئې ښه وکړ ځاې به ځاې راسره وو تر خپل حدود نه ئې تېرولو. مهمند ښه عالم وليد شه. خصوصاً نظر مهمند عجب خوان وه کمال خان د ده وروړ زه ډېر پېرې منين شوم مرد وه ننګ پکښې ډېر ليده شه.

ترجمہ: خوڑے سے محرم کے آخری دن چلے تھے۔ ۱۰۸۵ھ کا ماہ صفر سارا راستے میں پیادہ چلتے گزرا۔ ربیع الاول کو ہم تیراہ پہنچ چکے تھے۔ تند کے راستے میدان میں داخل ہوئے۔ جوزا کی تحویل ہو چکی تھی۔ گندم کے دانے ابھی نہیں پکے تھے۔ سرطان میں پک گئے۔ تیراہ کا ساون سارا جاڑے کی طرح ہوتا ہے۔ قلعے کے اندر سوتے تھے۔ ہمیں وہاں رہتے چار مہینے گزر گئے۔ آفریدی بہت اچھی طرح پیش آتے تھے۔ یوسف زئی ملکوں کا خط میرے پاس آیا کہ تم ہمارے ہاں آؤ۔ اورنگزیب بادشاہ کا خط راجہ جسونت سنگھ کے پاس آیا کہ اگر (خوشحال خان) آئے تو اس کے ساتھ بہت بھلائی کا سلوک کروں گا۔ میں نے ایمل خان اور دریا خان کو بعض کاموں کے انجام دینے کا اشارہ کیا تھا اس وقت انہیں بجالانے کا موقع دکھائی نہ دیا۔ میں نے انہیں یوسف زیوں کا خط دکھایا اور نگزیب بادشاہ حسن ابدال آن پہنچا۔ شاہزادہ (اکبر) بہت سی فوج سمیت (قبیلہ) بنگش کی جانب آیا ہمارا خیال تھا کہ موسم خزاں میں ہم کوہاٹ پر حملہ کریں گے۔ جب بادشاہ آیا تو فوج کے (قبیلہ) بنگش کی طرف آنے سے وہ کام رہ گیا اور کاموں کی فکر ہونے لگی۔ خواہ مخواہ تیراہ سے روانہ ہوا۔ ان (آفریدیوں) بے چاروں کو جدائی کا غم تھا۔ مگر مقدر یہی تھا۔ اور میں سلخ جمادی الثانی کو تیراہ سے چل دیا۔ راز علی، حسن علی، موسیٰ وغیرہ اچھے اچھے سوار بطور بدرقہ میرے ساتھ تھے۔ بازار پہنچا وہاں ایمل خان ملا اکٹھے بیٹھ گئے وہ تیراہ کو جا رہا تھا کہنے لگا میرے ساتھ لوٹ جاؤ میں نے کہا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم آ ؤ گے تو میں تمہارے آنے تک ٹھہرا رہتا مگر اب روانہ ہو چکا ہوں۔ آفریدی مجھے روکتے تھے میں نہ رکا۔ (اس لیے) اگر اب واپس جاؤں تو کچھ معیوب سا دکھائی دے گا۔ چند باتیں آپس میں کیں۔ میں روانہ ہو گیا آفریدیوں کو میں نے رخصت کیا ہر ایک کو سروپا اور انعام دیا۔ بیسوبے کے راستے ایمل خان کے ساتھ ڈکے آیا۔ (۱۰) رات وہیں گزاری۔ صبح کشتی آئی اور پار اترے۔ آہستہ آہستہ مہمندوں (کے علاقہ) میں سے گزر رہے تھے۔ ہر جگہ اچھی طرح پیش آتے تھے۔ اچھی ضیافت کرتے تھے۔ ہر جگہ ہمارے ساتھ

ہوتے اور ہمیں اپنی حدود سے گزارتے مہمند اچھے لوگ دکھائی دیے۔ خصوصاً نظر مہمند اس کا بھائی کمال خان عجیب جوان تھا۔ مجھے اس کے ساتھ بہت محبت ہوگئی۔ اس میں غیرت جلوہ گر تھی۔

(۵)شپږم د جمادي الاول دے سنه غفو (۱۰۸۶) پوره يو کال د ما په دا ملک وشهٔ. واړه د دي سګ په شامت هيڅ کار تر سر نهٔ شهٔ..... نورو يوسف زيو چي خويشان نه وو څهٔ مروت خو وکړو د دهٔ له لوريه تش ست هم ونهٔ شهٔ بلکي يو باز ئ په پېښور کښي راستولے وهٔ تر يناک د شلو ملو روپيو. بل جوړ مات د کاره وتلے صدر خان لره ئ راستولے وهٔ يو اس کهنه په سراي کښي صدر خان ته دهٔ ورکړے وهٔ شايد چي لس خله به ئ ياد کړے وهٔ چي ما بازونه اسونه ورکړي دي. په جهان کښي خسيس پليد چشم شوم ډير وي اما په دهٔ باندي ختم دهٔ. دا سګ عجيب چي لا تراوسه په يوسف زني کښي چا نيست و نابود کړے نهٔ دے. درست يوسف زني لوے هلک سره دي پېژني چي دا هسي سګ پليد ځيز دے يو هسي اولس دے چي بيا پکښي روزګار کوه..... ملک عبدل ملک اخنر وغيره ملکان دا په تازګي مالوه راغلي وو بعضي فرار شوي دي کهٔ خداے کاره به هم سوات لره وخيژم. تر دا پوري خو بي د بازو د ښکار بل هيڅ هسي کار ونهٔ شهٔ چي زهٔ پري خوش شوے وے. پس له دي به ګورو چي څهٔ شي. موږ چي له تيراه د يوسف زني په لوري راغلو د سګ حمزه په سبب يو کال دا دے عبث راباندي تير شهٔ. د خير به لوري، د خاپش په لوري ښه ښه کارونه د ايمل خان د دريا خان له لاسه وشول.

ترجمہ: جمادی الاول ۱۰۸۶ھ کی ۶ تاریخ ہے مجھے اس ملک میں آئے پورا ایک سال ہوگیا۔ تمام تر اس کتے (ملک حمزہ خان) کی شامت ہے کہ کوئی کام نہیں ہونے پایا۔۔۔۔ باقی یوسف زئی جو رشتہ دار نہ تھے کچھ تو مروت سے پیش آئے۔[11] اس کی طرف سے ظاہری آؤ بھگت بھی نہ ہوئی۔ بلکہ ایک پرانا باز پشاور میں بھیجا تھا یہی بیس پچیس روپے کا۔ اور دوسرا پر شکستہ بے کار جرہ صدر خان[12] کے لیے بھیجا تھا۔ ایک بوڑھا گھوڑا بھی صدر خان کو سرائے اکوڑہ میں دیا تھا۔ شاید کوئی دس بار انہیں یاد کیا تھا اور کہا تھا کہ میں نے باز اور گھوڑے دیے ہیں۔ دنیا میں خسیس، پلید شوم چشم

بت ہوں گے۔ مگر اس پر تمام باتیں ختم ہیں۔ تعجب ہے کہ یوسف زئیوں میں اس کتے کو کسی نے اب تک نیست و نابود نہیں کیا۔ یوسف زئی چھوٹے بڑے اسے پہچانتے ہیں۔ کہ یہ کیسا کتا اور پلید ہستی ہے۔ یہ بھی کیا لوگ ہیں جو پھر بھی یہ ان میں بسر اوقات کرتا ہے۔۔۔۔ملک عبدل اور ملک اختر وغیرہ تھوڑا عرصہ ہوا میرے پاس آئے تھے بعض مفرور ہو چکے ہیں۔ خدا نے چاہا تو میں بھی سوات جاؤں گا۔ اب تک سوائے بازوں کے شکار کے ایسا کوئی کام نہ ہوا جس سے میں خوش ہوتا۔ اس کے بعد دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ ہم جو تیراہ سے سوات یوسف زئیوں کے ہاں آئے تو کتے حمزہ کے سبب میرا ایک سال ضائع ہو گیا۔ خیبر کی طرف اور خاپش کی جانب اچھے اچھے کام ایمل خان اور دریا خان کے ہاتھوں ہوئے۔

اقتباسات ۲ اور ۴ میں مندرجہ واقعات کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ ۵ میں مندرجہ واقعات جیسا کہ قارئین کرم اندازہ فرما سکتے ہیں تیراہ سے علاقہ یوسفزئی جا کر لشکر فراہم کرنے میں پیش آمدہ مشکلات سے تعلق رکھتے ہیں۔ خیبر اور خاپش کا حال تفصیل سے عرض ہو چکا ہے۔ اور ۵ کے بعد ے جمادی الاول کا اندراج بیاض بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ (۱۳)

خان علیین مکان کے چھوٹے چھوٹے فقرے عبارت کو بے حد پر لطف اور دل آویز بناتے اور اسے بالکل مکالے کا رنگ دیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے خان حجرے میں بیٹھا کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ کچھ پوچھتا ہے اور خان اسے نہایت برجستہ مختصر جواب دیتا ہے۔ اور باقی بات کہتا ہے اور وہ بھی نہایت اختصار مگر وضاحت سے تاکہ سننے والا جلد اور آسانی سے سمجھ لے اور جو کچھ وہ اور سننا چاہتا ہے وہ بھی جلد سن لے۔ انداز بیان کی روانی اور بے ساختگی کے علاوہ خان بسا اوقات اپنے بیان کے لیے بعض ایسے مواد کا انتخاب کرتا ہے جو اسے بے حد دلچسپ اور پر لطف بنا دیتا ہے۔ یہ خصوصیات جیسا کہ چاہیے بیاض میں نمایاں ہیں۔ تاریخی واقعات اور سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ جس طرح خان اپنے ذاتی مشاہدات اور جذبات و تاثرات اور خانگی معاملات کو بیان کرتا ہے۔ وہ اس کا حصہ اور بے حد قابل داد ہے۔ افسوس آج ہمارے پاس وہ خطوط موجود نہیں جو اس نے اپنے عزیز اور محبوب دوستوں ایمل خان اور دریا خان کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں۔ جن کی طرف بیاض میں کہیں کہیں اشارے پائے جاتے ہیں اور جن سے ہم اس کی انداز تحریر کا بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ خان علیین مکان کی نثر کے ذکر کے آغاز ہی میں عرض کیا گیا ہے اس کی نثر

میں فارسی و عربی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہی وہ بالعموم موزون اور بجا ہیں۔ ان زبانوں کے ایسے الفاظ بہت کم ہیں جو پشتو زبان میں غیر مستعمل ہیں۔ اور اس میں نہیں کھپ سکتے۔ اور پھر ان کم الفاظ میں بھی بعض ایسی جگہ استعمال ہوتے رہے ہیں کہ سیاق وسباق اور نوعیت مضمون کے لحاظ سے ان کا استعمال ناموزون دکھائی نہیں دیتا۔ مثال کے طور پر دستار نامہ کے اقتباسات میں سے ۲ میں بدطینت، بدفطرت، بدسرشت اور بدگہر ایسے جملے ہیں جو عموماً پشتو بول چال میں استعمال نہیں ہوتے۔ مگر ان چاروں جملوں کو بداصل (ابتدا) اور بدذات (انتہا) کے درمیان لا کر ایسا مانوس کر دیا ہے کہ شاید ٹھیٹھ سے ٹھیٹھ افغان بھی اصل مطلب سمجھنے میں دقت محسوس نہ کرے گا۔ اور نہ ہی اسے عبارت کوئی زیادہ نا آشنا معلوم ہوگی۔ کیونکہ ابتدا اور انتہا کے دونوں جملے پشتو میں بالعموم مستعمل ہیں۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جو اگرچہ پشتو میں مستعمل نہیں لیکن ان کا بدل پشتو میں ملنا محال ہے جیسے انکار، یا بساط وغیرہ اور وہ صرف اسی لیے نامانوس نظر آتے ہیں کہ پشتو علم و ادب مسلسل اس رفتار سے آگے نہیں بڑھا جیسا کہ اسے اس معیار پر آنے کے بعد جس پر اسے خان لایا تھا ترقی کرنا چاہیے تھی۔ اگرچہ خان کے بعد بھی پشتو کو حق تعالیٰ نے عظیم فنکار بخشے جن میں بعض کا کچھ زمانہ خان کے ساتھ شریک بھی تھا۔ مگر ایک تو خان جیسا متنوع "جینیس" ان میں نہ تھا۔ اور دوسرے انگریزوں کے بعد ایک طویل عرصہ تک نشو و نما کا یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا۔

بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اپنی اصل صورت میں غیر مستعمل و نامانوس ہیں مگر وہ دراصل پشتو میں شامل ہو کر نئی شکل و صورت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسے بیاض کے اقتباس ۲ میں لفظ "تعبیہ" (آراستہ کرنا، لشکر کا آراستہ اور آمادہ کرنا) اسی لفظ کو اب پشتو میں تابیا کہا جاتا ہے۔ کوشش و تیاری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح کا ایک دوسرا لفظ بیاض کے اقتباس ۳ میں استعمال ہوا ہے "معطل" کھڑا ہوا، رکا ہوا کے معنی میں آیا ہے۔ اسی لفظ کو اب جنوبی اضلاع سرحد میں حل (معطل) حلی (معطلی) کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ حل کیدل اور حلی کول ٹھہرنے وغیرہ کے معنی میں آتا ہے۔

خان علیین مکان سے پہلے پشتو نثر کے بعض دستیاب نمونوں پر نظر ڈالنے سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ وہ پہلا معلوم ادیب ہے جس نے اصل اور مکمل نثر لکھی۔ جو ہر لحاظ سے نثر ہونے کے علاوہ سادگی سلاست کے ساتھ کئی لفظی اور معنوی خوبیوں اور بیان کے گوناگوں محاسن سے مزین ہے۔ اس کے علاوہ خان علیین مکان اور پیر روشن (یا تاریک) اور اس کے حریف مقابل

اخوند درویزہ کے درمیان جو عرصہ گزرا ہے اس میں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے پشتو نثر نے مزید قدم نہیں بڑھایا اور اس طویل عرصہ کی کمی کو بھی خان ہی نے پورا کیا ہے۔ خان نے جو بڑا قدم اٹھایا ہے اس کا صحیح اندازہ شہنشاہ اکبر کے معاصروں پیر تاریک اور اخوند درویزہ کی نثر کے نمونوں کے مطالعہ سے بخوبی ہو جائے گا۔ پیر تاریک کی نثر کا نمونہ پہلے ملاحظہ ہو:

"که څوک اس اسپے لري کال تیر شي تمام
څښتن ئ اختیار لري چې بو دینار د ورکه د هر حیوان
یا بها کا له دوو سوو درمو دي پنځه ورکي تمام"

ترجمہ: اگر کوئی گھوڑیاں پالتا ہو (پشتو۔ لری) ایک سال گزر جائے تمام (پورا) تو اختیار ہے (لری) مالک کو کہ ادا کرے ایک دینار بحساب ایک حیوان یا قیمت مقرر کرکے (پشتو۔ بہا کی) دو سو درم کے پیچھے پانچ روپے تمام (کل)

اور یہ ہے نمونہ اخوند درویزہ کی نثر کا:

"امام عمر نسفي هسې ویلي مبرهن دي. چې صوفیان د حق دوستان دي چې د زړه په پاک کردن دي. دوئ پربښے غیره مینه آشنائي ده له خدایه. موافق له کتابه. آراسته د پاک رسول پر بنه سنن دي."

ترجمہ: "امام عمر نسفی نے بات کہی ہے مبرہن (واضح) کہ صوفیان (صوفیا) ہیں حق کے دوستان (دوست) کام ہے ان کا دل کا پاک کردن (کرنا) چھوڑی انہوں نے غیر کی محبت (پشتو۔ مینہ) آشنائی ہے ان کی ساتھ خدا کے (پشتو۔ لہ خدایہ) عمل ہے ان کا موافق کتاب (پشتو لہ کتابہ) آرائش ہیں ان کی رسول پاک ﷺ کے سنن۔"

اگرچہ دستار نامہ کے دیباچہ کے ابتدائی چند کلمات بھی اسی طرز تحریر کا نمونہ ہیں مگر باقی تمام کتاب کی طرز انشا وہی ہے جس کے نمونے پیش کیے جا چکے ہیں۔ مذکورہ چند کلمات کو شاید اس لیے مقفیٰ و مسجع لکھا گیا ہے کہ اس زمانہ میں اس طرز انشا کو علما و فضلا سے مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے خان نے کتاب کی ابتدا اس طرز میں کی۔ وہ چند کلمات حسب ذیل ہیں:

"بس د خدایے د حمد و ثنا. درود په مصطفیٰ. او د دهٔ په آل و په اصحاب او په جمیع اهل هدیٰ. او زمرهٔ اتقیا. وایم زهٔ پیرو د نفس و هوا محبوس د عنا. گرفتار د دام بلا باني د دې انشا. مؤلف

د دې املا چې باعث د دې تصنیف وه دا"

یعنی: بعد خدا کی حمد وثنا کے اور درود اوپر مصطفٰی کے اور اوپران کی آل اصحاب اور جمیع اہل ہدیٰ اور زمرۂ اتقیا کے کہتا ہوں میں پیرو نفس وہوا۔ محبوس عنا (دکھ رنج) گرفتار دام بلا۔ بانی اس انشا کا اور مؤلف اس املا کا کہ باعث اس تصنیف کا ہے دا (یہ)"

اس کے بعد وہ شعر ہے جو قبل ازیں لکھا جا چکا ہے اور آگے عبارت سلیس ہو جاتی ہے۔

امید ہے اب قارئین کرام بخوبی اندازہ لگا سکے ہوں گے کہ خان علیین مکان پشتو نثر کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ فی الواقع پشتو زبان، پشتو ادب، نظم ونثر کا خان علیین مکان بہت بڑا محسن ہے۔ پشتو ادب پر اس کا احسان نہ ختم ہونے والا اور ناقابل فراموش ہے۔ جوں جوں پشتو ادب ترقی کرے گا اس احسان کا احساس اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔

حواشی

۱۔ پگڑی باندھنے والے ہزاروں ہیں پر پگڑی کے اہل معدودے چند ہیں۔

۲۔ اصل عبارت کو پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ ہم وزن الفاظ لانے کی کچھ کوشش کی گئی ہے مگر پھر بھی عبارت بہت روان اور بے ساختہ و بے تکلف ہے۔

۳۔ جمع کرنا۔ غلے کو اس نیت سے جمع کرنا کہ مہنگائی کے وقت نفع سے بکے۔

۴۔ یوہ (ایک) کی واؤ کو پشتو کی مخصوص حرکت سے پڑھیے ورنہ بصورت فتح یہ لفظ جو بصیغہ مذکر استعمال ہوا ہے مونث ہو جائے گا۔

۵۔ یہ واقعات ۱۰۸۴ھ میں بہرام کے ساتھ لڑائیوں کے دوران میں پیش آئے۔

۶۔ ش پر پشتو کی چوتھی مخصوص حرکت۔ معنی ہوں گے "ہوگیا" یا "ہوا"۔ اگر ش پر فتح پڑھا جائے تو یہ لفظ امر بصیغہ واحد کے معنی دے گا۔ اس لفظ (بہ معنی ہوگیا یا ہوا) کا ایک املا شو بھی ہے۔ جو قارئین قبل ازیں بارہا ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

۷۔ باپ کا نام حکیم بیان ہوا ہے۔

۸۔ بہرام خان کی حمایت کرنے کے علاوہ عظمت کا ناقابل معافی جرم یہ تھا کہ بہرام کی پہلی شکست کے بعد اس نے چند اور ساتھیوں کے ہمراہ خوشحال خان کے کنڈوں (جمع کنڈہ۔ قافلہ، خاندان بہ حالت کوچ) جن میں خواتین بھی تھیں کا تعاقب کیا تھا۔ مگر جلد ہی نرغہ میں آ گیا۔ اور جو

نشر ہوا وہ بیان ہو رہا ہے۔

یعنی خوشحال خان۔

۹۔

۱۰۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۶ ص ۷ باب ایمل کی شورش

۱۱۔ قارئین کرام یاد رکھیں گے کہ ملک حمزہ خان یوسف زئی خان علیمین مکان کا سالہ تھا۔

۱۲۔ صدر خان خان علیمین مکان کا بیٹا اور ملک حمزہ خان کا بھانجا تھا۔

۱۳۔ ص ۲۰۱ کتاب ہذا

خوشحال خان کا اثر پشتو ادب پر

پشتو ادب پر خان علیین مکان کے اثر کی تحقیق کرتے ہوئے ہم سب سے پہلے خان کی قومی شاعری کے اثر کی پشتو ادب میں تلاش کرتے ہیں۔ اگر چہ اس بات کا اندازہ آسانی سے نہیں لگایا جاسکتا کہ خان کی قومی شاعری کا براہ راست یا بہ الفاظ دیگر اس کے مطالعے کا بعد کے پشتو ادب پر کتنا اثر پڑا۔ لیکن اس تحریک سے جس میں خان نے اہم ترین کردار ادا کیا۔ پشتو ادب بہت حد تک متاثر ہوا۔ اور اگر اس تحریک میں خان کی تلوار حصہ دار ہے تو اسکا قلم بھی برابر کا شریک ہے۔ اس لیے بعد کا پشتو ادب خان سے نہ صرف بحیثیت ایک قائد بلکہ ایک ادیب بھی۔ اگر بلاواسطہ نہیں بالواسطہ ضرور متاثر ہوا۔ کیونکہ جس تحریک سے وہ متاثر ہوا وہ خان کی شمشیر و قلم دونوں کی مرہون منت تھی۔

افغان مغل جنگ نے جس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں جس کے تین ہیروز میں سے ایک خوشحال خان اور قومی تحریک کا روح درواں تھا۔ افغانوں کے ملک کے ایک بہت بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اور اس سے پہلے کبھی مغلوں کو اتنی زبردست وسیع و منظم افغان قومی تحریک کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ اس جنگ اور اس کے نتائج نے عام طور سے افغانوں کے دلوں میں مغلوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کیے اور مغل افغانوں میں بہت ہی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھنے جانے لگے۔ ادب پر بھی اس کا اثر نمایاں طور سے ہوا۔ جس سے گوشہ نشین صوفیا اور درویش بھی نہ بچ سکے۔ پشتو کے ہردلعزیز صوفی شاعر ملا عبدالرحمن مہمند [۱] کا ایک شعر ہے:

به سبب د ظالمانو حاکمانو — ظالم حکام کے ہاتھوں

کور او اور/ګور او پېښور درې واړه یو دي — گھر، آگ/قبر اور پشاور تینوں ایک سے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک طویل نظم میں اورنگزیب کی ہجو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حرص و آز کی وجہ سے اورنگزیب نے اپنے خاندان کو برباد کر ڈالا۔ اور ہندوستان کابل اور پشاور میں یکساں اودھم مچایا حتیٰ کہ حرص میں دارا و سکندر بھی اس کے سامنے ہیچ ہوگئے۔ ہجو کے بعد شہنشاہ کی وفات پا تا ہے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا وجود غنیمت تھا جس کے بعد ہندوستان میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا۔ [۲]

ہوسکتا ہے کہ ملا عبدالرحمن نے پشاور کے ستم پیشہ حکام کی ہجو بحیثیت ایک افغان کے ان کے مغل ہونے کی وجہ سے نہ کی ہو اور اورنگزیب کے خلاف بھی جو کچھ کہا ہے وہ اس نقطۂ نظر سے نہ ہو۔ بلکہ ایک صوفی کا خیال دنیادار بادشاہ کے متعلق ظاہر ہو گیا۔ لیکن اگر افغانوں اور مغلوں کے تعلقات بے حد کشیدہ ہو گئے تھے۔ جو حقیقت ہے اور مغل افغانوں کے ساتھ برا سلوک کر رہے تھے۔ تو یہ غیر اغلب ہے کہ عبدالرحمن بحیثیت ایک افغان اپنے ہموطنوں کی مظلومیت سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کے کلام میں افغانیت کے عنصر پر بعض اور عناصر غالب ہیں۔

اب خان کے چند دیگر ادبی جانشینوں کے اشعار ہدیۂ قارئین ہیں۔ پہلے ملا عبدالحمید مہند ساکن ماشوگگر (۳) کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ جن میں ہر ناپسندیدہ اور بری چیز کو مغل سے تشبیہ دی گئی ہے:

(۱)

کہ پہ نور وکړي ظلم د مغل دے	اگر اور لوگوں پر مغلوں کے ہاتھوں ظلم ہو رہا ہے
خدائے غم نہ کړه دا ستا مغل زما	تو میرے لیے خدا نے تیرے غم مغل بنا دیے۔

(۲)

تا مې رنګ هسې له صبره سره وران کړو	تو نے میری اور صبر کی آپس میں یوں بگاڑ دی
لکه وران د پښتنو وي له مغل رنګ	جیسے مغل اور افغان کا باہم بگاڑ ہوتا ہے۔

(۳)

بو به نسم مغلوالے د رقیب ستا	میں کبھی رقیب کا مغلیانہ پن برداشت نہ کرسکوں گا
کہ زو کړے وم رښتیا له پښتنې زه	اگر فی الواقع افغان ماں سے جنا ہو۔

رقیب کی عادات واطوار کو مغل پن کہنا مغلوں سے انتہائی نفرت کی دلیل ہے۔

(۴)

به تمام جهان قراره قراري ده	ساری دنیا میں آرام وسکون ہے
به حمید د غم مغل راوختلہ	مگر حمید پر غم مغل بن کر چڑھ آئے۔ (۴)

خوشحال خان کا ایک اور ادبی جانشین علی خان (۵) کہتا ہے:

د کوڅې ګوټ به دې پرې نه ږدم رقیب ته	رقیب کو تیرے کوچے میں نہ آنے دوں گا
اپریدے شوم و مغل ته خیر نیسم	میں آفریدی بن کر خیبر میں مغل کا راستہ روک رہا ہوں۔ (۶)

ایک اور افغان شاعر خواجہ محمد بنگش (۷) کہتا ہے:

د اورنگ په بادشاهي کښې مې نباؤ نشي	اورنگزیب کی بادشاہی میں میری واد رسی نہیں ہوتی
زه خواجه محمد ووزم و بل لور ته	میں خواجہ محمد کہیں اور نکل جاؤں گا۔ (۸)

خان علیین مکان کے ایک ادبی جانشین ملا پیر محمد کاکڑ (۹) کی ایک غزل کا شعر ہے:

غمازان چې دلسوزي په عاشق نه کا	غماز جو عاشق پہ رحم نہیں کرتے
غمازان گبر و مغل درې واړه يو دي	یہ گبر اور مغل تینوں ایک ہیں۔

خوشحال خان کے بیٹے اشرف خان ہجری کا ایک شعر ہے:

هر چې وکړل هجري په زړه دلبرو	جو کچھ حسینوں نے ہجری کے دل کے ساتھ کیا
هغه تاخت په سر د مغل کله خیبر کا	بھلا وہ مغلوں پر خیبریوں کے حملوں میں کب گزرتا ہے

اس شعر میں وہ بات نہیں جو علی خان کے شعر یا حمید کے شعروں میں ہے۔ علی خان کو چہ یار کو خیبر اور رقیب کو مغل سے تشبیہ دیتا ہے۔ اسی طرح حمید کے اشعار میں بھی ہر نامرغوب چیز کو مغل سے مشابہ کیا گیا ہے۔ اور پیش نظر شعر میں ہجری اپنے دل اور حسینوں کے لیے بالترتیب مغل اور افغان (خیبری) لایا ہے تاہم افغانوں اور مغلوں میں جو شدید عداوت موجود تھی اس کا پتہ اس شعر سے بھی بخوبی چلتا ہے۔ (۱۰)

مندرجہ بالا شعر کے علاوہ اشرف خان ہجری کے کلام میں ایسے اپنے وطن کی جدائی میں کہے ہوئے بیحد پرسوز و گداز اشعار ملتے ہیں۔ جو اس کے ایام حبس کی یادگار ہیں۔ اگرچہ یہ اشعار براہ راست نہ تو اپنے باپ کے قومی ترانوں اور نہ ہی اس کی قومی تحریک کے زیر اثر کہے گئے تھے۔ بلکہ حب وطن کے فطری جذبے کا نتیجہ ہیں۔ لیکن ہجری کی گرفتاری اور قید میں باوجودیکہ وہ حکومت کا طرفدار تھا اور اس نے اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں اپنے باپ کے ساتھیوں کے ساتھ لڑنے سے بھی دریغ نہ کیا ضرور کسی حد تک اس وقت کی سیاسی فضا اور افغانوں اور مغلوں کے تعلقات کا دخل تھا۔ اس لیے عنوان زیر بحث کے تحت ہجری کے بعض حبسیہ اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں:

(۱)

بیجاپور هجري په خوب لیدلے نه وه	ہجری نے کبھی خواب میں بھی بیجاپور کو نہ دیکھا تھا۔
آخر بیښ شي هغه کار چې ئې قضا کا	مگر تقدیر کا لکھا آخر سامنے آ ہی جاتا ہے۔

(۲)

ما هلته ماتم د خان وکړو په وينو — میں نے اپنا ماتم اس وقت خون کے آنسوؤں سے کیا

چې اتک وته مې شا شوه په ژړا شوم — جب (وطن سے آتے ہوئے) اٹک مجھ سے پیچھے رہ گیا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اوس به څه د وطن کاڼي بوټي ژاړم — اب میں وطن کے حجر و شجر کو یاد کر کے کب تک روؤں گا

درخصت سلام مې وکړ ترې بېلا شوم — میں نے انہیں آخری سلام کیا اور انہوں نے مجھے الوداع کی۔

(۳)

جدائي له پاره يو نفس ماتم دے — یارے پل بھر کی جدائی مصیبت ہے

چې فرقت شي به کالونو څو ستم دے — اس غضب کے کیا کہنے جب برسوں کا فراق ہو۔

د وصال په طمع باد غوندې چليږي — امید وصال کی وجہ سے ہجر ہوا کی طرح گزر رہا ہے

کنه لږ هجر له قرنه مره سم دے — ورنہ اس کی ایک ساعت قرن معلوم ہوتی ہے۔

بې وطنه تنها پروت يم په غربت کښې — پردیس میں اکیلا وطن سے کوسوں دور پڑا ہوں

نن له ما سره همدم د صنم غم دے — اگر میرا کوئی ہمدم ہے تو غم صنم۔

قاصدان له روهه نه راځي مدت شو — عرصہ ہوا کہ روہ سے قاصد نہیں آ رہے

سلام باد را رسوي منت ئې تم دے — میں ہوا کا ممنون احسان ہوں جو مجھ تک سلام پہنچا رہی ہے۔

مگر افغانوں اور ان کے ادب پر خان علیین مکان کا اثر مغلوں کے خلاف غصے اور نفرت کے جذبات اور قومی احساسات پیدا کرنے تک ہی محدود نہیں۔ خان کی فیض تربیت اور علمی و ادبی کاوشوں کے آثار اس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔ اس کی بخشش نے پشتو ادب کے دامن کو گلہائے رنگارنگ سے بھر دیا اور روہ کے چمنستان ادب میں جو پھول اس نے لگائے تھے اس کے جانشین کماحقہ اس کی آبیاری کرتے رہے۔

اگر چند مستثنیات سے قطع نظر کر لیا جائے تو خان سے پہلے ہمیں پشتو نظم میں غزل ہی کا وجود نظر آتا ہے۔ باقی اصناف سخن جن کا ذکر حصہ اول میں دیوان پر مختصر تبصرہ کے دوران میں کیا ہے پشتو ادب میں قریباً مفقود تھے۔ جہاں تک مضامین و افکار کا تعلق ہے پشتو غزل صرف عشقیہ اور صوفیانہ اظہار خیال کے لیے وقف تھی۔ خان علیین مکان نے علاوہ دیگر اصناف سخن کے غزل کو بھی

گونا گوں خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اور اس صنف سخن میں مسلسل غزل کو اتنی ترقی اور وسعت دی کہ اس کی مثال نہ صرف پشتو میں بلکہ اردو اور فارسی میں بھی بہت کم ملے گی۔ مسلسل غزل کے ذریعہ اس نے مذہبی، صوفیانہ، فلسفیانہ، اخلاقی، قومی اور عشقیہ مضامین کو نظم کا جامہ پہنایا اور مناظر فطرت کی عکاسی بھی کی ہے۔

فارسی ادب کے وسیع مطالعہ کے سبب خان نے پشتو غزل میں گونا گوں صنائع و بدائع داخل کیے۔ اور انہیں اپنے رنگ میں خوب ترقی دی۔ اسی طرح باقی اصناف سخن میں خان نے نہ صرف قصیدہ و رباعی سے پشتو ادب کو آشنا کیا بلکہ ان صنفوں کو بہت زیادہ وسعت و ترقی دی اور قریباً ہر قسم کے مضامین و افکار کو ان میں داخل کیا۔ خان علیین مکان کے ادبی جانشینوں کے آثار کے مطالعہ سے ان پر خان کے نقوش واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ خان کی جامعیت و وسعت کا عشر عشیر بھی اس کے ادبی جانشینوں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ مگر ان کی ادبی تخلیقات میں کسی نہ کسی رنگ میں اکثر خان جلوہ گر نظر آتا ہے۔ خان کے عظیم القدر ادبی جانشین ملا عبدالرحمٰن مہمند کے دیوان کو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف ان بحروں، قافیوں اور ردیفوں میں بعض قصیدے اور غزلیں کہی ہیں جن میں ان سے پہلے خان کہہ چکا تھا۔ بلکہ ان مضامین پر بھی طبع آزمائی کی ہے جن پر خان اظہار خیال کر چکا تھا۔ ملا عبدالرحمٰن نے بھی غزل و قصیدہ کے علاوہ مخمس بھی لکھی ہیں۔ اسی طرح خان کے کلام کا اثر ان کے دوسرے ادبی جانشینوں کے کلام میں بھی نمایاں ہے۔ ملا پیر محمد کاکڑ نے بہت سی غزلیں خان کی غزلوں پر کہی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پیر محمد نے جتنی غزلیں خان کے تتبع میں کہی ہیں شاید ہی کسی دوسرے شاعر کے تتبع میں کہی ہوں۔ پیر محمد خان علیین مکان کو ملا عبدالرحمٰن کے بعد پشتو کا سب سے بڑا شاعر مانتا ہے۔ پیر محمد نے بھی غزل و قصیدہ کے علاوہ رباعیات، مربع، مخمس، مسدس، معشر، ترجیع بند اور مثنوی یادگار چھوڑی ہیں۔

موشگاف عبدالحمید مہمند ایک بہترین غزل گو ہونے کے علاوہ ایک مثنوی کا مصنف بھی ہے۔ خان کی اولاد میں جو شعرا ہوئے ہیں ان کے کلام میں بھی خان کا اثر نمایاں طور سے دکھائی دیتا ہے۔ خان کا فرزند عبدالقادر خان اور اشرف خان ہجری کا پوتا کاظم خان شیدا پسر افضل خان نہ صرف بہت بڑے پائے کے غزل گو تھے بلکہ ان کی رباعیاں بھی لفظی و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے پشتو ادب کا بہت قیمتی حصہ ہیں۔ رباعیات کے علاوہ انہوں نے مثنویاں بھی یادگار چھوڑی

ہیں۔ خان کے فیض تربیت سے اس کے خاندان نے پشتو ادب کی جو خدمت نظم ونثر میں تصنیفات وتالیفات کر کے کی اس کا مختصر ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔

پشتو نثر میں خان علیین مکان نے جو انقلاب پیدا کیا اس کے متعلق مختصراً عرض کیا جا چکا ہے جس سے پشتو نثر کی ترقی میں خان کے حصے کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

درحقیقت یہ خان کی ادبی تحریک ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد پشتو کے عظیم فنکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہوئی۔ جن کی فطری صلاحیتیں خان کی علمی وادبی ضیاپاشیوں سے خوب چمکیں۔ پشتو ادب اور افغان شعرا پر خان کے اثر واحسان کے متعلق کاظم خان شیدا نے بجا طور پر کہا ہے کہ:

هر شاعر چې د افغان دے	ہر افغان شاعر
ریزه چین د خان د خوان دے	خان کے خوان علم وادب کا ریزہ چین ہے۔
فی المثل که بل مهتاب دے	دوسرا ایک مہتاب ہے
مستفید د دې آفتاب دے	جو اس آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

خان ہی پشتو کا ملک الشعراء اور پشتو ادب کا مجدد اور سب سے بڑا محسن ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے مشہور عالم وادیب شمس العلماء قاضی سید میر احمد خان رضوانی مرحوم نے بجا طور خان علیین مکان کو تمام افغان شعرا کا بادشاہ کہا ہے:

د پښتو ژبې که ډیر دي شاعران	اگر چہ پشتو زبان کے بہت سے شعرا ہیں
خو په وارو کښې بادشاه دے خوشحال خان	لیکن ان سب کا بادشاہ خوشحال خان ہے۔

حواشی

ا۔ عارف افغانی ملا عبدالرحمن مہمند پشاور سے جانب جنوب قریباً ۳ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں دیہہ بہادر (جو پشتو میں بہادر کلے کہلاتا ہے) میں پیدا ہوئے تھے۔ اور پشاور کے قریب جانب جنوب (قدرے شرقاً) دیہہ بہادر سے جانب مشرق ہزار خوانی میں مدفون ہیں۔ اگر چہ آپ کا اور خان کا کچھ زمانہ ایک تھا اور یہ بھی مسلم ہے کہ خان عمر میں آپ سے بہت بڑا تھا۔ مگر ملا عبدالرحمن کی تاریخ ولادت ووفات کے متعلق صحیح علم نہیں۔ پٹہ خزانہ کے مؤلف آپ کی ولادت ۱۰۴۲ھ اور وفات ۱۱۱۸ھ میں لکھی ہے۔ جہاں تک مبینہ سال وفات کا تعلق ہے اس کے غلط

ہونے کی بہت قوی دلیل موجود ہے۔ دیوان عبدالرحمٰن میں اورنگزیب کے بیٹوں محمد معظم شاہ عالم اور محمد اعظم کی لڑائی کا ذکر ہے اور یہ لڑائی آگرہ اور دھولپور کے درمیان جاجو کے میدان میں ۱۸ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ (۱۸ جون ۱۷۰۷ء) کو شروع ہو کر تین دن بعد شاہ عالم کی فتح پر منتج ہوئی۔ میہنہ سال ولادت کے متعلق بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سال وفات کے غلط ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔ پٹہ خزانہ ص ۹۳ دیوان عبدالرحمٰن بطرز جدید ص ۱۹۱ سابقہ ایڈیشن ص ص ۱۴۵ م۔ل حصہ ۲ ص ۵۹۰۔۵۹۷ سیر المتاخرین جلد ۲ ص ص ۳۷۶، ۳۷۷

۲۔ دیوان عبدالرحمٰن بطرز جدید ص ص ۴۲۔۴۴ سابقہ ایڈیشن ص ص ۳۱۔۳۳

۳۔ ماشوگگر (واؤ مجہول) پشاور سے جانب جنوب قریباً ساڑھے سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حمید پشتو کے چوٹی کے شعرا میں سے ہے۔ اور اپنی نازک خیالی کی وجہ سے موشگاف کہلاتا ہے۔ اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد شاہ رنگیلے (۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء) کا ہم عصر تھا۔ کلام سے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کچھ زمانہ حیات ملا عبدالرحمٰن کے ساتھ بھی مشترک تھا۔

۴۔ دیوان عبدالحمید ص ص ۸۔۸۳۔۱۰۶۔۱۱۱

۵۔ علی خان کو بعض محققین خٹک اور خان علیین مکان کا پوتا (افضل خان کا بیٹا) بتاتے ہیں) مگر بعض کو اس خیال سے اختلاف ہے اور ان میں سے بعض اسے یوسف زئے اور بعض مہمزئے خیال کرتے ہیں۔ دیوان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۱۸۰ھ میں زندہ تھا۔

۶۔ دیوان علی خان ص ۶۳۔

۷۔ اس کے متعلق تا حال کوئی معلومات میسر نہیں ہو سکیں۔ البتہ کلام سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اورنگزیب اور خوشحال خان کا ہم عصر تھا۔

۸۔ گلشن روہ (انتخاب خواجہ محمد) ص ۴

۹۔ ملا پیر محمد کاکڑ احمد شاہ ابدالی کا ہم عصر اور اس کے بیٹے سلیمان کا استاد ہے۔

۱۰۔ زیر بحث شعر کا مصرعہ ثانیہ غیر موزون ہے جس طرح گلشن روہ میں دیا ہے میں نے ویسے نقل کر دیا ہے ممکن ہے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی ایک طرح ہو۔

(۱) دا تاختونه به مغل کله خیبر کا یعنی بھلا وہ مغلوں پر خیبریوں کے حملوں میں کب گزرتا ہے۔

(ب) دا تاختونه مغل کله په خیبر کا یعنی بھلا وہ خیبر پر مغلوں کے حملوں میں کب گزرتا ہے۔

دوسری صورت میں زبان اور معنی دونوں لحاظ سے مصرعہ بہتر ہوگا اگرچہ لفظی تغیر سے مصرع تو موزون ہوگیا مگر پہلی صورت میں اہل خیبر کے لیے خیبر استعمال ہوا ہے جو اچھا دکھائی نہیں دیتا۔ نیز جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اپنے دل کے لیے مغل اور حسینوں کے لیے شاعر خیبری لایا ہے برعکس اس کے دوسری صورت میں زبان بھی سدھ گئی اور عاشق کے دل کو خیبر سے مشابہ کیا گیا ہے کیونکہ اس پر بھی اسی طرح حملے ہو رہے ہیں۔ جس طرح مغل خیبر پر اسے دوبارہ سر کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ اور یوں بھی اپنے وطن اور دل کو تشبیہ دینے میں جو خوبی ہے وہ ظاہر ہے یوں معشوقوں کو ان کی سنگ دلی کی وجہ سے مغلوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

(۱۴)

نگاہِ بازگشت

یہ تھی روہ کے مردِ میدان ادیب کی تلوار اور قلم کی جھلک جو آپ نے دیکھی۔ یہ خوشحال خان ملت افغان کے قائد اور شاعر و مفکر کی زندگی کی کہانی تھی جسے خٹک قبیلہ کی سرداری ورثہ میں ملی اور جس نے اپنی خداداد قابلیتوں اور صلاحیتوں کے پیہم استعمال سے افغان قوم کی لازوال سرداری حاصل کی۔ جسے آج نہ صرف خٹک بلکہ یوسف زئی، مندڑ، غوریہ خیل، مہمند زئی، آفریدی، شنواری، ملکزئی، درانی اور دوسرے سارے افغان قبائل بابا (دادا) کہنے لگے ہیں۔ جسے خٹک اگر یوسف زئی، مہمند، آفریدی اور شنواری کے سامنے اپنائے گا تو وہ شاید برا مانتے ہوئے خٹک سے زیادہ اس کے ساتھ اپنا تعلق جتائیں۔

اس عظیم شخصیت کی داستانِ حیات میں اتنی وسعت اور اتنا تنوع ہے کہ اسے بیان کرنے والے کی خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود سننے اور پڑھنے والے اس میں کافی جاذبیت پائیں گے۔ وہ میدانِ عمل کا شاہسوار، گلزارِ سخن کا طائرِ خوشنوا اور فضائے فکر و خیال کا محوِ پرواز شہباز ہے۔ اس کی بساطِ بزم بھی اتنی ہی وسیع ہے۔ اور اس کے قلم کی گوناگوں گلکاریوں سے مزین ہے۔ جتنی کہ اس کی رزم گاہ بڑی ہے اور اس کی تلوار کی لالہ کاریوں سے منقش ہے۔ اگر اس کے توسنِ عمل کی جولانگاہ آگرہ اور دہلی سے بلخ و بدخشان تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کا دریائے علم و فن بھی ناپیدا کنار ہے۔ اگر اس کی تلوار کبھی مشرقی پنجاب میں تاراگڑھ کے پہاڑی قلعہ کے راجپوت محصورین کے سروں پر چمکتی نظر آتی ہے تو کبھی وہ بدخشان کے برفانی پہاڑوں اور بلخ کے گرم میدانوں میں مصروفِ عمل اور ازبکوں، ہزاروں اور المانوں کے ساتھ سرگرم جدال و قتال نظر آتا ہے۔ کبھی تو وہ مغل شہنشاہیت کے لیے ہمیں اپنے ہم قوم و ہم وطن افغانوں کے خلاف شمشیر بکف نظر آتا ہے اور کبھی ہم اسے ایک مشتبہ اور باغی کی حیثیت میں دہلی اور رنتھمبور کے قید خانوں میں پاتے ہیں۔ ہم اس سے روہ کے پہاڑوں، میدانوں اور دریاؤں کی یاد میں سوز و گداز گیت سنتے ہیں۔ انہی درد بھرے گیتوں میں ہمیں انتقام کی آگ کی چنگاریاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ شاہجہان کا دل نشین ہونے کے لیے اس نے مسلمانوں کے خون کیے۔ اورنگزیب کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان کے کلہ منار بنائے۔ ان مسلمانوں کے جن کے ساتھ

اس کا خونی رشتہ تھا جو اس کے ہم قوم، عزیز اور قرابت دار تھے مگر وہ مغل نہ بن سکا۔ اور افغان کا افغان ہی رہا۔ افغان اسے گالیاں دیتے تھے۔ وہ ٹوڈی کہلاتا تھا وہ یہ سب کچھ برداشت کرتا تھا۔ تا کہ وہ مغلوں کا اعتماد حاصل کر سکے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے صوبہ دار کا ایک لفظ اسے اس کی آزادی سے محروم کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ سوچتا ہے کہ آخر یہ کیوں؟ وہ اپنے دل سے پوچھتا ہے اور اسے جواب ملتا ہے کہ یہ اس لیے کہ تم افغان تھے اگر تم مغل ہوتے تو شاید تمہیں اتنا حقیر نہ سمجھا جاتا۔ تمہارے خلوص تمہاری وفاداری اور فداکاری کے باوجود تمہیں اس لیے مشتبہ سمجھا گیا کہ تم ایک ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ مغلوں کی دشمنی ہے۔ اور جسے وہ ہمیشہ شک کی نظروں سے دیکھیں گے۔ تمہیں اس لیے حقیر اور تمہاری گرفتاری اور قید کو اس لیے معمولی سی بات سمجھا گیا کہ تم ایک محکوم قوم سے ہو۔ جس کے افراد کی آزادی باوجود ان کے خلوص و فداکاری کے متعلق شک و شبہ رہا اور اس میں اور دوسرے افغانوں میں کوئی فرق نہ کیا تو خان نے مجبور ہو کر مغلوں سے کہہ دینے کی ٹھانی۔ کہ اچھا دوست نہیں تو دشمن ہی سہی۔ مگر پھر بھی اس نے تامل کیا جب وہ رہائی اور نظر بندی کے بعد وطن آیا تو کچھ عرصہ بعد دل میں زبردست شورش نمودار ہوئی اس میں پہلے تو اپنے ایک محسن دوست کی خاطر اس نے بادل ناخواستہ مغلوں کا ساتھ دیا اور بعد میں علیحدہ ہو گیا۔ اگرچہ جذبۂ انتقام اسے مغلوں کے خلاف عملی اقدام کرنے کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔ لیکن اس نے اس وقت تک ان کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا جب تک مہابت خان نے اسے اس کے لیے مجبور نہ کر دیا۔ جب تک مہابت خان کے طرز عمل سے جیسا کہ خوشحال خان کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے اس پر ظاہر نہ ہو گیا کہ اب مغل اسے آرام سے بیٹھنے بلکہ زندہ رہنے نہیں دیتے۔ آخر مجبور ہو کر اس نے بھی مغلوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا اور ایک طرف حسین بیگ خان اور دوسری طرف ایمل خان کی لگائی ہوئی آگ کو وہ ہوا دی کہ وہ خوب بھڑکی۔ اس زور سے بھڑکی کہ خیبر اور گنداب میں اس کے اٹھتے ہوئے شعلے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کو دہلی میں نظر آنے لگے۔

خوشحال خان مغلوں کی ملازمت اور ان کی خدمت گزاری سے لے کر ان کے خلاف اعلان جنگ تک کے حالات کو سوات نامہ میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

دمغل دپاره ما وهلے توري	میں مغلوں کے لیے تلوار چلاتا رہتا تھا
پښتنو به راته کړې ډيري بنکنځلې	اور افغان مجھے گالیاں دیا کرتے تھے۔

کہ ورک زي کہ بنګښ او کہ یوسف دي — اورک زئی، بنگش اور یوسف زئی

دیو همه د ما د تیغ په تاسف دي — سب میری تلوار کے ضرب خوردہ ہیں۔

پښتانه مې په زرګونو دي وژلي — ہزاروں افغان میں نے موت کے گھاٹ اتارے ہیں

په سرونو یې خره غوابه وو یشلي — جن کے سروں کو گاؤخر روندتے پھرتے ہیں۔

لا تر اوسه د سرونو یې انبار دے — اب تک ان کے سروں کے انبار

په اټک په پېښور کښې یې منار دے — اور اٹک اور پشاور میں ان کے کلہ منار موجود ہیں۔

په دوران د اورنګزیب بادشاه په بند شوم — اورنگزیب بادشاہ کے عہد میں مجھے قید کیا گیا

بې تقصیره بې ګناهه دردمند شوم — اور بے قصور و گناہ مجھے دکھ پہنچایا گیا۔

درې څلور کاله په بند د اورنګزیب شوم — میں تین چار سال اورنگزیب کی قید میں رہا

خدای چې خلاص کړم انتقام په شکیب شوم — جب خدا نے چھٹکارا دیا تو انتقام کیلئے بے قرار ہوا۔

د مغلو زیست روزګار رابندي اور وه — مغلوں کے ساتھ رہنا سہنا میرے لیے آگ تھا

په صحبت یې د ما رنګ لکه تور سکور وه — اور ان کی صحبت میں میرا رنگ کوئلے کی طرح کالا ہو گیا

راپه غاړه د مغل منصب په زور وه — مغل کا منصب میرے گلے کا ہار تھا

نه په وای چې منصب نه وه سم اور وه — منصب نہیں تھا بھڑکتی آگ تھی

ناګهانه په دا ملک فساد پیدا شو — اچانک اس ملک میں شورش برپا ہوئی

د ما هم د تلافي کار په یاد شو — اور مجھے بھی ظلم کی تلافی کی سوجھی

د فساد که یو بخرے وه ما اور کړو — اگر شورش ایک چنگاری تھی تو میں نے اسے آگ کر دیا

اور مې پورې د اورنګ بادشاه په کور کړو — اور یہ آگ میں نے اورنگزیب بادشاہ کے محل کو لگا دی

دریا خان مې د خیچې ګوتې څلے دے — دریا خان میری چھوٹی انگلی کا چھلا ہے (۱)

ایمل خان مې د پګړي شملګے دے — اور ایمل خان میرا طرہ دستار ہے۔ (۲)

اب خوشحال خان کی تلوار اور قلم آگ برسا رہے تھے۔ اور اس کی موت تک اسی طرح مصروف کار رہے۔ ایک مغلوں کو موت کا پیغام دیتی اور دوسرا افغانوں کو مژدہ حیات دیتا رہا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں خوشحال خان نے اپنے عزم آہنیں اور دم آتشیں سے افغانوں کو خودی اور زندگی کا درس دیا۔ یہی وہ دور تھا جس میں اس کی تلوار کی جھنکار اور نغمات آتش بار کی اٹھی ہوئی گونج اب تک روہ کے کہساروں اور میدانوں میں سنائی دے رہی ہے۔ اسے بڑھاپے نے آ لیا تھا۔ مگر

حواشی

۱۔ یعنی مجھے بہت عزیز ہے۔

۲۔ باعث فخر و مباہات ہے۔

ضمیمہ (۱)

۱۔ تاریخ پشاور اور پشاور ڈسٹرکٹ گیزیٹیر ۱۹۳۱ء کی بعض غلطیاں بمع تنقید بر متعلقہ بیانات الفنسٹن و میجر راورٹی۔

(ا) تاریخ پشاور میں جہاں خوشحال خان کا شجرہ نسب دیا ہے اور اس کا اور اس کے خاندان کا حال ''ریاست خاندان خٹک شاخ اکوڑہ'' (ص ص ۳۷۷۔۳۷۹) کے تحت بیان ہوا ہے وہاں وہی غلط بیانیاں کی گئی ہیں جو حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان میں پائی جاتی ہیں اور جن پر صفحات گزشتہ میں تنقید کی گئی ہے۔

(ب) اسی طرح خوشحال خان کے بعض معاصروں (جن کا ذکر قبل ازیں اس کتاب میں ہوا ہے) کے متعلق بھی تاریخ پشاور کے بیانات صحیح نہیں۔ قوم محب خیل (اربابان مہمند ضلع پشاور) کا شجرہ حسب ذیل دیا ہے:

۔۔۔۔عبداللہ خان، محب اللہ خان، عبدالحق خان پسران محمدؐ خان پسر مستجاب خان پسر آزاد خان پسر محبت خان اور لکھا ہے کہ محمدؐ خان اور اس کے مورثان کا عہدہ ملکی تھا۔ پہلے شاہجہان بادشاہ نے عہدہ اربابی عبداللہ خان و محب اللہ خان کو بحصہ مساوی دیا (ص ص ۶۳۵ و ۶۳۶) اس شجرہ کی رو سے مستجاب خان (جسے خوشحال خان اور رالشیر داس ناگر کے بیانات کے بموجب ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۲ء) میں مغلوں نے قتل کیا تھا) کے پوتوں عبداللہ خان اور محب اللہ خان کو شہنشاہ شاہجہان نے عہدہ اربابی دیا تھا۔ حالانکہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ خود ارباب مستجاب خان پندرھویں جلوس عالمگیری ۱۰۸۲۔۸۳ھ میں زندہ تھا۔ اور ترکیب بند ذوالقافیتین میں (جو ۱۰۷۵۔۱۰۷۶ھ میں کسی وقت تصنیف ہوا) خوشحال خان اسے ملک، خان اور غوریہ خیلوں کا ارباب کہتا ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ محب خیل اربابوں کو کس محبت یا محب خان یا محب اللہ خان کی نسبت سے محب خیل کہا جاتا ہے۔ مگر یہ شخص بہرکیف مستجاب خان سے پہلے گزرا ہے۔ کیونکہ خوشحال خان ترکیب بند ذوالقافیتین میں محب خیلوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور جیسا کہ آپ کتاب ہذا میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب اسے بحالت اسیری ہندوستان لے جایا جا رہا تھا۔ تو اس پر محب خیلوں کا پہرہ تھا۔

(ج) قوم مہمند خیل (اربابان خلیل ضلع پشاور) کا شجرہ نسب حسب ذیل بیان ہوا ہے:

۔۔۔۔ محمد اصل خان پسر خدایار خان پسر دلروز خان پسر اللہ یار خان پسر نسو خان

اور لکھا ہے کہ شاہجہان بادشاہ نے محمد اصل خان کو عہدہ ارباب عطا کیا تھا۔

خوشحال خان کی تصانیف سے یہ پتہ تو نہیں چلتا کہ خدایار خان کا عہدہ کیا تھا۔ مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد عالمگیری میں خدایار خان خود زندہ تھا۔ اور اس کو حکومت کے ہاں اثر و رسوخ حاصل تھا۔ چنانچہ خوشحال خان پر اس کی گرفتاری کے بعد الو کے، رزڑ کے قتل کے الزام لگانے کی سازش میں وہ بھی شریک تھا۔ نیز اشرف خان کو جگرام۔ کے علاوہ اس نے بھی کابل جانے کے لئے آمادہ کیا تھا۔

(۲) پشاور ڈسٹرکٹ گیزیٹیر میں لکھا ہے کہ خوشحال خان خٹک سردار ایک محب وطن جنگجو شاعر تھا۔ جس نے مغلوں کے خلاف اپنے ہم وطنوں کو ابھارنے کے لئے بعض بلند پایہ نظمیں کہیں۔ اس نے مغلوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں خٹکوں کی کامیاب قیادت کی اور ایک بار تو اکوڑہ کی پہاڑیوں کے بالمقابل مغلوں کو شکست فاش دی۔ جس موقع پر اس کے یوسف زئی حلیف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اور جن کی مذمت اس نے اپنی ایک نظم میں کی ہے۔ آخر ایک موقع پر مغلوں نے اسے گرفتار کرلیا۔ اور وہ تین سال تک گوالیار کے قید خانہ میں رہا۔ جہاں سے اسے بعض بادشاہی قیدیوں کے ساتھ مبادلہ میں رہا کیا گیا۔ وہ اکوڑہ آیا اور اپنے قبیلہ کے ساتھ مغلوں کے ساتھ گوریلا لڑائیاں شروع کیں۔ جن کے لئے وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ (ص ص ۴۶۔۴۷)

اکوڑہ کی پہاڑیوں کے بالمقابل خوشحال خان اور مغلوں کی لڑائی اور اس میں یوسف زئیوں کا بھاگنا۔ ان لڑائیوں کے بعد خوشحال خان کا گرفتار اور قید ہونا۔ اور اس کا قید گوالیار میں گزارنا اور بادشاہی قیدیوں کے ساتھ مبادلہ میں رہا ہونا۔ واقعات اور حقائق کے خلاف بیانات ہیں۔ اس قسم کی بعض غلط بیانیاں الفنسٹن نے بھی کی ہیں۔ جیسے خوشحال خان کا مغلوں کے ساتھ جنگ وجدال شروع کرنے کے بعد قید ہونا اور تین سالہ قید کا گوالیار کے پہاڑی قلعہ میں گزارنا (کابل جلد ۱ ص ص ۲۲۵، ۲۱۶) ممکن ہے مولف پشاور ڈسٹرکٹ گیزیٹیر ۱۹۳۱ء نے یہ باتیں الفنسٹن کی محولہ بالا کتاب سے اخذ کی ہوں۔ نیز گوالیار میں قید گزارنے کی غلط بیانی میجر راورٹی جیسے ماہر افغانیات نے بھی کی ہے۔ میجر راورٹی نے خوشحال خان کی قید کا عرصہ سات سال بیان کیا ہے۔ مگر جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کل عرصہ قید و نظر بندی کا قریباً پانچ سال ہوتا ہے۔ میجر راورٹی کی تمام متعلقہ تالیفات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوگا کہ مبینہ عرصہ سات سال میں نظر

بندی کا عرصہ بھی شمار کیا گیا ہے۔ (مقدمہ گرامر۔ الیس۔ پی۔ اے اور این۔ اے)۔

ضمیمہ (۲)

بعض حالات افغانان ہند معاصرین واحباب خان علیین مکان از کتاب یادگار سلف یعنی تاریخ بارہ بستی افغانان (یو۔ پی) مولفہ محمد عبید اللہ خان صاحب۔

(الف) دریا خان روہیلہ (والد بہادر خان و دلیر خان) داؤد زئی، باقرزئی کا اصل وطن موضع بربر تھا۔ (فاضل مولف نے بربر کو پشاور سے جانب جنوب لکھا ہے لیکن درحقیقت بربر واقع تپہ داؤد زئی کی تحصیل وضلع پشاور۔ پشاور سے جانب شمال قدرے غرباً ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) باپ کا نام ابراہیم خان تھا۔ پہلے پہل گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں ہندوستان گیا۔ اور وہاں شیخ رکن الدین المخاطب بہ شیر خان داؤد زئی بازید خیل منصب دار عہد جہانگیری (جس کا آبائی وطن موضع گیدڑ تپہ داؤد زئی تحصیل وضلع پشاور تھا۔ جو بربر سے قریباً چھ میل جانب شمال مشرق دریائے شاہ عالم کے شمالی کنارے پر واقع ہے) کی لڑکی سے شادی کی۔ وطن آیا مگر شیر خان کی وفات کے بعد ہندوستان میں مقیم ہوا۔

(ب) عمدۃ الملک نواب بہادر خان کا اصل نام مرادل خان لکھا ہے۔ سال پیدائش ۱۰۱۵ھ بیان ہوا ہے۔

(ج) میں نے بہادر خان کے بڑے بیٹے کے نام پر حاشیہ لکھا ہے۔ کتاب یادگار سلف میں بہادر خان کے دس (عمل صالح میں سات) بیٹے لکھے ہیں۔ ان بیٹوں کے نام یادگار سلف میں دلاور خان، غیرت خان، دلیر ہمت خان، رنست خان، مظفر خان، حسن خان، اختیار خان، فتح خان، بختیار خان اور عزیز خان دیئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دلاور اور دلیر ہمت (یا دلیر) دو بھائیوں کے نام ہیں۔

(د) شیخ ظریف جمعدار بہادر خان جس کا ذکر آپ مہم کانگڑہ کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں کے متعلق یادگار سلف سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ظریف ولد الو خان داؤد زئی بازید خیل گرورہ ضلع بلند شہر (یو۔ پی) کا باشندہ تھا۔ یادگار سلف کی رو سے (بر بنائے ایک خاندانی روایت) الو خان مہم ہذا میں شریک ہو کر شہید ہوا تھا۔ شیخ ظریف کا اس میں شامل ہونا مذکور نہیں خواہ الو خان اس مہم میں شامل ہوا ہو یا نہ خان علیین مکان کی شہادت کے

پیش نظر شیخ ظریف کا اس میں شامل ہونا یقینی ہے۔ (ص ص ۶۱۔۶۳ و ۱۱۶ و ۱۲۸۔۱۳۰ و ۱۵۱۔۱۵۳ و ۲۸۰)

ضمیمہ (۳)

منصب شہباز خان و خان علیین مکان

بادشاہنامہ اور عمل صالح میں شہباز خان نام کے دو منصب داروں کے نام دیئے ہیں۔ ایک شہباز خان جس کا نام بادشاہنامہ اور عمل صالح دونوں میں آتا ہے سہ ہزاری تھا۔ یہ شخص شیر خان المخاطب بہ شہباز خان روہیلہ تھا جو ہندوستانی افغان تھا۔ دوسرا شہباز افغان پانصدی منصب دار تھا۔ چونکہ اس کا نام بادشاہنامہ میں نہ تو دور اول اور نہ ہی دور دوئم میں آتا ہے اس لئے (اگرچہ عمل صالح میں نام بلحاظ ادوار نہیں دیئے) ہم نہایت قوی قیاس کر سکتے ہے کہ یہ دور سوئم کا منصب دار ہے اور دور سوئم میں شہباز خان خٹک زندہ نہ تھا۔ لہٰذا یہ شخص بھی کوئی اور شہباز خان ہے۔ بادشاہنامہ اور عمل صالح میں بادشاہزادوں کے بعد ۹ ہزاری سے پانصدی تک منصب داروں کے نام ہیں۔ ان میں نہ تو شہباز خان خٹک اور نہ ہی خوشحال خان خٹک کا نام ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کا منصب پانصدی سے کم تھا۔ منصب داروں کی فہرست سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اٹک کے اس پار رہنے والوں کو بڑے بڑے سرکاری عہدے نہیں دیئے جاتے تھے۔

خوشحال خان کی شاعری میں اس قدر جامعیت اور تنوع ہے۔ اتنے مختلف موضوعات، اسالیب بیان اور اصنافِ سخن ہیں کہ صرف ایک قادر الکلام ادیب ہی ان کے مختلف پہلوؤں کا صحیح جائزہ لے سکتا ہے اس کے حسن اظہار، رور بیاں علوِ تخیل، رنگینیوں اور باریکیوں سے وہی شخص لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جو خود باریک بین اور صاحبِ ذوقِ علیم ہو۔ خوشحال خان پشتو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے وہ خیال اور تصور کے عالم بالا سے حقیقی دنیا میں نیچے اتر آتا ہے۔ اس کے تلخ حقائق کا مزہ چکھتا ہے۔ اور اپنے تاثرات سیدھے سادے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ وہ تن آسان اور شکست خوردہ لوگوں کی طرح فرار اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ نامساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ اس لیے اس کی شاعری میں جان ہے، جوش اور ولولہ ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک حیات افروز پیغام ہے۔ شاید یہی پیغام ہے جو اس ضخیم اور قابل قدر کتاب کی تصنیف کا باعث بنا۔